ماہنامہ
قومی ڈائجسٹ
لاہور

بین الاقوامی شہرت یافتہ مصنف
سٹینلے والپرٹ کی معرکہ آرا تصنیف

قیمت ۲۵ روپے
۱۲ ریال

گیارہواں باب --- لندن، لکھنؤ --- (۱۹۳۴-۳۷)

بارہواں باب --- لاہور کی طرف --- ۱۹۳۸-۴۰

تیرھواں باب

چودھواں باب ۱۹۴۲-۴۳

پندرھواں باب - کراچی اور بمبئی میں دوبارہ آمد (۱۹۴۳-۴۴)

سولہواں باب --- شملہ ۱۹۴۴-۴۵ء

سترھواں باب - کوئٹہ اور پشاور ۱۹۴۵-۴۶

قائد کی یاد

ہم قائدِ اعظم ؒ محمد علی جناح کی ۴۳ ویں برسی اس عالم میں منا رہے ہیں کہ پاکستانی سیاست دولت کی نذر ہو چکی ہے۔ اہلِ اقتدار اور اہلِ اختیار نے پیسے کو خدا بنالیا ہے' لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے' جو جس کے ہاتھ میں آتا ہے' اٹھا کر جیب میں ڈال لیتا ہے۔ نہ کوئی کسی کو پوچھنے والا ہے' نہ جواب طلب کرنے والا اور جواب دینے کی زحمت گوارا کرنے پر بھی کوئی تیار نہیں ہے۔ قانون بے دَم ہے' قاعدے اور ضابطے بے جان ہیں۔ یہ صرف بے سہاروں اور بے نواؤں کے لئے ہے۔ جن کے پاس دولت یا سیاست کی طاقت ہے' قانون ان کا پالتو جانور ہے' وہ جب اشارہ کریں' یہ دُم ہلانے لگتا ہے' اور جب پچکاریں تو ان کے جُوتے پر ماتھا رگڑنے لگتا ہے۔

یہ اس مملکت کا حال ہے ' جسے اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا' اور بنانے والوں نے پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ کے نعرے لگائے تھے۔ اس مملکت کے بانی کے بارے میں دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ لالچ اور حرص سے بے نیاز' قانون اور ضابطے کے سخت پیرو کار تھے۔ انہوں نے جو بھی کمایا' جائز ذرائع سے کمایا' اور اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ قومی اداروں کے لئے وقف کر دیا۔۔۔ کسی

چھوٹے سے چھوٹے ضابطے کی خلاف ورزی کا تصوّر تک نہ کیا--- قانون کو طاقت سمجھا' طاقت کو قانون بنانے کے سختی سے خلاف رہے۔

قائد کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اسلامیانِ برِّصغیر ان کے ایک اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ ان کے انگریزی الفاظ کو سمجھے بغیر بھی کمال محویت کے ساتھ سُنتے تھے۔ ان کی ایک انگلی اٹھتی تھی' تو لوگ دونوں ہاتھ اٹھا کر نثار ہونے کا اعلان کر دیتے تھے--- قائد چاہتے تو اپنے آپ کو پاکستان کا بادشاہ بنا لیتے' اپنے خاندان کے لئے حکومت میں دائمی حصہ طلب کر لیتے' لیکن انہوں نے حکومت' عوام کے سپرد کی' اور زور دے کر کہا کہ ان کے نمائندے ہی امورِ مملکت چلانے کے اہل ہیں۔ اپنی بہن کو مسلم لیگ کا صدر بنانے کی کوشش کو سختی سے رَدّ کر دیا--- لیکن اب جس بلا سے ہمارا پالا پڑ چکا ہے' وہ "خاندانی جمہوریت" ہے-- ہر لیڈر کا بیٹا یا بیٹی وراثت میں لیڈری بھی حاصل کر سکتا ہے' اور پھر قوم سے وہ سلوک کرنے لگ جاتا ہے' جو آٹھ سال کا دلہا اٹھائیس سال کی دلہن سے کر سکتا ہے۔

اب' جب کہ ہم قائد کی برسی منا رہے ہیں' ان کی یاد تازہ کر رہے ہیں تو ان کی زندگی کے نقوش کو بھی یاد کرنا چاہئے--- اس بار کا شمارہ ہم نے' قائد کی زندگی پر چھپنے والی ایک بے حد اہم کتاب کے لئے وقف کر دیا ہے--- اگر آنے والے صفحات پڑھ کر کسی دل میں بھی "احساسِ زیاں" پیدا ہو جائے' اپنے ماحول کے خلاف لڑنے کا جذبہ توانا ہو جائے' اور دولت مندوں کی لونڈی بن جانے والی سیاست کی بساط الٹنے کا ولولہ تازہ پیدا ہو جائے' تو ہم سمجھیں گے کہ محنت اکارت نہیں گئی--- قائد کی یاد کا حق کچھ تو ادا ہُوا۔

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف لکھنے والوں نے قلم اٹھایا ہے۔ کئی قابلِ قدر کتابیں ان کی جدوجہد کی تفصیل بیان کرتی ہیں۔ لیکن اس بات سے بہت کم لوگوں کو اختلاف ہے کہ سٹینلے واپرٹ نے "جناح آف پاکستان" کے نام سے ایک ایسی مبسوط اور مکمل سوانح حیات لکھ دی ہے' کہ اہلِ دل اور اہلِ دماغ دونوں عش عش کر اٹھے ہیں۔۔

سٹینلے واپرٹ جنوبی ایشیا کے امور کا ماہر ہے' اور لاس اینجلس میں کیلیے فورنیا یونیورسٹی میں تاریخ کا استاد۔ اُس نے برّ ِصغیر کی سیاست پر کئی کتابیں لکھی ہیں' جن میں "ہندوستان کی نئی تاریخ"۔ "جنوبی ایشیا میں تصادم کی جڑیں" -- "مورلے اور ہندوستان"۔ اور "رام تلک اور گوکھلے کے لئے نوگھنٹے" شامل ہیں۔ سٹینلے واپرٹ کا مطالعہ پھیلا ہوا' اور مشاہدہ گہرا ہے۔ برّ ِصغیر کی سیاست پر اس کی نظر ایسی ہے کہ کئی غیر ملکی تو کیا' کئی بڑے بڑے ملکی مؤرّخ بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہرتے۔

"جناح آف پاکستان" کا مصنف واپرٹ برّ ِصغیر کی شخصیات کے تصادم اور سیاسی پارٹیوں کی حیثیت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اس سلسلے کے تمام مراحل کی تشریح کے بعد واضح کرتا ہے کہ گاندھی اور جناح کا شخصی ٹکراؤ کس طرح قومی بلکہ بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

محمد علی جناحؒ کی زیر کی اور سیاسی مہارت کو نہایت دلکش انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے مصنف' جناح کی بعض خصوصیات مثلاً اپنے نقطہ نظر کو کمال ذہانت سے پیش کرنے کی خصوصیت' ذاتی کاوش سے فریقِ مخالف کو پاکستان کے قیام کا قائل کرنے کی صلاحیت اور مسلم قوم کی صحیح راہنمائی کرنے پر' انہیں داد دی ہے۔ محمد علی جناحؒ کی زندگی کا آخری عشرہ تنہائی اور اَلم سے پُر تھا' واپرٹ اس کا بھی پوری طرح جائزہ لیتا ہے۔

یہ کتاب پوری دنیا میں تہلکہ مچا چکی ہے' اس کا اردو ترجمہ پہلی بار قومی ڈائجسٹ پیش کر رہا ہے۔ پاکستان کے ممتاز مترجم مجاہد لاہوری اس خوبصورت ترجمے کے لئے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

یکتا و منفرد شخصیت

روز آفرینش سے اب تک ان گنت شخصیات کتم عدم سے صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئیں' تاریخ کے صفحات پر اپنے کارناموں کے انمٹ نقوش ثبت کئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اگر ہم صرف زمانہ جدید کی تاریخ کا سرسری جائزہ لیں تو ہمیں ایسے اولوالعزم انسانوں کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن کے عظیم الشان کارناموں سے اقوام عالم کی یہ کہانی روشن و مزین ہے۔ تاہم ایسے افراد کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے واقعات عالم کا رخ موڑ دیا۔ پھر ایسی ہستیاں تو بہت ہی تھوڑی ہیں جنہوں نے اپنے عزم بالجزم سے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اگر ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایسے افراد کی جستجو کریں۔ جنہوں نے اپنی مضبوط قوت ارادی اور اٹل قوت فیصلہ کے بل پر ایک قومی ریاست قائم کر کے دنیا سے اپنی قیادت کا لوہا منوالیا تو ہمیں ایک اور صرف ایک نام ملتا ہے۔ یہ اعزاز فقط بانئ پاکستان محمد علی جناح کے حصہ میں آیا۔ جنہوں نے بیک وقت یہ تینوں کارنامے انجام دے کر تاریخ عالم میں منفرد و یکتا مقام حاصل کیا۔

"قائداعظم" کے محبوب لقب سے پکارے جانے والے اس عظیم سیاسی رہنما اور پاکستان کے اولین گورنر جنرل کو مسلمانان ہند کے لئے ایک جداگانہ قومی وطن قائم کرنے کی کوشش میں جو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں ان کی بے پناہ قوت ارادی اور ناقابل شکست عزم و استقلال کا بڑا دخل تھا۔ اگرچہ انہوں نے اپنا سیاسی کیریئر کانگریس کے کارکن کی حیثیت سے شروع کیا اور وہ پہلی عالمگیر جنگ کے اختتام تک ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی و سفیر بنے رہے' تاہم جب انہوں نے محسوس کرلیا کہ ہندو سیاستدان مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دینے پر آمادہ نہیں اور آزادی ملنے کی صورت میں وہ ہندوستان کے اقتدار پر بلا شرکت غیرے قبضہ جمانا چاہتے ہیں تو ان کی فراست و بصیرت نے انگریز کے اخراج ہند کے بعد ہندو کی غلامی کا جوا پہننے سے انکار کردیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم -- مسلم لیگ کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی۔ ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی قوم کو متحد و منظم کیا اور ایک قلیل سی مدت میں پاکستان حاصل کر کے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ دنیا کی تاریخ ہی نہیں جغرافیہ بھی بدل دیا۔ ہماری یہ کاوش مملکت خداداد پاکستان کے اس عظیم معمار اور دور جدید کی بے مثال و منفرد شخصیت کے دلچسپ' حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات زندگی کا ایک مرقع ہے۔

پہلا باب ــــ کراچی میں پیدائش اور عہد طفولیت

لنکنز ان میں تیزی سے داخل ہونے اور باہر نکلنے والے طلباء' وکلاء اور بینچرز (انز آف کورٹ کی مجلس منتظمہ کے اراکین) اس آئل پینٹنگ پر شاذ ہی نظر ڈالتے ہیں جو جولائی ۶۵ء سے ان کے گریٹ ہال اور لندن کی لائبریری کے دروازہ پر آویزاں ہے۔ وہ لوگ تصویر کو دیکھ کر حیرت سے کہہ سکتے ہیں "پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل ایم اے جناح کا دبلا پتلا اور غیر متبسم چہرہ ان کی طرف کیوں گھور رہا ہے؟ طویل قامت' نحیف و نزار جسم' چہرے پر یک چشمی عینک لگائے اور سر پر استرخانی ٹوپی پہنے اس پورٹریٹ کے نیچے لکھا ہے "پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء اور وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء"۔ جناح کی زندگی کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ درج نہیں۔ نامعلوم آرٹسٹ

نے ان کے دیانتدارانہ اور نہ جھکنے والے جذبہ کی عکاسی کے ساتھ ساتھ لباس کے بے عیب ذوق کو اجاگر کرنے پر بھی پوری توجہ دی ہے۔ اس کے باوجود مسٹر جناح کا چہرہ ایک معمہ کی مانند ہے۔ یہ سادہ وسپاٹ ہے۔ تصویر میں پوری طرح کھلی ہوئی آنکھیں ناظر کو بڑا متاثر کرتی ہیں۔ مضبوطی سے بند ہونٹ ناقابل تسخیر لگتے ہیں۔ اسے دیکھ کر آدمی یہ قیاس کرسکتا ہے کہ وہ بہت کم گو تھے' لیکن انہیں آسانی سے جھٹلانا یا شکست دینا ممکن نہ تھا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ ان کے اس پورٹریٹ کو برطانوی اصول قانون کی عظیم الشان درس گاہ کی مقدس دیوار پر ایسی باعزت جگہ کیوں دی گئی ہے؟

پتھر کی ان بوسیدہ سیڑھیوں کے آرپار جو ملکہ وکٹوریہ اور ان کے اس وفد کے ارکان کے پورٹریٹ کو اٹھائے ہوئے ہیں' جو اس موقع کی یاد دلاتا ہے جب ملکہ موصوفہ ۱۸۴۵ء میں گریٹ ہال اور لائبریری عوام کے لئے وقف کرنے آئی تھیں۔ ان دو انگریزوں کے پورٹریٹ ہیں جو بظاہر اس کے مستحق ہیں۔ ان میں سے ایک سر ہنری لول کا مجسمہ ہے جو خزانے کا بیرن (نواب کا خطاب یافتہ) عذرات عامہ کی عدالت کا جج' بنچر (انز آف کورٹ کی مجلس منتظمہ کا رکن) اور ان چار افسروں میں سے ایک تھا جو "لنکنز ان" کا نظم و نسق چلانے کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ دوسرا صاحب تصویر لارڈ آرتھر ہاب ہاؤس ۱۸۷۵ء میں وائسرائے ہند کی کابینہ میں وزیر قانون رہ چکا تھا۔ اسی سال وزیر اعظم بنجمن ڈزرائیلی نے ملکہ وکٹوریہ کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ "ملکہ ہند" کا خطاب بھی اختیار کرلیں۔ دوسری طرف سنگ مرمر کے دو نیم مجسموں نے مسٹر جناح کے پورٹریٹ کو یوں گھیر رکھا ہے جیسے گھڑ سوار محافظوں کا دستہ ان کی حفاظت پر مامور ہو۔ وہ پلک نہ جھپکنے والی آنکھ سے آگے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس ماحول میں وہ خوب جچتے ہیں۔ ان میں سے ایک مجسمہ لارڈ میک ناٹن کا ہے۔ جو لارڈ آف اپیل ان آرڈینیری ہونے کے علاوہ بنچر اور خزانچی بھی تھا۔ دوسرے مجسمہ نے سر فرانسس ہنری گولڈ سمتھ کو زندہ جاوید کردیا ہے۔ وہ پہلا جیورش بیرسٹر بنچر اور پارلیمنٹ کا ممبر تھا۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ قائداعظم لنکزان میں کسی منصب پر فائز نہیں رہے تھے' نہ وہ کبھی برطانوی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے نہ ہی انہیں برطانیہ کی کسی عدالت کا صدر نشین جج مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے کسی وائسرائے ہند کی کابینہ میں بھی کام نہیں کیا تھا۔

سب سے بڑا وکیل

بایں ہمہ ایک قانون دان کی حیثیت سے قائداعظم کی بے نظیر کامیابیوں کی تاریخ ایک لاینحل معمہ بن گئی تھی۔ شاید وہ ہندوستان پر انگریزی راج کی پوری مدت کے سب سے بڑے "مقامی" ایڈووکیٹ تھے۔ اس لئے یہ پورٹریٹ بجا طور پر اس رفیع المرتبت جگہ کا مستحق ہے' جو اسے دی گئی ہے۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے آخری عشرہ میں برٹش ایمپائر کے ذہین ترین قانون دان تھے' وہ یقیناً آہنی عزم کے مالک تھے۔ انہیں برطانیہ میں جنم لینے والے اسی قدر وکیلوں سے ٹکر لینی پڑی' جس قدر ہندوستانی بیرسٹروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے پاکستان کے لئے تنہا ذہن سے سوچے ہوئے دلائل کے بل پر سب کو شکست دی۔ ان کی ساری زندگی ایک اور صرف ایک مقصد کے حصول میں گزر گئی۔ آفرین ہے ان کی زبردست قوت استدلال پر کہ اپنا مقدمہ

جیت کر انہوں نے جنوبی ایشیا کا نقشہ اور تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔

اسلاف کی ہند میں آمد

جناح عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی پرندہ کا "پر یا فوج کا بازو" کے ہیں۔ یہی لفظ بگڑ کر گجراتی زبان میں "جینا" بن گیا۔ جس سے پتلا شخص مراد لیا جاتا ہے۔ قائداعظم اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے بجا طور پر اس لقب کے مستحق تھے۔ چنانچہ محمد علی کے ساتھ جناح کا لفظ اب ان کے نام کا جزو لاینفک بلکہ شناخت بن گیا ہے اور اکثر و بیشتر اہل قلم ان کے اصل نام پر اس خاندانی لقب کو ترجیح دیتے ہیں۔ مسٹر جناح ایک شیعہ مسلمان خوجہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ خوجے اسماعیلی کہلاتے ہیں اور آغا خان کے پیرو ہیں۔ ان کے آباؤاجداد دسویں سے سولہویں صدی عیسوی کے درمیان کے پر آشوب حالات سے گھبرا کر ہندوستان کے مغربی علاقوں اور دیگر خطوں میں پہنچے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ قائداعظم کے اسلاف نے کس زمانے میں ایران سے ترک سکونت کر کے ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا؟ اس کی قطعی تاریخ معلوم نہیں۔ تاہم اسلامی فرقوں میں ایک چھوٹا سا فرقہ اور خود ہندوستان میں معمولی مذہبی اقلیت ہونے کے باوجود جنوبی ایشیا کے خوجوں نے اپنا جداگانہ تشخص اور ثقافتی شناخت برقرار رکھی۔ شاید یہی چیز مسٹر جناح کی "کم آمیزی" اور لاتعلقی کا موجب بنی۔ جس کا ان کے کردار کے حوالے سے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ دنیا کی دیگر تجارت پیشہ اقوام کی طرح خوجے سیر و سفر کے عادی' نئے افکار و نظریات سے جلد مانوس ہو جانے والے اور اجنبی ماحول میں بڑی آسانی سے رچ بس جانے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے لسانی مہارت اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت کو خوب ترقی دی ہے۔ جس کی بدولت خوب سرمایہ کماتے اور قابل رشک زندگی گزارتے ہیں۔ مہاتما گاندھی کا بنیا خاندان' جو خوجوں سے گہری مماثلت رکھتا تھا' قائداعظم کے والدین کی جائے سکونت سے محض تیس میل کے فاصلے پر شمال کی طرف ریاست راجکوٹ میں رہتا تھا۔ گویا پاکستان اور بھارت۔ دونوں کے بابائے قوم ایک ہی مادری زبان گجراتی بولتے تھے۔ اگرچہ اس زبان نے ان کے ذہین اور زیرک اخلاف کو قریب لانے میں کوئی مدد نہیں کی۔

والدین

قائداعظم کے والد جناح پونجا (تاریخ پیدائش ۱۸۵۰ء) نے جو تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے' اپنی ہی برادری کی ایک خوبصورت دوشیزہ "مٹھی بائی" کے ساتھ شادی کی تھی۔ وہ جوانی کے دنوں میں سندھ کی تیزی سے پھیلتی ہوئی بندرگاہ کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کی تکمیل کے بعد کراچی نے برطانیہ سے ہندوستان کی قریب ترین جدید بندرگاہ کے طور پر خوب ترقی پائی۔ ساؤتھمپٹن سے اس کا فاصلہ صرف ۵۹۱۸ بحری کوس تھا جو بمبئی سے نسبتاً دو سو میل کم بنتا تھا۔ ان دنوں اس کی آبادی پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جو آج کی اسی' نوے لاکھ آبادی کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی۔ بہرحال جناح بھائی پونجا اور مٹھی بائی جیسے من چلے نوجوان اس شہر کے تجارتی مرکز میں جو لیاری ندی کے دونوں طرف دور تک پھیلا ہوا تھا' گروہ در گروہ آ کر بسنے لگے۔ جناح بھائی نے تین منزلہ وزیر مینشن (جسے دوبارہ تعمیر کر کے قومی یادگار اور عجائب گھر کی حیثیت دے دی گئی ہے)

کی دوسری منزل پر ایک کمرہ کرایہ پر لیا- یہ مینشن نیو نہم روڈ کی کاٹن مارکیٹ میں واقع ہے' جہاں اب بھی کپاس کی گانٹھوں سے لدے ہوئے اونٹوں کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی-

اصل تاریخ پیدائش

محمد علی جناح نے اسی مکان میں ۱۸۷۰ء کی دہائی کے دوران کسی وقت مٹھی بائی کے بطن سے جنم لیا- وہ اپنے سات بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے- ۱۸۷۹ء سے قبل کراچی میونسپلٹی کی طرف سے پیدائش و اموات کے سرٹیفکیٹ جاری نہیں کئے جاتے تھے- اگرچہ قائداعظم نے ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۵ء کے اپنے صحیح تاریخ پیدائش ہونے پر اصرار کیا ہے اور اسی تاریخ کو سرکاری طور پر ان کا یوم پیدائش منایا جاتا ہے- تاہم اس کے درست ہونے میں شک کی گنجائش موجود ہے- دولت و حیثیت میں ہندوؤں کے ہم پلہ مسلمانوں میں تاریخ پیدائش کو عام طور سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی- ہندو علم نجوم کے تقاضوں کے تحت بچہ کی پیدائش کا دن ہی نہیں وقت بھی نوٹ کرنے میں بڑے محتاط تھے- مسلمان بچوں کے والدین سکول میں داخلہ سے پیشتر ان کی تاریخ پیدائش کا ریکارڈ نہیں رکھتے تھے- چنانچہ ایسے سکول کے محفوظ کردہ ریکارڈ میں' جہاں مسٹر جناح کو پہلی بار داخل کرایا گیا' ان کی تاریخ پیدائش ۲۰ر اکتوبر ۱۸۷۵ء درج ہے-

پیدائش کے وقت وہ بہت چھوٹے اور کمزور تھے- ان کی وفاشعار و جاں نثار بہن فاطمہ جناح کا بیان ہے: ان کی کمزوری نے ہمیں پریشان کردیا کیونکہ ان کا وزن نارمل بچوں کے وزن سے کئی پونڈ کم تھا- ان کی عمر تقریباً ۶ برس تھی جب ان کی تعلیم کے لئے ایک پرائیویٹ ٹیوٹر کی خدمات حاصل کی گئیں- تاکہ انہیں قاعدہ پڑھنا اور گنتی لکھنا سکھایا جائے- لیکن بچے نے پڑھائی کی طرف سے عدم دلچسپی اور حساب سے تو انہیں حقیقتاً "نفرت" کا اظہار کیا- وہ ٹیوٹر کے آنے سے پہلے ہی گھر سے نکل جاتا تھا- گھر پر نجی ٹیوٹر کا پڑھانا ظاہر کرتا ہے کہ ان دنوں جناح پونجا کا کاروبار خاصی ترقی پر تھا' بمبئی سے آمد کے بعد دس ہی برسوں میں ان کی تجارت کی سالانہ مالیت دگنی ہوکر ۸۰ ملین روپے تک پہنچ گئی تھی- وہ ہر قسم کی پیداواری جنس بشمول روئی' اون' کھالیں' تیل کے بیج اور غلہ خرید کر برآمد کرتے تھے- جبکہ درآمدی اشیاء میں مانچسٹر کا بنا ہوا کپڑا' دھات کا سامان اور چینی منگاتے تھے- ان کے کاروبار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ اپنے گاہکوں کے لئے "بنکار" اور ادھار دینے والے "ساہوکار" بن گئے-

بمبئی کا پہلا سفر

اوائل ۱۸۸۷ء میں جناح پونجا کی اکلوتی بہن "من بائی" جن کے شوہر پیر بھائی بمبئی میں کامیاب تاجر تھے' اپنے بھائی سے ملنے کراچی آئیں- چھوٹے جناح کو اپنی پھوپھی کی ظرافت' زندہ دلی و خوش مزاجی بہت پسند آئی اور وہ جلد ہی ان سے مانوس ہوگیا- دوسری طرف انہیں بھی اپنے ہوشیار خوبصورت اور ہونہار بھتیجے سے محبت ہوگئی- فاطمہ جناح کا کہنا ہے کہ وہ ہمیں ہر رات جنوں' بھوتوں کے اڑنے والے قالینوں اور پریوں کی عجیب و

غریب کہانیاں سناتی تھیں۔ وہ ننھے جناح کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ بمبئی لے گئیں اور اسے اس عظیم شہر سے روشناس کرایا۔ بعد ازاں ان کی نوجوانی کا زیادہ عرصہ ہندوستان کے اسی خوبصورت شہر میں بسر ہوا۔ صوبائی سطح کا شہر بن جانے کے باوجود کراچی اس کے مقابلے میں ایک چھوٹا سا قصبہ بلکہ "گاؤں" لگتا تھا۔

ابتدائی تعلیم

بمبئی میں ان کی پہلی بار آمد' قیام اور تعلیم و تربیت کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ ریکارڈ سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ پھوپھی کے پاس قیام کے دوران انہیں سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ آیا یہ مسلم انجمن اسلامیہ کا مدرسہ تھا یا گوکل داس تیج پرائمری سکول' مطلوب حسین سید کے بقول اس کی یقینی صراحت نہیں ملتی۔ شائد انہوں نے ان دونوں سکولوں میں تعلیم پائی۔ پہلے اول الذکر میں داخلہ لیا اور اسے چھوڑ کر آخر الذکر میں آ گئے۔

ایسی پڑھائی کے لئے ننھے جناح میں صبر کا مادہ زیادہ نہیں تھا۔ اسے گھر بیٹھ کر چیزوں کے نام رٹنے کا کوئی شوق نہ تھا۔ یہ تصور کرنا مشکل نہیں کہ ایک مخصوص طرز کے پرائمری سکول کے کمرہ جماعت میں پرجوش ذہن کس طرح بغاوت کرتا ہوگا۔ خصوصاً بمبئی میں جو ہندوستان کی سب سے خوبصورت بندرگاہ تھی۔ جس کے حسن کو سفید چمکیلے ریت کے ساحلوں اور ان کے اوپر لہلہاتے کھجور کے درختوں نے چار چاند لگا دیئے ہیں خلیج جب سے عموماً ساکن اور چمکدار پانیوں میں جابجا کماد کی فصل سے شاداب جزیرے [illegible]
مثال کے طور پر کرافورڈ مارکیٹ میں انگریز مرد اپنی بیگمات کے ساتھ دنیا بھر سے آئی ہوئی قیمتی اشیاء کے درمیان گشت کرتے نظر آتے۔ کمسن جناح میدان اور اووں' ہائی کورٹ اور یونیورسٹی کے اردگرد وکٹوریہ عہد کی بنی ہوئی عظیم الشان عمارتوں اور ان سب چیزوں کو یقیناً حیرت سے دیکھتا ہوگا جو انگریزی راج کے دوران صنعتی ترقی کے نتیجہ میں ہندوستان کو حاصل ہوئیں۔ الفنسٹن سرکل' ٹاؤن ہال' امپیریل بنک' چیمبر آف کامرس کی سیر کے لئے اس کی پھوپھی اسے بار بار لے جاتی ہوگی۔ اگر بمبئی جانے سے پہلے وہ ایک عشرہ مزید کراچی میں رہتا تو عین ممکن تھا اسے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تجارتی دنیا سے دل لگانے پر آمادہ کر لیا جاتا اور وہ "جناح پونجا اینڈ کمپنی لمیٹڈ" کے ترقی پذیر کاروبار کا وارث بننے پر قناعت کر لیتا۔ لیکن بمبئی کو دیکھنے کے بعد اسے بھلانا آسان نہ تھا۔ گو وہ صرف چھ مہینے بعد واپس کراچی آ گیا۔ تاہم اس کا سبب نئے ماحول سے اس کی اکتاہٹ تھی' ورنہ وہ بمبئی کی پرکشش فضا سے ہرگز منہ نہ موڑتا۔

فاطمہ جناح اپنی یادداشتوں میں' ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔ "اپنے پیارے بیٹے کے بغیر اس کی ماں انتہائی اداس اور غمزدہ رہتی تھی"۔ ۲۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو اسے سندھ مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ چند سال بعد اس کا نام طویل غیر حاضری کی بناء پر رجسٹر سے کاٹ دیا گیا۔ وہ ریاضی کی مشقیں کرنے کے بجائے اپنے باپ کے تجارتی عربی النسل گھوڑوں پر سواری سے دل بہلاتا تھا۔ وہ اور اس کا دوست کریم قاسم کلاس سے اکثر غائب رہتے تھے۔ قریب کے ریتیلے بنجر علاقوں میں گھوڑے دوڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا' جو انہیں سکول سے غائب ہو جانے پر اکساتا تھا۔ گھوڑوں' میناروں اور محرابوں سے اس بچہ کو قدرتی انس تھا۔ اس زمانے میں اس نے شاعری

بھی پڑھی، لیکن کسی استاد کے اسباقی منصوبہ کے تحت اور اس کی ہدایت کے مطابق نہیں، محض اپنی خواہش اور شوق سے۔ چھوٹی عمر میں بھی مسٹر جناح کسی کے رعب داب میں نہیں آتے تھے۔ انہیں کنٹرول کرنا آسان بات نہ تھی۔ پھر اس بچہ کو لارنس روڈ کے کرسچن مشن ہائی سکول میں جو گھر کے قریب تھا' داخل کرا دیا گیا۔ والدین کو توقع تھی کہ شاید یہاں اس کے بے تاب ذہن کے لئے زیادہ موافق ماحول میسر آجائے گا۔ لیکن اس سکول میں بھی اس کی پڑھائی کی مدت چند ماہ سے زیادہ نہیں رہی۔ البتہ اس سکول کا ایک اہم ورثہ یہ تھا کہ وہ ۲۵ر دسمبر (عیسائیوں کا سب سے بڑا تہوار) میں دلچسپی لینے اور اس پر غیر معمولی توجہ دینے لگا۔

۱۸۹۰ء میں جناح پونجا کی تجارت اتنے عروج پر پہنچ گئی کہ انہوں نے کئی "اصطبل" اور خوبصورت "بگھیاں" خرید لیں۔ ان کی فرم کا ایک معروف برطانوی ایجنسی "ڈگلس گراہم اینڈ کمپنی" کے ساتھ گہرا اشتراک تھا جس کا جنرل مینیجر سر فریڈرک کرافٹ تھا' اسے کمپنی کی جنرل مینیجری نوابی کے ساتھ وراثت میں ملی تھی۔ افسوس ہے کہ اس سلسلے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ کرافٹ اس وقت ۳۲ سال کا مجرو چھیل چھبیلا گبھرو تھا جس کے کوٹ کے کاج میں ہر صبح ہلکے گلابی رنگ کا پھول لگا ہوتا تھا۔ وہ ایک گوشہ نشین اور فلسفی مزاج شخص تھا۔ بچوں سے اسے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ تاہم وہ اپنے پڑوس میں آباد ننھے جناح سے پیار کرتا تھا۔ جناح نے بچپن سے ہی کسی پھول کے بجائے یک چشمی عینک کو پسند کیا جو اعلیٰ پایہ کے انگریزی نمونوں میں سے ایک نمونہ تھا اور غالباً جوزف چیمبرلین سے متاثر ہو کر اپنایا تھا۔ سر کرافٹ جناح کی صلاحیتوں کی بابت بڑی اچھی رائے رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے تجویز کیا کہ اس نوجوان کو لندن بھیج دیا جائے' جہاں اسے میرے دفتر میں کام سکھایا جائے گا۔ جناح پونجا نے اپنے دوست کی اس فیاضانہ پیشکش کو بخوشی قبول کرتے ہوئے اپنے لخت جگر کو لندن بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ روانگی کے وقت سر کرافٹ نے ایک سفارشی رقعہ دیا' جس نے مسٹر جناح کو گوشہ گمنامی سے نکال کر برطانیہ کی شاہی شہرت کے اس وسیع دائرہ میں پہنچا دیا' جس تک رسائی ہندوستان کے بہت کم نوجوانوں کو میسر تھی۔ بظاہر کراچی مسٹر جناح کے کیریر کی ابتداء کے لئے بمبئی سے کہیں بہتر ثابت ہوا کیونکہ وہاں جناح کی طرح (ہزاروں نہیں تو) سینکڑوں ذہین لڑکے موجود تھے۔ جن کے والدین چاہتے تھے کہ کرافٹ جیسے صاحب لوگوں سے سفارشی رقعہ حاصل کر کے ان کے بہتر مستقبل کو یقینی بنائیں' جبکہ کراچی میں صرف ایک ہی جناح تھا۔

پہلی شادی

جب ماں کو اپنے بیٹے کے نئے سفری منصوبہ کا پتہ چلا تو اس نے اس پروگرام کے خلاف بہت شور مچایا۔ وہ اسے پھوپھی کے ساتھ بمبئی بھیج کر ہی غمگین ہو گئی تھی' اب لندن کا نام سن کر اس کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اتنا لمبا سفر' وہ بھی تنہا اور پھر واپسی دو سال بعد اس کے لئے یہ سب کچھ خارج از مکان' ناممکن اور ناقابل برداشت تھا۔ شاید اس کے وجدان نے اسے بتا دیا تھا کہ نور نظر لندن چلا گیا تو دوبارہ صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوگی۔ وہ کئی ہفتے تک آنسو بہاتی' شور مچاتی اور ممتا کی دہائی دیتی رہی' جب کوئی شنوائی نہ ہوئی تو اس نے ایک شرط پر بیٹے کی ضد اور ہٹ دھرمی کے مقابلے میں ہار مان لی۔ وہ اپنے خوبصورت اور غیر شادی شدہ جوان بیٹے کو لندن بھیجنا خطرناک سمجھتی تھی۔ اسے یہ وہم تھا کہ کوئی انگریز لڑکی یا میم اسکے لخت جگر کو اپنے دام الفت کا اسیر بنا

لے گی جو جناح پونجا خاندان کے لئے بہت بڑا سانحہ ہو گا۔ اس لئے ولایت جانے سے پہلے اس کی شادی کر دی جائے تو میں اسے بخوشی جانے کی اجازت دے دوں گی۔ نوجوان نے پہلے تو ماں کی اس انوکھی شرط پر احتجاج کیا۔ لیکن جب اس نے محسوس کر لیا کہ یہ بات ماں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے تو سعادتمند بیٹے کی طرح سر تسلیم خم کر دیا۔ ماں نے پانیلی گاؤں کی خوجہ برادری میں چودہ سال کی ایک خوبرو لڑکی "ایمی بائی" کے والدین سے بات چیت کی اور معاملہ جلد ہی طے پا گیا۔ منگنی اور شادی کے جملہ امور والدین اور رشتہ کرانے والوں نے خود طے کئے۔ مسٹر جناح کے مشورہ یا رائے کو کوئی دخل حاصل نہ تھا۔ ایسا ہی چند سال پیشتر نوجوان گاندھی کے والدین نے کیا تھا۔ انیسویں صدی میں لڑکے اور لڑکیوں کی ۱۳ سے ۱۹ برس تک کی عمر میں شادی کر دینے کا عام رواج تھا اور دلہا دلہن سے اس معاملے میں شاذ ہی مشورہ کیا جاتا تھا۔

فاطمہ جناح کی روایت ہے: "مسٹر جناح اس وقت سولہ سال کے تھے۔ انہوں نے اپنی دلہن کو بالکل نہیں دیکھا تھا۔ سر سے پاؤں تک پھولوں کے ہاروں میں لدے ہوئے وہ اپنے دادا کے گھر سے بارات کا جلوس لے کر اپنی سسرال گئے تو عجیب سے لگ رہے تھے۔ وہاں ایک چودہ سالہ لڑکی قیمتی پوشاک پہنے دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کے چمکدار زیور دیکھنے میں بہت خوبصورت لگتے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی' چہرے پر سنہری پتیوں اور عطر کی خوشبو نے اسے واقعی حسین اور پرکشش بنا دیا تھا۔" جناح اپنی عمر اور نادیدہ دلہن کے بارے میں کیا محسوس کر رہے تھے؟ شاید ان کے پاس ایسی باتوں کے لئے وقت ہی نہ تھا۔ شادی کے صرف چند دن بعد وہ اپنی رفیقہ حیات کے سفر زندگی سے نکل گئے اور دوبارہ نہیں ملے۔ ان کی وطن واپسی سے بہت پہلے ماں اور بیوی دونوں فوت ہو چکی تھیں

لندن میں آمد

جنوری ۱۸۹۳ء میں وہ انگلستان روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں نہ کوئی اتالیق ان کے ہمراہ تھا نہ خادم۔ البتہ ایک بوڑھا انگریز ان کی ذہانت وحاضر جوابی سے متاثر ہو کر دوست بن گیا اور انہیں اپنا بیٹا بنا لیا۔ مارسیلز میں اترتے وقت وہ اس مہم جو نوجوان کو لندن میں اپنی قیام گاہ کا پتہ دے گیا۔ اگلے چار سالوں کے دوران وہ جب بھی ہندوستان سے لندن آتا' مسٹر جناح کو بڑے خلوص سے اپنے ہاں بلاتا اور ان کی دعوت کرتا۔ ساؤ تھمپٹن کی بندرگاہ پر اترنے کے بعد مسٹر جناح کشتی کے ذریعے وکٹوریہ اسٹیشن اور پھر اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔ انہوں نے بعد میں بتایا کہ کئی مہینے تک انگلینڈ مجھے عجیب سا ملک لگا اور بڑا اجنبی ماحول محسوس ہوا۔ میں وہاں کسی ذی نفس کو نہیں جانتا تھا۔ لندن کی دھند' کہر اور شدید سردی نے الگ ناک میں دم کر دیا۔ گراہم کمپنی کے دفتر میں وہ ایک چھوٹے سے پرانے ڈیسک پر بیٹھ جاتے ان کے چاروں طرف حسابات کے رجسٹر بکھرے ہوتے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان رجسٹروں میں سے رقوم نقل کر کے بقایا جات معلوم کریں۔ بظاہر یہ ایک مشکل اور ان کی طبیعت کے خلاف کام تھا کیونکہ ریاضی کے ساتھ انہیں کبھی بھی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے پورے انہماک سے اپنا فرض ادا کیا۔ ایجنسی کا دفتر لندن کی تھریڈ نیڈل سٹریٹ کے قریب واقع تھا جو تاریخی گلڈہال' بنک آف انگلینڈ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرانے صدر دفاتر سے تھوڑے سے فاصلے پر دریائے ٹیمز کے کنارے ایک پرفضا جگہ تھی۔ اس کے نزدیک ہی لیڈن ہال سٹریٹ تھی۔ جناح اپنے پاس نہ کوئی ڈائری رکھتے تھے نہ انہیں اپنی یادداشتیں قلمبند

کرنے کا شوق تھا جیسا کہ گاندھی اور نہرو کرتے تھے' تاہم انہیں خود کو عظیم الشان ایمپائر کے ٹھنڈے وطن سے ہزاروں میل دور' کچھ کرنے کی تحریک دینے والے صدر مقام لندن میں پاکر' جہاں ان کے شعور نے آنکھ کھولی تھی' یقیناً حیرت ہوئی ہوگی۔ انہوں نے اپنے ایک دوست سے ذکر کیا۔ "میں نوجوان تھا۔ گھر سے بہت دور اکیلا رہتا تھا۔ گراہم کمپنی کے چند ملازمین کے علاوہ کسی سے میری شناسائی نہ تھی۔ لندن کی بے پناہ وسعت نے میری تنہا زندگی کو بہت متاثر کیا۔ تاہم میں نے جلد ہی وہاں کی بود و باش اختیار کرلی اور لندن کو پسند کرنے لگا۔"

جناح پونجا نے ایک برٹش بنک میں بیٹے کے نام کھاتے میں ایک معقول رقم جمع کرادی تھی تاکہ وہ تین سال تک اطمینان کے ساتھ لندن میں قیام کرسکے۔ اس بات کا کوئی یقینی ریکارڈ دستیاب نہیں کہ کینسنگٹن میں ۳۵۔ رسل روڈ پر واقع تین منزلہ سادے سے مکان میں منتقل ہونے سے پہلے جس پر آج کل کاؤنٹی کونسل کی طرف سے اس عبارت کی ایک پلیٹ لگادی گئی ہے کہ "بانی پاکستان محمد علی جناح نے ۱۸۹۵ء میں یہاں قیام کیا تھا"۔ انہوں نے کتنے ہوٹلوں میں کمرے کرائے پر لئے اور کتنے مقامات پر چارپائی کی جگہ اور ناشتہ کے انتظام پر پیسے خرچ کئے؟ اس زمانے میں یہ مکان ملحقہ عمارتوں کے بوسیدہ بلاک میں بالکل نیا لگتا ہوگا۔ مسٹر جناح جس فلیٹ میں رہتے تھے' وہ ایک بیوہ عورت مسز ایف' ای' پیج ڈریک کی ملکیت تھا' وہ اپنی ایک جوان بیٹی کے ساتھ' جو مسٹر جناح کی ہم عمر تھی' رہتی تھی' فاطمہ جناح کی یادداشتوں کے مطابق "وہ دوشیزہ میرے بھائی کو پسند کرتی تھی"۔ اپنے خدشات دور کرنے کی غرض سے زندگی بھر مجرد رہنے والی فاطمہ نے مزید لکھا ہے: "تاہم وہ تقریباً" محبت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ دوشیزہ اپنی پوری کوشش کے باوجود ان کی کم آمیزی کو ختم نہیں کرسکی۔ بعض اوقات وہ اپنی ماں کے گھر میں مخلوط پارٹیوں کا اہتمام کرتی تھی۔ اور وہ مختلف کھیلوں میں سے ایک خاص کھیل میں جو وہ بڑے شوق سے کھیلتی تھی' ہارنے والا سزا کے طور پر جیتنے والے کو بوسہ دیتا تھا۔ انہوں نے خود کو اس بوسہ بازی سے ہمیشہ الگ رکھا۔ مسٹر جناح نے یاد کر کے مجھے بتایا کہ ایک بار کرسمس کے موقع پر مس پیج ڈریک نے اپنی بانہیں میری گردن میں حمائل کردیں۔ چونکہ میں آکاس بیل (بڑے دن کی سجاوٹ کا سامان) کے نیچے کھڑا تھا جس کی اہمیت اس وقت مجھے معلوم نہ تھی' اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کا بوسہ ضرور لوں۔ میں نے اسے نرمی سے سمجھایا کہ ہمارے اپنے معاشرتی اصول ہیں جن میں آکاس بیل کے نیچے بوسہ لینے کی گنجائش نہیں۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کی"۔ اس بے ضرر سے واقعہ میں سب سے حیران کن بات شاید یہ ہے کہ مس فاطمہ جناح نے اس کی اتنی تفصیل بیان کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ کیا ہم اسے زیب داستان کے لئے تاریخی ریکارڈ پر حاشیہ آرائی کی کوشش سمجھیں' جس سے اپنے عظیم بھائی کے امیج کو بالکل صاف اور بے داغ ثابت کرنا مقصود ہے؟۔

مغربی بود و باش

لندن میں دوران قیام انہوں نے اپنے بھاری بھرکم نام "محمد علی جناح بھائی آف کراچی" کو چھوڑ کر انگریزی طرز پر مختصر نام "ایم اے جناح" کو اختیار کرلیا۔ یہ نام پہلی بار انہوں نے ایک چیک پر دستخط کرتے ہوئے استعمال کیا جو رائل بنک آف اسکاٹ لینڈ سے پیسے نکلوانے کے لئے کاٹا تھا۔ کچھ عرصہ وہ اپنا زرد رنگ کا روایتی

لمبا سندھی کوٹ پہن کر شاپنگ کو جاتے رہے۔ آہستہ آہستہ اسے بھی پہننا چھوڑ دیا اور پورا مغربی لباس استعمال کرنے لگے۔ ان کا لمبا اور دبلا پتلا بدن لندن کے بہترین فیشنوں کی نمائش کے لئے انتہائی موزوں تھا۔ وہ تا زندگی بھر درزیوں کے لئے نفاست کا نمونہ بنے رہے۔ وہ اپنے سوٹ ہاتھ سے سلواتے اور ان کے لئے سب سے عمدہ گراں قیمت کپڑا خریدتے۔ ان کا یہ چلن آخری دم تک برقرار رہا۔ بیرسٹر کی حیثیت سے ان کے نزدیک یہ بات قابل فخر تھی کہ ایک دفعہ استعمال شدہ ریشمی ٹائی کو دوبارہ کام میں نہ لایا جائے۔ خوش پوشاکی کا انداز ٹوپی سے لے کر بوٹوں کی نوک تک منفرد تھا۔ بہت کم انگریز لباس کے معاملے میں تنی دلچسپی لیتے ہوں گے جتنی کہ مسٹر جناح۔ وہ اپنے حرف گیری سے پاک اور شائستہ طور طریقوں اور خوش پوشاکی کی بدولت اس قابل بن گئے تھے کہ لندن کے پرشکوہ محلات، عالی شان کوٹھیوں و رکلبوں میں سے جس میں چاہیں داخل ہو جائیں۔ انتھنی ایڈن اور ڈیوک آف ونڈسر کی طرح وہ بھی دنیا بھر میں فیشن کا سمبل بن گئے تھے۔ جنوبی ایشیا کے ہم عصر لیڈروں میں سے فقط موتی لال نہرو ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

لنکنزان میں داخلہ

مسٹر جناح نے گراہم کمپنی میں نو آموزی کا سلسلہ ختم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ وہ فروری ۱۸۹۳ء میں لندن میں وارد ہوئے اور دو ماہ بعد ۲۵ر اپریل کو "لنکنزان" میں داخلے کی درخواست دے دی۔ داخلے کے ابتدائی ٹیسٹ میں انہیں لاطینی حصہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ لندن کی کشش نے گراہم ایجنسی کے فرسودہ ڈیسک سے جلد ہی ان کی جان چھڑا دی۔ وہ ویسٹ منسٹر کے کلس کی طرف سے فلیٹ سٹریٹ چانسلری لین اور اولڈ ٹیمپل سے گزر کر "لنکنزان" کے وسیع میدانوں میں داخل ہو گئے جو شدید سردی کے باعث ان دنوں ویران پڑے تھے۔ اگرچہ کچھ عرصہ بعد وہاں رونق ہو جانے کا قوی امکان تھا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس کے پچاس سال بعد کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اپنے داخلے کی بابت بتایا: "میں نے "لنکنزان" میں اس لئے داخلہ لیا کہ اس کے بڑے گیٹ پر دنیا کے بڑے قانون سازوں کے جو نام لکھے ہوئے ہیں ان میں رسول اکرمؐ کا اسم گرامی بھی شامل تھا"۔ یہ تذکرہ سامعین کو اپنا گرویدہ بنانے کی ایک تدبیر تھی جو انہوں نے آزمائی۔ کیونکہ "لنکنزان" کے صدر دروازے یا کسی دیوار پر قانون سازوں کی کسی فہرست کا سرے سے کوئی وجود نہیں، نہ اس وقت کوئی فہرست کندہ تھی۔ بہرطور یوں لگتا ہے کہ دیواروں پر جی ایف، واٹ کی نقاشی کو دیکھ کر انہیں ایسا خیال آیا۔ دراصل لنکنزان کے بڑے ہال میں دنیا کے عظیم قانون سازوں کی تصویریں نقش تھیں۔ جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تہذیب انسانی کے دیگر روحانی محسنوں میں پیغمبر اسلامؐ کی تصویر بھی شامل تھی۔ لندن کے کسی گائیڈ یا انز آف کورٹ کے کسی گارڈ نے نوجوان جناح کے سامنے رسول اکرم کی تصویر کے وہاں ہونے کا ذکر کیا ہوگا۔ شاید اس سے متاثر ہو کر

انہوں نے قانونی تعلیم کی دیگر درسگاہوں پر لنکنز ان کو ترجیح دی ہو۔ بہرحال کٹر (سنی) مسلمانوں کے نزدیک کسی نبی کی انسانی شبیہ بنانا حرام ہے۔ تصویر سازی کے مخالف اسلام کی رو سے ایسی بدعت کا ذکر پاکستان کے نوجوان سنی وکلاء کو برگشتہ کر سکتا تھا۔۔ اس لئے وہ ان کے سامنے یہ اعتراف کیسے کر سکتے تھے کہ شروع زندگی میں رسول کریمؐ کی شبیہ نے انہیں متاثر کیا تھا۔ لگتا ہے انہوں نے شعوری طور پر اپنی یادداشت سے رسول کریمؐ کی شبیہ کو محو کر دیا اور اس کے بجائے "لنکنز ان" کے صدر دروازے پر رسول اکرمؐ کے نام نامی کا نقش ہونا یاد رکھ لیا۔

دنیائے سیاست کی رنگینیوں اور بوقلمونیوں نے نوجوان جناح کو جلد ہی اپنی طرف کھینچ لیا' چنانچہ وہ دارالعوام کی مہمانوں کی گیلری میں زیادہ سے زیادہ دیر تک بیٹھ کر پارلیمنٹ کی کارروائی سننے لگے۔ لارڈ کراس کے کونسلز ایکٹ ۱۸۹۲ء پر جو گرما گرم بحث ہوئی' وہ سنی۔ اسی ایکٹ نے گو بلاواسطہ طور پر ہی سہی' برطانوی ہند کے دستور میں پہلی بار انتخاب کے اصول کو متعارف کرایا۔ گویا نمائندہ حکومت کے قیام میں یہ ایکٹ اہم نتائج پیدا کرنے والا ایک تاریخی قدم ثابت ہوا۔ جس نے سرکاری طور پر پورے ہندوستان میں کونسل چیمبرز قائم کرنے کی راہ ہموار کی' اس کے نتیجے میں خود جناح بھی مرکزی مجلس دستور ساز (کلکتہ) کے لئے بمبئی کے نمائندے کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور پھر کئی عشروں تک نئی دہلی کی توسیع شدہ اسمبلی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ جہاں انہوں نے اہم پارلیمانی کردار ادا کیا۔

سیاست سے لگاؤ کی ابتداء

۱۸۹۲ء میں لبرل پارٹی کی کامیابی کے سیلاب نے جہاں ایک طرف ولیم گلیڈسٹون کو تیسری بار وزارت عظمیٰ پر لا بٹھایا' وہاں بمبئی کے ایک پارسی دادا بھائی نوروجی کو بھی پارلیمنٹ کا ممبر بنا دیا۔ دادا بھائی ہندوستان کے ایک روشن دماغ سیاست دان اور تاجر تھے۔ انہوں نے ۱۸۵۵ء سے لندن اور لورپول میں ایک فرم کھول رکھی تھی۔ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے سنٹرل فنس بری کے حلقہ سے لبرل پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا۔ برطانیہ کے سابق وزیراعظم لارڈ سالس بری نے ایک موقع پر انہیں "کالا آدمی" کہہ دیا جو سالس بری کی طرف سے نسلی تعصب کا بدترین اظہار تھا ورنہ رنگ و روپ کے لحاظ سے دادا بھائی کسی طرح سالس بری سے کم نہ تھے۔ اس واقعہ نے یورپ کے ہندوستانی طلبہ میں اشتعال پیدا کر دیا۔ لندن کے ہندوستانی طلباء جن میں مسٹر جناح اور سی آر' داس بھی شامل تھے۔ الیکشن مہم میں دن رات کام کیا اور دادا بھائی اس معرکہ میں سرخرو ہو گئے۔ ان کی کامیابی محض ۳ ووٹوں کے فرق سے ہوئی تھی۔ اس لئے ان کے رفقاء' ازراہ مذاق انہیں "مسٹر نیرو مجارٹی" کہہ کر پکارتے تھے۔ ہندوستانی نوجوانوں کے لئے وہ ایک خرانٹ بڈھے اور پیر فرتوت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے سیاسی و صحافتی حلقوں میں انہیں بجا طور پر "انڈین گلیڈسٹون" کہا جاتا تھا۔ دادا بھائی نے ۱۸۸۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے دوسرے اجلاس کی صدارت کی۔ اس موقع پر انہوں نے پر زور تالیوں کی گونج میں مطالبہ کیا: "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ وہ مجالس قانون ساز ہوں یا ملازمتیں' جب تک پارلیمنٹ پہل کر کے مروجہ قوانین میں ترامیم نہیں کرتی' کسی چیز کی اصلاح نہیں ہو سکتی' پالیمنٹ میں کوئی ایک بھی صحیح ہندوستانی نمائندہ موجود نہیں جو کم از کم یہ بتا سکے کہ کسی مسئلہ پر مقامی لوگوں کا انداز فکر کیا ہے۔"

"اگر دادا بھائی کالے تھے تو میں ان سے زیادہ کالا تھا۔" جناح نے اپنی بہن کو بتایا اور اگر انگریز سیاستدانوں کی یہی ذہنیت ہے تو ہمیں ان سے ہرگز دیانت دارانہ سلوک کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ اس روز سے میں رنگ اور نسل کی بنیاد پر لگائی جانے والی ہر قسم کی پابندیوں کا سخت مخالف ہو گیا ہوں۔ جناح نے ۱۸۹۳ء میں دارالعوام کی گیلری میں دادا بھائی کی پہلی تقریر سنی اور جذبات سے لبریز ہو گیا کیونکہ عظیم بوڑھے نے "آزادی اظہار رائے" کی حمایت میں تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے' جیسا کہ مسٹر جناح نے نوٹ کیا۔ "پارلیمنٹ میں وہ اکیلا ہندوستانی تھا جو ان کی طرف سے بول سکتا تھا اور اپنے ہم وطنوں کے لئے انصاف کا مطالبہ کر سکتا تھا"۔ آزادئ تقریر کے بغیر کوئی قوم' مسٹر جناح نے اچھی طرح سمجھ لیا' اس طرح رہ جاتی ہے جیسے اس کی نشوونما رک گئی ہو یا گلاب کے اس پودے کی طرح مرجھا گیا ہو' جسے ایسی جگہ لگایا گیا ہو' جہاں نہ سورج کی روشنی ہو اور نہ ہوا۔ دادا بھائی کی حوصلہ افزائی کرنے والی مثال کی بدولت جناح سیاست میں ایک معتدل قوم پرست کی حیثیت سے داخل ہوئے اور ہندوستان واپسی کے بعد جلد ہی کانگرس کے رکن بن گئے۔

کیا مسٹر جناح نے قانون کا مطالعہ سیاسی کیریر کی تیاری کے لئے کیا تھا؟ ۱۸۹۳ء کے موسم بہار میں اس کے ذہن میں کیسے کیسے خیالات پیدا ہوئے؟ ان کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں' ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ابتدائی امتحان میں ضرور شامل ہوا' جو انز آف کورٹ میں داخلہ کے لئے نسبتاً سادہ ٹیسٹ تھا۔ اس نے وہ امتحان لاطینی جز کے بغیر دیا اور ۲۵ر مئی ۱۸۹۳ء کو کامیاب ہو گیا' اگر وہ تاخیر کرتا تو شاید اپنی قانونی اپرنٹس شپ مکمل نہ کر سکتا' کیونکہ اگلے سال سے کئی پیشگی شرائط عائد کر دی گئی تھیں اور پیشہ وارانہ قانونی سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا عمل سب سے زیادہ طویل بنا دیا گیا تھا۔ یوں مسٹر جناح کا سرمایہ اس کی تعلیم مکمل ہونے سے قبل ختم ہو جاتا۔ وہ گھر سے مزید سرمایہ بھی نہیں منگوا سکتا تھا۔ اس کے والد کی دولت مندی عالمی منڈی کے اتار چڑھاؤ اور مالیاتی زر مبادلہ کی گردشوں سے منسلک تھی۔ ان دنوں ہندوستان کا چاندی کا روپیہ برطانیہ کے سنہری سٹرلنگ کی نسبت زیادہ مندے کا شکار تھا۔ ۱۸۹۳ء کے بعد تو عالمی منڈی خود زوال پذیر ہو گئی۔

اگرچہ جناح پونجا وہ اسراف برداشت بھی کر لیتے' یہ مشکوک ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی مدد کے لئے لندن کو مزید سرمایہ بھیج سکتے تھے یا نہیں؟ بوڑھا آدمی اس وقت بڑا غضب ناک ہوا جب اسے پتہ چلا کہ نوجوان جناح نے اس کے کاروبار کو چھوڑنے کا حتمی ارادہ کر لیا ہے۔ نہ ہی اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ سر فریڈرک گراہم کے دفتر کا کوئی بڑا فرد اس "نوخاستہ ناشکرے سندھی" کو مدد کی پیشکش کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ چونکہ جناح اچھی طرح جانتے تھے کہ انہیں اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا ہے' ان کا کوئی امدادی ستون باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع نہیں تھا جب وہ یکہ و تنہا اور ایسی سخت خطرناک پوزیشن میں گھر گئے تھے' پھر بھی وہ ہرگز نہ ڈگمگائے۔ اپنا کیریر بدلنے کے لئے جراح کی سی پھرتی کے ساتھ کام کرتے رہے' اگر انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی تفکرات یا خدشات لاحق تھے --- تو ان کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ ۲۵ر جون ۱۸۹۳ء سے انہوں نے لنکنز ان میں قانون کی پڑھائی باقاعدہ شروع کر دی۔

لنکنز ان بڑے عالیشان فارغ ہونے والوں اور چھوڑ جانے والوں کی فہرست رکھتی ہے' جن میں تھامس ولیم پٹ اور نصف سے زائد برطانوی وزراء اعظم لارڈ کیننگ سے لے کر اسکتھ تک شامل تھے۔ برطانیہ کے دو عظیم

ترین وزیر اعظم ڈزرائیلی اور گلیڈ سٹون نے وہاں داخلہ لیا مگر دونوں میں سے کسی ایک نے بھی کورس مکمل نہیں کیا۔ ۱۸۹۳ء میں جب مسٹر جناح داخل ہوئے' جان مارلے (۱۸۳۸ء تا ۱۹۲۳ء) کو جو ۳۱ سال پہلے لنکنز کی عمارت میں داخل ہوا تھا' قانونی کونسل کی مجلس انتظامیہ کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ "ON COMPROMISE" کا مصنف' جان سٹوارٹ مل کا سب سے اہم شاگرد گلیڈ اسٹون آئرلینڈ کی ہوم رول تحریک کا سیکرٹری اور لبرل پارٹی میں اس کا معاون ہونیسٹ جان (بعد میں لارڈ) مارلے' جس نے سب سے اہم دور میں (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۰ء) بحیثیت سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا پانچ سال تک کام کیا۔ وہ بھی اس سے آگے تھا۔ برطانیہ کے لائق ترین لبرل لیڈروں میں سے مارلے' جناح کی پسندیدہ شخصیات میں سے ایک بن گیا۔ اس کی کتاب ON COMPROMISE اصولوں پر مبنی پرجوش انداز بیان شعلے کی طرح جناح کے دماغ میں پیوست ہو گئی' جس نے ان کے تخیل کو ایسے دلائل کے ساتھ روشن کر دیا کہ وہ اصولوں کا انتخاب کرتے وقت "سچائی" کو سرفہرست رکھنے پر اصرار کرنے لگے۔ جناح نے بعد کی زندگی میں طلبہ سے خطاب کرتے وقت مارلے کے حوالے دیتے اور انہوں نے ذاتی طور پر ان رواداری خیالات سے وابستہ رہنے کی کوشش کی جو انہوں نے لنکنز کے اس عظیم قانون دان سے اخذ کئے تھے۔

مسٹر جناح کی قانونی تعلیم زمانہ وسطیٰ کے گلڈ اپرنٹس شپ طریق کار میں تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ مکمل ہوئی۔ مذکورہ طریق کار لنکنز ان کے قیام سے چلا آ رہا تھا۔ لنکنز ان کا یہ نام بادشاہ کے سارجنٹ آف ہولبورن' تھامس ڈی لنکنز کے نام پر چودھویں صدی کے نصف ثانی میں رکھا گیا تھا۔ اپنا انتظام آپ چلانے والی اس کونسل کے جلسوں کی کارروائی اور معاملات کا ریکارڈ ۱۴۲۲ء سے لنکنز ان کی لائبریری میں "بلیک بکس" کے زیر عنوان محفوظ ہے' جبکہ طلبہ کونسل کی تاریک چاردیواری کے اندر رہا کرتے تھے۔ داخلہ لینے والے طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ انہیں اندر جگہ دینا ناممکن ہو گیا تو ہاسٹل کی روایت کو علامتی طور پر اس طرح قائم رکھا گیا کہ یونیورسٹی میں داخل ہونے والے جملہ طالب علم کم از کم تین ڈنر گریٹ ہال میں کھاتے تھے اور جن کے نام باقاعدہ رجسٹر میں درج نہیں ہوتے تھے' جیسا کہ مسٹر جناح کا معاملہ تھا' وہ چھ ڈنر کھاتے تھے۔ ان کھانوں کے مجلسی ماحول کو جن میں وکلاء قانون دان طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر انہیں گفتگو' بحث یا مباحثہ میں مصروف رکھتے تھے' قانونی تربیت کا ایک اہم جزو سمجھا جاتا تھا۔ نوجوانوں کے لئے اپنی ذہانت کو تیز کرنے اور عدالتی مہارت کو ترقی دینے کے لئے اپنے پیشہ کے بزرگوں کے ساتھ بحث کرنے سے بہتر اور کیا صورت ہو سکتی تھی؟ مزید برآں میز پر بیٹھ کر گفتگو کرنا' اکٹھے کھانا پینا' دوستی یا جبلی نفرت کا مختصر ذریعہ بنتا تھا۔ اگر کوئی نوجوان اپرنٹس ہوشیار اور سمجھ دار ہوتا تو وہ وکلاء کی صحبت میں جلد جان لیتا کہ بہترین بات کیسے کہنی ہے اور کونسی بات ان کہی چھوڑ دینی ہے۔

بہرطور گریٹ ہال صرف کھانے کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ وہاں قانونی اور سیاسی جلسے بھی ہوتے تھے' جن میں پہلے وکلاء قانونی مسائل پر بحث کرتے تھے' بعد میں طلبہ ان کی پیروی کرتے ہوئے معاملات کو زیر بحث لاتے تھے۔ مسٹر جناح کی قانونی تعلیم کا بہترین حصہ دو سالہ اپرنٹس شپ کے دوران "پڑھائی" کا دورانیہ تھا جو انہوں نے ایک بیرسٹر کے چیمبر میں گزارا' وہ چیمبر کے باہر ٹیمپل کورٹ کی غلام گردشوں سے لے کر ہول یارن کی چمکتی ہوئی سیڑھیوں تک ہر جگہ اپنے استاد کے پیشہ وارانہ نقش قدم پر چلتے تھے۔ تھوڑی سی مبالغہ آرائی کے

ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی ذہین طالب علم مذکورہ بالا کے ساتھ ساتھ قانون عامہ پر ولیم بلیک سٹون کی کمنٹری پڑھ لیتا' تو اسے اتنی معلومات حاصل ہو جاتیں کہ ان کے بل پر بار میں داخلہ لینے سے پہلے بہ آسانی فائنل امتحان میں پاس ہو جاتا۔ مسٹر جناح کی جماعت ابھی تک نوجوانوں کے اسی پرانے مکتب سے تعلق رکھتی تھی' جسے قانونی پیشہ کے لئے بہت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ بشرطیکہ وہ اس پیشہ کی اصطلاحات کو سمجھتا ہوا اسے صحیح طریقہ سے لباس پہننا اور درست برتنوں میں کھانا کھانے کا سلیقہ آتا ہو۔

چیمبر میں مطالعہ یا گریٹ ہال میں ڈنر کھانے سے جو وقت بچتا' اس کا زیادہ حصہ وہ لندن میں گھوم پھر کر گزارتے۔ کبھی برٹش میوزیم کے ریڈنگ روم میں' جہاں جانے کی خواہش ہر اسکالر کو ہوتی ہے' بیٹھ کر نادر قانونی کتب و رسائل کا مطالعہ کرتے۔ اتوار کے روز' جب وہ بند ہوتا تو بعض اوقات ہائیڈ پارک چلے جاتے' جہاں کھلی فضا میں کسی کی خطابت سے لطف اندوز ہوتے جو بکس پر کھڑے ہو کر کسی بھی موضوع پر اپنے دل کا غبار نکال لیا چاہتا۔ اگر اس میں بولنے کی ہمت ہوتی۔ آئرش ہوم روم ان دنوں سلگتا ہوا مسئلہ تھا۔ آئرش پارلیمانی پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ الفریڈ ویب کو جس کی تقریریں مسٹر جناح نے ویسٹ منسٹر گیلری میں بیٹھ کر سنی تھیں' ۱۸۹۴ء کے کانگرس کے مدراس سیشن کی صدارت کے لئے چنا گیا تھا۔ "میں ظلم واستحصال سے' وہ جہاں بھی پایا جائے' نفرت کرتا ہوں' خصوصاً اگر میری حکومت کی طرف سے اس کا ارتکاب کیا جائے' کیونکہ اس صورت میں خود بھی ایک حد تک جوابدہ ہوں"۔ ویب نے کانگرس کے اجلاس کے سامعین کو بتایا اور "جب تک آئرلینڈ کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا' انڈیا' باقی برٹش امپائر کی طرح نقصان اٹھاتا رہے گا۔ کیونکہ پارلیمنٹ مفلوج ہو چکی ہے۔ ۵۰ لاکھ لوگوں کے معاملات کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ وزارتیں آئرلینڈ کے سوال پر بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ اہم شاہی مفادات کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا"۔ مسٹر جناح کے لئے یہ ایک سبق تھا جس کے شعوری طور پر وہ لندن کے ان تنہا ایام میں گرویدہ ہو گئے کہ ایک چھوٹی سی اقلیت اور اس کے مسلسل مطالبات کس طرح ایک عظیم سلطنت کو مفلوج بنا سکتے ہیں۔ انھوں نے برطانوی کردار کی جملہ کمزوریوں اور طاقتور عوامل کی جانچ پڑتال کرنا سیکھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ آیا انہوں نے خود بھی ہائیڈ پارک میں کھڑے ہو کر کوئی تقریر کی یا نہیں۔ بہرحال وہاں سے انہوں نے محض دوسروں کو سن کر بحث مباحثہ اور مقررین کو دلیلوں میں الجھانے کی بہت سی مفید چالیں ضرور سیکھیں۔

وہ ہر اتوار لندن میں نہیں گزارتے تھے۔ کم از کم ایک بار ضرور دوستوں کے ساتھ آکسفورڈ چلے جاتے۔ بعد میں پولیس کے ساتھ اپنی پہلی جھڑپ کو جو آکسفورڈ میں سالانہ بوٹ ریس کے دوران ہوئی یاد کرتے ہوئے انہوں نے بتایا "میں دوستوں کے ساتھ تھا۔ ہمیں انڈر گریجوایٹس کے ایک ہجوم نے گھیر لیا۔ ہم نے ساتھ کی گلی میں ایک بیل گاڑی کھڑی دیکھی۔ ہم ایک دوسرے کو سڑک کے ساتھ ساتھ نیچے اوپر کھینچتے رہے۔ یہاں تک کہ گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن پہنچا دیئے گئے اور ایک تنبیہہ کے ساتھ رہائی عمل میں آئی"۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب قانون کی غیر معمولی طور پر پابندی کرنے والے اس ہندوستانی کو حوالات میں بند کیا گیا۔ یہ ایک اور نمایاں فرق ہے جو اسے نہرو اور گاندھی نیز دوسرے بہت سے قوم پرست لیڈروں سے ممیز کرتا ہے' جنہوں نے سالہا سال برطانوی جیل کی کوٹھڑیوں میں گزارے۔

سٹیج سے دلچسپی

لندن میں قیام کے دوران نوجوان جناح تھیٹر کو بہت زیادہ پسند کرنے لگا۔ اس کی خفیہ آرزو' اس نے بعد میں اعتراف کیا' پرانے سٹیج پر رومیو کا کردار ادا کرنے کی تھی۔ اس نے اداکار بننے کے بارے میں کب سے خواب دیکھنا شروع کیا؟ یہ واضح نہیں ہے۔ بظاہر یہ مرحلہ قانون کی تعلیم سے شروع ہونے کے بعد ہی پیش آیا۔ شاید ابتداء میں قانون نے اسے بور کیا یا شاید وکلاء کی کارکردگی دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا۔ اکثر بڑے بڑے وکلاء اپنی اداکاری سے سامعین کو مبہوت کر دیتے تھے۔ اس چیز نے سٹیج کی طرف جانے کے شوق کو مہمیز کیا۔ بہرحال یہ کوئی عارضی ترنگ یا گزرتا ہوا خیال نہیں تھا' بلکہ ایسا معاشقہ تھا جو زندگی کے آخری برسوں تک قائم رہا۔ فاطمہ جناح کا بیان ہے' "انتہائی مصروف سیاسی زندگی کے دنوں میں بھی' جب وہ تھکا ماندہ رات گئے گھر لوٹتا تو بڑے اشتیاق سے شیکسپیئر کا مطالعہ کرتا۔ اس کی آواز گونجدار ہوتی"۔ ہمہ وقت ساتھ رہنے والی یک چشمی عینک بعد میں کمرہ عدالت میں ان کے سب سے بڑے سہارے کے طور پر ساتھ رہی اور جنہوں نے اس کی ڈرامائی جرح اور تحکمانہ انداز میں منہ دوسری طرف پھیر کر بات کرنے کا انداز دیکھا تھا' خواہ وہ ججوں کے ساتھ ہوتی یا جیوری کے ساتھ' ان کا تبصرہ اکثر یہ ہوتا کہ وہ پیدائشی اداکار ہے۔ بہرحال اس کے بہت سے سیاسی حریفوں نے یہ باور کر کے زبردست غلطی کی کہ مسٹر جناح "محض اداکاری کر رہا ہے"۔ حالانکہ وہ اپنے دلائل میں انتہائی سنجیدہ ہوتا تھا۔ ۷ر جون ۱۸۹۵ء کو مسٹر جناح نے ۱۹ر۱۳۸ پونڈ کا ایک چیک لکھا جس کے ذریعے بار میں داخلہ کے جملہ واجبات ادا کئے۔ اس نے اپنے باپ کے ان خطوط کو نظرانداز کر دیا۔ جن میں ہدایت کی گئی تھی کہ تیزی سے بگڑتے ہوئے کاروبار کو سنبھالا دینے کے لئے فوراً گھر آ جاؤ۔ اس نے بار کے تمام اخراجات پہلے ہی ادا کر دیئے تاکہ اس رقم میں سے کسی دوسری مد میں خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہونا پڑے۔ مسز پیج ڈریک کے ہاں دوران قیام انہیں ۱۰ پاؤنڈ ماہوار کرایہ مکان اور کھانے کا نصف خرچہ دینا پڑتا تھا۔ پیسہ کے معاملہ میں وہ بہت محتاط تھا۔ لندن کے ابتدائی برسوں میں اسے کفایت شعاری کی جو عادت پڑ گئی تھی' وہ ہمیشہ قائم رہی۔ اس نے اس رقم میں سے بھی جو ابتداء میں والد نے دی تھی' لندن جیسے شہر کے وسط میں رہتے ہوئے جو ان دنوں روئے زمین پر سب سے زیادہ ترغیب دینے والا مقام تھا' ۷۱ پاؤنڈ سے زیادہ کی رقم پس انداز کر لی۔ اگرچہ وہ لندن میں رہنے اور اداکار بننے کے خواب دیکھا رہتا تھا۔

تھیٹر سے وابستگی

"وکیل بننے کے بعد کچھ دوست مجھے شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کے منیجر کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسٹیج پر جا کر شیکسپیر کے بعض اجزاء پڑھوں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بیگم اور وہ بہت محظوظ ہوئے اور فوراً مجھے کام کرنے کی پیشکش کی۔ میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور میں نے اپنے والدین کو خط لکھا کہ میری کامیابی کیلئے دعا کریں۔ میں نے انہیں بتایا کہ قانون بہت زیادہ وقت لینے والا پیشہ ہے جس میں کامیابی غیر یقینی ہے جبکہ اسٹیج پر اداکاری بہت ہی بہتر ہے اور اس میں مجھے اچھا آغاز مل گیا ہے اور یہ کہ اب میں خود کفیل ہو جاؤں گا اور روپیہ' پیسہ کے معاملہ میں انہیں بالکل تنگ نہیں کروں گا۔ میرے والد نے جواب میں طویل محبت

نامہ بھیجا جس میں میری تجویز کو سختی سے رد کر دیا۔ انہوں نے مراسلے میں ایک فقرہ ایسا تھا جس نے مجھے بے حد متاثر کیا اور اپنے فیصلے میں تبدیلی کرنے پر مجبور کر دیا۔ "اپنے خاندان سے غداری نہ کرو"۔ میں اپنے آجر کے پاس گیا اور اسے دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ آج کے بعد میں اداکاری کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے مجھے کام جاری رکھنے پر آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی' تاہم میرا ارادہ اٹل تھا۔ میں نے جس معاہدہ پر دستخط کئے تھے' اس کی شرائط کے مطابق مجھے کام چھوڑنے کے لئے تین ماہ کا پیشگی نوٹس دینا تھا۔ لیکن وہ انگریز تھا' اس لئے فیصلہ کن انداز میں بولا "ٹھیک ہے جب تمہیں اسٹیج سے کوئی لگاؤ نہیں تو تمہاری خواہش کے برعکس تمہیں کیوں رکھا جائے"۔

دستخط شدہ معاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ لندن کے اسٹیج اور اداکاری سے مسٹر جناح کی وابستگی کتنی پختہ تھی۔ غالباً یہ اس کا اولین اظہار تھا۔ باپ کے "طویل خط" میں ایسی دلچسپی سے باز رہنے پر زور دیا گیا تھا جس نے انہیں ایک اہم معاملہ میں اپنا ذہن بدلنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ آخری موقع تھا جب انہوں نے اپنا فیصلہ بدلا۔ خاندان سے بغاوت کے الزام نے ان کے ضمیر کو بری طرح جھنجھوڑا۔ ان کا دل زخمی ہو گیا۔ لگتا ہے اسی خط کے ذریعے انہیں اپنی شفیق ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی خبر ملی۔ ممکن ہے شریک حیات کے داغِ مفارقت دے جانے کی اطلاع بھی اسی سے ملی ہو کیونکہ جس کام کا آغاز کرنے پر انہیں بے پناہ خوشی ہوئی تھی اور اس میں کامیابی کے لئے والدین سے دعا کرنے کی التجا کی تھی' اسے آسانی سے چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ یہ صرف باپ کے اس خط کا کرشمہ ہو سکتا تھا جو ہولناک خبروں' نصیحتوں اور ہدایات سے پر تھا۔ اس مراسلہ کے مطالعہ سے انہیں کتنا صدمہ ہوا؟ لندن میں ان کے قیام کے آخری ہفتے جس بے کیف عالم اور بدمزگی میں گزرے؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

وکالت کی سند

۱۱ر مئی ۱۸۹۶ء کو مسٹر جناح نے لنکنز ان کی مجلس انتظامیہ سے وکالت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی استدعا کی' تاکہ اس "تعویذ" کو دکھا کر وہ برطانوی ہند کی کسی بھی عدالت میں بطور وکیل پیش ہو سکیں۔ اب وہ وطن لوٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تاہم کراچی جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ کراچی میں اب ان کے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ لندن سے روانگی سے قبل ۱۵ر جولائی ۱۸۹۶ء کو انہوں نے اپنے کھاتہ کی باقی ماندہ رقم نیشنل بنک آف انڈیا لمیٹڈ بمبئی میں اپنے نام سے کھولے گئے نئے کھاتہ میں منتقل کرا دی۔ اگلے دن وہ پی اینڈ او لائنز کے ذریعے براستہ کراچی بمبئی کو روانہ ہو گئے' جہاں مستقل طور پر رہنا چاہتے تھے۔ باپ کے خط نے انہیں تمام تر دلفریبیوں کے باوجود لندن کے جال میں پھنسنے سے بچا لیا تھا۔ تاہم انڈیا کی تقسیم سے کم کسی چیز پر وہ کراچی جانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور وہ بھی مختصر سے عرصہ (اگست ۱۹۴۷ء تا ستمبر ۱۹۴۸ء) کے لئے' مرنے سے پیشتر ایک نئی قوم کی تعمیر کے لئے کراچی میں مقیم رہے۔

دوسرا باب ۔ بمبئی ---- وکالت اور آغاز سیاست

۲۴ر اگست ۱۸۹۶ء کو مسٹر جناح کا نام بحیثیت بیرسٹر بمبئی ہائیکورٹ میں درج کر لیا گیا۔ یہ قابل ذکر واقعہ اس

کے ٹھیک دس سال بعد وقوع پذیر ہوا' جب کراچی کا ایک دیہاتی لڑکا قانون کے اس وکٹوریائی محل کے قریب سے گزرا تھا۔ اس نے لندن میں طرح طرح کے جو تجربات حاصل کئے تھے اور مختصر وطن واپسی کے دوران جو زخم لگے تھے' انہوں نے ان تجربات کو مزید پختہ کر کے اسے صحیح معنوں میں آدمی بنا دیا ۔ وہ ماں کی شفقت اور بیوی کی محبت سے محروم ہو چکا تھا۔ کراچی کے ساتھ اس کے مضبوط ترین رشتے عمل جراحی کے ذریعے قطعی طور پر ختم ہو چکے تھے۔ ایم اے جناح اسکوائر نے اگلے چند ماہ بڑی مایوسی اور تکلیف میں گزارے اور پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

بمبئی کے لئے اور مسٹر جناح کے لئے ذاتی طور پر شدید حادثات کا زمانہ تھا۔ چین سے گلٹی دار پلیگ (طاعون) ۱۸۹۶ء کے موسم خزاں میں در آمد ہو کر بمبئی کی مصروف ترین بندر گاہ میں پھیل چکی تھی۔ متعدی وبا کا جس سے آئندہ عشروں کے دوران ہندوستان کے لاکھوں انسان لقمہ اجل بنے' بمبئی' پونا اور احمد آباد کے بارونق بازاروں اور آبادی والے شہروں میں کم از کم اس وقت تک بڑا زور رہا' جب تک کہ ۱۸۹۹ء میں اختراع پسند ڈاکٹر ڈبلیو' ایم' ہا فکن نے پلیگ کا ٹیکہ ایجاد نہیں کیا۔ مسٹر جناح کی صفائی' ستھرائی پر اتنی غیر معمولی توجہ کہ وہ دن میں کئی بار اپنے ہاتھ مل مل کر دھوتے تھے' شاید ہا فکن کی ایجاد سے پہلے دور میں شروع ہوئی جو اس زمانے میں صابن' پانی اور مکان میں سفیدی کرانے کو اس وبا کا تریاق سمجھا جاتا تھا۔ صاف ستھرے اور بے داغ لباس نیز اپنی ذاتی صحت کا خصوصی خیال اور کم آمیزی کے متعلق عمر بھر ان کے دماغ پر جو خبط سوار رہا' اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں' وہ اس دور میں وباؤں کے زور اور صفائی کے ناقص انتظام' بمبئی کی مرطوب گرمی' تندرستی کو درپیش خطرات کے پس منظر میں درست ہی لگتا ہے۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے چرنی روڈ پر واقع اپالو ہوٹل میں ایک اچھا سا کمرہ کرائے پر لے لیا جو ہائیکورٹ کے بہت ہی نزدیک تھا۔ یہاں ان کے بہت سے ایام دوسرے وکلاء کی کارکردگی کا محاسبہ اور اپنے پہلے موکل کے انتظار میں بسر ہوئے۔

پریذیڈنسی مجسٹریٹ

حقیقت یہ ہے کہ مسٹر جناح کی وکالت کے پہلے تین برسوں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں۔ بہرحال ۱۹۰۰ء کا سال ان کے لئے خوشیوں اور امنگوں کا پیغام لایا۔ اس سال ان کے ایک انتہائی "دوست" نے ان کے پیشہ ورانہ لگاؤ کو وقعت کی نظر سے دیکھا۔ یہی وہ دوست تھا جس نے اس کا تعارف بمبئی کے قائم مقام ایڈووکیٹ جنرل جان مولز ورتھ میکفرسن سے کرا دیا۔ آخر الذکر نے مسٹر جناح کے بارے میں فوری طور پر اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے اسے اپنے دفتر میں کام کرنے کی دعوت دی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی پیشکش تھی جو میکفرسن کی طرف سے "کسی ہندوستانی" کو کی گئی۔ یہ بات مسٹر جناح کے انتہائی وفادار دوستوں میں سے ایک سروجنی نائیڈو (۱۸۷۹ء تا ۱۹۴۹ء) نے اپنی یادداشتوں میں لکھی ہے۔ میکفرسن کا اعتماد اور امداد اور مسٹر جناح کے لئے اس کی ابتدائی جدوجہد کے نازک دور میں' جس سے وہ گزر رہا تھا' امید کی کرن ثابت ہوئی۔ بے شک اس کی چوپھی من بائی' اس کے خاوند پیر بھائی اور حلقہ احباب نے معاشرتی طور پر اس کی امداد کی اور لنکنز ان سے

کامیاب ہو کر آنے پر اسے ضروری معاونت فراہم کی مگر میکفرسن نے جناح کے قانونی کیریر کے لئے وہی کچھ کیا جو کرافٹ نے اس کی زندگی کے لئے کیا تھا۔ میکفرسن کے چیمبر میں کام کرنے کی بنا پر جناح کو ان معلومات تک بہت پہلے رسائی ہو جاتی تھی جو کورٹ کی نیم تاریک غلام گردشوں میں سے گزر کر کئی دن بعد دوسرے وکلاء تک پہنچتی تھیں۔ میکفرسن کے ماتحت کام کرتے ہوئے چند ماہ گزرے تھے' جب اسے پتہ چل گیا کہ بمبئی کے چار مجسٹریٹوں میں ایک کی جگہ خالی ہونے والی ہے۔ یہ قیمتی اطلاع موصول ہونے پر اس کا ذہن فوراً حرکت میں آ گیا ---ایڈووکیٹ جنرل کے دفتر میں "کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اور سگار پیتے ہوئے" اس نے آہستہ سے گزرتی ہوئی ایک وکٹوریا گاڑی دیکھی۔ وہ باہر کی طرف دوڑا' اور اس میں سوار ہو کر سر چارلس اولی وینٹ کے دفتر میں پہنچ گیا۔ سر چارلس ان دنوں صوبائی حکومت بمبئی کے قانونی ممبر تھے۔ انہوں نے میکفرسن کے خوب صورت' پرعزم نوجوان معاون کو اتنا متاثر کرنے والا پایا کہ اسے "عارضی" پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے طور پر کام کرنے کے لئے چن لیا۔

مسٹر جناح نے چھ ماہ تک اس منصب پر خدمات انجام دیں اور ہر قسم کے چھوٹے موٹے فوجداری مقدمات کی سماعت کی' جن میں بصرہ سے تعلق رکھنے والے دو افیون خور مسلمانوں کا مقدمہ بھی تھا جو افیون کو اپنی پگڑیوں میں چھپا کر رکھنے کے باوجود پکڑے گئے تھے' ٹکٹ کے بغیر سفر کرنے والے مسافروں کے خلاف محکمہ ریلوے کی شکایات اور چینی ملاحوں کے خلاف الزامات کہ انہوں نے بندرگاہ میں لنگر انداز جہازوں پر کام کرنے سے انکار کر دیا ہے' جیسے مقدمات قابل ذکر ہیں۔ مسٹر جناح نے ایک دیانتدار اور نڈر جج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ تاہم اس نے محسوس کیا کہ بار کے مقابلہ میں جج پیشہ ورانہ کشش کے بہت کم امکانات رکھتا ہے۔ کیا یہ جوانی کی نزاع پسندی تھی جس نے وکالت کو اس کے لئے زیادہ دلفریب بنا دیا تھا یا زیادہ نفع بخش انعامات کی دلکشی؟ بلاشبہ بڑے وکیلوں کے حصہ میں شہرت اور دولت دونوں آتی ہیں اور جناح ان دونوں کے خواہش مند تھے۔ اس لئے جب ۱۹۰۱ء میں سر چارلس نے انہیں جج میں ایک مستقل جگہ کی پیشکش کی' جس کی ابتدائی پندرہ سو روپے ماہوار تنخواہ ان دنوں بڑی معقول سمجھی جاتی تھی' تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی: "میں جلد ہی اس قابل ہو جاؤں گا کہ پندرہ سو روپے روزانہ کما سکوں"۔ چنانچہ انہوں نے بہت تھوڑے دنوں میں ایسا کر دکھایا۔

کامیابی قدم چومتی ہے

ایڈورڈ ہشتم (۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۰ء) کے دور حکومت نے' جو اتفاق سے بیسویں صدی کی ابتداء کے ساتھ ہی شروع ہوا' مسٹر جناح کو ان کے پسندیدہ کیریر میں مضبوطی سے استوار پایا۔ وہ خاصی رقم کمانے لگے تھے' چنانچہ انہوں نے ایک نیا دفتر کرائے پر لیا اور اس باوقار اور پرکشش چیمبر کی آرائش و زیبائش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جناح بھائی پونجا کی صحت کاروبار میں مندا آ جانے کے ساتھ ہی خراب ہو گئی تھی' اس لئے وہ اپنے بقیہ بچوں کو لے کر کراچی سے بمبئی آ گئے۔ وہاں کھاجک کے خوجہ علاقے میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ ایسا لگتا ہے کہ درمیانی زمانے میں مسٹر جناح اپنے باپ کی زیادہ خدمت نہیں کر سکے۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں جناح

بھائی بمبئی کے رتن گیری ساحل پر منتقل ہو گئے' جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام تنہائی اور کسمپرسی کے عالم میں گزارے۔ سات بہن بھائیوں میں سے جناح نے اکیلی فاطمہ کے ساتھ قریبی اور پائیدار تعلق قائم کیا' جس نے بھائی کی گرانقدر مدد کی بدولت باندرا کانوینٹ سکول میں بورڈنگ طالبہ کی حیثیت سے داخلہ لے لیا تھا۔ ان دنوں ہندوستان بھر میں مشن اسکول پرائمری اور ثانوی تعلیم کے بہترین مراکز تھے۔ شاندار ابتدائی تعلیم کی بنا پر فاطمہ کو کلکتہ یونیورسٹی جیسے انتہائی سخت مقابلے والے تعلیمی ادارہ میں داخلہ مل گیا' جہاں انہوں نے ڈینٹل سکول میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔

جناح اتوار کے اتوار اپنی پیاری بہن سے ملنے جاتے۔ اسے بگھی میں بٹھا کر بمبئی کے اردگرد کی سیر کراتے' جو بھائی کی طرح اس کا بھی پسندیدہ مشغلہ تھا۔ بھائی کی طرح لمبا قد اور چھریرا جسم' وضع قطع میں وہ ہو بہو مسٹر جناح کی دلکش تصویر لگتی ۔ اسی کی طرح شریفانہ' بلند پیشانی' گال کی ہڈیاں اسی طرح ابھری ہوئیں' اسی طرح چمکدار بڑی بڑی اور گہری آنکھیں' اور بال جو ابتداء میں بڑے گرم اور کالے سیاہ تھے' بعد میں سردمہری سے بالکل سفید ہو گئے تھے۔

مذہب نے جناح کی زندگی میں کبھی بھی اہم کردار ادا نہیں کیا' اگرچہ اس کی سیاسی اہمیت اپنی جگہ تھی۔ انہوں نے آغا خاں کی سات اماموں کو ماننے والی خوجہ برادری سے بلوغت کے مرحلے میں ترک تعلق کر لیا تھا اور بارہ اماموں کے پیروکار اثنا عشری فرقہ میں شامل ہو گئے' جو کسی زندہ امام کے قائل ہیں۔ بمبئی میں جناح کے پسندیدہ دوستوں میں سے ایک جسٹس بدرالدین طیب جی مسلمانوں میں سے ہائیکورٹ کے پہلے جج اور کانگرس کے تیسرے صدر' اثنا عشری تھے' طیب جی' جناح کی طرح سیکولر لبرل جدیدیت پسند تھے' جنہوں نے مدراس کانگرس کے اجلاس میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کہا: "میں یہ بات سمجھنے سے قطعاً قاصر ہوں کہ مسلمان دوسری نسلوں اور مذہبوں سے تعلق رکھنے والے ہم وطنوں کے ساتھ سب کی بھلائی کے لئے شانہ بشانہ کیوں کام نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر ہم بمبئی پریذیڈنسی میں ہمیشہ سے عمل پیرا ہیں"۔ جناح کے دوسرے قریب ترین دوست پارسی' ہندو اور عیسائی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مذہب کے ساتھ اتنا سنجیدہ نہیں تھا' جتنا وہ انگریزی قانون اور ہندوستانی قوم پرستی پر یقین رکھتا تھا۔

علی گڑھ تحریک

برطانوی ہند کی ایک چوتھائی آبادی کے اکثر رہنما' جو اسلام کے پیروکار تھے' یا تو کٹر بنیاد پرست (سنی) تھے جو قرآن اور سنت نبوی' کو اپنے صحیح روزمرہ طرز عمل کے دو اہم ماخذ سمجھتے تھے یا سید احمد خاں کے جدت پسند پیرو تھے' جو کانگرس کے اس دعویٰ کو کہ وہ متحدہ ہندوستان کی قومی تحریک ہے' اتنی ہی شدت سے رد کرتے تھے جتنی شدت سے وہ علماء کے معصوم عن الخطاء ہونے کے مخالف تھے۔ ۱۸۷۵ء میں یعنی کانگرس کے قیام سے ۱۰ سال پیشتر' سر سید نے' علی گڑھ جو دہلی سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع ہے' اپنے اثر آفریں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی' جسے آکسفورڈ کے رہائشی اور ٹیوٹوریل کالج نمونے پر چلایا گیا۔ یہاں متمول مسلمان گھرانوں کے بچوں کو مغربی سائنس' فلسفہ اور اخلاقیات کے علاوہ برطانوی سامراج اور اسلام دونوں سے

وفاداری کا درس دیا جاتا تھا۔

یہاں کرکٹ کے میدانوں اور مطالعہ گاہوں کے کمروں میں وہ نسل پروان چڑھی جس نے بعد میں مسلم لیگ کی تشکیل و تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ سرسید کو ۱۸۷۰ء میں شاہ انگلستان کی طرف سے "نائٹ" کا خطاب دیا گیا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی برٹش ایمپائر کی خدمت میں گزاری۔ وائسرائے نے انہیں امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں نامزد کیا۔ سرسید نے اس مضبوط پلیٹ فارم سے ۱۸۸۳ء میں سادہ اور غیر مخلوط اصول انتخاب رائج کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان جیسے ملک کے سیاسی نظام میں' جہاں ذات پات کے امتیازات زوروں پر ہیں' جہاں مختلف نسلوں کو ایک نہیں بنایا جا سکتا' جہاں مذہبی اختلافات تشدد آمیز ہیں' ایسا اصول کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایک عشرے بعد انہوں نے کانگرس کے اغراض و مقاصد کو تاریخ اور زمانہ حال کے حقائق سے بے خبری پر مبنی قرار دیتے ہوئے جھٹلایا اور کہا کہ وہ اس بات کو مدنظر نہیں رکھتے کہ ہندوستان میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی فرض کر لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ مرہٹوں' برہمنوں اور کھشتریوں کی طرح یکساں معاملہ کیا جا سکتا ہے اور وہ سب ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا یہ دو قومی نظریہ کی جدید دور میں پہلی تخم ریزی تھی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی نظریاتی اساس بنی۔

وکالت کے میدان میں نمایاں کردار

بمبئی کا بیرسٹر ایم اے جناح ایسے افکار و خیالات سے بھی اسی طرح الگ تھلگ اور کوسوں دور رہا' جس طرح وہ ایسے استدلال کا قائل نہیں تھا کیونکہ ۱۸۹۳ء تک جب سرسید احمد خاں نے پہلی بار ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ قومیں قرار دیا' وہ لندن میں قیام پذیر تھا۔ ان دنوں وہ قانون کو پڑھنے' سمجھنے اور اس کی تعبیر و تشریح کرنے میں منہمک تھا۔ قانون ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اگرچہ ایک وکیل کے طور پر اس کی منفرد کامیابی میں اداکارانہ صلاحیتوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ حقیقت میں "مسٹر جناح وہی کچھ تھے جو کچھ قدرت نے انہیں بنایا تھا"۔

بمبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے والے ان کے ایک ساتھی کا کہنا ہے: "وہ ایک عظیم قانون دان تھے' قدرت نے انہیں چھٹی حس بخشی تھی' وہ اپنے گردوپیش کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔ یہیں ان کی صلاحیتیں پوری طرح اجاگر ہوئیں۔ وہ انتہائی صاف ستھرے خیالات رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دلائل کا رخ وطن کی آزادی کی طرف پھیر دیا۔ ایسے دلائل جن کا انتخاب انہوں نے سوچ بچار کے بعد کیا تھا۔ وہ انہیں بہت آہستہ آہستہ لفظ لفظ کر کے ادا کرتے تھے"۔ ایک اور ہم عصر رقم طراز ہے: "جب وہ عدالت میں کھڑے ہوتے' دھیرے دھیرے جج کی طرف دیکھتے جاتے' اپنی یک چشمی عینک لگاتے' وقت کا اتنا خیال رکھتے جیسے آپ کسی اداکار سے اس کی توقع کر سکتے ہیں' وہ سب سے طاقتور بن گئے۔ ہاں ہاں' ان کے بارے میں یہی لفظ موزوں ہے' سب سے طاقتور"۔ جواشم آلوا کا کہنا ہے: "وہ کمرہ عدالت پر جادو کر دیتے تھے' سراپا کلی سید عار رکھتے جو بدترین حالات میں بھی پرسکون رہتا۔ وہ ہم میں سے بیباک ترین وکیل تھے"۔ جناح کے سب سے زیادہ مشہور قانونی شاگرد ایم سی چھاگلہ نے' ہندوستان کے پہلے مسلمان جو بمبئی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس بنے' بتایا: "ان کا مقدمہ پیش کرنے کا انداز

اداکاری سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا"۔

سیاسیات میں جناح کی پسندیدہ شخصیات میں دادا بھائی نوروجی اور پارسی برادری کے ایک اور ذہین و فطین لیڈر سرفیروز شاہ مہتہ شامل تھے۔ مہتہ کے چیمبر میں انہوں نے درمیانی عرصے میں کچھ دیر کام کیا تھا۔ مہتہ نے ۱۸۹۰ء میں کانگرس سیشن کے صدر کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے زور دیا کہ ہندوستان کی قومی تعمیر کے عمل میں تمام اقلیتوں کو اپنا اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ انہوں نے کہا تھا: "میرے نزدیک ایک پارسی اپنے اس وطن سے جس نے اسے جنم دیا' جتنی زیادہ محبت کرتا ہے' وہ اتنا ہی بہتر اور مخلص تر ہے' جتنا کوئی ہندو یا مسلمان بحیثیت ہندو یا مسلمان زیادہ بہتر اور مخلص تر ہے"۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ تصور کرنا ممکن ہے کہ دادا بھائی نوروجی' مثال کے طور پر جیسے کہ وہ سچے پارسی ہیں' ایک ہندوستانی کے علاوہ کچھ اور ہیں؟ کیا کسی کو شک ہوگا' اگر میں ایک اور مثال پیش کروں' یہ کہ سرسید احمد خاں اس وقت زیادہ عظیم اور زیادہ عالی مرتبہ تھے جب انہوں نے اپنی جملہ خداداد توانائیاں اور صلاحیتیں بلا امتیاز سب ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے وقف کر رکھی تھیں یا اس وقت جب وہ آخر میں خودغرضی اور علیحدگی کے مسلک کا پرچار کرنے لگے تھے؟"۔

مہتہ ہندوستان کے پہلے پارسی وکیل تھے جنہوں نے ۱۸۶۸ء میں لنکنز ان سے بیرسٹری پاس کی اور بمبئی میونسپل کارپوریشن میں ۴۶ برس تک کام کیا اور چار مرتبہ اس کے صدر بنے۔ وہ ایک خوش وضع' حاکمانہ شان رکھنے والے اور گرم مزاج وکیل تھے جنہیں بمبئی کا "بے تاج بادشاہ" کہا جاتا تھا۔ وہ جناح کے ابتدائی زمانہ وکالت میں دادا بھائی نوروجی سے بڑھ کر بمبئی کا نمونہ تھے۔ ۱۸۹۰ء میں انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین "فرضی رقابت" کو توجہ ہٹانے اور اصلاحات کو ٹالنے کے ایک موزوں حربے سے تعبیر کیا۔ نوجوان جناح بھی انہی خطوط پر سوچتے تھے۔

کانگرس میں شمولیت

کانگرس کے جس پہلے سیشن میں جناح نے شرکت کی' وہ اس کا بیسواں سالانہ اجلاس تھا اور دسمبر ۱۹۰۴ء میں بمبئی کے مقام پر منعقد ہوا۔ سرفیروز شاہ مہتہ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ انہوں نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں جو سرہنری کاٹن کے صدارتی خطبہ سے بھی طویل تھے' کانگرس کے اندر اپنی تقابلی حیثیت اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور اسلوب کا اظہار کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ کرزن کی اس مربیانہ نصیحت کا جواب دیتے ہوئے کہا: "میرے خیال میں ہندوستان کی نجات سیاست میں تلاش نہیں کی جا سکتی"۔ مہتہ نے سوال کیا "یہ امنگیں اور آرزوئیں بتدریج بھی کیسے پوری ہو سکتی ہیں' جب تک ہمیں سیاست کے میدان میں ایک معمولی اور اعتدال پر مبنی کردار بھی ادا کرنے کی اجازت نہ دی جائے"۔

برطانوی ہند کی "خفیہ اور غیر ذمہ دار بیوروکریسی" کے ہوتے ہوئے یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔ مہتہ نے والٹریچ ہاٹ کے اس قول سے کہ: "پوری بیوروکریسی معیار کے لحاظ سے بہت کمتر اور مقدار کے نقطہ نظر سے غیر معمولی ضابطوں پر عمل کرانے کا رجحان رکھتی ہے" مکمل اتفاق اور اس کی تائید کی۔ آخر میں اس نے تجویز پیش کی کہ

آئندہ سال بمبئی سے ان کے دو معتمد نائبین کو کانگرس کے مندوبین کی حیثیت سے لندن بھیجا جائے جو سیاسی مبصرین کی اس پیش گوئی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مدد دے سکیں کہ ویسٹ منسٹراور وائٹ ہال میں لبرل پارٹی کی حکومت ہوگی۔ اس قدر اہم کام کے لئے مہتہ نے جن دو ساتھیوں کا انتخاب کیا' ان میں سے ایک گوپال کرشن گوکھلے اور دوسرے مسٹر جناح تھے۔ گوکھلے کو اگلے سال کانگرس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرنی تھی۔ ان کا انتخاب ہر ایک کو موزوں اور حسب حال محسوس ہوا لیکن مسٹر جناح سے ابھی تک کانگرس کے زیادہ تر مندوبین نا آشنا تھے' علاوہ ازیں اس وفد پر اٹھنے والے اخراجات جمع کرنے کی بابت بہت سے سوال اٹھائے گئے۔ اگلے سال توبوجوہ یہ وفد نہیں بھیجا گیا تاہم آٹھ سال بعد مسٹر جناح' گوکھلے کی معیت میں یقیناً لندن گئے' جب ان دونوں کو ایک ہی رائل کمیشن میں نامزد کیا گیا تھا۔ ۱۹۰۴ء کے اجلاس میں مسٹر جناح' گوکھلے سے پہلی مرتبہ ملے تھے' تاہم اس کے تدبر' معاملہ فہمی' دیانتداری اور اعتدال پسندی سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک بار گوکھلے کو کھلے دل سے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ سیاست میں "مسلم گوکھلے" بننا چاہتے ہیں۔

کانگرسی سیاست میں مسٹر جناح کی شمولیت بمبئی میں ان کے ترقی پذیر قانونی پیشے اور معاشرتی زندگی کی ضمنی پیداوار کا ایک لازمی جزو تھا کیونکہ دادا بھائی کے ساتھ ان کا پہلا تعلق لندن میں قائم ہوا تھا۔ لارڈ کرزن کے مربیانہ دور حکومت میں ہندوستان کے ان تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سیاسی بے چینی کے اضافہ کو تقویت ملی' جو آزادی کے ساتھ محبت کا جذبہ پیدا کرنے والے انگریزی لٹریچر کے افکار سے بہت زیادہ متاثر تھے لیکن جب وہ اپنے گردوپیش پھیلی ہوئی بے روزگاری' سیاسی غلامی اور پرلے درجے کی غربت و فلاکت کو دیکھتے تھے تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے' ویسے بھی ۱۹۰۵ء کا سال بہت سی عالمی تبدیلیوں کا سال تھا۔ جاپان نے روس کے دیو پیکر بحری بیڑے پر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ فتح اسی سال پائی۔ پیٹرز برگ کا انقلاب' جس نے زار کو ایک نمائندہ پارلیمنٹ (ڈوما) مقرر کرنے پر مجبور کر دیا' اسی برس وقوع پذیر ہوا۔ چینیوں کی طرف سے انگریزی مال کا کئی بندرگاہوں میں بائیکاٹ اور برطانیہ کے تہلکہ خیز قومی انتخابات' جنہوں نے آئندہ عشرے کے دوران لندن میں لبرل پارٹی کی حکومت قائم ہونے کی پیش گوئی کر دی' جیسے واقعات نے پورے برصغیر میں جوش و خروش کی زبردست لہر دوڑا دی۔ اندرونی طور پر لارڈ کرزن کے دور کا سب سے زیادہ ڈرامائی اور دور رس اثرات کا حامل قدم ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے بنگال کی تقسیم کا فیصلہ تھا۔

تقسیم بنگال

ساڑھے آٹھ کروڑ سے زائد آبادی کے صوبے کا انتظامی لحاظ سے کنٹرول کرنا واقعی مشکل تھا' لیکن اس کی تقسیم کے لئے جو خط کھینچا گیا' اس نے اس صوبے کی بنگالی بولنے والی "قوم" کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ہندوؤں کی اکثریت والا مغربی علاقہ ایک طرف چلا گیا جبکہ زیادہ تر غریب مسلمانوں پر مشتمل مشرقی حصہ دوسری طرف۔ مشرقی بنگال اور آسام کو ملا کر مسلم اکثریت کا ایک نیا صوبہ قائم کیا گیا جس کا دارالحکومت ڈھاکہ قرار پایا۔ مغربی بنگال میں' جس کا مرکز کلکتہ ہی رہا --- ہندوؤں کی برتری بدستور قائم رہی۔ تاہم اس میں بنگالی بولنے والے

ساریوں اور اردو بولنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس میں بنگالی بولنے والے ہندوؤں کی اکثریت نہ رہی۔
کلکتہ کے سرکردہ بنگالی ہندوؤں نے جو ۱۹۰۳ء سے کرزن کے زبردست نکتہ چیں تھے' اپنی "مادر وطن" کی اس تقسیم کو برطانیہ کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی مشہور پالیسی کا انتقامی حربہ قرار دیا۔ تقسیم کے خلاف پر تشدد مظاہروں کا سلسلہ جو کلکتہ کے پر ہجوم بازاروں اور تنگ گلیوں سے شروع ہوا۔ اس میں قومی احتجاج اور باہر سے آنے والے انگریزی مال کے بائیکاٹ کی خوفناک لہر نے بہت جلد بمبئی' پونا' مدراس اور لاہور کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لاکھوں ہندوستانی جن کا بظاہر سیاسی مطالبات سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا' بنگال کے 'ان انقلابیوں سے متاثر ہو کر' جو ہزاروں کی تعداد میں انگریزی اسکولوں کو چھوڑ کر کلکتہ کی سڑکوں پر کانگرس کا نیا قومی ترانہ "بندے ماترم" (مادر وطن کو سلام) گاتے ہوئے مارچ کرتے اور حکومت کے خلاف جوشیلی تقریریں کر کے جذبات میں آگ لگا دیتے تھے' مضبوطی سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر سیاست کے میدان میں کود پڑے۔
جناح نے بنگال کی اس تقسیم کے خلاف ذاتی طور پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا' حالانکہ اس دھماکہ خیز اقدام کے سیاسی اثرات نے نہ صرف اس کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا بلکہ ہندوستان کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ ایک معتدل کانگرسی' دوست اور پیرو کی حیثیت سے شاید وہ صدر گوکھلے کے اس رد عمل سے متفق ہو گئے ہوں کہ یہ تقسیم "ایک ظالمانہ غلطی' موجودہ نوکر شاہی نظام کی بدترین خصوصیت' رائے عامہ کی اعلانیہ توہین' اعلیٰ دانائی کی بابت اس کے جھوٹے دعاوی' لوگوں کے عزیز ترین جذبات سے غیر محتاط بے اعتنائی کا مکمل مظاہرہ ہے"۔
بہرحال بمبئی کے ایک مسلمان کی حیثیت سے جناح ہندوستانی قوم پرستوں کے تمام ذیلی گروہوں کے مابین غم و غصہ اور بے وفائی کے جذبات سے قریباً بالکل الگ تھلگ رہے جس میں بہت سے بنگالی ہندو شامل ہو گئے تھے' بہرحال وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کا سیاسی اقدام کس قدر دانشمندانہ ہے' جس سے بنگالی مسلمان کو کلکتہ کے جاگیرداروں' سرمایہ داروں نیز ہندوؤں کی سیاسی قیادت سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور چھوٹے سے پر سکون ڈھاکہ کو کلکتہ' بمبئی اور مدراس جیسی صوبائی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔ تقسیم بنگال نے پورے برصغیر کے مسلم شعور کو بیدار کر دیا' جس کی بدولت ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔
کرزن کا جانشین لارڈ منٹو بھی ٹوری پارٹی سے تھا۔ وہ برطانیہ کے ان عام انتخابات سے تھوڑے دن پہلے کلکتہ وارد ہوا' جس کے نتیجے میں اس کی جماعت آئندہ دس برس کے لئے لندن میں اقتدار سے محروم ہو گئی۔ متناقض طور پر لبرل پارٹی کے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند جان مارلے نے اس ایمپائر کو' جس میں وہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک شریک اقتدار رہا' ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اتنا ہی کردار ادا کیا' جتنا خود منٹو نے۔ اس نے وائٹ ہال (برطانوی حکومت کا صدر دفتر) کی باگ سنبھالتے ہی انتہائی بے ضرر وجوہات کی بنا پر ہندوستان میں آئینی اصلاحات رائج کرنے کا وعدہ لیا۔ مارلے کی کونسل نے جو اصلاحات تجویز کیں' بظاہر ان کا مقصد ہندوستان بھر میں سیکولر نمائندہ حکومت کی بنیاد کو مزید وسعت دینا اور اس پر عائد بہت سی پابندیوں کو ختم کرنا تھا۔ لیکن اس اقدام نے برطانوی ہند نے زیر تدوین دستور میں مذہبی اختلافات کے گہرے بیج بو دیئے۔

شملہ وفد

یم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو برطانوی ہند کے ہر صوبے اور کئی ریاستوں سے چنے گئے شریف' اہل ثروت اور صاحب

قوت مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد آغا خاں کے زیر قیادت شملہ کے وائسرائیگل لاج میں داخل ہوا۔ منٹو کا چوتھا امیر، شہسواری کا دلدادہ جسے عرف عام میں "مسٹر رالی" کہا جاتا تھا ٹھیک گیارہ بجے ہال میں داخل ہوا۔ آغا خان نے باری باری اپنے ساتھیوں کا وائسرائے سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد لارڈ منٹو نے با آواز بلند وہ سپاسنامہ پڑھا جو بچھڑے کے چمڑے سے تیار شدہ ایک باریک جھلی پر لکھا ہوا تھا، اور اس کے سیکرٹری جے آرڈنلپ سمتھ کو پہلے سے موصول ہو چکا تھا۔ اس سپاسنامہ میں یہ تنبیہہ شامل تھی کہ:

"مسلمانان ہند نے ہمیشہ جذبہ دادرسی اور رعایا سے مساوی حسن سلوک پر، جو ان کے حکمرانوں کا امتیازی وطیرہ رہا ہے، مکمل بھروسہ کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنے مطالبات پر ایسے طریقوں سے زور دینے سے احتراز کیا ہے جو خوف وہراس پھیلانے کا موجب ثابت ہوں، لیکن ہم خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمانان ہند کو آئندہ اس شاندار اور قدیم روایت سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ حالیہ واقعات نے جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کی نوجوان نسل کو، جو شاید بعض حالات میں اور بعض ہنگامی ضروریات کے تحت معتدل مشورہ اور سنجیدہ رہنمائی کی حدود سے آسانی کے ساتھ باہر جا سکتی ہے"۔

اور اس تنبیہہ کے بڑے مضمرات سے وائسرائے یا اس کے عملے میں سے کسی پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ہمیں امید ہے کہ حضور والا ہمیں شروع ہی میں یہ عرض کرنے پر معاف فرمائیں گے کہ یورپی طرز کے نمائندہ ادارے اہل ہند کے لئے نئے ہیں۔ حقیقت میں ہماری برادری کے بہت سے صاحب فکر ممبر سوچتے ہیں کہ اگر انہیں ہندوستان کے معاشرتی، مذہبی اور سیاسی حالات کے مطابق کامیابی سے ڈھالنا ہے تو انتہائی توجہ، پیش بنی اور احتیاط سے کام لینا ضروری ہو گا۔ اور یہ کہ ویسی توجہ اور احتیاط کے ساتھ انہیں اپنایا گیا تو یہ خدشہ ہے کہ اس سے دوسری برائیوں کے علاوہ ہمارے قومی مفادات ایک غیر ہمدرد اکثریت کے رحم وکرم پر جا پڑیں گے"

ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے برطانوی حکمرانوں کی خدمت میں "غیر ہمدرد" ہندو اکثریت کے خلاف امداد کی درخواست پیش کرتے وقت "قومی مفادات" کے الفاظ پہلی بار استعمال کئے گئے تھے۔ سپاسنامہ میں سرکاری ملازمت کے ہر محکمہ اور شعبہ میں زیادہ مواقع فراہم کرنے کے لئے مسلمہ توقعات کا اظہار کرتے ہوئے مزید عرض کیا گیا تھا۔ "ہم مسلمان ایک جداگانہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے کچھ اضافی مفادات ہیں جن میں دوسری برادریاں شریک نہیں۔ اور ان کو بظاہر اس حقیقت سے نقصان پہنچا ہے کہ انہیں معقول نمائندگی نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے ہم استدعا کرتے ہیں کہ حکومت براہ نوازش ہندوستان کے تمام صوبوں کی گزیٹڈ وماتحت نیز وزارتی سروسز میں مسلمانوں کیلئے ایک مناسب حصہ کا اہتمام کرے۔ تعلیم کے مواقع بڑھ جانے کی وجہ سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ تاہم مسلم ماہرین تعلیم کی ہر تعلیمی تحریک شروع کرتے وقت یہ کوشش رہی ہے کہ کردار کو بہتر بنایا جائے اور ہم یہ سوچنے کی جسارت کرتے ہیں کہ یہ چیز کسی شخص کو ایک اچھا گورنمنٹ ملازم بنانے کے لئے صرف ذہنی مستعدی سے کہیں زیادہ اہم ہے" آخر میں مسلمانوں کے لئے مرکزی اور صوبائی کونسلوں، ہائی کورٹس کے بنچوں، بلدیاتی اداروں نیز یونیورسٹیوں کے ایوان ہائے بالا وزیریں میں علیحدہ نشستیں مخصوص کرنے کی گزارش کی گئی تھی۔

منٹو نے اس وفد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس نے علی گڑھ اور اس کے طلباء کے کردار کو سراہتے ہوئے

انہیں "اپنے مذہبی عقائد میں پختہ، وفاداری اور حب الوطنی کے اصولوں میں محکم" قرار دیا۔ اس نے وفد کو اس وفاداری، سوجھ بوجھ اور مضبوط استدلال پر مبارک باد دی جس کا اظہار سپاسنامہ میں فراوانی سے کیا گیا تھا۔ اس نے مشرقی بنگال اور آسام کے مسلمانوں کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے تقسیم کے دوران بڑی اعتدال پسندی اور ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ انگریز ان کے ساتھ ہمیشہ انصاف اور مساوی سلوک کریں گے۔ چونکہ وہ گہری بنیاد پر استوار لبرل پارٹی کے جمہوری اصولوں پر یقین نہیں رکھتا تھا اور بذات خود ایک رجعت پسند زمیندار تھا، اس نے امراء کے وفد کو یقین دہانی کرائی کہ میں مشرقی نسلوں کی موروثی جبلت اور روایت کے مابین مغربی دنیا کی سیاسی مشینری کا ہرگز خیر مقدم نہیں کروں گا۔

آخر میں منٹو نے اعلان کیا کہ "ہندوستان میں کسی ایسے طریقہ انتخاب کو شرانگیز ناکامی تصور کیا جائے گا جس کا مقصد برصغیر کی آبادی کے اجزائے ترکیبی میں شامل برادریوں کے عقائد و روایات سے قطع نظر محض حق رائے دہی کو تسلیم کرنا ہو۔ مسلمان برادری کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ایک برادری کے طور پر ان کے سیاسی حقوق اور مفادات کا اس نئے انتظامی ڈھانچے میں تحفظ کیا جائے گا جس سے میرا تعلق ہے۔" وفد نے اس یقین دہانی پر اظہار اطمینان و مسرت کے ساتھ وائسرائے کا شکریہ ادا کیا۔ دوپہر بعد گارڈن ٹی پارٹی میں وفد نے لیڈی منٹو کو یقین دلایا کہ اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ وائسرائے ہمارے خیر خواہ ہیں۔

منٹو اور ڈنلپ سمتھ نے اسے اہم ترین کامیابی سے تعبیر کیا اور غالباً آخر الذکر نے اسی شام اپنی بیگم کو بتایا کہ میرے خیال میں اس طرح ۶۲ ملین لوگوں کو باغی اپوزیشن کی صفوں میں شامل ہونے سے روک لیا گیا ہے۔

کلکتہ کے مشہور قوم پرست اخبار "امرت بازار پتریکا" نے وفد اور اس کے استقبال کے بارے میں یوں تبصرہ کیا۔ "یہ ایک ہوشیار کرنے کا معاملہ تھا جس کی مکمل منصوبہ بندی مفاد پرست حکام نے اپنے کرتوتوں پر پانی پھیرنے کے لئے کی تھی۔ حکام چند باحیثیت سادہ لوح لوگوں سے اپنے طرز عمل کی تصدیق چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندو ایسا نہیں کریں گے، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے رجعت پسند طبقات سے اس کام کا آغاز کیا"۔ یہ دونوں اندازے مبالغہ پر مبنی تھے۔ بلاشبہ وفد کے ساتھ "مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا"--- جو شاہراہ پاکستان کی طرف ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، 'وعدہ کیا گیا' تاہم شملہ وفد کی کوششوں کا اصل لب لباب مسلم لیگ کی تشکیل تھی جس کا قیام سال ختم ہونے سے پہلے عمل میں آگیا۔ جناح کو جو انہی دنوں آغا خان کے اسماعیلی فرقہ سے علیحدہ ہوئے تھے، مسلم وفد یا ڈھاکہ میں ہونے والے مسلمانوں کے اجلاس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مسلم لیگ کی تشکیل

نومبر میں ڈھاکہ کے نمایاں جاگیردار سلیم اللہ خان نے جنہیں ان کی وسیع املاک و جاگیر کی بنا پر "نواب" کا خطاب حاصل تھا، علی گڑھ کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو دعوت دی کہ وہ اپنا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں منعقد کریں۔ اس کے ساتھ ہی تجویز کیا کہ ایک "مسلم آل انڈیا کانفرنس" بھی اسی شہر میں ہونی چاہئے۔ وہ وفد شملہ کے دنوں میں تو "صاحب فراش" تھے تاہم ڈھاکہ کے شاہ باغ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے کے لئے ۳۰ دسمبر

۱۹۰۶ء کو جو جلسہ منعقد ہوا' اس کی مجلس استقبالیہ کی چیئرمینی انہی کے حصہ میں آئی۔ اس اجلاس نے خاموش اور پرسکون ڈھاکہ کو جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی سیاست کا مرکز بنا دیا جہاں ملک کے کونے کونے سے آئے ہوئے ۵۸ مسلم مندوبین کی بڑی فیاضی سے تواضع کی گئی۔

مسلم لیگ کے پہلے صدر نواب وقار الملک مشتاق حسین (حیدر آباد) نے اس طرف توجہ دلائی کہ "مسلمان ملک کی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ واضح رہے کہ اگر کسی بہت بعد کے مرحلے پر ہندوستان میں انگریزی حکومت نہ رہی تو ملک کا اقتدار اس قوم کے ہاتھوں میں چلا جائے گا' جو ہم سے قریباً چار گنا بڑی ہے۔ حضرات! اب ہم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اگر ہندوستان میں ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تو ہماری پوزیشن کیا ہو گی اس وقت ہماری جان' مال' عزت و آبرو اور مذہب سب خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ اس وقت بھی جبکہ ایک مضبوط انگریز انتظامیہ اپنے شہریوں کا تحفظ کر رہی ہے' ہمیں اپنے ہمسایوں کے غاصبانہ ہاتھوں سے اپنے مفادات کی حفاظت کرنے میں شدید دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ اگر تم کچھ نہ کر سکے تو ایسا وقت آ سکتا ہے کہ تم اپنے ہمسایوں کے غلام بن جاؤ۔ اور ہمسایوں کی اس خواہش کی تکمیل کو روکنے کی مسلمانوں کے پاس اس سے بڑھ کر اور قیمتی کوئی تدبیر نہیں کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کے جھنڈے تلے متحد ہو جائیں اور اپنی جانیں اور مال اس کے تحفظ کے لئے وقف کر دیں"۔

گویا رجعت پسند اور ایسے وفادار مسلم امراء' کی بنائی ہوئی مسلم لیگ جو بڑی بے تکلفی سے اعتراف کرتے تھے کہ محض ان کی بقاء کے لئے نہیں بلکہ فلاح و بہبود کے لئے بھی انگریزی حکومت کی طرف سے فراہم کردہ حفاظت ناگزیر ہے قوم پرستانہ امنگوں کا اظہار کئے بغیر وجود میں آئی۔ "ہمیں اپنی جانوں' اپنے اموال' اپنی عزت و آبرو اور مذہب کا خیال ہے تو ہمیں حکومت کا وفادار بننا ہو گا۔ ہماری خوشحالی ہندوستان میں برطانوی راج سے ہماری وفاداری کے ساتھ مشروط و منحصر ہے"۔ صدر مشتاق حسین نے کھل کر اعتراف کیا۔ وہ نظام حیدر آباد کے ہاں ملازمت کر چکے تھے جہاں نہ سیاسی احتجاج کی اجازت تھی نہ اختلاف رائے کو برداشت کیا جاتا تھا۔

"مجھے یہ اعلان کرنے میں کوئی باک نہیں کہ جب تک کانگریس کے رہنما انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف نفرت ختم کرنے کی بہ عجلت ممکنہ کوشش نہیں کرتے تو جو کچھ اس وقت کہا جا رہا ہے اور کیا جا رہا ہے' اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ سرکشی و نافرمانی عام ہو جائے گی اور مسلمانان ہند سے کہا جائے گا کہ وہ اس باغیانہ جذبے کی سرکوبی کے لئے محض زبانی جمع خرچ کرنے کے بجائے برطانوی حکومت کے ساتھ مل کر موثر طور پر اپنا ضروری فرض ادا کریں"۔

نواب سلیم اللہ خان نے اس اجلاس میں چار قراردادیں پیش کیں' جو سب کی سب متفقہ طور پر قبول کر لی گئیں ان کے نتیجے میں مسلم لیگ کی تخلیق ہوئی۔ مسلم لیگ جس کے مقدر میں مسلم ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم اور چالیس سال سے بھی کم مدت میں پاکستان کے لئے تحریک کا علمبردار بننا لکھا تھا' مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق اور مفادات کے تحفظ اور ترقی نیز اپنی ضروریات اور گزارشات مودبانہ طور سے حکومت کے گوش گزار کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ نواب آف ڈھاکہ نے اسے اس راستہ کا ایک موثر آلہ بنا دیا جو سرسید احمد خان نے بیس سال پیشتر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا تھا۔

آغا خاں کو مسلم لیگ کا پہلا اعزازی صدر منتخب کیا گیا اگرچہ وہ ڈھاکہ کے افتتاحی اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے بعد میں لکھا کہ "یہ بات وہم کی حد تک طنز آمیز تھی کہ ۱۹۰۶ء میں ہمارے بیباک ترین مخالف جناح تھے انہوں نے ہر اس کام کی ڈٹ کر مخالفت کی جو میں نے اور میرے دوستوں نے کیا تھا' یا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معروف مسلمانوں میں سے ایسا طرز عمل اختیار کرنے والے وہی اکیلے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جداگانہ انتخاب کا ہمارا اصول بجائے خود قوم کو تقسیم کر رہا ہے"۔

جناح ۱۹۰۶ء کے کانگریسی سیشن میں ۴۴ مسلمانوں اور قریباً ۱۵۰۰ ہندو' پارسی اور عیسائی مندوبین کے ساتھ شرکت کر چکے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت دادا بھائی نوروجی نے کی جبکہ جناح نے ان کے سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔ عمر رسیدہ نوروجی اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ وہ خود صدارتی خطبہ نہیں پڑھ سکے' جسے ضبط تحریر میں لانے میں جناح نے ہاتھ بٹایا اس لئے ان کی جگہ گوکھلے نے وہ خطبہ پڑھا جس کے شروع میں متعدد سوال تھے۔ ایک سوال میں لبرل وزیر اعظم کیمبل بینرمین سے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا۔ "اچھی حکومت عوام کی اپنی حکومت کا ہرگز متبادل نہیں ہو سکتی۔" اس منزل کے عملی حصول کی بابت خطبہ میں "بڑی نیاز مندی" سے درخواست کی گئی تھی کہ ملازمتوں کے ہر شعبہ میں زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو مواقع دیئے جائیں تاکہ بہت سے انگریز افسروں کو ہندوستان پر لانے کی جو غلطی کی گئی ہے اس کا سدباب ہو سکے۔

"اس اقدام نے ہمیں دولت روزگار اور عقل وشعور مختصر یہ کہ زندہ رہنے کے لئے درکار ہر اہم شے سے محروم کر دیا ہے۔ یورپین کی بجائے ہندوستانی کو سروسز میں لگانا اس سارے مقابلے میں سب سے اہم ہے۔ باہمی تعاون سے تعلیم کو لوگوں میں سختی کے ساتھ پھیلانا ضروری ہے پرائمری تعلیم مفت اور لازمی ہونی چاہئے۔ نیز ہر قسم کی مفت اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ ایک طرف تعلیم' دوسری طرف انتظامی امور کی عملی تربیت اتنی تیزی سے حکومت خود اختیاری کے قیام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے گی کہ بہت سے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے"۔

دادا بھائی کی تقریر جس میں مارلے کا بار بار حوالہ دیا گیا تھا' میں "مفت" کے مقدس لفظ کے مساوی" سب سے بے ضرر امنگ جو کسی انسان کے سینے کو گرم رکھ سکتی ہے"۔ کے الفاظ درج تھے۔ مسٹر جناح نے جس وقت انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے اپنی تیسویں سالگرہ منائی تو ان کے دل میں مذکورہ بالا نوعیت کی امنگیں اور خیالات موجزن تھے۔ اس تقریر میں تقسیم بنگال کو "انگلینڈ کی فاش حماقت" قرار دیا گیا تھا۔ تاہم دادا بھائی امید رکھتے تھے کہ احتجاج کے ذریعے اس کی تصحیح کرائی جا سکتی ہے۔ تقسیم کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین بڑھتے ہوئے فاصلے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ۔

" جملہ مذہبوں اور طبقات کے ہندوستانیوں کے مابین مضبوط سیاسی اتحاد ہونا چاہئے۔ میں اس کے لئے ہندوستان کے لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کیونکہ یہ ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ان میں صلاحیت ہے۔ قوت ہے اور سمجھ بوجھ ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا جائز حصہ حاصل کر سکیں سرکاری ملازمتیں ان کا محض ایک ادنیٰ حصہ ہیں۔ سرکاری ملازمتیں سب کچھ نہیں۔ ایک بار حکومت خود اختیار مل جائے تو سب کے لئے خاصی خوشحالی ہوگی' اس سے پہلے نہیں۔ اس لئے اپنی نجات کے لئے تمام لوگوں کا مضبوط اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ انہیں اکٹھے ڈوبنا یا تیرنا ہے۔ اسکے بغیر تمام کوششیں بیکار ہونگی"۔

خوبصورت قلمی خاکہ

مسٹر جناح اس عشرے کے دوران جس قدر سیاسی جلسوں میں شریک ہوئے۔ وہاں قومی اتحاد کے لئے آواز لازماً بلند کی جس کی بناء پر انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سچا سفیر" کہا جانے لگا۔

مشہور شاعرہ سروجنی نائیڈو سے جنہیں ان کی خوش آواز کے سبب "بلبل ہند" کہا جاتا تھا' مسٹر جناح کی پہلی ملاقات کلکتہ کے اسی سیشن میں ہوئی۔ جب وہ ایک ابھرتے ہوئے وکیل اور مستقبل کے سیاستدان شمار ہونے لگے تھے۔ نائیڈو کے بقول وہ جذبہ حب الوطنی سے پوری طرح سرشار تھے۔ نائیڈو ان کی مسحور کن وضع قطع اور کمیاب و پیچیدہ مزاج سے بہت متاثر ہوئیں۔ انہوں نے نوجوان جناح کا ایک بہت ہی بصیرت افروز قلمی خاکہ یوں کھینچا ہے۔

"طویل قامت اور پروقار تاہم انتہائی دبلا پتلا' عادت کے لحاظ سے بہت سست رفتار اور عیش پسند' محمد علی جناح کی لطیف شخصیت پر غیر معمولی قوت حیات اور برداشت کا مغالطہ آمیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ ایک حد تک قاعدے قانون کا پابند' نازک مزاج' قدرے تنہائی پسند اور تحکمانہ انداز کا مالک وہ خاموش تمکنت اور کم آمیزی کا خوگر ہے لیکن جو اسے جانتا ہو اس کے لئے یہ سب مصنوعی نقاب ہیں۔ وہ ایک کھرا اور سرگرم انسان' تیز وجدان کا حامل اور عورت کی طرح نرم و نازک' زندہ دل و خوش طبع اور بچے کی مانند دلکش' دانش مندی کے اعلیٰ ترین معیار پر پورا اترنے والا اور باعمل انسان' اندازہ لگانے اور زندگی کو تسلیم کرنے میں ہوشیار و غیر جانبدار' اس کے مادی تدبر کی ظاہری متانت موثر طور سے شرمیلی اور شاندار اصول پرستی کو چھپائے ہوئے ہے۔ جسے انسانیت کا اصل جوہر کہنا چاہئے"۔

ہندو مسلم اتحاد کے لئے مساعی

جناح کلکتہ سے ہندو' مسلم اتحاد کو فروغ دینے کے مشن میں کامیابی کی بہت سی توقعات لے کر لوٹے تاہم چند ہم عصروں کی طرح انہیں بھی احساس ہو گیا تھا کہ سوراج کی اس منزل تک پہنچنے کے لئے جسے کانگریس نے اپنا لیا ہے' ایسا اتحاد کس قدر ناگزیر ہے بلاشبہ وہ اس بات کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ کہ اس کے دادا بھائی' فیروز شاہ اور گوکھلے جیسے اعتدال پسند سرپرستوں اور دوستوں کی کانگریس کے لیڈروں کی حیثیت سے کامیابی کا واحد انحصار سیکولر دستوری قومی اپیل پر ہے دوہری اقلیتی حیثیت کے ذریعے اس کا حصول ممکن نہیں۔ وہ ہر قسم کی تنگ نظری اور علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو گئے تھے جدید لباس میں ایسا شیکسپیئرین ہیرو بن گئے جس کے ذہن میں برک' مل اور مارلے کے بلند ترین خیالات گونجتے رہتے اور دل کو گرماتے رہتے تھے۔ کانگریس کا قومی سیاسی پلیٹ فارم اب ان کے لئے نیا ڈرامائی اسٹیج بن گیا تھا۔ جو بمبئی کے ہائیکورٹ سے عظیم تر' اور زیادہ جوش دلانے والا تھا۔ لندن سے واپس آنے کے بعد دس سال کی مختصر مدت میں وہ حقیقتاً بمبئی کی شخصی حکومت کے ظاہری وارث کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جو کانگریس کی سست رفتار سیاسی بیل گاڑی کو ہانک کر آزادی کی موجودہ سرزمین تک لے گیا۔

کانگریس کے اندر ایک اور زیادہ سرگرم انقلابی گروپ نے' جس کی قیادت مہاراشٹر کے لوکمانیہ بال گنگادھر تلک اور بنگال کے آتش مزاج بیپن چندرپال کے ہاتھ میں تھی' بہرحال ہندوستان کی سب سے بڑی قوم پرست تنظیم پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے اعتدال پسند بوڑھے محافظوں سے ٹکر لی۔ اگرچہ گوکھلے اور تلک دونوں نے پونا میں اکٹھے تعلیم حاصل کی اور قومی خدمت میں بھی ایک ساتھ کام کرچکے تھے' تاہم ان میں کئی لحاظ سے خصوصاً سیاسی حربوں اور فلسفے کے لحاظ سے بہت اختلاف پایا جاتا تھا لوکمانیہ اور اس کی نئی جماعت مارلے کی موجودہ اصلاحات پر یقین نہیں رکھتی تھی یہ لوگ کسی کام کے لئے انگریزوں کی دفتری حکومت کے سامنے "عذرات یا گزارشات" پیش کرنے کے خلاف تھے۔ بائیکاٹ ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ وہ پہلے مشینی کپڑے اور بنی ہوئی دوسری درآمدی اشیاء بعدازاں تمام برطانوی اداروں بشمول اسکولوں' عدالتوں اور کونسلوں کے بائیکاٹ پر زور دیتے تھے۔ ان کے بائیکاٹ کی دوسری اقتصادی شق کا مقصد ملکی صنعت خصوصاً سوتی کپڑے کو جسے ہاتھ سے بنا اور مشین کے ذریعے تیار کیا جاتا تھا' ترقی دینا تھا۔ انہوں نے سوراج (حکومت خوداختیاری) کو اپنی منزل قرار دیا' لیکن جس قسم کا سوراج وہ مانگتے تھے وہ انگریز شہریوں کا ہوم رول نہیں' بلکہ ہندوستانیوں کو مکمل طور پر آزاد کرنے کا مطالبہ تھا۔ تلک نے لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے' جن میں زیادہ تر ان پڑھ کسان اور شہروں کے مزدور تھے' جن علامتوں کو مقبول بنا کر اپنی تحریک کو آگے بڑھایا وہ ہندوازم کے مذہبی ذخار اور علاقائی داستانوں سے ماخوذ تھیں اور عام طور سے مسلمانوں اور دیگر برادریوں سے برگشتہ کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ صرف ہندو پیروؤں کو خوش کرنے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔ موقع پر موجود انگریز حکام نے اس ابھرتی ہوئی اپوزیشن کی آواز دبانے کے لئے انسدادی تدابیر آزمائیں جو بیکار ثابت ہوئیں مارلے قوم پرستی سے نمٹنے کے اس طریقے کو "زلزلوں کے لئے گولیاں" دینے سے تعبیر کرتا تھا۔ زیادہ تر لیڈروں کو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ جن میں پنجاب کے ایک نئے "مجاہد" لالہ لاجپت رائے بھی شامل تھے۔ انہیں ۱۹۰۷ء کے موسم بہار میں جونہی گرفتار کیا گیا' وہ قومی ہیرو بن گئے فسادات سے ڈر کر حکومت نے بحری جہاز میں سوار کرا کے انہیں مانڈلے (برما) بھیج دیا نئی پارٹی نے کانگریس کے نئے صدر کے لئے لالہ لاجپت رائے کا نام تجویز کیا جبکہ فیروز شاہ اور گوکھلے دوسرے امیدوار ڈاکٹر راش بہاری گھوش کے حق میں تھے جو کلکتہ کے درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک معلم تھے۔

یہ گروہ بندی جس نے کانگریس کو آئندہ دس سال تک دو ٹکروں میں بانٹے رکھا' ۱۹۰۷ء کے سورت سیشن میں دھماکہ کی شکل اختیار کرگئی۔ بمبئی کے بعد کانگریس کا میزبان بننے والا شہر سورت اعتدال پسند قیادت کی طاقت کا سب سے مضبوط گڑھ اور گجرات کی تجارتی دولت کا مرکز تھا۔ سر فیروز شاہ کو یقین تھا کہ وہ سورت کے اجلاس میں امن قائم رکھ سکیں گے۔ اور کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ بہرحال انہوں نے تلک اور اس کے پیروؤں کے جذبات کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ روش بہاری گھوش جونہی صدارتی خطبہ پڑھنے کے لئے کانگریس کے پنڈال سے روسٹرم کی طرف بڑھے' تلک نے چلا کر کہا۔ "پوائنٹ آف آرڈر" اس نے لالہ لاجپت کا نام بطور امیدوار پیش کرنے کی بابت اپنے ارادے کا اظہار پہلے ہی کردیا تھا۔ تاہم پلیٹ فارم پر سے کسی نے اس کی بات نہ سنی۔ اس کے باوجود تلک باز نہیں آیا۔ وہ خود پلیٹ فارم پر چڑھ گیا اور روسٹرم کی طرف رخ کیا۔ کانگریس کے نوجوان رضاکاروں نے

اسے روکنا چاہا تاہم گوکھلے اپنے پرانے ساتھی کے دفاع میں تیزی سے آگے آگیا اور حفاظتی اقدام کے طور پر تلک کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ زیادہ تر مندوبین اٹھ کھڑے ہوئے' وہ چیخ رہے تھے اور طرح طرح کے اشارے کر رہے تھے۔ کسی مرہٹہ نے ایک اکڑا ہوا سلیپر زور سے اسٹیج کی طرف پھینکا جو فیروز شاہ اور بنگال کے معمر اور ہر دلعزیز رہنما سریندر ناتھ بینرجی کو لگا۔ اس سے ہر طرف ایک ہلچل مچ گئی اور غل غپاڑہ ہونے لگا۔ مجبوراً پولیس کو مداخلت کر کے شامیانہ خالی کرانا پڑا۔ کانگریس اگلے ۹ سال تک باہم دست و گریبان اعتدال پسند اور انقلابی گروپوں میں بٹی رہی۔ جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ ہندوستان کی قومی تحریک کی واحد اور جائز وارث وہی ہے۔

سورت کی گروہ بندی کے بعد انقلابیوں کی طرف سے دہشت گردانہ سرگرمیاں اور سرکار کی طرف سے انسدادی کارروائیاں بہت زیادہ ہو گئیں۔ تلک کو ۱۹۰۸ء کے موسم گرما میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر پونا سے شائع ہونے والے اس کے اپنے مقبول عام اخبار "کیسری" کے ادارتی کالموں میں "باغیانہ تحریریں" شائع کرنے کا الزام لگایا گیا۔ تلک نے اپنا مقدمہ لڑنے کے لئے جناح کو اپنا وکیل بنایا۔ جناح نے کمال جرات و بیباکی سے دلائل پیش کئے تاہم یہ سب بیکار ثابت ہوئے' کیونکہ انگریز جج تلک کے بارے میں مقدمے کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی اپنا ذہن بند کر چکا تھا اگرچہ جناح کے دلائل سے اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ لیکن اس نے بحیثیت قانون دان جناح کی ذہانت اور قومی لیڈر بننے کی صلاحیت کا اعتراف کیا۔ کوئی عام آدمی ہوتا تو ایک ایسی سیاسی پارٹی کے لیڈر کا جو اس کی جماعت کے خلاف تھی' مقدمہ لڑنے سے کسی بہانے انکار کر دیتا۔ لیکن جناح نے نہ صرف اس نازک موقع پر تلک کا ساتھ دیا بلکہ ۱۹۰۶ء میں بغاوت کے ایک اور الزام کے تحت چلنے والے مقدمے میں بھی اس کی وکالت کی اور کامیاب رہے۔ یوں انہوں نے ہندوؤں کے اس عظیم رجعت پسند رہنما کو نہ صرف اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ بلکہ اس سے محبت بھری تحسین و ستائش بھی حاصل کی۔

مرکزی مجلس دستور ساز کی رکنیت

مجلس دستور ساز کے لئے مارلے اور منٹو کی تجویز کردہ اصلاحات میں ابتداً" وائسرائے کی توسیع شدہ امپیریل کونسل (کابینہ) میں جداگانہ طرز پر منتخب ہونے والے چار مسلمانوں کو نمائندگی دینے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ لیکن ۱۹۰۹ء میں جب اس بل کو قطعی شکل دی گئی تو ساٹھ اراکین کی مرکزی مجلس دستور ساز میں مسلمانوں کے لئے چھ نشستیں رکھی گئیں۔ کونسل کے نصف سے زائد ممبر انگریز تھے' علاوہ ازیں منٹو نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ مسلمانوں میں سے کم از کم دو اضافی ممبر اپنی مرضی سے مقرر کر دے گا۔ اگر انہیں مخصوص حلقہ ہائے نیابت مثلاً زمینداروں اور بلدیاتی اداروں سے منتخب نہ کیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو وائسرائے کونسل میں ۲۸ میں سے ۸ نشستیں مل جائیں گی جو پورے ملک میں ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ہونگی۔ ۱۹۰۹ء تک خود منٹو "مسلمانوں کو دی گئی زیادہ نمائندگی" کی شکایت کرتا تھا۔ مارلے جواب میں کہتا تھا۔ "یہ آپ کے مسلمانوں کے فالتو دعاوی کے بارے میں وہ پہلی تقریر تھی جس نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا"۔ تب سیکرٹری آف سٹیٹ بھی اس امر کا قائل ہو گیا کہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ ہمیں ایسے منصوبے بنانے چاہئیں جنکے ذریعے

مسلمانوں کو ناراض کئے بغیر ہندوؤں کو خوش کیا جا سکے۔ اگر ہم دونوں کو ناراض کرنے سے بچ جائیں تو بڑے خوش قسمت ہوں گے"۔

جداگانہ انتخاب کا فارمولا جسے شروع شروع میں مسٹر جناح نے قومی مصلحت کے تحت مسترد کر دیا تھا' بعد ازاں مسلمانوں کو علیحدہ حیثیت کے متعلق ان کے ذاتی شعور وادراک کو ترقی دینے کا سبب بن گیا۔ مسٹر جناح ان پہلے چھ مسلمان ممبروں میں سے ایک تھے جن کا انتخاب خصوصی بنیاد پر عمل میں آیا تھا وہ ۱۹۱۰ء میں بمبئی کی مخصوص مسلم نشست سے مرکزی مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے۔ پینتیس سال کی عمر میں اتنا بڑا قومی اعزاز پانے والے وہ سب سے کم عمر ممبر تھے' انہوں نے مسلم لیگ میں اس کے تین سال بعد شمولیت اختیار کی۔

ان کے انتخاب کی داستان بڑی پرلطف اور دلچسپ ہے۔ مرکزی کونسل کی اس نشست کے لئے بمبئی کے دو مسلمان امیدوار تھے۔ دونوں سرکاری خطابات اور دنیوی دولت سے مالا مال۔ ہر ایک کونسل میں جانے کا خواہش مند لیکن دوسرے کے سرکار دربار میں اثر ورسوخ سے خائف۔ بڑے غور و فکر کے بعد دونوں نے طے کیا کہ ان میں سے کوئی بھی انتخاب نہ لڑے اور ایسے شخص کو کھڑا کیا جائے جس کے تدبر' معاملہ فہمی' اصابت رائے اور سیاستدانی کا دونوں لوہا مانتے ہوں۔ یوں قرعہ فال مسٹر جناح کے نام نکلا اور وہ بلا مقابلہ منتخب قرار پائے۔

یہ منفرد کامیابی جناح کو گوکھلے گروپ میں لے گئی۔ اس گروپ کی بمبئی سے "جنرل سیٹ" پہلے فیروز شاہ کے پاس ہوتی تھی۔ اس طرح ہندوستانی حکومت کے دستوریہ کا مرکز جو پہلے کلکتہ اور شملہ میں رہا پھر دہلی آگیا۔ جناح کے اہم ترین اور سب سے طاقتور اسٹیجوں میں سے ایک بن گیا۔

لیگ کے منشور میں تبدیلی

مارلے اصلاحات کی بدولت طاقتور انتظامی کونسلوں وائٹ ہال اور کلکتہ شملہ دونوں جگہ ہندوستانیوں کو نمائندگی ملنے لگی۔ پہلی بار ۱۹۰۷ء میں سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کی کونسل (وائٹ ہال) میں دو ممبر مقرر کئے گئے۔ ان میں سے پہلے ہندوستانی ممبر لارڈ ایس پی سنہا تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۹ء میں یہ منصب سنبھالا۔ وہ پیدائش کے لحاظ سے برہمن اور جناح کی طرح بیرسٹر نیز کانگریس کے اعتدال پسند لیڈر تھے۔ ۱۹۰۸ء میں ان کی پریکٹس بڑے زوروں پر تھی۔ اس لئے شروع میں وہ مذکورہ منصب قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے کیونکہ اس طرح ان کی سالانہ آمدنی دس ہزار ڈالر کم ہو جاتی۔ تاہم جناح اور گوکھلے نے انہیں ملک وقوم کے لئے اتنی بڑی مالی قربانی دینے پر راضی کر لیا۔ اس معاملے میں جناح نے جو کردار ادا کیا وہ بھی ان کی اس اصول کے ساتھ مضبوط وابستگی کی دلیل ہے کہ ہر کام کے لئے صلاحیت کے لحاظ سے بہترین امیدوار تلاش کیا جائے خواہ وہ کسی نسل' ذات اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ مسلم قائدین نے ایک ہم مذہب قانون دان کے لئے مہم چلائی تھی' ۱۹۰۸ء کے لئے مسلم لیگ کے امرتسر سیشن کے صدر سید علی امام خود بھی لندن سے فارغ بیرسٹر تھے۔ انہوں نے ۱۹۱۰ء میں لارڈ سنہا کے مستعفی ہونے کے بعد ان کی جگہ لی۔ اس طرح تمام انتظامی تقرریوں میں ہندو مسلم متبادل امیدواروں کی نامزدگی اور بعد ازاں فرقہ وارانہ مساوات کی روایت قائم ہو گئی۔ مسلم لیگ ابتداء میں مسلمانوں کے سب سے

اہم مطالبہ ۔ جداگانہ انتخاب ۔ ۔ سے الگ تھلگ ۔تاہم مضبوطی کے ساتھ اپنے اس بنیادی اصول پر جمی رہی کہ ہر اہم سرکاری اسامی کے لئے مسلمان امیدوار کا نام تجویز کیا جائے دوسری طرف کانگریس نے اس اصول کو ہمیشہ قومی اور جمہوری مقاصد کے خلاف سمجھا۔ جیسا کہ مارلے جیسے اعتدال پسند انگریزوں کی رائے بھی یہی تھی کہ مذہبی بنیاد پر اندراج خواہ کوئی مسلمان ہو' کیتھولک ہو یا کالوی نسٹ ہو' بہرحال ایک جدید سکولر قوم کی مساوی بنیادوں کے لئے خطرناک طور پر نقصان دہ ہے"۔ بیرسٹر جناح اس بات پر اسی قدر یقین رکھتے تھے جتنا کہ مارلے اس کا قائل تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۰ء میں کانگریس کے الہ آباد سیشن میں ایک قرارداد کی تائید کی جس میں کہا گیا تھا۔ "یہ اجلاس میونسپل کمیٹیوں' ڈسٹرکٹ بورڈز یا دیگر مقامی اداروں کے لئے جداگانہ کمیونل انتخاب کے اصول میں توسیع یا اطلاق کو سخت ناپسند کرتا ہے"۔

متناقض طور پر جناح نے سنٹرل کونسل کا ممبر بننے کے پہلے سال سب سے آخر میں تقریر کی۔

تیسرا باب — کلکتہ —— سرگرم سیاست (۱۹۱۰-۱۵ء)

۲۵ر جنوری ۱۹۱۰ء کو آنریبل مسٹر ایم اے جناح نے ۶۰ ممبران پر مشتمل مجلس دستور ساز میں "بمبئی کے مسلمان رکن" کی حیثیت سے حلف اٹھایا جس کا اجلاس برطانوی ہند کے دارالحکومت کلکتہ میں منعقد ہو رہا تھا۔ لارڈ ویلزلی کے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل تعمیر کردہ محل میں واقع مجلس کے پرانے چیمبر کو اس تاریخی اجلاس کے لئے تازہ تازہ چمکایا گیا تھا۔ لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے اپنی حکومت کے نو منتخب مشیران کو جن میں گوکھلے' موتی لال نہرو' سریندر ناتھ بنیرجی اور ایم اے جناح شامل تھے' خطاب کیا تو ہال بیش قیمت پوشاکوں میں ملبوس اور جواہرات پہنے ہوئے مہمانوں سے پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ منٹو نے اپنے افتتاحی خطبہ میں توقع ظاہر کی کہ " مجھے یہ باور کر کے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ توسیع شدہ کونسل —— ہندوستانی عوام کو ان اقدامات کے ٹھوس ہونے کی بابت یقین دلانے میں پیش قدمی کرے گی جنہیں شروع کرنا ہم مناسب سمجھیں گے۔"

منٹو سے جھڑپ

منٹو کی ان معصوم توقعات پر جلد ہی پانی پھر گیا جس کا تعلق معاہدہ کے تحت ہندوستانی مزدوروں کی جنوبی افریقہ کو برآمد کے فوری خاتمہ سے تھا' جناح اظہار خیال کرنے کے لئے پہلی مرتبہ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے الجھ پڑے پچھلے سال ٹرانسوال میں گاندھی جی کی زیر قیادت چلنے والی ستیہ گرہ (عدم تعاون) تحریک کو کچلنے کے لئے جو تشدد روا رکھا گیا تھا' اس نے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک غم و غصے کی لہر دوڑا دی تھی۔ اس سلسلے میں کانگریس نے ایک قرارداد منظور کی' جس میں حکومت پر زور دیا گیا تھا کہ جنوبی افریقہ کے کسی علاقے کے لئے ٹھیکے پر ہندوستانی مزدوروں کی بھرتی پر پابندی لگائی جائے اور وہاں کے حکام کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے' جیسا وہ ہندوستانی مفادات سے کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ کونسل میں ۲۵ر فروری کو زیر غور آیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا: "یہ سب سے زیادہ دردناک مسئلہ ہے --- ایسا مسئلہ جس نے اس بدسلوکی اور ظلم و ستم کی بناء پر جو جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں پر ڈھایا جاتا ہے' تمام طبقات کے لوگوں کی برہمی

اور خوف و دہشت کے جذبات کو انتہائی درجے پر پہنچا دیا ہے "۔ منٹو نے "ظالمانہ سلوک" کے الفاظ استعمال کرنے پر مسٹر جناح کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ " یہ الفاظ اتنے سخت ہیں کہ ان کی کونسل میں برٹش ایمپائر کے ایک دوست ملک کے خلاف استعمال نہیں کیے جا سکتے"۔

" مائی لارڈ ' میں اس سے زیادہ سخت زبان استعمال کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ تاہم میں اس کونسل کے دستور سے بخوبی آگاہ ہوں اور ایک لمحے کے لئے بھی اس سے انحراف نہیں کرنا چاہتا۔ پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے ' وہ سخت ترین ہے اور اس رائے پر پورا ملک متفق ہے"۔

فقروں کا یہ مختصر سا تبادلہ جناح کے کمرہ عدالت نیز کونسل کے چیمبر میں بحث کے اسلوب کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ بڑی احتیاط سے الفاظ چنتے اور ایک دفعہ کہے ہوئے الفاظ ہرگز نہیں دہراتے تھے۔ ان پر تنقید کرنے والے کو خواہ وہ جج ہوتا ' وائسرائے ہوتا یا پنڈت ' اپنے کسی بھی حملے کے جواب میں عموماً شرمسار کرنے والی زبان میں کوڑے سہنے پڑتے۔ وہ ہلکی سی سرزنش پر بھی خاموش نہیں رہتے تھے۔ وہ اپنے استرے کی مانند تیز دماغ اور الفاظ کو دلیل اور فہم و فراست کے ان کند ہتھیاروں پر رگڑتے جنہیں ناقدین کے خلاف بروئے کار لانا مقصود ہوتا۔ مسٹر جناح کے اس جواب سے لارڈ منٹو خوفزدہ ہو گئے اور ان سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اسی سال "مسٹر رالی" واپس چلے گئے۔ ایک اور لبرل مدبر سر چارلس ہارڈنگ اس کا جانشین بنا۔ وہ جناح کے سب سے بڑے سرکاری مداحوں میں سے ایک بن گیا۔ تربیت کے لحاظ سے سفارتکار ہارڈنگ کی مخالطہ آمیزی اور ذہانت نے کلکتہ کی کونسل میں شائستگی اور ذمے داری کا نیا انداز قائم کیا۔ اسے ہندوستان کے لئے جان مارلے نے چنا تھا۔ لارڈ کچنر جو ان دنوں انڈین آرمی کا سپہ سالار اعلیٰ تھا' وائسرائے بننے کے لئے زبردست مہم چلا رہا تھا' تاہم مئی ۱۹۱۰ء میں ایڈورڈ ہفتم کی موت نے اسے ایک انتہائی طاقتور حلیف سے محروم کر دیا۔ مارلے نے شاہی تدفین کے موقع پر ہارڈنگ کو ہندوستان کا وائسرائے بننے کی پیشکش کی تھی۔ نئے وائسرائے نے کلکتہ پہنچتے ہی جلد محسوس کر لیا کہ بنگال کی تقسیم اس کی سلطنت کے جسد سیاست میں ضعف و توانائی پیدا کرنے کا موجب بنی ہوئی ہے۔ وائٹ ہال میں مارلے کے جانشین لارڈ کرمو سے اس کی پہلی اہم پالیسی سفارش یہ تھی کہ بنگال کو متحد کر دیا جائے اور اس کے ساتھ بہار اور اڑیسہ کے جداگانہ صوبے قائم کئے جائیں۔

اوقاف بل

۱۷ مارچ ۱۹۱۱ء کو جناح نے قانون سازی کے لئے اولین اقدام کے طور پر مسلم اوقاف کے جواز کا بل پیش کیا جو دو سال بعد ہندوستان کی تاریخ میں غیر سرکاری تحریک پر منظور ہونے والے سب سے پہلے قانون کی شکل میں سامنے آیا۔ لندن کی پریوی کونسل نے وقف کی ہوئی جائیداد میں سے ہبہ کے متعلق وصیت کو ناجائز قرار دے دیا تھا اور آخر کار ۱۸۹۴ء میں مذہبی خیراتی اوقاف کی واپسی کا قانون بن گیا۔ جناح نے اس فیصلے کو قانونی طور پر بدلنے کا مطالبہ کیا اور اسے اسلامی شریعت کے بنیادی اصولوں کے منافی قرار دیا۔ قانون وصیت جناح کے لئے سب سے زیادہ منفعت بخش علم اور قانونی دلچسپی کا خصوصی گوشہ بن گیا جس کے وہ کم از کم ۱۹۳۱ء تک مسلم الثبوت ماہر رہے' جس کی تصدیق چمڑے کی جلدوں میں محفوظ ۱۸۸۸ء سے ۱۹۳۱ء تک "وصیت کا عدالتی قانون"

کے زیر عنوان مرتب کردہ رپورٹوں سے ہوتی ہے جو ان کے آبائی گھر (وزیر مینشن ' کراچی) لائبریری میں اب بھی موجود ہیں۔ وصیت کے مسئلہ میں ان کے موکلوں میں ہندوستان کے امیر ترین نواب شامل تھے جن میں نظام حیدر آباد ' نواب بھوپال اور راجہ آف محمود آباد کے نام قابل ذکر ہیں۔

جس طرح تقسیم بنگال مسلم لیگ کی تخلیق کا ایک اہم سبب بنی تھی ' اسی طرح دسمبر ۱۹۱۱ء میں دربار دہلی کے موقع پر اس کی تنسیخ کے اعلان نے زور دار جھٹکا لگا کر اس جماعت کو اپنی ملوکیت پسندی کی پختہ عادت ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ نواب آف ڈھاکہ نے برطانیہ کی طرف سے اس تنسیخ کو حکومت ہند کی کانگریسی "مظاہرین" کے سامنے سپر اندازی پر محمول کیا اور اس اقدام سے تمام ہندوستانیوں کو یہ نیا پیغام ملا کہ "ہم نہیں تو کوئی نوازش نہیں"۔ تقسیم کو منسوخ کرنے کے ساتھ ہی جارج پنجم نے برطانوی ہند کے لئے کلکتہ کے بجائے دہلی کے تاریخی مقام کو دارالحکومت قرار دینے کا اعلان بھی کیا ' جہاں ایک نیا شہر تعمیر کیا جانے والا تھا۔ دہلی مسلم سلاطین اور مغل حکمرانوں کا پایہ تخت رہ چکا تھا ' جنھوں نے اوائل تیرھویں صدی سے ہندوستان کے اکثر وبیشتر حصوں پر حکومت کی۔ یہ شہر شمالی ہند کی مسلم آبادی کا مدار ' تعلیمی اداروں کا مرکز اور تاریخی یادگاروں کا گہوارہ لاہور ' آگرہ ' دیوبند ' علی گڑھ اور لکھنؤ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو جب لارڈ ہارڈنگ ہاتھی پر سوار ایک شاہی جلوس کے ساتھ چاندنی چوک سے گزر رہے تھے تو دہلی ان کا قبرستان بنتے بنتے رہ گیا۔ ان کے ہودہ میں ایک بم آکر پھٹا جس سے ان کا ایک محافظ ہلاک ہو گیا اور بم کے ایک ٹکڑے نے وائسرے کی پشت چیر ڈالی اور ان کے کندھے کا پٹھا صاف نظر آنے لگا۔ ہندوستان کے مقبول ترین وائسرایوں میں سے ایک کے ہونے والے قاتل کا کبھی سراغ نہیں ملا۔

مسلم لیگ میں شرکت

جناح نے دسمبر ۱۹۱۲ میں کانگریس کے سالانہ اور مسلم لیگ کے کونسل اجلاس میں شرکت کی۔ یہ دونوں بانکی پور کے مقام پر منعقد ہوئے تھے۔ اگرچہ ابھی تک انہوں نے مسلم لیگ میں باقاعدہ شمولیت اختیار نہیں کی تھی ' تاہم انہیں اس جماعت کی کونسل کے اجلاس میں ایک قرار داد کی حمایت میں بولنے کی اجازت دے دی گئی جس کی رو سے لیگ کے مقاصد میں ایک نئے مقصد " حکومت خود اختیاری "کے ایسے نظام کا حصول جو مسلمانوں کے لئے موزوں ہو ' دستوری ذرائع سے بروئے کار لایا جائے گا۔ مروجہ انتظام حکومت میں بتدریج اصلاحات کی جائیں گی۔ اہل ہند کے درمیان قومی اتحاد کو فروغ اور عوامی جذبے کو ترقی دی جائے گی۔ نیز دیگر اقوام سے اشتراک وتعاون کیا جائے گا "۔ کو شامل کرنا مقصود تھا۔ چند ماہ بعد وہ لکھنؤ گئے اور مسز سروجنی نائیڈو کے ساتھ لیگ کے بڑے اجلاس میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی۔ اس اجلاس میں لیگ کے لئے زیادہ معتدل منشور منظور کیا گیا۔ اس موقع پر صدر جلسہ میاں محمد شفیع نے نیا دستور پیش کرتے ہوئے کہا تھا: "میں یہ خیال کرنے میں اپنے آنریبل دوست مسٹر محمد علی جناح سے پوری طرح متفق ہوں کہ کونسل کے تجویز کردہ طریق کار کے علاوہ کسی اور طریق کار کو اپنانا دانشمندی نہیں ہوگی"۔

لیگ کی پہلی قرارداد کے ذریعے مسلم اوقاف کے مجوزہ قانون کو مرکزی مجلس دستور ساز سے منظور کرانے پر مبارکباد دی گئی تھی۔ ایسے پرتپاک خیرمقدم کو دیکھ کر جناح ان اپیلوں کو رد نہ کر سکے جو ان سے مسلم لیگ میں شمولیت کی خاطر بار بار کی جارہی تھیں۔ اس سلسلے میں لیگ کے سیکرٹری سید وزیر حسن اور پان اسلام ازم تحریک کے سرکردہ لیڈر نیز روزنامہ "کامریڈ" کے ایڈیٹر مولانا محمد علی جوہر نے اسی سال لندن میں ان سے ملاقات کی اور قومی مقاصد کے جلد حصول کے لئے لیگ میں شامل ہونے پر زور دیا تھا' چنانچہ مسٹر جناح نے ۱۹۱۳ء میں لیگ میں شمولیت اختیار کرلی' تاہم پیشگی اس شرط کا اظہار کیا: "مسلم لیگ اور مسلم مفادات سے میری وفاداری کسی طرح اور کسی وقت اس بڑے قومی مقصد سے بیوفائی کا موجب نہیں بنے گی جس کے لئے میری زندگی وقف ہے"۔

سفرانگلستان

اپریل ۱۹۱۳ء میں مسٹر جناح اور گوکھلے بمبئی سے لورپول کے لئے روانہ ہوئے تاکہ وہاں لارڈ اسلنگٹن' انڈر سیکرٹری فار سٹیٹ و چیئرمین رائل پبلک سروس کمیشن جس کا ایک رکن رامزے میکڈانلڈ بھی تھا' سے ملاقات کر کے ہندوستانیوں کے مطالبات سے آگاہ کرسکیں۔ ان کا یہ تفریحی دورہ ان کے درمیان عدم تعلق میں ملاقات کا طویل ترین وقفہ ثابت ہوا' لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی ان موضوعات کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا' جن پر ان کی بحث ہوئی' تاہم ان میں کمیشن کا ایجنڈا' جنرل کونسل کی اصلاحات اور ہندو مسلم اعتماد حاصل کرنے کے ذرائع یقیناً شامل ہوں گے۔ گوکھلے نے بعد میں سروجنی کو جو ان کے پاس سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی (پونا) کے دفتر میں اکثر آتی رہتی تھیں' بتایا تھا کہ "جناح میں سچا جوہر موجود ہے اور وہ ہر قسم کے فرقہ ورانہ تعصبات سے پاک ہے' یہ چیز اسے ہندو مسلم اتحاد کا بہترین سفیر بنائے گی"۔ حیرت ہے کہ یہ پیشگوئی کس طرح درست ثابت ہوئی' تاہم ایسا لگتا ہے کہ عمر کے چالیسویں برس میں داخل ہوتے وقت مسٹر جناح نے افسوسناک طور پر چکر دینے والے فرقہ ورانہ اتحاد کے اس جذبے کو گلے سے لگالیا تھا۔

جناح ستمبر ۱۹۱۳ء میں ہندوستان لوٹے اور کانگریس کے کراچی سیشن میں شرکت کی جو ان کی ۳۵ ویں سالگرہ کے دو دن بعد منعقد ہوا تھا۔ وہ گذشتہ سترہ سال سے کراچی نہیں گئے تھے۔ وہاں بچپن کے بہت سے دوستوں سے مل کر انہیں بے پناہ خوشی ہوئی۔ اجلاس میں انہوں نے ایک قرارداد خود مرتب کرکے پیش کی جو کونسل آف انڈیا کی تشکیل نو کے بارے میں تھی' اور اس میں سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ سیکرٹری آف سٹیٹ اور ان کے انگلینڈ میں واقع محکمے کے ملازمین کی تنخواہیں ہندوستان کے بجٹ میں سے نہیں' بلکہ وہاں کے بجٹ میں سے ادا کی جائیں' جس کا مقصد ٹیکس دہندگان کو وائٹ ہال کے پورے عملے پر اٹھنے والے مصارف کے مالی بوجھ سے بچانا تھا جناح نے یہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ نئی کونسل میں ۹ سے زیادہ ممبر نہیں ہونے چاہئیں' جن کی ایک تہائی تعداد غیر سرکاری ہندوستانیوں پر مشتمل ہو۔ جن کا انتخاب مرکزی و صوبائی کونسلوں کے ارکان کو کرنا چاہئے۔ بقایا نامزد کردہ نصف ممبران عوامی نمائندے ہوں' جنہیں ان کی صلاحیت و قابلیت کی بناء پر چنا جائے اور ہندوستانی امور سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ باقی نصف ممبران ریٹائر حکام سے لئے جائیں جو کم از کم دس سال ہندوستان میں کام کر چکے ہوں۔ یہ کونسل انتظامی کے بجائے خالصتاً مشاورتی ہوگی اور اس کی میعادِ کار ۵ برس ہونی چاہئے اس قرارداد پر

کام کرنے اور کانگریس کے اندر ان کے ابھرتے ہوئے قائدانہ کردار کی بدولت انہیں ۱۹۱۴ء میں انگلینڈ جانے والے ایک کانگریسی وفد کا سربراہ منتخب کر لیا گیا۔ اس دورے کا مقصد لارڈ کریک کی تجویز کردہ کونسل آف انڈیا بل کے بارے میں اراکین پارلیمنٹ اور وائٹ ہال کو اپنا ہمنوا بنانا تھا۔ مسٹر جناح نے اس اجلاس میں ایک قرار داد کی تائید بھی کی، جس کے ذریعے مسلم لیگ کو برٹش ایمپائر کے اندر رہتے ہوئے حکومت خود اختیاری کا تصور اپنانے پر مبارکباد دی گئی تھی۔ مسلم لیگ کے اس یقین کے ساتھ مکمل اتفاق کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک کے آئندہ مستقبل کا انحصار ملک کی مختلف قوموں کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون پر ہے۔

مسٹر جناح کراچی سے بذریعہ ٹرین آگرہ پہنچے جہاں ۳۱-۳۰ دسمبر ۱۹۱۳ء کو مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ ان دنوں وہ دونوں اہم سیاسی تنظیموں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے فارمولے پر کام کر رہے تھے۔ ان کی پوزیشن بڑی منفرد تھی۔ وہ نہ صرف کانگریس اور مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ حکومت کے کیمپ سے بھی۔ لندن اور کلکتہ دونوں جگہ ان کا پاؤں تھا۔ گوکھلے اور سرفیروز شاہ جیسے آزمودہ کار سیاستدان بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل پر اثر انداز ہونے والے اہم مسائل پر تمام خیالات سن سکیں۔ لیگ کے آگرہ سیشن میں مسٹر جناح نے تجویز پیش کی کہ "فرقہ ورانہ نیابت" کے اصول کی از سر نو توثیق کو اگلے سال تک ملتوی کر دیا جائے۔ انہوں نے اپنے ہم مذہبوں پر واضح کیا کہ ایسی مخصوص نمائندگی کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ دو بند روک خانوں میں بٹ جائے گا۔ کانگریس نے اس مسئلے پر کارروائی ملتوی کر دی ہے اور اس بات پر زور دینے کی بہت سے دیگر وجوہات بھی ہیں جنہیں سرعام بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آخر اللہ کرے شاید ان کی مراد گوکھلے سے بحری جہاز پر اور لندن میں ویڈربن اور کانگریس کی برطانوی کمیٹی کے ممبران پارلیمنٹ کے ساتھ مذاکرات تھے بہر حال ۔۔ وہ اس قسم کے مشترکہ پلیٹ فارم کے لئے کوشاں تھے جیسا کہ انہوں نے ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے لئے اکٹھا اجلاس منعقد کرنے میں مدد دی تھی، تاہم ان کی یہ پہلی تجویز مسلم لیگ نے رائے شماری کے ذریعے مسترد کر دی اور کہا کہ جداگانہ انتخاب کا اصول مسلم لیگ کی بقا کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ ایسا مسئلہ تھا جس پر لیگ کے ممبران کی اکثریت بڑے عرصے تک مسٹر جناح کے سخت خلاف رہی۔

انگلستان کا دوسرا سفر

اپریل ۱۹۱۴ء میں وہ دوبارہ ایک وفد لے کر لندن گئے جس میں کانگریس کے منتخب بنگالی رہنما بھوپندر ناتھ اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ لارڈ کریو نے وفد کے ساتھ اس کی آمد کے فوراً بعد ملاقات کی اور جناح کو اس گروپ کا بہترین بولنے والا قرار دیا۔ اگرچہ اس نے مسٹر جناح کو "چالاک" سمجھا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ انہیں خوشی ہو گی اگر میری کونسل میں ہونے والے اختلاف رائے کو ریکارڈ کر لیا جائے۔ اور کسی ممبر کی تحریک پر پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

گاندھی سے پہلی ملاقات

تاریخی اتفاق کی بدولت مسٹر جناح اور ایم کے گاندھی، پہلی جنگ عظیم کے آغاز پر لندن میں تھے۔

بیرسٹر گاندھی ۱۸۹۳ء میں ایک ہندوستانی مسلم تجارتی کمپنی کے لئے کام کرنے کی غرض سے نٹال گئے تھے اور وہاں بیس سال سے زیادہ عرصے کے دوران قیام ستیہ گرہ (سچائی کے لئے برت رکھنا) کا اصول وضع کیا اور ٹرانسوال نیز نٹال میں ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک عدم تشدد اور عدم تعاون کے نسخے آزما کر دیکھتے رہے۔ جنگ چھڑنے کے باعث ان کے جہاز کا رخ بمبئی کے بجائے لندن کی طرف موڑ دیا گیا۔ لندن پہنچنے پر انہوں نے دنیا کو جو پہلا پیغام دیا' اس میں ہندوستانیوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ فوجی خدمات کے لئے رضاکارانہ طور پر آگے آئیں اور "غیر جانبداری سے سوچیں"۔

جناح نے گاندھی کے اعزاز میں دیئے گئے اس شاندار استقبالیہ سے جس کا اہتمام لندن کے سیسل ہوٹل میں کیا گیا تھا' شرکت کی۔ تاہم نہ تو وہ فوج میں بھرتی ہوئے نہ مہاتما کی قائم کردہ فیلڈ ایمبولینس ٹریننگ کور کے رکن بنے۔ ان کا اپنا مشن بری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ تمام انگریزوں کے دل و دماغ پر جنگ مسلط تھی اور کسی کو ہندوستان کے لئے اصلاحات پر غور کرنے کی فرصت نہ تھی۔ اسلنگٹن کمیشن کا کام بھی اسی بے اعتنائی کی نذر ہو گیا جس نے کونسل آف انڈیا میں ہونے والی تبدیلی کو معرض التوا میں ڈال دیا تھا۔ مارلے نے اس بات پر ناراض اور دل برداشتہ ہو کر وزارت سے علیحدگی اختیار کر لی کہ اس کے نوجوان لبرل رفقائے کار لائیڈ جارج' ایڈورڈ گرے اور ونسٹن چرچل کی قیادت میں "معرکہ حق و باطل" کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ پر جوش طریقے سے جنگ پر اکسانے والے' تقویٰ فروش' عظمت اور وقار کے خوابوں میں کھوئے ہوئے وہ سب ایک آسان اور جلد فتح کی توقع رکھتے تھے۔ اکیلے کچنر نے جسے دفتر جنگ کا انچارج بنایا گیا' اپنی لمبی مونچھوں کے ساتھ جو قیصر کے ہیلمٹ کی چوٹی کی طرح تیز تھیں' خود کو بڑی طاقتوں کی ایک طویل اور خون آشام جنگ میں گھرا ہوا پایا جس کے فریق افرادی قوت اور اسلحہ میں تقریباً برابر کی ٹکر کے تھے۔ ابتداء میں ہندوستان سرگرم حامی اور سرتاپا وفادار بن گیا۔ اتحادیوں کے لئے لشکر' گندم' سرمایہ اور اہم سامان جنگ جس میں چمڑے کی اشیاء' وردیاں اور دیگی لوہا شامل ہوتا تھا' دوران جنگ مغرب کو جاتا رہا۔

بہرحال نومبر ۱۹۱۴ء میں جب عثمانی خلیفہ (ترکی) نے اتحادیوں کے ساتھ شامل ہونے کے بجائے جنہوں نے اس سے مدد مانگی تھی' محوری طاقتوں سے رابطہ جوڑ لیا تو ہندوستانی مسلمانوں کی وفاداریوں کو زبردست چیلنج لاحق ہو گیا' کیونکہ اسلامی دنیا کے قائد اور "خلیفۃ اللہ" یعنی سلطان ترکی کو عثمانی ایمپائر کی حدود کے باہر بھی دور دور تک واجب الاحترام سمجھا جاتا تھا۔ انگریز انٹیلی جنس نے خدشہ محسوس کیا کہ نظام آف حیدر آباد (ہندوستان کا نمایاں ترین نواب) جلد ہی ترکی رائفلیں خریدنا چاہتا ہے جو جنوبی ایشیا کی "پان۔اسلامک بغاوت" میں استعمال کی جائیں گی۔ ایسی افواہیں حقیقت میں بالکل بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ اگرچہ اگلے سال سنگاپور میں چند مسلمان یونٹوں کو غیر مسلح کر دیا گیا' تاہم حقیقت یہ ہے کہ برطانوی ہند کے ہر مسلمان فوجی نے حق نمک خوب ادا کیا اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے پٹھان' نیز پنجاب کے مسلمان بھی سکھوں اور گورکھوں کے ساتھ' جو ہندوستانی فوج میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے' شریک جنگ رہے' بلکہ مسلمان یونٹوں نے خود کسی سرکشی کے بغیر عراق کے علاوہ مصر اور مغربی یورپی محاذوں پر داد شجاعت دی۔ اس دوران مسلم لیگ کا کوئی اجلاس نہیں ہوا' بہر حال دسمبر ۱۹۱۴ء میں اس کی طرف سے یہ تاثر دیا گیا کہ اس کے لیڈروں کے خیالات پان اسلامک نیز برطانیہ کے

خلاف اظہار جذبات کے لئے غیر ارادی طور پر پلیٹ فارم مہیا کرنے کے سلسلے میں بری طرح منتشر ہیں۔

گاندھی کا نسلی تعصب

جنوری ۱۹۱۵ء تک جناح وطن واپس آگئے۔ گجرات کی گوجر سبھا نے جس کے سربراہ مسٹر جناح تھے' مہاتما گاندھی کی ہندوستان واپسی پر ایک استقبالیہ دیا۔ مہاتما کی ایسوسی ایشن کو راپنے بانی کے بغیر' کیونکہ انہیں لندن میں ہلکا سا اعصابی دورہ پڑ گیا تھا' فرانس چلی گئی تھی' اس لئے انہوں نے وطن واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں ان کی زندگی قریباً تین عشرے اور بڑھ گئی۔ گاندھی کی طرف سے مسٹر جناح کے اس مہذب خیر مقدم کا جواب یوں دیا گیا "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ایک "محمڈن" نہ صرف میرے علاقے کی سبھا میں شامل ہے' بلکہ اس کی صدارت کر رہا ہے"۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صاف دل ہونے کے بجائے کینہ پرور تھے۔ گاندھی اپنے عقیدے کی اس نئے زیادہ ہوشیاری کے ساتھ سرپرستی نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ انہوں نے مسٹر جناح کی توہین ہی نہیں کی' بلکہ ہر ایک کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ وہ ایک اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

گاندھی کی متضاد شخصیت

اس کئی چہرے رکھنے والے شخص کے متعلق رائے زنی کے لئے کونسی انوکھی حقیقت کو چنا جائے' جس کے لباس' رویہ' تقریر اور طور طریق' اس کی مذہبی وابستگی کے مابین کوئی یکسانیت اور مطابقت نہیں تھی۔ جناح نے حقیقتاً انگریزوں کے خلاف گاندھی کی ظاہری وضع قطع اور سیکولر سوچ اور فراست دیکھ کر یہ توقع قائم کی تھی کہ ہندو اکثریت کے رفقائے کار اور ہموطنوں کو قائل کر سکیں گے کہ وہ ان کی کسی بھی عوامی تنظیم کی گوکھلے' ویڈربرن یا دادا بھائی کی طرح قیادت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود عوام کے سامنے پہلی ہی تقریر میں انہوں نے جناح کے متعلق جو الفاظ کہے' ان سے ہر ایک کو پتہ چل گیا کہ وہ "محمڈن" ہیں۔ گاندھی کی اس پہلی تقریر سے ان کے تعلقات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے گہری کشیدگی اور بے اعتمادی کے ساتھ اختلاف کرتے رہے۔ اس پر مصنوعی خوش خلقی کا خول چڑھا لیتے تھے۔ ان کے روابط ہرگز دوستانہ اور خوشگوار نہیں رہے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے پر دستانوں کے بغیر مکہ بازی کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے لاشعوری طور پر قومی اقتدار' مقبولیت عامہ اور اپنے سامعین پر خواہ وہ تھوڑے ہوتے یا بہت زیادہ سحر آفریں کنٹرول حاصل کرنے کی جنگ میں ایک دوسرے کو اپنا "فطری دشمن" اور رقیب سمجھ لیا تھا۔

سر فیروز شاہ کی موت کے چند ماہ بعد فروری ۱۹۱۵ء میں گوکھلے بھی فوت ہو گیا۔ اس طرح جناح بمبئی کی اعتدال پسند کانگریس کی سربراہی کے لئے اکیلے رہ گئے (دادا بھائی نے اپنی زندگی کے آخری دو سال لندن میں گزارے) جون ۱۹۱۴ء میں برما کی جیل سے رہائی کے بعد تلک "نئی کانگریس پارٹی" کا غیر متنازعہ فیہ لیڈر اور قومی ہیرو بن چکا تھا۔ اس کی مقبولیت کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا' تاہم اس کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ بیمار رہتا تھا' اس لئے اس نے آخری پانچ سالوں میں انقلابی احتجاج کے بجائے قانونی چارہ جوئیوں پر

بھروسہ کیا۔ ان میں سے بعض مسٹر جناح کے سپرد تھیں۔ ہندوستان کی قومی قیادت کے جھرمٹ میں ایک نئی تابندہ شخصیت مسز اینی بیسنٹ کی تھی جو تھیوسوفیکل سوسائٹی جس کی بنیاد ان کی گرو مادام بلیوالسکی نے رکھی تھی' کی صدارت کرنے مدراس آئی تھیں' لیکن "نیو انڈیا" کی ادارت قبول کر کے وہیں ٹک گئیں اور ۱۹۱۵ء میں "ہوم رول لیگ" کے نام سے اپنی جماعت قائم کی۔ اس کی تقلید میں اگلے سال تلک نے بھی پونا میں ایک ہوم رول لیگ بنالی۔ مسز اینی بیسنٹ نے اپنا آئرش مزاج' خوش بیان خطابت اور انتھک کوششیں ۱۵۔ ۱۹۱۴ء میں کانگریس کے دونوں دھڑوں کو شیروشکر کرنے کے لئے وقف کر دیں۔ مسٹر جناح نے ان کی بھرپور مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین خلیج پاٹنے کی جدوجہد بھی کرتے رہے تاکہ وہ اپنے آئندہ اجلاس بمبئی میں منعقد کر سکیں۔

دسمبر ۱۹۱۵ء میں بمبئی کے مقام پر لیگ اور کانگریس کے اجلاس تھوڑے سے فاصلے پر منعقد ہوئے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کو ترقی دینے اور ایک قومی پلیٹ فارم بنانے کے خواہاں ممبران دونوں جماعتوں کے اجلاس میں شریک ہو سکیں۔ ستیندر سنہا' جنہوں نے کانگریس کے سیشن کی صدارت کی' ابھی وائٹ ہال میں انڈر سیکرٹری مقرر نہیں ہوئے تھے' انہوں نے مسٹر جناح کے ساتھ مل کر ایک ایسا فارمولا وضع کرنے کی کوشش کی جو تمام سیاسی گروپوں اور قومیتوں کے لئے قابل قبول ہو۔ کانگریس کی اصلاحات کے لئے عام بڑے مطالبات کو دہراتے ہوئے لارڈ سنہا نے تین مخصوص معاملات کو توجہ کا مرکز بنایا جن کے متعلق انہوں نے لوگوں میں رائے کا عملی اتفاق دیکھا تھا۔ ایک یہ کہ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو فوج میں کمیشن اور عام لوگوں کو فوجی تربیت دی جائے۔ دوسرے مقامی خود اختیاری میں توسیع کی جائے اور تیسرے صنعت و تجارت بشمول زراعت کو ترقی دی جائے۔

لیگ دو حصوں میں بٹ گئی

مسلم لیگ کے سیشن کی صدارت بنگال کے بیرسٹر مظہر الحق نے کی۔ وہ کانگریس کے ایک اعتدال پسند لیڈر ہونے کے علاوہ ایسے مشترکہ پلیٹ فارم کی تلاش میں تھے جو ہر دو فریق کو قابل قبول ہو۔ لیگ کے متعدد قائدین نے اس سال اجلاس منعقد کرنے کی مخالفت کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شاید یہ اقدام جنگ میں الجھی ہوئی حکومت کو ہراساں کرنے کا موجب ہوگا' لیکن صدر جلسہ کا استدلال یہ تھا:

"ان خطوط پر ہماری خاموشی کی غلط اور شرانگیز تعبیر کی جاسکتی ہے۔ دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جو ایک حالت پر کھڑی رہتی ہو' یا تو ہمیں آگے قدم بڑھانا ہوگا یا پیچھے کی طرف پلٹنا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ کانگریس کے ساتھ ایک ہی شہر اور ایک ہی وقت میں مسلم لیگ کا جلسہ کرنا مسلم لیگ کی آزادی پر ضرب لگانے اور اس کی انفرادیت کو کانگریس میں ضم کرنے کے مترادف ہے۔ صداقت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ برادریاں بھی افراد کی طرح اپنی انفرادیت سے محبت کرتی اور اسے فروغ دیتی ہیں۔ جب اختلاف میں سے اتفاق پروان چڑھتا ہے' قوم تبھی صحیح اور دیرپا ترقی سے ہمکنار ہوتی ہے"۔

اس کے باوجود مسلم لیگ کے بہت سے ممبران ——— مفاہمت کے زبردست مخالف تھے۔ سیمابی

طبیعت کے مالک مولانا حسرت موہانی کی زیر قیادت اختلاف کرنے والوں نے اس سیشن کے دوسرے اجلاس کو جو ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو منعقد ہوا' ملتوی کرانے کی قرار داد پیش کی۔ مسٹر جناح نے ابھی کرسی صدارت سنبھالی ہی تھی کہ مولانا حسرت موہانی اپنی جگہ سے اٹھے' سٹیج کی طرف بڑھے اور چلا کر کہا: "پوائنٹ آف آرڈر" صدر نے حکم دیا: "براہ کرم بیٹھ جایئے"۔ اس سے پہلے کہ مسٹر جناح اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے خصوصی کمیٹی کی تشکیل کے لئے قرار داد پیش کرتے' اردو میں نعرہ بازی کرتے ہوئے سینکڑوں سامعین التوا کی تحریک کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ غصے میں بپھرے ہوئے بعض مولویوں نے مظہر الحق پر آوازے کسنے شروع کر دیئے: "مسلمان ہو تو مسلمانوں کی سی شکل بناؤ۔ قرآن تمہیں حکم دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سا لباس پہنو۔ تمہیں لازماً اردو بولنی چاہئے۔ تم مسلمان لیڈر بننے کی کوشش کرتے ہو' لیکن تم مسلمانوں کے لیڈر نہیں بن سکتے"۔ مغربی تہذیب کے خلاف اسی قسم کے جذبات سے مسٹر جناح کو عمر بھر واسطہ پڑا اور "قائداعظم" کا قابل احترام لقب ملنے کے بعد بھی ان کے خلاف ایسی بیان بازی ہوتی رہی۔ ڈاڑھیوں والے کئی پٹھان غصے میں چیختے چلاتے ڈائس کی طرف لپکے۔ حسرت موہانی کہہ رہے تھے: "اردو ہی وہ واحد صحیح زبان ہے جس میں مسلم لیگ کی کارروائی ہونی چاہئے"۔ ہزاروں کے اجتماع میں ہر ایک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' ان میں سے بعض نعرے لگا رہے تھے اور بعض وحشیانہ انداز میں اپنے اپنے ہتھیار لہرا رہے تھے جس وقت مسٹر جناح خواتین کو جلسہ گاہ سے نکلوانے میں مدد دے رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بمبئی کے پولیس کمشنر ایڈورڈز شامیانے کے قریب کمال بے اعتنائی سے سارا تماشا دیکھ رہے ہیں اور اس کے آدمی بھی آرام کر رہے ہیں۔ جناح نے کمشنر کو بتایا کہ شامیانے میں ہجوم اتنا بے قابو ہو گیا ہے کہ جلسے کی کارروائی جاری رکھنا ممکن نہیں رہا اور یہ کہ ہنگامہ کرنے والے عام "مہمان" ہیں جو خلاف ضابطہ اور ٹکٹ کے بغیر جلسہ گاہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے کمشنر سے ممبران کے علاوہ لوگوں کو نکالنے اور یہ پیشکش کرنے کے لئے مدد مانگی کہ اگر کسی نے پیسے دے کر ٹکٹ خریدا ہو تو وہ بتائے' اسے فوراً ٹکٹ کی رقم واپس کر دی جائے گی۔ ایڈورڈز نے وہ معقول خدمت بجا لانے سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ میں اپنی فورس شامیانے کو مکمل طور پر خالی کرانے کے لئے استعمال میں لاؤں گا۔ ناچار مسٹر جناح نے مظہر الحق سے کہہ کر اجلاس ملتوی کرا دیا اور بعد میں لیگی قائدین سے ملے تاکہ اگلے دن کے سیشن کے لئے منصوبہ بندی کی جا سکے۔

یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو بمبئی کے عظیم الشان تاج محل ہوٹل میں لیگ کا اگلا سیشن منعقد ہوا جس کی حاضری صرف باقاعدہ اراکین اور پریس کے نمائندوں تک محدود تھی۔ ٹھیک دس بجے کارروائی شروع ہوئی۔ صدر جلسہ (مظہر الحق) نے گذشتہ بدنظمی پر مختصر سی روشنی ڈالی اور پھر مسٹر جناح کو خطاب کی دعوت دی۔ ان کا استقبال زور دار تالیوں سے کیا گیا۔ بمبئی مسلم سٹوڈنٹس یونین کے صدر کی حیثیت سے وہ نوجوانوں کا آئیڈیل اور بمبئی کے بے تاج بادشاہ رہ چکے تھے۔ کالے سیاہ بالوں اور کھنی کی طرح بھری ہوئی مونچھوں کے ساتھ لمبی اور پتلی تلوار کی مانند دبلے پتلے' ان کی آواز رونالڈ کولمین کی طرح تھی اور لباس انتھنی ایڈن جیسا پہلی ہی نظر میں اکثر عورتیں ان کی گرویدہ ہو جاتی تھیں اور اکثر مردان کی تعریف کرتے یا ان پر رشک کرتے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے سامعین کو ——— ایڈورڈز کے باغیانہ طرز عمل سے آگاہ کیا۔ ہر طرف سے "شیم شیم" کی آوازیں آنے

لگیں۔ بعد ازاں اتفاق رائے سے منظور کردہ وہ قرارداد پیش کی جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ اصلاحات کی سکیم مرتب و مدون کرنے کے لئے ایک خصوصی کمیٹی قائم کی جائے جو اس سلسلے میں دیگر سیاسی تنظیموں --- کانگریس کے دونوں گروپوں -- سے صلاح مشورہ کرے گی جو انہیں "متحدہ ہندوستان" کے نام پر اصلاحات کے واحد پلیٹ فارم کا مطالبہ کرنے کی اجازت دے گی۔ اس قرارداد کا پرجوش تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ برطانوی ہند کے ہر صوبے کی نمائندگی کرنے والے ۷۱ قائدین پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا سربراہ مسٹر جناح کے قریبی دوست اور موکل سر علی محمد خاں بہادر، راجہ آف محمود آباد کو چنا گیا۔ بمبئی سے کمیٹی کے ممبران میں سر آغا خاں اور مسٹر جناح، جبکہ پنجاب سے میاں سر محمد شفیع، میاں سر فضل حسین اور بنگال کے ممبران میں سے اے۔ کے فضل الحق کا نام قابل ذکر ہے۔ تاج محل ہوٹل کے اجلاس سے پہلے مسٹر مظہر الحق نے مسٹر جناح کی مسلم لیگ کے لئے خدمات کو سراہتے ہوئے کہا تھا: "ہندوستان کی مسلم آبادی مسٹر جناح کی تہ دل سے ممنون ہے، کیونکہ ان کی مساعی کے بغیر ہم بمبئی میں اجلاس نہیں کر سکتے تھے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ جناح کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: "مسٹر جناح، ہم مسلمانان ہند آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں"۔ یہ مسلم لیگ کی طرف سے پیش کیا جانے والا اپنی قسم کا پہلا خراج تحسین تھا، تاہم اسے آخری نہیں کہا جا سکتا۔

چوتھا باب۔ لکھنؤ تا بمبئی —— ہندو مسلم اتحاد کی سفارت (۱۸۔۱۹۱۶ء)

جناح کے لئے ۱۹۱۶ء کا سال شہرت و خوش قسمتی کا سال تھا۔ مسلم لیگ کو بمبئی میں انتشار سے بچانے میں مدد دینے کے بعد اس جماعت کو لکھنؤ، جو کسی زمانے میں اودھ کے مغل نوابوں کا دارالحکومت رہ چکا تھا، میں توقع کی نئی بلندیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے اس کا صدر چن لیا گیا۔ جن دنوں یورپ خود کو زہریلی گیس سے بھرے ہوئے مغربی محاذ پر ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔ ہندوستان نے جناح کی پرجوش قیادت میں ایسے سیاسی افق کی طرف پیش قدمی کی جو سر پر کھڑی آزادی کی سنہری صبح سے تاباں دکھائی دے رہا تھا۔

جناح بمبئی کی مسلم نشست سے سنٹرل مجلس دستور ساز کی دوسری مدت کے لئے پھر سے منتخب ہو گئے۔ انہوں نے اس فورم کو ایک اچھے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے کانگریس۔ مسلم لیگ مفاہمت سے متعلق تجاویز کو، جو پہلے سے مرتب شدہ تھیں، کانگریس کی مقرر کردہ کمیٹی کو، جس کے سربراہ موتی لال نہرو تھے، ارسال کر دیا۔ انہوں نے ارکان کمیٹی کا ایک اجلاس اپریل میں اپنے محل نما الہ آباد والے گھر میں طلب کر لیا۔ موتی لال نے ایک وکیل کی حیثیت سے جو دولت کمائی تھی۔ اس کا ایک حصہ کانگریس اور مسز اینی بینسٹ کی ہوم رول لیگ کی مہمان نوازی اور فراخدلانہ امداد پر خرچ کر دیتے تھے۔ وہ مسٹر جناح کے مداح تھے اور ان دنوں اپنے دوستوں سے ان کا تعارف اس طرح کراتے تھے: "بہت سے مسلمانوں کے برعکس، وہ اتنے ہی پکے قوم پرست ہیں جتنا ہم میں سے کوئی ایک۔ وہ اپنی قوم کو ہندو مسلم اتحاد کی راہ دکھا رہے ہیں"۔

خاصے عرصے تک وہ سنٹرل لیجسلیٹو کونسل میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے، لیکن تیسری دہائی کے آخری برسوں میں دونوں میں زبردست ٹھن گئی۔ موتی لال، جو کہ ایک تند مزاج ایڈووکیٹ اور جم کر مقابلہ کرنے

والے پہلوان تھے، قومی تحریک آزادی کی قیادت خود کرنا چاہتے تھے یا کم از کم اسے اپنے فرزند جواہر لال کو دینا چاہتے تھے تاہم جناح جو کہ لنکنز ان سے فارغ التحصیل تھے، محض ایک علاقائی پلیڈر کی مدد کرنے پر کیسے قناعت کر سکتے تھے، خواہ مال و دولت کے لحاظ سے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوتا۔

اپریل میں کانگریس اور مسلم لیگ نے "میثاق آزادی" کے زیر عنوان تجاویز مرتب کرلیں جن پر لکھنؤ میں مہر تصدیق ثبت ہوئی تھی۔ ایسٹر کے موقع پر آئرلینڈ میں زبردست شورش برپا ہوئی، جسے کچز کی فوج نے بڑی بے رحمی سے فرو کیا اور ڈبلن میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ جنگ کی ہولناک تباہ کاریاں تیزی سے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔ امپیریل کانفرنس میں حکومت خود اختیاری کے ساتھ براہ راست نمائندگی کے مطالبات بڑھ گئے۔ انڈیا آفس میں مئی سے کریو کی جگہ آسٹن چیمبرلین نے سنبھال لی۔ ہارڈنگ نے مباحثات میں عظیم تر کردار کی بابت ہندوستانی مطالبات کو نظر انداز کرنا ناممکن سمجھا اور اس بات سے اتفاق کر لیا کہ جملہ شاہی کانفرنسوں میں نمائندگی کی بابت ہندوستان کا دعویٰ برحق ہے۔ بہرحال کرزن اور کچز کے سامنے جواب بھی کابینہ پر چھائے ہوئے تھے، اس کی ایک نہ چلی۔ وسط ۱۹۱۸ء میں ہارڈنگ کو واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ رسالہ کے ایک دھیمے مزاج کے کیپٹن لارڈ چیمسفورڈ نے وائسرائے ہند کا نیا منصب سنبھالا۔

رتی کے ساتھ پیار کی پینگیں

الہ آباد کے اجلاس سے فارغ ہو کر جناح دار جیلنگ چلے گئے تاکہ شدید گرمی کے اگلے دو مہینے بمبئی کے بجائے اپنے دوست اور موکل سر ڈنشا مانک جی پیٹٹ کے سرمائی محل میں گزار سکیں۔ پیٹٹ بمبئی کے متمول ترین پارسی خاندانوں میں سے ایک تھا۔ وہ سوتی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اس خاندان کی امارت و دولتمندی کی بنیاد سر ڈنشا کے عظیم مہم جو دادا نے رکھی جو ۱۷۸۵ء میں سورت سے بمبئی آئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں بطور شپنگ کلرک ملازم ہو گئے۔ وہ دوبش (دو زبانوں کا ترجمان) کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔ فرانسیسی تاجروں نے، جنہیں اس چھوٹے سے ذہین و فطین پارسی کلرک سے واسطہ پڑتا تھا، اس کا نام "لی پیٹٹ پارسی" (Le Petit Parsi) رکھ دیا۔ یہی عرف اس کے اخلاف کا لقب بن گیا۔ اس کے بیٹے مانک جی پیٹٹ نے بمبئی کی پہلی کاٹن مل قائم کی جو پھیل کر مانک جی مل کا کمپلیکس اینڈ تارڈیو کی شکل اختیار کر گئی۔ پہلے بیرونیٹ سر ڈنشا کی سربراہی میں بمبئی کی مضبوط مل مالکان ایسوسی ایشن ۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی۔ وہ ۱۸۹۴ء تک اس کے چیئرمین رہے۔ گویا انیسویں صدی کے اختتام تک پیٹٹ خاندان نہ صرف امیر ترین خاندانوں میں سے ایک تھا، بلکہ رفاہی کاموں میں بھی سب سے بڑھ کر حصہ لینے والا اور اپنے مسلک کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والا تھا۔

۱۹۰۱ء میں پہلے سر ڈنشا کی وفات پر اس کی ساری شہرت، دولت، مذہبی فرائض، وظائف اور ذمے داریاں اس کے بیٹے مانک جی کے حصے میں آئیں۔ اس کے ہاں اکلوتی بچی رتن بائی نے ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو جنم لیا تھا۔ رتی، جیسا کہ اسے کہا جاتا تھا، بچپن سے ہی انتہائی دلکش، غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں سے مالا مال، ہر خوبی سے بہرہ ور اور ہر لحاظ سے خوبصورت تھی۔ وہ جونہی عنفوان شباب میں داخل ہوئی، اس کی تمام صلاحیتیں، خوبیاں اور حسن و رعنائی میں اتنے خوش کن اور فطری انداز میں اضافہ ہوا کہ وہ "پریوں کی شہزادی" جیسی بہت ہی پیاری اور

بہت ہی نازک نظر آنے لگی۔ اس کا ذہن پوری طرح مستعد' اس کی ذہانت ہمہ وقت بیدار اور تجسس انگیز تھی۔ وہ رومانوی شاعری میں بھی اسی دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتی تھی جتنے شوق سے میدان سیاست میں' چنانچہ ۱۹۱۶ء کے دوران اس نے بمبئی میں منعقد ہونے والے ہر جلسہ میں اصرار کے ساتھ شرکت کی۔ وہ ہمیشہ پہلی قطار میں بیٹھتی۔ اس کی کروڑپتی اور معاشرتی بہبود کی دلدادہ مس مامابائی ہیٹسٹ اس کے ہمراہ ہوتی۔

اسی سال گرما میں جبکہ رتی کی عمر سولہ برس اور مسٹر جناح کم از کم چالیس سال کے تھے' دار جیلنگ میں سطح زمین سے ۷۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ماؤنٹ ایورسٹ ویو میں دونوں کے مابین پیار و محبت کے رشتے استوار ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں جناح نے احمد آباد میں جو کہ گجراتی ٹیکسٹائل دولت اور قوت کا مرکز تھا' بمبئی پراونشل کانفرنس کی صدارت کی۔ اس موقع پر انہوں نے تجویز پیش کی کہ صوبائی حکومتوں کو جیسے کہ بمبئی کی حکومت تھی' ایسی خود مختار انتظامیہ میں تبدیل کیا جائے جو عوام کے منتخب نمائندوں کے روبرو جوابدہ ہو۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کو' جہاں کہیں بھی وہ اقلیت میں ہوں' موزوں کافی اور موثر نمائندگی دی جائے۔ جہاں تک ضلعی اور بلدیاتی حکومتوں کا تعلق ہے' جناح نے رپن ور مارلے جیسے لبرل رہنماؤں کے دلائل دہراتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ مکمل طور پر منتخب ہونے چاہئیں۔۔ موجودہ سرکاری کنٹرول جسے کلکٹرز اور کمشنرز بروئے کار لاتے ہیں' ختم کیا جائے۔۔۔ چیئرمین کا انتخاب بورڈز کو کرنا چاہئے اور بلحاظ منصب صدر کی نامزدگی موقوف کی جائے۔۔۔ ایکسائز آمدنی یا آمدنی کا کوئی یقینی حصہ ان اداروں کو دیا جائے تاکہ ان کو اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے معقول وسائل میسر آسکیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ سب سے زیادہ طاقتور سول سروس کو وفادار ملازمین میں تبدیل کر دیا جائے جو ہندوستانی رائے عامہ کے سامنے جوابدہ ہو۔ بہرحال تبدیلی کے لئے جناح کی انقلابی تجاویز کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہندوستانیوں پر قانون اسلحہ کا اطلاق ختم کیا جائے' جیسا کہ یورپی باشندے اس سے مستثنٰی ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پریس ایکٹ اور مارشل لاء کی کمتر صورت ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کو منسوخ کیا جائے۔ انہوں نے اس قانون کے حالیہ اطلاق کو بطور خاص تنقید کا نشانہ بنایا' جس کے تحت مسز اینی بیسنٹ کے بمبئی میں داخلے پر پابندی لگائی گئی تھی۔ نیز مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم کے لئے فوری قانون سازی پر بھی زور دیا۔ انہوں نے یہ مطالبہ پھر دہرایا کہ بری اور بحری فوج میں ہندوستانیوں کو بھی رائل کمیشن ملنا چاہئے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہندوستانی سپاہیوں اور عام آدمیوں کی حیثیت سے لڑنے میں بہت اچھے ہیں تو وہ افسروں کے مناصب پر فائز ہونے کے اہل کیوں نہیں۔ جناح نے اپنا خطاب سب سے زیادہ جاذبِ نظر مسئلہ' ہندو مسلم اتحاد پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ختم کیا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمام صاحب فکر حضرات اس کے دل سے قائل ہیں کہ ہماری اصل ترقی کا راز ایک ہی سرزمین سے تعلق رکھنے والی دو قوموں کے مابین خیر سگالی' میل جول اور تعاون میں مضمر ہے۔ ترقی کا اصل نقطہ ماسکہ ان کے اتحاد و اشتراک کے درمیان واقع ہے۔۔۔ تاہم اس کا حل مشکل نہیں ہے"۔

جناح پوری مسلم قوم کے وکیل کی حیثیت سے خطاب کر رہے تھے۔ وہ اپنا سیاسی نظریہ یا ذاتی تجزیہ بیان نہیں کر رہے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قربانی اکثریتی قوم کو دینی ہوگی۔ انہیں اس کا صلہ بھی حسب حال ملے گا۔

اس لئے میں اپنے ہندو دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فراخدلی اور اعتدال پسندی سے کام لیں اور مسلمانوں کی دیگر سرگرمیوں کا خیر مقدم اور ان کی حوصلہ افزائی کریں' خواہ انہیں جداگانہ انتخاب کے معاملے میں کچھ قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

"یہ اختیارات کی بیورو کریسی سے جمہوری نمائندوں کو منتقلی کا مسئلہ ہے۔ آیئے ہم وقتی طور پر اپنی تمام تر توجہ اور قوت محض اس اکیلے سوال پر مرکوز کر دیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہئے اور اس انتقال اختیارات کو بعجلت ممکنہ موثر بنانے کے لئے ہر آئینی اور جائز وسیلہ بروئے کار لانا چاہئے۔ ہم ایک سیدھی راہ پر ہیں۔ ارض موعودہ (راحت بخش مقام) ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ نوجوان ہندوستان کا نصب العین اور اس کے لئے کھلا راستہ یہی ہے کہ قدم آگے بڑھاؤ"۔

اہم قومی مطالبات

جناح زیادہ پرامید کبھی نہیں رہے۔ انہیں ہندوستان کا مستقبل اسی قدر تابناک' زندگی' امنگ اور روشنی سے اتنا ہی بھرپور دکھائی دیتا تھا جتنا کہ رتی کے ساتھ اپنا مستقبل درخشاں نظر آ رہا تھا۔ دونوں نے مختلف برادریوں میں آنکھ کھولی تھی۔ اس کے باوجود محبت نے ہر بلندی کو مٹا دیا اور تمام رکاوٹیں دور کر دی تھیں' اس لئے انہیں اپنی تخلیق اور سیاسی قوتوں کی انتہائی بلندی پر کم از کم یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ لکھنؤ کو جانے والی شاہراہ پر وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

پہلے وہ کلکتہ گئے جہاں مرکزی دستوریہ کا اجلاس ہنوز جاری تھا۔ نئی دہلی کی تعمیر کا کام انتہائی سست رفتاری سے چل رہا تھا کہ وہاں مرکزی کونسل کے اجلاس کا انعقاد ۱۹۲۰ء کی دہائی کے آخر میں بھی مشکل نظر آتا تھا۔ اکتوبر کے اختتام سے قبل انہوں نے مرکزی دستور کے ۱۸ دیگر ممبران کو "انیس کی یادداشت" پر دستخط کرنے پر آمادہ کر لیا۔

اس کے بعد وہ یادداشت وائسرائے کو پیش کی گئی اور آخر میں وائٹ ہال کو ارسال کر دی گئی۔ اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ دستور ساز مجالس کے منتخب ممبران کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ تمام ہندوستانی اراکین کا انتخاب کریں جو آئندہ انتظامی کونسلوں میں جا کر کام کریں۔ علاوہ ازیں مجالس دستور ساز میں منتخب نمائندوں کی خاصی اکثریت ہونی چاہئے اور رائے دہی کے اصول کو مسلمانوں اور ہندوؤں کی جہاں کہیں بھی وہ اقلیت میں ہوں' مناسب اور معقول نمائندگی کے ساتھ وسعت دی جائے۔ کم از کم ۱۵۰ ممبران پر مشتمل ایک سپریم کونسل اور ۶۰ تا ۱۰۰ اراکین پر مشتمل صوبائی کونسلوں کی سفارش کی گئی تھی۔ ان کونسلوں کو زیادہ ذمہ داریاں اور پارلیمانی آزادیاں دی جانی تھیں اور سیکرٹری آف سٹیٹ کا عہدہ ختم کر کے اس کی جگہ دو انڈر سیکرٹریوں' جن میں سے ایک ہندوستانی ہو' کا تقرر ہونا تھا اور ان سب کے واجبات برطانوی بجٹ سے ادا کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ فیڈریشن اسکیم کے متعلق کہا گیا تھا کہ "ہندوستان کو منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنے اوپر آپ حکومت کرنے والی ڈومینینوں کی طرح حیثیت دی جائے۔ صوبائی حکومتیں خود مختار ہونی چاہئیں۔ نیز حکومت خود اختیاری کے مکمل قانون کا مطالبہ بھی اس میں شامل تھا۔ ہندوستانیوں کو ہتھیار لے کر چلنے کا ویسا ہی حق ہونا چاہئے جیسا

کہ یورپینوں کو حاصل ہے"۔ آخر میں استدعا کی گئی تھی کہ ہندوستانی نوجوانوں کو بھی مسلح افواج میں انگریزوں کی طرح رائل کمیشن کا اہل شمار کیا جائے۔

اس یادداشت میں انڈین ڈومینین کے لئے دستوری ڈھانچہ بھی فراہم کیا گیا تھا۔ مذکورہ ڈومینین کا قیام محولہ بالا تجویز کی منظوری کی صورت میں جنگ عظیم اول کے بعد برٹش کامن ویلتھ کے اندر رہتے ہوئے عمل میں آنا تھا۔ ابھی تک جنگ ختم ہونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہندوستانی دستوں کو عراق' عرب میں جو ہزیمت اٹھانی پڑ رہی تھی' اس کی مکمل رپورٹ ابھی منظر عام پر نہیں آئی تھی' انگریزوں کا ہندوستان کی ہر چیز پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔ روس میں رونما ہونے والے انقلاب نے اتحادیوں کو ان کے مشرقی بازو سے محروم کر دیا۔ برطانیہ کی جنگی کابینہ میں متحدہ ہندوستان کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے بصیرت کی افسوسناک طور پر کمی تھی یا اس میں ایسی خواہش نہ تھی یا قوت سے محروم تھی۔ ۱۹۱۶ء کے سرمانے برطانیہ عظمیٰ نیز انڈیا کو تاریخ کے شاذونادر مواقع میں سے ایک موقع فراہم کیا تھا' جب ایک لہر پر سوار ہو کر خوش آمدید کہنے والے ساحل تک پہنچنا ممکن تھا اور اسے ضائع کرنے کی صورت میں ان لوگوں کے سروں کو قاتلانہ اثر کے ساتھ پھاڑ دینا تھا' جو بہت زیادہ مصروف' بزدل' یا تیزی سے بدلتے ہوئے لمحات سے بروقت فائدہ اٹھانے کے لئے اچھی طرح تیار نہ تھے۔

جناح نے اپنی ساری توجہ ایک ایسے فارمولا پر مرکوز کر دی جو ان کے قانونی دماغ نے صاف دلی کے ساتھ وضع کیا تھا اور جسے وسط نومبر میں کانگرس کے صدر اے سی موجمدار سے کلکتہ میں دو روزہ ملاقات کے بعد منظور کرا لیا تھا۔ ان کے مابین لکھنؤ معاہدہ کی کامیابی کا راز ہر مجلس قانون ساز کے لئے مقرر کردہ مسلم ممبران کی فیصد تعداد' مرکز اور بمبئی کی نشستوں کا ایک تہائی' پنجاب میں نصف' بنگال میں ۴۰ فیصد' یوپی میں ۳۰ فیصد' بہار' اڑیسہ میں ۲۵ فیصد' سی پی اور مدراس میں ۱۵ فیصد پر اتفاق رائے پر مضمر تھا۔ بنگال اور پنجاب کو چھوڑ کر جہاں مسلم نمائندگی ان کی آبادی سے قدرے کم تھی' اقلیتی برادری کو اس کی آبادی کے مقابلے میں زیادہ نمائندگی حاصل ہو گئی۔ جنہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ مستقبل کے "ہندو راج" میں ان کی اسلامی شناخت ختم ہو جائے گی' انہیں یقین دلانے کے لئے ایک بہت اہم تحفظ کا اہتمام اس طرح کیا گیا تھا:

"کسی بل' اس کی کسی شق' کسی غیر سرکاری ممبر کی پیش کردہ قرارداد پر' جس سے ایک دوسری قوم متاثر ہوتی ہو' جس کے مسئلہ کا تعین متعلقہ مجلس دستور ساز میں اس قوم کے ممبران کو کرنا ہوگا' کارروائی نہیں کی جائے گی' اگر کسی خاص کونسل میں' خواہ وہ مرکزی ہو یا صوبائی' اس قوم کے تین' چوتھائی ممبران اس بل' اس کی شق یا قرارداد کے مخالف ہوں گے' اس پر بھی کارروائی نہیں ہوگی"۔

لکھنؤ کے اجلاس سے خطاب

جناح نے جس سمجھوتہ کا مسودہ مرتب کیا' اس میں کوئی سقم نہیں رہنے دیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو مسلم لیگ کے روسٹرم سے بحیثیت صدر انہوں نے اعلان کیا:

"جو چیز عظیم ہے اور لوگوں کے مشترکہ معاملہ کی طرف تحریک دیتی ہے' جس کے لئے سب سے اچھے اور

سب سے زیادہ بہادر انسانوں نے زندگی گزاری اور کام کیا۔ تمام ادوار اور ہر قسم کے موسمی حالات میں تکلیفیں اٹھائیں' وہ انڈیا کو اس کی پستیوں سے باہر لا رہی ہے۔

پورا ملک اپنی منزل کی طرف حکومت کے لئے بیدار ہے اور مشتاقانہ امید کے ساتھ نئے آفاق کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے۔ ملک میں خلوص' اعتماد اور پختہ عزم کا نیا جذبہ عام ہے۔ تمام اطراف میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مسلمانان ہند اپنے آپ کو اور اپنی گزشتہ روایات کو جھٹلائیں گے' اگر انہوں نے نئی توقع پوری کرنے میں بھرپور حصہ نہ لیا۔ جو آج محب وطن ہندوستان کے فرزندوں کو حرکت دے رہی ہے۔ اگر وہ اپنے ملک کی پکار کا جواب دینے میں ناکام رہے' اگر ان کی نظر اپنے ہندو ہم وطنوں کی طرح مستقبل پر جمی ہوئی نہیں' تو وہ مستقبل سے پیچھے رہ جائیں گے۔ لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے حضرات کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت تمہاری قوم اور پورے ملک کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ جو فیصلے آپ اس تاریخی ہال اور تاریخی سیشن میں کریں گے' اپنی پوری قوت اور وزن کے ساتھ رنگ لائیں گے۔ ۷ کروڑ مسلمانوں کے منتخب لیڈر اور نمائندے بجا طور پر اس کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ ان فیصلوں کی نوعیت پر ہی بڑی حد تک ہندوستان کے مستقبل' اتحاد اور دستوری آزادی کے لئے ہمارے مشترکہ افکار اور امنگوں کا انحصار ہے"۔

جناح نے کسی پبلک پلیٹ فارم سے ایسے پرجوش انداز میں دوبارہ ہرگز تقریر نہیں کی۔ انہوں نے بیوروکریسی کے اشارے پر چلنے والے برطانیہ کو کم ظرف' دوغلا اور سیاسی اصولوں سے مایوس کرنے والا قرار دیا جو محب وطن ہندوستانیوں کے منہ پر اکثر ملامت کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کرتا ہے کہ کوئی چیز اتنی بیکار اور فرسودہ نہیں' جتنا کہ ہندوستانی اپنے آپ پر حکومت کرنے کے نااہل ہیں' اور یہ کہ جمہوری ادارے مشرق کی فضا میں ترقی نہیں کرسکتے۔ وہ سارے ہندوستانیوں کو رزیل اور احمق کہہ کر مسترد کردیتے ہیں۔

انہوں نے حب الوطنی اور قومی خود آگاہی کے زندہ و توانا جذبے کو سراہتے ہوئے کہا: "یہ جذبہ بے لوث سوچ اور توانائی کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ جذبہ ہندوستانیوں کی روح میں موجزن ہے"۔ انہوں نے کہا کہ اس جذبے کا سب سے اہم اور امید افزا پہلو یہ ہے کہ اسے قومی اتحاد کی سمت نومولود تحریک سے نمو ملی ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اکٹھا کرکے مشترکہ مقصد کے لئے برادرانہ طور پر خدمت میں لگا دیا ہے۔ ان کے خطاب کا یہ اہم جزو مسلم لیگ کے مقاصد کے لئے اتنا پریشان کن سمجھا گیا کہ بعد میں سرکاری طور پر جو کتابچہ شائع ہوا' اسے اس میں سے خارج کردیا گیا اور تحریک پاکستان کے وکلاء میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا۔ بہرحال اس قسم کی سنسرشپ یقیناً گمراہ کئے جانے اور بھٹکائے جانے کا نتیجہ تھی' کیونکہ ۱۹۱۶ء میں ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ جناح کے زبردست جذبے کی وابستگی کو نظرانداز کرکے بعد ازاں انہوں نے خود کو حصول پاکستان کے مطالبہ سے جس مضبوطی و استحکام کے ساتھ وابستہ کردیا' پوری طرح اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جناح اچھی طرح جان گئے تھے کہ ہندوستان برطانوی حکومت سے آزاد' مضبوط اور ایک قومی وطن کے طور پر صرف اس صورت میں منصہ شہود پر آسکتا ہے' جب پہلے فرقہ وارانہ شکوک و شبہات اور دیگر خدشات کو دور کرلیا جائے۔ انہوں نے کانگرس میں رہتے ہوئے وہاں اپنے نمایاں قومی اہمیت کے حامل رفقائے کار کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ منتخب مجالس دستور ساز کی سیٹوں کا خاصا کوٹہ مسلمانوں کو دے دیا جائے تاکہ مسلم لیگ کو قائل کیا جاسکے کہ مطالبات کی ایک قومی

فہرست مرتب کرنے میں کانگرسی حلقوں کا ساتھ دینا خود اس کے اپنے بہترین فرقہ وارانہ مفاد میں ہے۔ یوں مہارت کے ساتھ بات چیت کے ذریعے جو معاہدہ طے پایا' اس سے ان کی قابل تعریف قانونی صلاحیتوں کی اسی طرح تصدیق ہوگئی' جیسے کہ قوم پرستی کے ساتھ ان کے پرجوش لگاؤ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پرامید اور متحرک جناح نے یہ پیش گوئی کردی کہ ہم نے کم از کم آدھی آئینی جنگ پہلے ہی جیت لی ہے۔ متحدہ ہندوستان کا مطالبہ جو ملک کی حقیقی ضروریات پر مبنی ہو اور وقت نیز حالات کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے وضع کیا گیا ہو' اسے یقیناً قابل مزاحمت ثابت ہونا چاہئے۔ بحالی امن کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسئلہ جرات مندانہ اور فراخدلانہ خطوط پر طے کرنا ہوگا اور ہندوستان کو برٹش ایمپائر کے ایک آزاد' ذمہ دار اور مساوی المرتبہ ممبر کی حیثیت سے اس کا پیدائشی حق دینا ہوگا۔ اس وقت یہ سب کچھ بالکل واضح' آسان اور عقل کے عین مطابق لگتا تھا۔ کانگرس' لیگ منصوبہ نے جسے "لکھنؤ پیکٹ" کہا جاتا ہے' آزاد ہندوستان کے دستور کے لئے موٹے موٹے اصولوں پر مبنی لائحہ عمل ثابت ہوا۔ بہرحال انہوں نے اپنی اسکیم کو دستوری حقیقت میں منتقل کرنے کے لئے ہر قدم کا حل سوچ لیا تھا۔

"اصلاحات کی اسکیم اپنانے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ مسلم لیگ اور کانگرس آئینی ماہرین سے ایک بل کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کریں گی' جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا ترمیمی بل کہلائے گا۔ اس کے متن میں ہمارے ملک کا موجودہ دستور شامل ہوگا۔ ویسا بل تیار ہونے پر کانگرس اور لیگ کو اختیار کرنا ہوگا۔ دونوں جماعتوں کو اپنے اپنے سرکردہ نمائندہ افراد کا ایک وفد مقرر کرنا چاہئے جو اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اس بل کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش اور منظور کرایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اس قدر زیادہ سرمایہ جمع کرنا چاہئے جتنا کہ ممکن ہو' تاکہ جدوجہد کے لئے ضروری وسائل بروئے کار لائے جا سکیں' جب تک کہ ہمارا مقصد پورا نہ ہو"۔

لکھنؤ پیکٹ ردی کی ٹوکری میں

ان کا دماغ اپنے اکثر انگریز اور ہندوستانی ہم عصروں سے کئی سال پہلے سوچتا تھا۔ بدقسمتی سے لکھنؤ پیکٹ پر کبھی عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ تاہم اس کی منظوری ہندوستان کے قومی اتحاد کا اہم نکتہ ثابت ہوئی اور اس نے جنوبی ایشیا کے اس برصغیر پر حکومت کے لئے ایک ایسا معتدل اور معقول آئینی ڈھانچہ فراہم کردیا جیسا کہ بعد کا کوئی منصوبہ جو سالہا سال کی محنت' بے پناہ اخراجات اور بہت قیمتی خون خرچ کرکے تیار کیا گیا۔ بہرحال انگریز حکمران اپنی ہندوستانی سلطنت پر ولسن کے اصول خود ارادیت کا اطلاق کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔

کانگرس کا اجلاس' مسلم لیگ کے قیصر باغ (لکھنؤ) میں منعقدہ تاریخی سیشن سے چند دن پہلے منعقد ہوا۔ ۱۹۰۷ء میں سورت کے مقام پر گروپ بندی کے بعد سے یہ اس کا پہلا متحدہ اجلاس تھا جس میں ۲۳۰۰ سے زائد مندوبین شریک ہوئے۔ کانگرس کے صدر ایم سی موجمدار نے تلک اور اس کی جماعت کا کانگرس سے ادغام پر خیر مقدم کرتے ہوئے کہا: "صلح کرانے والے بہت مقدس ہیں"۔ ہندو مسلم اتحاد کی طرف آتے ہوئے موجمدار

نے اعلان کیا:

"یہ معاملہ طے پا گیا ہے اور ہندو مسلم دونوں اپنی حکومت کے لئے مشترکہ مطالبہ پیش کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ کانگرس کی کمیٹی اور مسلم لیگ کے نمائندوں نے کلکتہ میں دو روزہ مذاکرات کے بعد ایک آواز ہو کر ملک میں نمائندہ حکومت کے لئے ایک مشترکہ مطالبہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے"۔ تلک نے حقیقت پسند سیاستدان کی حیثیت سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: "ہم لوگوں کے کسی بھی گروپ کے ساتھ ایک مشترکہ مقصد متعین کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں بیوروکریسی کی طرف سے بھی اپنا دست تعاون واپس نہیں کھینچوں گا۔ اگر وہ کوئی ایسی اسکیم پیش کریں جس کا مقصد ہماری قومی فلاح و بہبود کو ترقی دینا ہو"۔

ڈنشا پیٹٹ کو شکست فاش اور دوسری شادی

جناح کی کامیابی ناقابل شکست تھی۔ انہوں نے معاہدے کا جو مسودہ مرتب کیا تھا' دونوں پارٹیوں نے اسے جوں کا توں قبول کر لیا۔ اب وہ اسے ذاتی اطلاق کے تلخ ٹیسٹ کے لئے پیش کرنے کو تیار تھے۔ انہوں نے دونوں قوموں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ سوچا' جو ان کے ذہن کے مطابق اعلیٰ ترین تھا' وہ بظاہر ایک پیچیدہ سوال لے کر سر ڈنشا پیٹٹ کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا' مختلف اقوام کے مابین شادیوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ رتی کے باپ نے جو اس سوال پر ہکا بکا رہ گئے تھے' اس کی حمایت میں اپنی پرزور رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا: "اس سے قومی یکجہتی کو خاصی تقویت ملے گی اور ممکن ہے آخرکار مختلف قوموں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا آخری حل ثابت ہو"۔

جناح اس سے بہتر جواب کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے بحث پر مزید الفاظ ضائع کئے بغیر اپنے بوڑھے دوست سے دو ٹوک الفاظ میں کہا: "میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کا خواہشمند ہوں"۔ سر ڈنشا ششدر رہ گئے' جیسا کہ جسٹس چھاگلہ نے' جو ان دنوں معاون کے طور پر جناح کے چیمبر میں کام کر رہے تھے' اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے بتایا: "انہیں خیال تک نہ تھا کہ اس کے ریمارکس ایسے ذاتی مضمرات کے حامل ہوں گے۔ وہ بہت زیادہ برہم ہوئے اور ایسے کسی خیال کی حمایت کرنے سے جو ان کے نزدیک مضحکہ خیز اور انوکھا تھا' صاف انکار کر دیا۔

جناح نے اتنی خوش بیانی اور زبردست دلائل کے ساتھ بحث کی' جتنا کہ وہ اکیلے کر سکتے تھے لیکن وہ فضول ثابت ہوئی۔ پہلے ہی امتحان میں ان کا فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور پیار بھرے اتحاد کو فروغ دینے کا خواب بری طرح پریشان ہو گیا۔ سر ڈنشا کبھی متفق نہ ہوئے' یہاں تک کہ ایسی تلخ اور تمکنت آمیز گفتگو کے بعد' جس کا ان کے علاوہ بمبئی کے ہر شخص کو علم تھا' ان کے ساتھ کبھی بات نہیں کی۔ نہ ہی وہ کسی بھی صورت میں ایسی شادی کی اجازت دینے پر تیار ہوئے۔ اولین قدم کے طور پر انہوں نے رتی پر پابندی لگا دی کہ جب تک وہ نابالغ کی حیثیت سے ان کے شاندار سنگ مرمر کے محل میں قیام پذیر ہے' جناح سے ہرگز نہ ملے۔ اس کے بعد انہوں نے قانونی چارہ جوئی کرتے ہوئے پارسی میرج ایکٹ کی بنیاد پر حکم امتناعی کی درخواست دے دی کہ جب تک میری بیٹی بالغ نہ ہو' شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن ایک ایسے وکیل نے انہیں چاروں شانے چت گرا دیا جس نے اپنی زندگی میں شاید ہی کوئی مقدمہ ہارا تھا اور اس معاملے میں بھی وہ خوشی سے ناکامی کا داغ سینے پر لے کر مرنا نہیں

چاہتا تھا۔

ادھر رتی نے بھی اپنی پسند کے ہونے والے شوہر کے لئے پرجوش خلوص کا اظہار کیا۔ اپنے باپ کی ہٹ دھرمی کے باعث وہ دوبارہ ان سے کبھی نہیں ملی۔ جولیٹ کی طرح کوئی تعصب یا والدین کی ترجیحات اسے اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکی۔ سرڈنشا کو اپنے مقابلے کے ہٹ دھرم آدمی کے ساتھ عرصہ سے سلگتے ہوئے اس نوجوان جوڑے کی وارفتگی کے مسئلے پر دوبارہ واسطہ پڑا۔ ان دونوں نے خاموشی سے' صبرو سکون سے لیکن اشتیاق کے عالم میں انتظار کے دن گزارے۔ یہاں تک کہ رتی اٹھارہ سال پورے کرکے قانوناً بالغ ہو گئی اور چند ماہ بعد جب جناح کی ناقابل تسخیر کورٹ روم کی تلوار نے آخری قانونی رکاوٹ کے پرخچے اڑا دیئے تو دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

جرمن اور ترک فوجیں رتی کے باپ سے کہیں زیادہ سخت جان اور مایوس کن حد تک مشکل ثابت ہوئیں۔ عراق میں تباہی "باشار ڈوار" جیسا کہ ہندوستانی دستوں کو عراق کے صحرا میں پیش آنے والے ہولناک المیہ کو کہا جاتا تھا' برطانوی پارلیمنٹ میں بہت سے تند و تیز سوالوں کا موجب بنی اور طویل تحقیقات کی گئی' جس سے پتہ چلا کہ ہندوستانی بندرگاہوں سے خلیج فارس کو جو طبی اور دوسرا اہم سامان بھیجا گیا' وہ انتہائی ناقص تھا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ چیمبرلین نے ساری ذمہ داری قبول کر لی' اگرچہ وہ اس میں قصوروار نہ تھا اور وسط ۱۹۱۷ء میں انڈیا آفس کی کمان سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کی قربانی کے نتیجے میں لبرل پارٹی کے ایڈون مانٹیگو کو امور ہند کا انچارج بنا دیا گیا۔ اس نے ۲۰ / اگست ۱۹۱۷ء کو دارالعوام میں اعلان کیا کہ برطانوی حکومت کی نئی حوصلہ بخش پالیسی' جس پر حکومت ہند کو مکمل اتفاق ہے' یہ ہوگی کہ انتظامیہ کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی شرکت میں اضافہ کیا جائے اور حکومت خود اختیاری کے اداروں کو ترقی دی جائے تاکہ ہندوستان میں برٹش ایمپائر کے ایک لازمی جزو کے طور پر ذمہ دار حکومت کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس طرح آخرکار برطانیہ کو ڈومینین سٹیٹس کا وعدہ کرنا پڑا' جس کا انتظار ملک بھر کے سیاسی رہنما جنگ کے آغاز سے ہی کر رہے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے سرما میں ایڈون مانٹیگو نے پہلے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کی حیثیت سے ہندوستان کا دورہ کیا۔

ہندوستان کی قدیم پیچیدہ صورت حال ایک آدمی کا کئی عہدوں پر فائز ہونے اور تناقض نے مانٹیگو کو بری طرح متاثر کیا۔ جیسا کہ بعد میں دورہ کرنے والوں کا حال ہوا' حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کا دورہ کر چکا تھا۔ ایک "یہودی" کی حیثیت سے وہ خود کو "مشرقی" سمجھتا تھا۔ اس سے پہلے اس نے اپنی گھنی آبادی اور دولت و شوکت کی آنکھیں خیرہ کر دینے والی نمائش کے درمیان اتنی زیادہ غربت ہرگز نہیں دیکھی تھی۔ ہندوستان نے اسے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ اپنے دورہ کے اختتام پر وہ بالکل مضمحل' مایوسی کا شکار اور عزم و ہمت سے عاری ہو چکا تھا۔ دراصل بیچارے غمگین مانٹیگو کو ہندوستان نے مجروح کر دیا تھا۔ اپنے پرجوش استقبال سے اسے اتنی خوشی ہوئی کہ یہاں کے بے پناہ مسائل اور حالت زار دیکھ کر اسے دھچکا لگا اور حکمرانوں کی طرف سے جو سرکاری سلوک کیا گیا' اس نے تذبذب میں ڈال دیا۔

مانٹیگو کا خراج تحسین

ہندوستان کے جن سیاسی رہنماؤں سے مانٹیگو نے بات چیت کی' ان سب میں جناح نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا: "چست اور مستعد' عادات و اطوار کے لحاظ سے کامل" دیکھنے میں متاثر کرنے والا' دلائل سے پوری طرح لیس اور اپنی پوری اسکیم پر مصر' (وائسرائے) چیمسفورڈ نے اس کے ساتھ بحث کرنا چاہی' لیکن الجھ کر رہ گیا۔ جناح بہت چالاک آدمی ہے اور بلاشبہ یہ بات افسوسناک ہے کہ ایسے شخص کو اپنے ملک کے معاملات چلانے کا موقع نہ دیا جائے۔ ہندوستان کا دورہ کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم کچھ کرنا چاہتے ہیں اور کوئی بڑا قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔ میں واپس وطن نہیں جا سکتا اور کوئی چھوٹا کام نہیں کر سکتا بلکہ بالکل کچھ نہیں کر سکتا۔ اس قدم سے لازماً نئے دور کا آغاز ہونا چاہئے یا اسے ناکامی سے دوچار ہونا چاہئے۔ اسے ہندوستان کی آئندہ تاریخ کا بنیادی سوال بننا چاہئے۔ آرام میں کچھ کمی نہیں آئیگی۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ اس قسم کی چیز کو ختم کر سکوں۔ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے یہ خواہش کی ہے کہ میں کرزن کی طرح پسند کیا جاؤں۔ لائیڈ جارج یہاں ہوتا۔ کاش پوری برطانوی کابینہ یہاں آتی۔ کاش اسکتھ یہاں ہوتا۔ یہ ہندوستان کی بدنصیبیوں میں سے ایک ہے کہ میں یہاں تنہا' بالکل تنہا ہوں۔ وہ شخص جسے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔"

اینی بیسنٹ نے' جسے اس کی طرف سے وزیر داخلہ کے نام مسٹر جناح کی ذاتی اپیل پر حال ہی میں جیل سے رہائی ملی تھی' مانٹیگو کو دعوت دی کہ وہ کانگرس کے کلکتہ اجلاس میں شرکت کرے' جس کی صدارت خود وہ کرنے والی تھیں۔ اس پر اس نے اپنی ڈائری میں لکھا: "آہ' اگر لائیڈ جارج اس کام کا انچارج ہوتا تو وہ بلاشبہ کانگرس سے ٹکر لیتا اور ان کے لئے تقریر کرتا۔ مجھے ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے' شاید یہ ساری صورت حال کو بچا لے۔ تاہم کانگرس نے ہمارے لئے خوب سوچی ہے تاکہ ہم اس وقت بمبئی میں ہوں جب ہندوستان کی اس حقیقی تحریک کا اجلاس کلکتہ میں ہو رہا ہو"۔ مسز بیسنٹ وہ پہلی خاتون' واحد انگریز خاتون تھیں' جنہیں کانگرس کا صدر چنا گیا۔ یہ ان تکالیف کا صلہ تھا جو انہوں نے سال کے وسط میں اپنی "باغیانہ صحافت" کی پاداش میں قید و بند کی صورت میں جھیلی تھیں۔ مسٹر جناح نے ۱۵ر جون ۱۹۱۷ء کو موصوفہ کی نظربندی کے فوراً بعد ان کی جماعت ہوم رول لیگ کی بمبئی برانچ کا چارج سنبھال لیا۔ رتی مسز بیسنٹ کے سرگرم مداحوں میں سے ایک تھی۔ کانگرس کے کلکتہ اجلاس میں کم و بیش ۵۰۰۰ مندوبین اور ان سے کہیں زیادہ سامعین نے شرکت کی۔ مسٹر جناح نے اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا کہ معاہدہ لکھنؤ کی اصلاحات پر عملدرآمد کیا جائے' جسے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ چند دن بعد انہوں نے وہی قرارداد مسلم لیگ کے جلسہ میں پیش کی' جس میں کہا گیا تھا "یہ اجلاس پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت بلاتاخیر ایک بل اسمبلی میں پیش کرے جس میں دسمبر ۱۹۱۶ء کی کانگرس' لیگ اسکیم میں منظور کردہ اصلاحات شامل ہوں۔ یہ نمائندہ حکومت کے اعتراف کی جانب پہلا قدم ہوگا"۔ جوں جوں نمائندہ حکومت کے روشن امکانات قریب آتے گئے' بہت سے مسلم لیگی زعماء کی یہ تشویش بڑھتی گئی کہ ہندو اکثریت ان کے مفادات کو پس پشت ڈال دے گی۔ مسٹر جناح انہیں یقین دلاتے تھے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر سات کروڑ مسلمان کسی قانون کو منظور نہیں کرتے' جسے بیلٹ باکس کے ذریعے پاس کرنا

ہو گا تو آپ کا کیا خیال ہے، وہ پاس ہو سکتا ہے اور اسے اس ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے؟ مسلمانوں کو اس تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ ہندو جو اکثریت میں ہیں، کوئی قانون پاس کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ وہ مسلم لیگ کے ارکان کو زور دے کر نصیحت کرتے تھے کہ اپنے "دشمنوں" سے نہ ڈرو، ہندوؤں کے ساتھ تعاون کرنے سے نہ کتراؤ کیونکہ حکومت خود اختیاری کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے۔

علی برادران کی خدمات

مسلم لیگ کے کلکتہ سیشن کی صدارت کے لئے مولانا محمد علی منتخب ہوئے تھے۔ تاہم پورے سیشن کے دوران ان کی کرسی خالی رہی کیونکہ انہیں اور ان کے برادر بزرگ مولانا شوکت علی کو گرمیوں سے نظربند کر دیا گیا تھا۔ علی برادران کو حکومت نے ۱۹۱۵ء سے ہنگامی اختیارات کے تحت قید کر رکھا تھا۔ مولانا محمد علی کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار "کامریڈ" (انگریزی) اور "ہمدرد" (اردو) میں عثمانی خلیفہ عبدالحمید کی پرزور دلائل کے ساتھ حمایت کی جاتی رہی اور انگریز حکام نے دو سال تک ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کے متعلق قطعی وجوہات ظاہر کرنے کے سلسلہ میں پراسرار خاموشی اختیار کئے رکھی، یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں مسٹر جناح نے سنٹرل مجلس دستور ساز میں سوال اٹھایا تو جواب میں بتایا گیا "انہیں اس لئے نظربند کیا گیا ہے کہ وہ شاہ (برطانیہ) کے دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے"۔ علی برادران نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کے لئے بھی اتحاد کی علامت بن گئے اور مہاتما گاندھی نے برٹش راج کی مخالفت میں اپنے اولین عظیم قومی مقصد کے لئے انہیں چن لیا۔

گاندھی نے ایک طرف علی برادران کی جدوجہد میں خود کو شامل کر کے مسلمانوں کی زبردست ہمدردی و حمایت حاصل کر لی، اس کے ساتھ ہی انہوں نے تمام ہندوستانیوں سے برطانوی فوج میں بھرتی ہونے کی اپیل کر کے سرکار کا اعتماد بھی جیت لیا۔ یہ دونوں پوزیشنیں ان پیروؤں کو متضاد لگتی تھیں، جنہوں نے مہاتما کے بارے میں کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں سے یا حالات جنگ سے خوش ہیں۔ اس کے باوجود ۱۹۱۷ء کے آخر اور ۱۹۱۸ء کے دوران ان دونوں اسباب نے گاندھی کی سیاسی قوت کے لئے بہت اہم سہاروں کا کام دیا۔

اس نازک مرحلہ پر مسٹر جناح نے برطانیہ کی توسیع شدہ بھرتی مہم پر بڑی بے باکی سے تنقید کی۔ وہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ ہندوستانیوں کو جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دینے سے پہلے انہیں وہی حیثیت ملنی چاہئے جو برطانیہ کے یورپی باشندوں کو حاصل ہے۔ انہوں نے بطور خاص مطالبہ کیا کہ ہندوستانیوں کو بھی مسلح افواج میں شاہی کمیشن ملنا چاہئے۔ چیمسفورڈ نے ترشی سے ڈانٹتے ہوئے اس پوزیشن کو "سودا بازی" قرار دیا۔ اس پر مسٹر جناح نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ سودا بازی ہے۔ اگر میں اپنے ملک میں بادشاہ کے مساوی الرتبہ باشندہ کی حیثیت سے خودداری کے ساتھ اپنی حکومت سے مسلسل اس پابندی کو ہٹانے کا مطالبہ کروں؟ مائی لارڈ، کیا یہ سودا بازی ہے، اگر میں یہ کہوں کہ مجھے میرے ملک میں وہی حیثیت دی جائے جو یورپی باشندوں کو حاصل ہے؟ کیا اسے سودا بازی کہتے ہیں؟"۔ بہرحال مسٹر جناح کو کونسل کے ایک منتخب رکن کی حیثیت سے اس "جنگ کانفرنس" میں شرکت کی دعوت دی گئی جو اسی سال اپریل میں بمقام دہلی وائسرائے کی زیر صدارت ہونے والی

تھی۔ لیکن پہلے انہیں بمبئی میں اس سے کہیں اہم کام میں شریک ہونا تھا۔

رتی کے ساتھ شادی کی رسم ۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو مسٹر جناح کے مکان "ساؤتھ کورٹ" ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ، مالابار ہل بمبئی میں انجام پائی۔ رتی نے تین دن پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ وہ عمر بھر غیر فرقہ وارانہ مسلک پر عمل پیرا رہی۔ رتی کے کسی رشتہ دار نے شادی میں شرکت نہیں کی۔ وہ اپنے باپ کے محل نما جیل گھر سے، جو مسٹر جناح کے مکان سے ایک میل سے بھی کم فاصلے پر واقع تھا، اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھاگ آئی تھی۔ مسٹر ڈنشا نے اس وقت تک اس طرح سوگ منایا جیسے وہ مر گئی ہے، جب تک کہ مسٹر جناح اور اس کے مابین دس برس سے بھی کم مدت میں جدائی نہ ہو گئی۔ راجہ محمود آباد کے علاوہ مسٹر جناح کے انتہائی قریبی چند دوست شادی کی خاموش تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ راجہ محمود آباد کے صاحبزادے اور جانشین کا بیان ہے کہ مسٹر جناح نے شادی کے موقع پر اپنی دلہن کو جو انگوٹھی پہنائی، وہ میرے والد نے بطور تحفہ دی تھی۔ ہنی مون بھی انہوں نے ہمارے نینی تال والے بنگلہ میں منایا تھا۔ نینی تال بالکل دار جیلنگ کی طرح نہیں ہے، تاہم سطح سمندر سے ایک میل کی بلندی پر واقع پہاڑی مقام ہے، جسے نہرو خاندان کے افراد اور راجہ محمود آباد بھی بہت پسند کرتے تھے۔ رتی اور جناح نے یہاں صنوبر کے گھنے جنگلات میں خوب گھوڑ سواری کی اور پیار و محبت کے جذبات کو اچھی طرح پروان چڑھایا۔

ایک ہفتہ ہنی مون منانے کے بعد نوجوان جوڑا بذریعہ موٹر دہلی پہنچا اور وہاں لال قلعہ کے قریب میڈنز ہوٹل میں قیام کیا۔ یہ شاندار ہوٹل مغلیہ طرز کے باغات کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ مکمل مغربی طرز کا یہ ہوٹل جناح کے محبوب ترین ہوٹلوں میں سے تھا اور وہ جب بھی دہلی آتے، اسی میں ٹھہرتے۔ رتی کی لمبی زلفوں میں ہمیشہ تازہ پھول مہکتے رہتے۔ [illegible] اور سنہری نیلے یا پنک رنگ کے ریشمی پارچات میں اس کا پیارا چمکدار اور ملائم بدن دیکھنے والے کی نظر میں کھب جاتا تھا۔ وہ ہیرے جواہرات اور موتیوں سے مرصع ہیڈ بینڈز پہنتی اور بڑے دلکش انداز میں انگریزی سگریٹ پیتی تھی۔ مسٹر جناح اپنی گھنی کالی مونچھوں اور [illegible] چمکدار آنکھوں کے ساتھ ایسے چست لباس میں ملبوس رہتے جیسا بکنگھم کے اندر رہنے والا کوئی [illegible] لارڈ۔ وہ اپنی دلہن کے ہر لحاظ سے مکمل ساتھی لگتے تھے۔ دونوں کی جوڑی دیکھنے والوں کو بڑا متاثر کرتی تھی۔ ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں دونوں بے حد مسرور و شاداں تھے۔ اس آغاز کے ساتھ جو انتہائی خوبصورت تھا، وہ یقیناً ایسی توقع کر سکتے تھے کہ مستقبل اگر دائمی نعمت نہیں تو مسلسل خوشیوں سے ضرور بھرپور رہے گا۔

دہلی کی وار کانفرنس وہ پہلا میدان جنگ تھا جس میں مسٹر جناح نے اس شخص سے ٹکر لی جو قومی شہرت اور سیاسی قوت میں ان کا سب سے بڑا حریف بننے والا تھا۔ ابھی ان کا ہنی مون بھی مکمل نہیں ہوا تھا، اس لئے شاید ان پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اس حقیقت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا کہ ان کے خلاف کتنی زبردست طاقت جمع ہو چکی ہے جو وائسرائے کانفرنس میں آدھے ننگے بدن کے ساتھ شریک تھی۔ گاندھی نے تقریباً دس سال بعد اپنی کتاب EXPERIMENTS WITH TRUTH میں جس سے دنیا بھر میں لاکھوں کروڑوں ہندوستانی نوجوانوں اور طالب علموں کو روشنی ملی، اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: "میں دعوت نامہ کے جواب میں دہلی گیا تھا۔ خوشامد اور چاپلوسی کر کے یا اپنی خودداری قربان کر کے کسی کو خوش کرنا میری عادت

نہیں تھی"۔ بلاشبہ وہ اس بات کو فراموش نہیں کر سکا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں' نہ ہی اس چیز کو اپنے ذہن سے کھرچ سکا۔ اس کے باوجود وہ اپنی صفائی کس طرح پیش کرتا ہے: "میں وائسرائے کے سامنے مسلمانوں کا کیس پیش کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے ایسی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے' جس سے علی برادران کو زبردستی خارج کر دیا گیا تھا' اپنے اصولوں پر مبنی اعتراضات پر اصرار کیا۔ چنانچہ دہلی پہنچ کر میں نے وائسرائے کو کانفرنس میں شرکت سے متعلق اپنے تامل سے تحریری طور پر مطلع کیا۔ چیمسفورڈ نے مجھے ملاقات کی دعوت دی تاکہ مل بیٹھ کر معاملہ پر گفتگو کر سکیں۔ وائسرائے اور اس کے ذاتی سیکرٹری مسٹر مانفے کے ساتھ طویل بحث ہوئی' آخر میں شرکت پر آمادہ ہو گیا۔" بہر حال اس میں گاندھی کا کردار ہندوستانیوں کی فوج میں بھرتی سے متعلق کلیدی قرارداد کی تائید کرنے تک محدود تھا۔ جہاں تک مسلمانوں کے مطالبات کا تعلق تھا' اس بارے میں طے پایا تھا کہ گاندھی بعد میں وائسرائے کو خط لکھے گا۔ چیمسفورڈ کی شرائط تسلیم کرنے پر گاندھی کے ضمیر نے اسے اس قدر جھنجوڑا کہ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ میں یہ تائید مختصر سے مختصر الفاظ میں کروں گا۔ اس کی تائید صرف اس مختصر سے فقرہ پر مشتمل تھی:

"میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں"۔ اس نے یہ فقرہ پہلے ہندی میں ادا کیا اور پھر خود ہی اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا۔ بعد ازاں اپنی خود نوشت میں گاندھی نے اس زبان کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو اس نے ابتداء میں استعمال کی تھی۔ ادا کردہ الفاظ یا ان میں مضمر اس کار آمد حمایت کو گول کر گیا' جن سے جنگی مظالم اور برطانیہ کی جنگی مشین کو زبردست تقویت ملی تھی۔

"بہت سے لوگوں نے مجھے ہندوستانی بولنے پر مبارک باد دی۔ ان کا کہنا تھا جہاں تک ہماری یادداشت کام کرتی ہے' کسی ایسے اجلاس میں ہندوستانی بولنے کا یہ پہلا موقعہ ہے۔ مبارک باد کے پیغامات اور اس انکشاف نے کہ وائسرائے کی میٹنگ میں ہندوستانی بولنے والا میں پہلا شخص تھا' میرے قومی تفاخر کو مجروح کر دیا۔ میں اپنے آپ میں سکڑ کر رہ گیا۔ یہ کیسا المیہ ہے کہ ملک کی زبان کو ملک سے متعلق مطالبات کی بابت اجلاسوں میں ممنوع قرار دیا جائے اور وہاں مجھ جیسے بھٹکے شخص کا ہندوستانی زبان میں تقریر کرنا قابل تحسین سمجھا جائے۔ اس طرح کے واقعات ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہمیں کتنی پست سطح پر گرا دیا گیا ہے"۔

وہ یہ اعتراف نہیں کر سکا کہ اسے بہت سارے شاہ پرستوں کی طرف سے وائسرائے کی حمایت حاصل کرنے کے لئے عدم تشدد کا اصول ترک کرنے پر جو مبارک بادیاں موصول ہوئیں' ان سے اسے افسوس ہوا۔ اس نے اپنے سچے جذبات کا اظہار "ایک بھٹکے ہوئے شخص" کی صورت میں کیا جس کا "قومی تفاخر" مجروح ہو گیا تھا۔ لیکن جذبات کو اپنے حافظہ اور دنیا کے لئے محض قومی زبان کی وجوہات کے باعث جائز ٹھہرایا۔ حقیقت میں ہندوستانی زبان بولنے پر ایسی کوئی پابندی نہیں تھی جسے گاندھی کے شرم سے سکڑنے کا موجب قرار دیا جا سکے۔ تاہم جنگ کے لئے فوجی بھرتی کے ساتھ اس کی وابستگی نے واقعی اسے ۱۹۱۸ء کے اختتام سے قبل ہی ذہنی صدمہ میں مبتلا کر دیا۔ لیکن وار کانفرنس میں گاندھی کا وفادارانہ کردار جناح کے حکومت کے خلاف موقف کے لئے تباہ کن ثابت ہوا اور دہلی کی پوری قوم پرست قیادت کو عدم توازن کا شکار کر دیا۔

جناح نے ایک متبادل قوم پرستانہ قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی تو وائسرائے نے اسے "خلاف ضابطہ"

قرار دے کر مسترد کر دیا۔ چیمسفورڈ کے نام ایک تار میں انہوں نے بڑی بے باکی سے اس موقف پر اصرار کیا کہ "ہم اپنے نوجوانوں کو ایسے اصولوں کی خاطر جنگ کرنے کے لئے نہیں کہہ سکتے' جن پر ان کے اپنے ملک میں عمل نہیں کیا جاتا۔ کوئی محکوم قوم دوسروں کے لئے اس بے جگری اور توانائی کے ساتھ نہیں لڑ سکتی جیسا کہ کوئی آزاد قوم اپنی اور دوسروں کی آزادی کے لئے معرکہ آرائی کر سکتی ہے۔ اگر ہندوستان کو برٹش ایمپائر کے دفاع کی خاطر عظیم قربانیاں پیش کرنی ہیں تو اسے ایمپائر کے ایک شریک کار کی حیثیت سے ایسا کرنا ہو گا' ایک محکوم کے طور پر نہیں۔ اسے یہ احساس دلایئے کہ وہ اپنی آزادی نیز تاج برطانیہ کے ماتحت آزاد اقوام کی دولت مشترکہ کے لئے لڑ رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ آخر تک برطانیہ کا ساتھ دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا۔ پہلے اقدام کے طور پر ہندوستان میں کانگرس' لیگ اسکیم سے ہم آہنگ قانون کے ذریعے پوری طرح ذمہ دار حکومت کے قیام کی قطعی مدت کا تعین کیا جائے اور اس سلسلے میں مسودہ قانون بلا تاخیر پارلیمنٹ میں پیش ہونا چاہئے"۔ اگر ۱۹۱۸ء میں دہلی وار کانفرنس کے موقع پر گاندھی جناح کی قیادت میں متحد ہو جاتا اور مسٹر جناح ایک سال سے بھی کم مدت میں اس سے بدظن نہ ہو جاتے تو وہ دونوں متحد ہو کر شاید برطانیہ کو اس بات پر آمادہ تو نہ کر سکتے کہ ہندوستان کو (فوری) طور پر آزادی دے دے' تاہم وہ انتقال اختیارات کے عمل کو یقیناً تیز کرا سکتے تھے۔ شاید انہیں تقسیم ہند کے مرحلہ سے بھی نہ گزرنا پڑتا۔

تلک اور اینی بیسنٹ مسٹر جناح کے قدم بقدم چل رہے تھے۔ بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگٹن نے مانٹیگو کے ایک خط میں ان تینوں کو اس بناء پر برا بھلا کہا کہ اس نازک وقت میں وہ ایمپائر کے بارے میں اپنے فرض کا احساس نہیں کر رہے ہیں۔ چند ماہ بعد چیمسفورڈ نے مسٹر جناح اور مرکزی کونسل میں ان کے کئی قوم پرست ساتھیوں کے خلاف اپنے سیکرٹری کے مزید کان بھرے اور ان پر الزام لگایا کہ وہ سخت مخالف ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ہم کچھ کر سکتے ہیں' بیکار محض ہے۔ ان میں پائی جانے والی تلخی کا سدباب نہیں کیا جا سکتا اور میں اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوں۔

گورنر ولنگٹن نے اپنی صوبائی وار کانفرنس ۱۰ جون ۱۹۱۸ء کو ٹاؤن ہال بمبئی میں منعقد کی۔ مسٹر جناح اس میں شریک ہوئے اور انہیں اس وقت یقیناً غصہ آیا جب ولنگٹن نے یہ کہا: "یہاں کچھ ایسے حضرات موجود ہیں کہ ان میں سے بعض کا عوام پر خاصا اثر و رسوخ ہے۔ ان میں سے بہت سے ہوم رول لیگ نامی سیاسی پارٹی کے ممبر ہیں' جن کی سرگرمیاں گزشتہ سالوں میں ایسی رہی ہیں کہ میں ان کی حمایت کے اخلاص پر مبنی ہونے کے بارے میں ایمانداری سے بھروسہ نہیں کر سکتا"۔ تلک نے ولنگٹن کی مجوزہ قرارداد میں یہ ترمیم پیش کرنے کی کوشش کی کہ حکومت خود اختیاری کے بغیر ملک کا دفاع نہیں ہو سکتا' لیکن اسے عملاً کانفرنس سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر جناح خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا:

"آگے بڑھنے سے قبل میں اپنی اس قلبی اذیت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں' ہز ایکسی لینسی ہوم رول لیگ کے رہنماؤں کے اخلاص اور صداقت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مجھے اس طرز کلام اور طرز عمل پر بہت افسوس ہے اور ہز ایکسی لینسی کے پورے احترام کے باوجود میں نہایت شدت کے ساتھ اس پر احتجاج کرتا ہوں۔ ہم اپنے ملک اور ایمپائر کے دفاع کے لئے دوسروں سے بڑھ کر بے چین ہیں' فرق صرف طریق کار کا ہے۔

حکومت کے طریقوں کو ہوم رول لیگ پسند نہیں کرتی۔ میں صرف سکیم کی بہتری کے لئے تجاویز پیش کر رہا ہوں۔ حکومت کی اپنی سکیم ہے۔ یعنی وہ "سپاہیوں" کی بھرتی چاہتی ہے۔ جرمن خطرے سے بچنے کے لئے محض اس قدر کافی نہیں۔ ہم ایک قومی فوج یا بالفاظ دگر شہریوں پر مشتمل فوج کی تشکیل چاہتے ہیں۔ محض کرایہ کی فوج سے کام نہیں چلے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ ہم سے مدد چاہتے ہیں تو آپ تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ احساس پیدا کریں کہ وہ ایمپائر کے شہری اور بادشاہ کی مساوی الرتبہ رعایا ہیں۔ لیکن حکومت ایسا نہیں کر رہی۔ آپ کہتے ہیں ہم پر بھروسہ کیا جائے گا اور تمہیں ایمپائر میں حقیقی شریک کار بنایا جائے گا' لیکن کب؟ ہمیں محض الفاظ نہیں چاہئیں' ہم نہیں چاہتے کہ اس مسئلے پر غور و فکر غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ ہم عمل چاہتے ہیں اور فوری اقدام کے طلبگار ہیں"۔

ولنگٹن کے ساتھ کھلم کھلا معرکہ آرائی سے پیدا ہونے والی تلخی نے ان کے سماجی روابط کو بھی متاثر کیا۔ ہنی مون سے واپسی کے بعد جلد ہی مسٹر جناح کو گورنمنٹ ہاؤس بمبئی کے ایک ڈنر میں مدعو کیا گیا۔ رتی نے پیرس کا بنا ہوا کھلے گلے کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ لیڈی ولنگٹن نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ اگر مسز جناح کو سردی لگ رہی ہے تو ان کے لئے شال لا دے۔ مسٹر جناح نے ملازم کی واپسی کا انتظار کئے بغیر اپنی میزبان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "جب مسز جناح کو سردی لگے گی تو وہ خود کہہ دیں گی اور اپنے لئے شال مانگ لیں گی"۔ یہ کہتے ہوئے میاں بیوی دونوں اٹھے اور کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد اس وقت تک گورنمنٹ ہاؤس کے اندر قدم نہیں رکھا جب تک کہ ولنگٹن بمبئی سے چلا نہیں گیا۔

صوبائی وار کانفرنس کے انعقاد کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ جناح کی پارٹی نے ۱۶ر اپریل ۱۹۱۸ء کو بمبئی میں "یوم ہوم رول" منایا۔ اس موقع پر زبردست ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا:

"لارڈ ولنگٹن کہتے ہیں کہ ہوم رول لیگ بدلی کے ساتھ مدد کر رہی ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ آپ کا طریق کار اور پالیسی سب کچھ غلط ہے۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ کوئی بیوروکریٹ بھی اتنا اندھا ہو سکتا ہے کہ اسے یہ نظر نہ آئے۔ انہیں ہم پر اعتماد نہیں' اس لئے ہمیں اپنے وطن اور ایمپائر کا دفاع کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں۔ وہ اسی تنظیم کو قائم رکھنا چاہتے ہیں' جس کی حیثیت سپاہیوں کی فوج کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کے باوجود وہ ہم سے گلہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی مدد نہیں کر رہے۔ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو مسٹر مانٹیگو نے "میسوپوٹیمیا رپورٹ" کی بابت کہا تھا: "حکومت ہند ہمارے پیش نظر مقاصد کے لئے بالکل بیکار' حد سے زیادہ ضابطوں میں جکڑی ہوئی اور انتہائی دقیانوسی ہے"۔

کم و بیش ایک ماہ بعد گاندھی نے مسٹر جناح پر زور دیتے ہوئے انہیں لکھا کہ وہ فوجی بھرتی کے متعلق ایک پرزور اعلان جاری کریں۔ گاندھی کی دلیل یہ تھی:

"کیا آپ دیکھ نہیں سکتے کہ اگر ہوم رول لیگ کا ہر رکن بھرتی کی ایک مضبوط ایجنسی بن جائے اور اس کے ساتھ ساتھ آئینی حقوق کے لئے جدوجہد بھی کرتا رہے تو کانگرس' لیگ سکیم یقیناً منظور ہو جائے گی؟ پہلے بھرتی کا دفتر تلاش کریں' اس کے بعد آپ کو ہر چیز مہیا کر دی جائے گی"۔

یہ گاندھی کے عجیب ترین خطوط میں سے ایک خط تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ مسٹر جناح کو یہ خط پڑھ کر اتنا صدمہ

ہوا کہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب گاندھی نے بھرتی کے سلسلے میں گجرات کا دورہ شروع کیا اور ڈھول کی آواز کے ساتھ ـــــ گاؤں گاؤں کے چکر لگائے تو اسے بھرتی کے معاملے میں مسٹر جناح کی مدبرانہ سوچ کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ اس نے تسلیم کیا:

"جونہی میں نے اپنا کام شروع کیا' میری آنکھیں کھل گئیں۔ میری رجائیت کو زبردست دھچکا لگا۔ ہم جہاں کہیں گئے' وہاں جلسے منعقد کئے۔ لوگ ان جلسوں میں آئے تھے لیکن بمشکل ایک یا دو افراد اپنے آپ کو فوجی بھرتی کے لئے پیش کرتے۔ آپ اہنسا کے حامی ہیں؟ آپ ہم سے جنگ میں شریک ہونے کو کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حکومت نے ہمارے ساتھ کونسی نیکی کی ہے کہ ہم اس کی امداد کریں؟ یہ اور اسی قسم کے سوال ہر جگہ ہمارا سامنا کرتے تھے"۔

اگست میں گاندھی نے مافے (وائسرائے کا پرائیویٹ سیکرٹری) کو اس سے بھی سخت سوالات پر مشتمل خط لکھا: مثلاً ہم جو کہ اپنے اندر خونریزی کو دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور جنہوں نے کبھی ہتھیاروں کو چھوا تک نہیں' اپنے اندر اچانک فوج میں بھرتی ہونے کی ہمت کیسے پیدا کرلیں؟ ستمبر کے اختتام سے قبل ہی گاندھی کی صحت نے جواب دے دیا۔ یوں اسے اس انتہائی مشکل اور ناخوشگوار کام کو ترک کرنے کا موقع مل گیا۔

"فوجی بھرتی کی مہم کے دوران میں اپنے دستور کی تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ علالت ضرور طول پکڑے گی اور شاید ہلاکت خیز ثابت ہو۔ جب میں بستر علالت پر درد سے کراہ رہا تھا' ولبھ بھائی پٹیل نے آکر خبر سنائی کہ جرمنی کو مکمل طور پر شکست ہوگئی ہے اور کمشنر نے پیغام بھجوایا ہے کہ مزید بھرتی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس خبر سے مجھے بڑا سکون ملا۔ پٹیل کے ساتھ ڈاکٹر کنوگا بھی آیا تھا۔ اس نے میری نبض دیکھی اور بتایا: "آپ کی نبض بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے بالکل کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ یہ بہت زیادہ کمزوری کے باعث اعصابی کھنچاؤ ہے"۔ میں نے پوری رات جاگ کر گزاری۔ صبح طلوع ہوئی' تاہم موت نہ آئی۔ اگرچہ میں اس خیال سے چھٹکارا نہیں پاسکا کہ خاتمہ قریب ہے"۔

ہندوستان کے لئے دستوری اصلاحات پر مانٹیگو کی رپورٹ جولائی ۱۹۱۸ء میں منظرعام پر آئی جس میں سفارش کی گئی تھی کہ صوبوں میں انتظامیہ کا جزوی کنٹرول مجالس دستور ساز کو سونپ دیا جائے اور ہندوستانی حکومت میں انتظامیہ پر مقننہ کے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا جائے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو مقامی اداروں کو مکمل اختیارات دیئے جائیں۔ جناح نے ابتدائی رپورٹ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ۲۳ر جولائی ۱۹۱۸ء کو درج ذیل اخباری بیان جاری کیا:

"یہ تجاویز فارسیوں اور ویدوں کے قوانین کی طرح نہیں ہیں' تاہم مزید بحث کے ذریعے ان میں ترامیم کی جاسکتی ہیں۔ مسئلہ کو سلجھانے کی بہت زیادہ کوشش کی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسٹر مانٹیگو کی راہ میں بہت زیادہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور انہیں انتہائی نازک اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ حل کرنے کو کہا گیا تھا' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دہشت انگیزی پھیلانے والے گروہ نے ان پر ناجائز دباؤ ڈالا ہے' جس کے نتیجے میں عوام کو دی گئی مراعات پر بہت زیادہ پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ کوئی بھی اصلاحی قدم بیکار ہوگا' جب تک بڑے صوبوں' مثلاً بمبئی میں تمام محکموں کو ماسوائے پولیس اور انصاف کے' تبدیل نہ کیا جائے۔ میں اسے صرف

عبوری مرحلہ کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہوں تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ فی الحال امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری حکومت کے لئے مخصوص ہے' کیونکہ تجاویز میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ بہرصورت ہم ایک تجرباتی مرحلہ سے گزر رہے ہیں"۔

جناح نے خود کو ایک بار پھر بڑی حد تک اعتدال پسند' لچکدار' ذہین آئینی وکیل اور گفت و شنید کرنے والا سیاست دان ثابت کر دکھایا۔ مانٹیگو کے ساتھ براہ راست معاملہ کرنے کے لئے ان کی کوششوں کو حکومت ہندوستان سبوتاژ نہ کرتی اور اس کا سیاہ رولٹ ایکٹ نافذ نہ ہوتا تو شاید جنگ کے دوران مصیبت کے جو سال آئے' ان میں انتقال اختیارات کا عمل' جسے برطانیہ کے دو عظیم ترین لبرل سیکرٹریز آف سٹیٹ جان مارلے اور ایڈون مانٹیگو نے شروع کیا تھا' یوں برباد نہ ہوتا۔

جناح کانگرس' لیگ کی اس مشترکہ کمیٹی میں شامل تھے' جو مانٹیگو تجاویز پر کام کر رہی تھی۔ کمیٹی نے رپورٹ کی منظوری کے ساتھ ساتھ میثاق لکھنؤ کی توثیق بھی کی اور مکمل ذمہ دار حکومت کے حصول کی خاطر تیز تر اقدامات پر زور دیا۔ رپورٹ کی بابت کانگرسی لیڈروں کے جائزے بڑے مختلف تھے۔ سریندر ناتھ بینرجی اسے قبول کرنے کے حق میں تھا۔ جبکہ سی' آر' داس نے "دو عملی نظام" کی بابت ناکامی کے خدشات کا اظہار کیا۔ وہ پانچ سال میں حقیقی "ذمہ دار حکومت" کا قیام چاہتا تھا۔ جبکہ موتی لال نہرو مزید ۲۰ سال تک انتظار کرنے پر آمادہ تھا۔ اسی دوران کانگرس اور لیگ کے سالانہ اجلاس دسمبر میں دہلی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

جونہی نومبر میں جنگ عالمگیر اپنے انجام کو پہنچی' اس کے ساتھ ہی ولنگٹن کا دور گورنری بھی ختم ہو گیا۔ جناح اور ان کی بیگم نے اس گورنر کی رخصتی کا انتظار بھی نہیں کیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ولنگٹن کے کچھ پارسی دوست ٹاؤن ہال میں اس کی رخصتی کے موقع پر الوداعی ضیافت دینے کا منصوبہ بنا رہے ہیں' انہوں نے اس تقریب کے خلاف زبردست عوامی مہم شروع کر دی۔ کسی انگریز عہدیدار کے خلاف یہ ان کی پہلی اور بڑی پرزور احتجاجی مہم تھی۔ ولنگٹن میموریل کمیٹی نے اپنا اجلاس ۱۱ر دسمبر کو شام کے ۵ر بجے شروع کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ جناح کے کم و بیش ۳۰۰ جوان ساتھیوں نے ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں کے نزدیک ایک رات پہلے ہی کیمپ لگا لیا۔ پولیس نے اگلے دن صبح ۱۰ر بجے تک راستہ کو صاف رکھا۔ جب ہال کا دروازہ کھلا' مسٹر جناح خود موقع پر پہنچ گئے اور قطار کے بالکل شروع میں جگہ سنبھال لی۔ وہ تیز تیز قدموں سے ہال میں داخل ہوئے اور پہلی قطاروں میں رکھی ہوئی کرسیوں پر اپنے ہوم رول لیگیوں کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ دوپہر کے وقت رتی بھی سینڈوچ سے بھری ہوئی ٹفن باسکٹ لے کر وہاں پہنچ گئی' کیونکہ وہ لوگ ان سیٹوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ مبادا ولنگٹن کے حامی ان پر قبضہ کر لیں۔ اس سے قبل کہ میئر آف بمبئی اجلاس شروع کرنے کا حکم دیتا' ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ سر جمشید جی۔ بھائی نے جو کہ بمبئی کے سرکردہ پارسیوں میں سے ایک تھا اور جس کے خاندان نے افیون کی تجارت سے بڑی دولت کمائی تھی' اجلاس کی صدارت کی۔ لیکن جونہی وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا' سامعین نے "نہیں' نہیں" کا شور مچا دیا۔ قریباً بیس منٹ تک ہنگامہ جاری رہا۔ اگرچہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی' تاہم مسٹر جمشید جی نے ولنگٹن کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے قرارداد پیش کر دی۔ اسی دوران کمشنر پولیس نے ہال خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ جناح' رتی اور ان کے حامیوں کو جبراً ہال سے نکال دیا گیا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا'

جب کسی باوردی شخص کو جناح کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی کرنے کی جرات ہوئی' بہرحال وہ ٹاؤن ہال سے بمبئی کے ایک بے مثال ہیرو کی شکل میں باہر آئے۔

اسی شام اپالو سٹریٹ میں جناح کے پرستاروں کا ایک شاندار جلسہ ہوا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "حضرات آج آپ کی فتح سے واضح ہو گیا ہے کہ بیوروکریسی اور آٹوکریسی کی مشترکہ قوتیں بھی آپ کو مرعوب نہیں کر سکتیں۔ ۱۱ر دسمبر کا دن بمبئی والوں کے لئے ایک تاریخی دن بن گیا ہے۔ حضرات جائیے اور اس دن پر خوشیاں منائیے' جس نے جمہوریت کو فتح سے ہمکنار کر دیا ہے"۔ رات کو شانتا رام چالی میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ ہوا۔ اس موقع پر ایک مقامی وکیل نے تجویز پیش کی کہ "ولنگڈن میموریل" کی خوشامدانہ تحریک تو اپنی موت آپ مر گئی ہے' ضرورت ہے کہ اب "جناح میموریل" کے قیام پر غور کیا جائے۔ میری تجویز ہے کہ مسٹر جناح کا جس کی شاندار' بے لوث اور بیباکانہ قیادت نے بمبئی کی عوامی زندگی میں تموج پیدا کر دیا ہے' ایک مجسمہ تیار کرا کے ٹاؤن ہال میں نصب کیا جائے"۔ یہ اپیل کارگر ہوئی اور چند منٹوں میں "جناح ہال" کے لئے ۔ر ۶۵ ہزار روپے کی خطیر رقم جمع ہو گئی۔ مجسمہ کے بجائے کانگرس کی طرف سے "جناح پیپلز میموریل ہال" تعمیر کیا گیا جو انڈین نیشنل کانگرس کی مقامی عمارت میں آج بھی موجود ہے اور شہریان بمبئی کی شاندار فتح کی یاد دلاتا ہے جو انہیں مسٹر جناح کی بیباک اور مدبرانہ قیادت میں حاصل ہوئی۔ جناح کے کانگرس سے نکلنے کے بعد اور خصوصاً قیام پاکستان کے بعد وہ ہال عجیب طور سے تاریخی غلطی پر مشتمل لگتا ہے اور اب گمنام انداز میں اس کا حوالہ صرف "پی' جے' ہال" کے طور پر دیا جاتا ہے۔ بہت کم ہندوستانیوں کو یاد ہے کہ پیپلز جناح ہال بمبئی کے سب سے زیادہ جرات دلانے والے ہندو' مسلم اتحاد کے سفیر کی بیباک قیادت کے اعتراف میں تعمیر کیا گیا تھا۔

پانچواں باب —— امرتسر تا ناگپور ۲۱-۱۹۱۹ء

عالمگیر لڑائی کا خاتمہ ہندوستان کے لئے امن و آشتی کا سبب نہیں بنا۔ بلکہ ظلم و تشدد میں مزید سختی آ گئی۔ مارشل لاء اور ۱۹۱۵ء کے منظور کردہ ڈیفنس آف انڈیا قوانین نے شہری آزادیاں سلب کر لیں اور ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی کا حق چھین لیا۔ حکومت ہند کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس ہندوستانی کو چاہے کسی نالش' وارنٹ یا وجہ بتائے بغیر گرفتار کر لے' حراست میں لے لے' نظر بند کر دے' اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دے یا جلاوطنی کا حکم سنا دے۔ اتحادیوں کی فتح سے فطری طور پر یہ توقع وابستہ کی گئی تھی کہ اس کے نتیجے میں ویسے حقوق' آزادیاں اور قانونی تحفظات بحال ہو جائیں گے' لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ سرکار کی مقرر کردہ بغاوت کمیٹی' جس کا سربراہ کنگز بنچ کا ایک رکن جسٹس سر سڈنی رولٹ تھا' کی منحوس رپورٹ منظر عام پر آ چکی تھی۔ جس میں سفارش کی گئی تھی کہ ضابطہ فوجداری (ہنگامی اختیارات)' کے قانون میں فوری طور پر کم از کم ۶ ماہ کے لئے توسیع کر دی جائے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا بل تھا' جو جنگ کے بعد مرکزی مقننہ میں پیش کیا گیا۔ ملک بھر میں اسے "کالا قانون" قرار دے کر اس کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جانے لگا۔

پارلیمنٹ سے استعفیٰ!

۶ فروری ۱۹۱۹ء کو مذکورہ بل مقننہ میں پیش کیا گیا' تو مسٹر جناح کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ "ح [illegible] انقلابی جرائم کے لئے غلط علاج تجویز کیا گیا ہے۔ عدلیہ کی جگہ انتظامیہ نے لے لی تو ان کے لئے وسیع اختیارات کے غلط استعمال کی راہ کھل جائے گی۔ کسی مہذب ملک کی قانونی تاریخ میں ایسے قوانین کے نفاذ کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس قانون کے لئے یہ موقع بدترین ہے' کیونکہ لوگوں نے حالیہ اصلاحات سے بڑی بلند توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ اگر یہ قوانین منظور کر لئے گئے تو ان سے بہت زیادہ بے چینی' اضطراب اور احتجاج جنم لے گا اور حکومت و عوام کے مابین تعلقات پر انتہائی خراب اثرات مرتب ہوں گے۔"

تاہم اس تنبیہہ کا حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ چیمسفورڈ' رولٹ اور دوسرے مرکزی کونسل کے جملہ ۲۲ ہندوستانی ممبران کی مشترکہ مخالفت کے باوجود' اپنا کام جاری رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ کونسل کے ۳۴ سرکاری ممبران اس سیاہ قانون کے معاملہ میں جو مارچ ۱۹۱۹ء میں منظور ہوا محض ربڑ کی مہر ثابت ہوئے۔

بل کی منظوری کے فوراً بعد مسٹر جناح نے بمبئی پہنچ کر مالا بار ہل سے چیمسفورڈ کے نام ایک خط لکھا' جس میں کہا گیا تھا۔

"رولٹ ایکٹ کو منظور کر کے آپ کی حکومت نے ہر اس یقین دہانی کی سرگرمی سے نفی کر دی ہے' جو اس نے ایک سال قبل اس وقت کرائی تھی' جب) "وار کانفرنس" کے موقع پر ہندوستان سے مدد کی اپیل کی تھی۔ ان تمام اصولوں کو بے رحمی سے پامال کر دیا گیا ہے' جن کے لئے برطانیہ عظمیٰ نے اعلانیہ طور پر جنگ لڑی تھی۔ ایسے موقع پر جبکہ ملک کو کوئی حقیقی خطرہ لاحق نہیں ہے' منہ زور اور نااہل انتظامیہ نے' جو نہ تو لوگوں کے سامنے جوابدہ ہے' نہ ہی رائے عامہ سے رابطہ رکھتی ہے' انصاف کے بنیادی اصول پس پشت ڈال دیئے ہیں اور عوام کے دستوری حقوق سے انحراف کیا ہے۔ لہٰذا میں آپ کے اس فیصلہ اور آپ کی حکومت کی اس روش کے خلاف احتجاج اور اظہار برہمی کے طور پر امپریل کونسل کی ممبری سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اندریں حالات نہ تو میں لوگوں کی خدمت کر سکتا ہوں' نہ ہی یہ میری خودداری کے مطابق ہے کہ ایسی حکومت کے ساتھ تعاون کیا جائے' جو کونسل میں عوام کے نمائندوں کی رائے کو ایسی بیدردی سے ٹھکرا دیتی ہے۔ میری رائے میں جو حکومت ایسے قانون کو زمانہ امن میں منظور کرتی یا اس کی توثیق کرتی ہے' وہ مہذب حکومت کہلانے کے حق سے محروم ہو جاتی ہے۔ مجھے اب بھی توقع ہے کہ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند مسٹر مانٹیگو' ہز میجسٹی کو اس سیاہ قانون کو نامنظور کرنے کا مشورہ دیں گے۔"

اس استعفیٰ نے مسٹر جناح کی بیباک قو[illegible] قیادت کی ایک بار پھر توثیق کر دی' تاہم چیمسفورڈ ٹس سے مس نہ ہوا' جبکہ لندن میں مانٹیگو کا [illegible] روز بروز گھٹنے لگا۔ جناح کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ انہوں نے کتنے کمز[illegible] سیکرٹری آف سٹیٹس کے ساتھ ہندوستان کے مستقبل کی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں' اس لئے ان[illegible]ہوں نے لندن جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں اپنے متذبذب دوست کو حکومت ہند کے منظور

کردہ بل کو مسترد کرنے کی ترغیب دے سکیں۔ ان دنوں رتی امید سے تھی اور ان کی وہ پہلی سی گہری محبت باقی نہیں رہی تھی' کیونکہ جنگ کے بعد کا زمانہ بڑا مایوس کن ثابت ہوا۔ دونوں کو مستقبل اتنا سہانا نظر نہیں آرہا تھا جتنا کہ ۱۹۱۹ء کے اوائل میں تھا۔

لیگ وفد کی قیادت

مسلم لیگ کی طرف سے جناح کو اس وفد کا سربراہ مقرر کیا گیا' جو اس سال وزیر اعظم لائڈ جارج کی خدمت میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ حکومت برطانیہ کو پیرس میں منعقد ہونے والی صلح کانفرنس میں کم از کم ایک مسلمان مندوب شامل کرنے پر آمادہ کر سکے۔ مسلم لیگ کے صدر' اے' کے' فضل الحق کے بقول ہندوستانی مسلمانوں کی بھاری اکثریت محسوس کرتی تھی کہ اب مسلم ممالک عیسائی اقوام کی دوسرے علاقوں پر قبضہ جمانے کی خواہش کا نشانہ بنیں گے۔ حالانکہ ان قوموں نے بڑے پختہ قول و اقرار کئے تھے کہ یہ جنگ عظیم چھوٹی اور غیر محفوظ ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ سر ستیندر پی سنہا اور مہاراجہ آف بیکانیر کو ۱۹۱۷ء کو اپریل وار کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ تھا' اس لئے مسلم لیگ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے مفادات کو گھٹا کر پیش کیا جائے گا یا نظر انداز کر دیا جائے گا۔ علی برادران اور دہلی کے صاحب علم و فضل مولانا ابوالکلام آزاد سمیت' تحریک خلافت کے بہت سے مقبول عام رہنما' ابھی تک جرائم کی صراحت کے بغیر جیلوں میں بند تھے۔ مسلمانوں پر برطانوی حکومت کے تحت دوسرے درجے کے شہری ہونے کا احساس بری طرح غالب تھا۔ خلافتی رہنما' برملا ان خدشات کا اظہار کر رہے تھے کہ برطانیہ نے دوران جنگ مسلمانوں کے مقدس مقامات کے تحفظ کے بارے میں جو وعدے اور عہد کئے تھے' ان کی پاسداری نہیں کی جائے گی۔ ترکی کی حیثیت' ایک شکست خوردہ دشمن طاقت کی تھی' فاتح عیسائی اقوام نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹانے کا عزم کر لیا تھا۔

جناح اپنی اہلیہ کے ہمراہ مئی میں لندن پہنچے اور ریجنٹ پارک کے نزدیک ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام کیا۔ ان کے دوست جن میں بمبئی کے دیوان چمن لال بھی شامل تھے ۔ ان سے ملنے وہاں آئے۔ چمن لال نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ "مسٹر جناح مذاقیہ کہانی سناتے وقت جو اکثر کسی اخلاقی یا روحانی حقیقت پر مبنی ہوتی تھی' کھلکھلا کر ہنستے تھے۔ وسط اگست کی ایک شام کو جناح رتی کو تھیٹر دکھانے لے گئے' لیکن انہیں جلد ہی تھیٹر باکس سے واپس آنا پڑا۔ ان کی اکلوتی بچی جس کا نام دینا تھا ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۱۹ء کی درمیانی رات کو نصف شب کے کچھ دیر بعد پیدا ہوئی۔ عجب اتفاق ہے کہ اس کے ٹھیک ۲۸ سال بعد اسی دن اور اسی وقت جناح کی دوسری تخلیق' پاکستان نے جنم لیا۔

لیگ کے بارے میں جناح کا مشن زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوا' اگرچہ انہوں نے لائڈ جارج کے سامنے مسلمانوں کا کیس بڑی جرات کے ساتھ پیش کیا' لیکن وزیر اعظم کی طرف سے کوئی اطمینان بخش

جواب نہیں ملا۔ مانٹیگو اور مہاراجہ بیکانیر نے وارسائی میں ہندوستان کی نمائندگی کی' جہاں برطانیہ اور فرانس نے رسمی طور پر عراق' فلسطین' شرق اردن' شام اور لبنان کو اپنی تولیت میں لے لیا اور سلطنت عثمانیہ ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ جناح نے یقیناً توقع کی ہو گی کہ انہیں صلح کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ اتنی دور سے آئے تھے اور مسلم لیگ کے "مندوب" تھے۔ تاہم ان کے بارے میں چیمسفورڈ' ولنگڈن اور ہندوستانی امور کے دیگر ماہرین نے حال ہی میں جس بداعتمادی' شک و شبہ اور نفرت کا اظہار کیا تھا' وہ برطانوی کابینہ کو ان سے بدظن کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس مرتبہ دوسرے دروازے بھی ان کے لئے بند رہے' بمبئی کے نئے گورنر جارج لائیڈ نے جناح کے خلاف مانٹیگو کے کان بھرنے کی پوری کوشش کی اور ایک مراسلہ میں لکھا کہ "جناح اگرچہ تقریر میں کھرا ہے' لیکن دل کا کالا ہے' حقیقت میں ناقابل مصالحت اور سب احتجاجیوں سے بڑھ کر مخالف وہ واحد شخص ہے جو مسلسل ایک بات کہتا ہے' راہ راست پر گامزن رہتا ہے لیکن اس کے برعکس کرتا ہے۔ لندن کی جن ہوشمند شخصیات سے انہوں نے ملاقات کی' وہ لوگ بھی بہت کم خندہ پیشانی سے پیش آئے کیونکہ انہوں نے اپنی "آنریبل" ممبری سے استعفیٰ دے دیا تھا اور ایسی بات کی حوصلہ افزائی کرنا بہتر نہیں تھا۔

سانحہ جلیانوالہ باغ

اپریل سے رولٹ ایکٹ اور جلیانوالہ باغ (امرتسر) میں انگریزوں کے ہاتھوں قتل عام کے بعد پورے ہندوستان میں عدم تعاون اور تشدد کی لہر جاری تھی۔ گاندھی نے سیاہ قوانین کے خلاف احتجاج کے لئے ۶ اپریل کا دن مقرر کیا اور اپیل کی کہ اس روز ملک بھر میں ہڑتال کی جائے' اس نے اپنے پیروکاروں کو یہ ہدایت بھی کی کہ شریفانہ انداز میں سرکاری احکام کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیں۔ وہ دن مکمل طور پر عدم تشدد کا دن تھا۔ تاہم ایک ہفتہ بعد یعنی ۱۳ اپریل کو سکھوں کا مقدس مقام' غروب آفتاب سے تھوڑی دیر قبل "پہلے قومی یادگار شہر" میں تبدیل ہو گیا۔ گاندھی کے نائبین میں سے دو کو چند دن پہلے گرفتار کر کے شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ اس پر لوگوں کے پرجوش ہجوم نے چھاؤنی میں واقع کمشنر کے بنگلہ کی طرف احتجاجی مارچ شروع کر دیا۔ متعدد سپاہیوں نے خوف زدہ ہو کر فائر کھول دیا' جس کے نتیجے میں کئی افراد مارے گئے۔ اس طرح ہجوم غصے میں بپھرے ہوئے اژدہام میں بدل گیا جو انتقام پر تلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے پرانے شہر میں انگریزی بنکوں کو نذر آتش کر دیا اور چند انگریز عورتوں نیز مردوں پر حملے کئے۔ ایک انگریز جنرل کو شہر میں امن و امان بحال کرنے کے لئے طلب کیا گیا۔ اس نے تمام عوامی جلسوں میں پابندی لگا دی۔ ۱۳ اپریل کو جب اسے جلیانوالہ باغ میں ایک احتجاج کی خبر ملی' جس میں ہزاروں لوگ شامل تھے' تو وہ اپنے دستہ کے ساتھ فوراً وہاں پہنچا۔ جلسہ گاہ مکمل طور پر احاطہ سے گھری ہوئی تھی۔ جنرل نے پرامن شرکائے جلسہ کو کوئی وارننگ دیئے بغیر اپنے سپاہیوں کو فائرنگ کھولنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس دن اتوار تھا اور ہندوؤں کے ایک میلہ کی وجہ سے مقامی طور پر تعطیل تھی۔ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم' جن میں زیادہ تر دیہاتی تھے' میلے میں شرکت کرنے آیا ہوا تھا۔ فوجی دستے نے نشانہ خطا نہ جانے والے فاصلے سے خوفزدہ انسانی اہداف پر گولی

چلائی۔ لوگوں کو دہشت کے عالم میں بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملی۔ دس منٹ میں ۱۶۵۰ راؤنڈ فائر کئے گئے' جس سے ۴۰۰ افراد ہلاک اور بارہ سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔ جب ۱۳ اپریل کا سورج' ہندوستان کی برطانوی تاریخ کے بدترین قتل عام کے بعد' جسے بعد میں چیمسفورڈ نے "قیاس کی غلطی" سے تعبیر کیا' غروب ہوا تو جنرل اپنے سپاہیوں سمیت جائے واردات سے واپس جا چکا تھا۔

جناح نے وسط نومبر میں وطن واپس آنے کے بعد' بمبئی کرانیکل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کو نصیحت کی کہ انہیں اس نازک ترین موقع پر تحمل مزاجی سے کام لینا چاہئے۔ جب تک کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ہمارے قائدین سوچ سمجھ کر کوئی پروگرام وضع نہ کریں اور عوام اس کی منظوری نہ دیں' اگر ہم نے تشدد کی راہ اختیار کی تو اس سے ہمارے مقصد کو بہت زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جناح کو اب بھی یقین تھا کہ مانٹیگو ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔ تاہم انہوں نے چیمسفورڈ کی انتظامیہ کو "ناکام" قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ جتنی جلدی اسے واپس بلا لیا جائے' سب کے حق میں اتنا ہی بہتر ہو گا۔ ترکی کے متعلق وزیر اعظم کے وعدوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ان کی حیثیت "ردی کاغذ" کے ٹکڑوں سے زیادہ نہیں" انہوں نے کہا' مجھے یقین نہیں کہ اتحادی اقوام عرب ریاستوں کو حق خود ارادیت دینے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ بہرحال وہ ہندوستان کے بارے میں خاصے پر امید تھے اور تعلیمی' تجارتی' صنعتی اور ٹیکنیکل ترقی --- نیز قومی فوجی پالیسی کے ذریعے "صحیح نشاۃ ثانیہ" کو محسوس کر رہے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ عوام کو کوئی پیغام دینا پسند کریں گے' جبکہ کانگریس کا امرتسر میں اجلاس ہونے والا ہے' تو انہوں نے جواب دیا "کانگریس کے رویئے کا انحصار اصلاحات بل پر ہو گا' جو میرے خیال میں وسط دسمبر میں منظور کر لیا جائے گا۔" جناح نے جون میں لندن سے گاندھی کے نام اپنے مراسلے میں دریافت کیا تھا کہ وہ مانٹیگو بل کی بابت' جو ابھی پارلیمنٹ میں زیر غور ہے' کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں گاندھی نے لکھا تھا۔

"اصلاحات بل کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے ابھی تک پوری طرح مطالعہ بھی نہیں کیا۔ میں رولٹ ایکٹ کے مطالعے میں مصروف ہوں۔ اگر رولٹ ایکٹ کو منسوخ نہ کیا گیا۔ تو اصلاحات عملی طور پر بیکار ہوں گی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں حکومتی مزاحمت کی کوئی دوسری صورت نہیں' ماسوائے سول نافرمانی کے' جو خدا نے چاہا تو اگلے ہفتے سے دوبارہ شروع کر دی جائے گی۔ میں نے تشدد کے وقوع پذیر ہونے سے بچاؤ کی وہ جملہ احتیاطی تدابیر سوچ لی ہیں جو انسان کے بس میں ہو سکتی ہیں۔"

رتی کی تنہائیاں

یہ ان دونوں کے سیاسی انداز فکر میں پائے جانے والے فرق کا لب لباب ہے۔ جناح اب بھی معتدل قانونی ترمیم پر یقین رکھتے تھے جبکہ گاندھی سول نافرمانی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ان کے وسیع مختلف راستوں کے مابین حائل خطوط نے انہیں ایک دوسرے سے اور بھی دور کر دیا۔ جناح نے اپنے بمبئی کرانیکل والے انٹرویو میں تجویز پیش کی کہ اگر ہندوستان اپنے کم از کم چھ حقیقی نمائندے انگلستان بھیج دے' جو لندن میں بیٹھ کر اپنے مسائل کا پروپیگنڈہ کریں اور انہیں معقول مالی امداد فراہم کی جائے اور رائے عامہ کی تائید ان کی

پشت پر ہو تو بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ کام مسلسل اور مستقل بنیاد پر قائم ایسا ادارہ انجام دے سکتا ہے، جس کے کارکن وہاں چند ماہ کے لئے نہ جائیں بلکہ مستقل قیام کریں۔ کیا وہ اس تجویز کے ذریعے خود اپنے لئے موقع پیدا کرنا چاہتے تھے؟ اب وہ ایک بچی کے باپ بن چکے تھے اور انہیں اپنی بچی کے مستقبل کے ساتھ ساتھ اپنی جوان بیگم کے بارے میں بھی سوچنا تھا۔ ہندوستان ان دنوں ۱۸۵۷ء کی خوفناک لڑائی کے زمانے سے بھی زیادہ غیر محفوظ بن گیا تھا۔ ایسی غیر مامون جگہ میں خاندان کی پرورش قرین دانشمندی نہیں تھی۔ ۱۹۱۸ء سے اب تک لاکھوں انسان متعدی انفلوئنزا کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ نیز سرحدی شورشوں، پنجاب کی خونریزی اور باقی ملک کے کونے کونے میں ستیہ گرہ کا زہر سرایت کر چکا تھا۔ ان چیزوں نے مستقبل قریب کو تاریک اور مایوس کن بنا دیا تھا، رتی کے باپ کے سخت رویئے میں کوئی لچک نہ آئی تھی۔ نواسی کی پیدائش کے باوجود وہ سماجی طور پر رتی کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔ چنانچہ لندن کی کشش میں رومانویت بڑھتی گئی۔ اس کا مستقل اعتراف کم معقول نظر آنے لگا۔ بمبئی میں جناح کی پریکٹس ترقی پذیر تھی، جو زیادہ وقت اور توجہ چاہتی تھی۔ شام کے اوقات، پورے پورے دن بلکہ بعض اوقات ہفتہ کے ساتوں ایام اس میں گزر جاتے تھے۔ رتی کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ قانون ایک سخت گیر محبوبہ ہے۔ ان کے پاس جو تھوڑا بہت فاضل وقت بچتا وہ سیاست کی نذر ہو جاتا۔ شوخ و شنگ، پرجوش و سرگرم، بے چین، حسین و دلکش جوان اور تنہا، رتی وقت گزارنے کے لئے ہر روز نئی تدبیریں سوچتی تھی، لیکن پھر بھی تدبیریں ختم ہو جاتیں اور وقت بچ جاتا تھا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ

مانٹیگو اصلاحات جن کا عرصہ سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ بالآخر ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو جو کہ جارج پنجم کی تاجپوشی کا دن تھا، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی شکل میں منظور کی گئیں۔ اس روز تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان کر دیا گیا۔ شاہی فرمان میں کہا گیا کہ عوام اور حکمرانوں کے مابین کسی قسم کی تلخی و کشیدگی باقی نہیں رہنے دی جائے گی۔ تاہم نیا قانون اس اظہار سے بہت کمتر نکلا۔ اگر وہ قانون ایک سال پہلے نافذ ہوا ہوتا تو شاید جنگ سے پیدا شدہ توقعات پوری کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ اگرچہ اس میں منتخب ہندوستانی نمائندوں کو تھوڑی بہت صوبائی ذمہ داری سونپنے کی غرض سے بعض محکمے اور ان کے عوامی مسائل کنٹرول میں دے دیئے گئے تھے لیکن زیادہ تر معاملات اب بھی سرکاری ہاتھوں میں دینے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ نصف در نصف حکمرانی کا یہ نیا وضع کردہ نظام، جسے دو عملی کہا جاتا تھا، برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو یکے بعد دیگرے متعدد مراحل کے ذریعے سیاسی اقتدار سپرد کرنے کا فارمولا تھا۔ مرکزی مجلس دستور ساز کو بڑی حد تک وسعت دے کر دو ایوانی چھوٹی پارلیمنٹ میں تبدیل کر دیا گیا تھا، جس کا منتخب ایوان زیریں جس کا نام لیجسلیٹو اسمبلی رکھا گیا تھا، اکثریتی ایوان تھا۔ کانگریس اور لیگ کے مطالبہ پر سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند اور اس کے معاونین کی تنخواہوں اور دیگر اخراجات کا بوجھ ہندوستانی خزانہ سے اٹھا کر برطانوی پارلیمنٹ پر ڈال دیا گیا۔ ہندوستان میں ایک پبلک سروس کمیشن کا قیام عمل میں آنا تھا۔ جس کی بدولت

۱۹۲۳ء سے نئی دہلی اور لندن میں بیک وقت خواہشمند سرکاری ملازمین کی بھرتی شروع ہونے والی تھی۔ ایکٹ کے آخر میں کہا گیا تھا کہ نظام حکومت کی کارکردگی تعلیم کے فروغ اور نمائندہ اداروں کے بارے میں مزید قانونی تحقیقات کرائی جائے گی تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ ۱۰ سال کے بعد ذمہ دار حکومت کے اصول کو بروئے کار لانے کی کس حد تک گنجائش ہے' اگر ان اصلاحات کا نفاذ رولٹ ایکٹ اور امرتسر کے قتل عام (حادثہ جلیانوالہ باغ) سے پہلے عمل میں آجاتا' تو یقیناً اس کے بُرے بھلے اثرات مرتب ہوتے اور ہندوستان بھر میں خیر مقدم کیا جاتا۔

امرتسر سیشن ۱۹۱۹ء

۱۹۱۹ء میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے ہندو مسلم اتحاد کو نہ صرف نئی مجوزہ اصلاحات کے لئے' بلکہ اس ساری کارکردگی کے لئے' جو ہندوستانیوں نے اندرون و بیرون ملک انجام دی تھی' "کامیابی کا راز" قرار دیا اور ۱۹۱۹ء کے کانگریس لیگ میثاق کے نتیجے میں ایسے اتحاد کی راہ میں حائل بڑی سیاسی رکاوٹ پر قابو پالیا گیا ۔ علی برادران لیگ کے امرتسر اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تو لوگوں نے کھڑے ہو کر ان کا پر جوش نعروں سے استقبال کیا۔ (مولانا) محمد علی نے خوشی کے ساتھ اشک افشاں سامعین کو یقین دلایا کہ "خدا کی حکومت کے سوا کسی کی بادشاہی نہیں چلے گی۔" جناح کو لیگ کے آئندہ اجلاس کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ جناح نے اسی سال ستمبر میں کلکتہ کے مقام پر مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس طلب کیا۔ انہی دنوں کانگریس کا بھی' اتحادیوں کی طرف سے اعلان کردہ شرائط صلح سے پیدا ہونے والی سیاسی صورت حال' جلیانوالہ باغ کے قتل عام کے بعد برطانیہ کے سخت اور بے دردانہ ردعمل' نیز پنجاب بھر میں سفاکی و بے دردی کی بابت شائع شدہ خبروں پر غور کرنے کے لئے' کلکتہ میں ایک ہنگامی اجلاس ہو رہا تھا۔ اس موقع پر لیگ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا۔

"ہمارے یہاں جمع ہونے کا بنیادی مقصد اس صورت حال پر غور کرنا ہے جو حکومت کی طرف سے صلح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد سوچی سمجھی اور مسلسل اپنائی ہوئی پالیسی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ سب سے پہلے رولٹ بل آیا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب میں مظالم کا دور شروع ہو گیا۔ پھر سلطنت عثمانیہ اور خلافت پر دست تظلم صاف کیا گیا۔ ایک اقدام ہماری آزادی پر حملہ آور ہوا تو دوسرے نے ہمارے عقیدہ پر دھاوا بولا۔ ہر ملک کے سامنے دو اہم اور بڑے کام ہوتے ہیں۔ ایک بین الاقوامی پالیسی میں اپنی آواز بلند کرنا' اور دوسرے اندرونی طور پر انصاف اور انسانیت کے اعلیٰ ترین معیارات کو برقرار رکھنا۔ لیکن ایک شخص کو یہ حق ہونا چاہئے کہ اس کا نظام حکومت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہو' تاکہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق چلا سکے۔ جہاں تک بین الاقوامی معاملات میں ہماری پوزیشن کا تعلق ہے' مسلمانوں کی متفقہ رائے کے باوجود وزیر اعظم کے اقرار ہائے صالح سے انحراف کرتے ہوئے' ترکی پر شجاعت و مردانگی کے خلاف اور شرمناک شرائط عائد کر دی گئی ہیں۔ اتحادیوں نے مینڈیٹ کے پردہ میں سلطنتِ عثمانیہ کو لوٹ مار کا نشانہ بنا کر اس کے حصے بخرے کر لئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے اس چیز نے بالآخر ہمیں یہ احساس دلا دیا ہے کہ اب ہم

بین الاقوامی معاملات میں ہندوستان کی نمائندگی کے لئے حکومت ہند' ہر میجسٹی کی گورنمنٹ اور خود شاہ انگلستان پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔

اب ہمیں پنجاب کی طرف آنا چاہئے۔ سٹار چیمبر میں بنایا گیا وہ قانون' جسے بدنام زمانہ رولٹ کمیٹی کے چیئرمین کے نام پر رولٹ ایکٹ کا عنوان دیا گیا ہے' لارڈ چیمسفورڈ کی حکومت نے مرتب کیا تھا۔ یہ ان "معروف جرائم" کے ارتکاب کا موجب بنا جن کی سنگینی کو مردوں کے الفاظ یا عورتوں کے آنسو بھی ختم نہیں کر سکتے۔ وہ اسے "قوت فیصلہ کی غلطی" کہتے ہیں۔ اگر یہ حرف آخر ہے تو میں ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ قوت فیصلہ کی غلطی ہے اور انہیں آج نہیں تو کل ضرور اس کی سزا بھگتنی ہو گی۔ یہاں ایک چیز ایسی ہے جس پر کوئی اختلاف نہیں' وہ یہ کہ اس حکومت کو لازما ختم ہونا چاہئے اور اس کی جگہ ایک مکمل ذمہ دار حکومت کو لینی چاہئے۔ کانگرس اور لیگ کے اجلاسوں سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' ہمیں نامنظوری کی قرار دادیں پاس کر کے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کو بھیجنے کے بجائے کسی زیادہ موثر طریقے پر غور کرنا ہو گا اور ہم یقیناً کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے' جیسا کہ فرانس اور اٹلی نے کیا اور نومولود مصر نے بھی یہی راستہ اپنایا ہے۔ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے' جب تک کہ ہمارے ملک کو مکمل سیاسی آزادی نہیں مل جاتی۔ مسٹر گاندھی نے اپنا عدم تعاون کا پروگرام پیش کیا ہے' جسے خلافت کانفرنس کی تائید حاصل ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس کے اصول اور اس کی تفصیلات کو منظور کرتے ہیں یا نہیں' اس اسکیم کے اثرات آپ میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر متاثر کریں گے' اس لئے آپ کو کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اپنی قوت کا اندازہ لگانا اور موافق و مخالف دلائل کو اچھی طرح جانچنا ہو گا۔ لیکن ایک بار آپ نے مارچ کا فیصلہ کر لیا تو پھر کسی حال میں بھی قدم پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔

رتی جناح ان کے پیچھے پلیٹ فارم پر بیٹھی تھی۔ انہوں نے ذاتی حیثیت میں اس انقلابی قدم پر جو خطرہ مول لیا تھا' رتی نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ اگر وہ ستیہ گرہ پروگرام کی توثیق کرتے تو ان سے بجا طور پر توقع کی جاتی کہ جب تک وہ پروگرام جاری رہتا' انہیں اپنی منفعت بخش پریکٹس چھوڑنی پڑتی' چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا پروگرام پر صاد نہیں کیا۔ اب انہوں نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ ایک ابھرتی ہوئی سیاسی قوت کے طور پر انہیں لکھنؤ میں جو کردار اور مقام ملا تھا' اب وہ تیزی سے روبہ زوال ہے۔ گاندھی کا ستارہ اتنی درخشانی سے چمک رہا تھا کہ ہندوستان کے سیاسی افق پر دوسرے سیارے ماند پڑ گئے' تاہم جناح نے انگریزی حکومت کی عہد شکنیوں کو ہدف تنقید بنا کر وہی مقام حاصل کرنے کی کوشش کی جس پر وہ ایک سال قبل فائز تھے۔

انگریزوں کی بدعہدی

جناح نے محسوس کیا کہ اہل پنجاب پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کی انکوائری کے لئے جو رائل کمیشن مقرر کیا گیا تھا' اس نے سراپا نفرت جنرل ڈائر اور اس کے ساتھیوں کو بری الذمہ قرار دے کر' اس امر کی ایک

اور سنگین اور شرمناک مثال قائم کر دی ہے کہ ایک انگریز اور ہندوستانی کے مابین تنازعہ کی صورت میں انصاف نہیں ہو سکتا۔ حکومت ہند نے اپنی تیز حس ظرافت اور مخصوص سادگی کے ساتھ سیکرٹری آف سٹیٹ کے نام اپنے ڈسپیچ میں ایک قرار داد بھیجی، جس میں اس امر کے طرز عمل پر تبصرہ کیا گیا تھا اور اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لی گئی تھیں کہ فیصلہ سناتے وقت وہ خود ملزم کی حیثیت میں تھے۔

اب ہم "فیصلہ کی غلطی" کی طرف آتے ہیں جیسا کہ کابینہ نے اپنے عدالتی فیصلہ میں کہا ہے، جو بجائے خود غلطی سے کم نہیں۔ میں یہاں پارلیمنٹری بحث کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلاشبہ مانٹیگو کے پاس ہندوستان کا کیس ایوان کے روبرو پیش کرنے کا وقت نہیں تھا۔ کیونکہ وہ ذاتی وضاحتیں پیش کرنے میں حد سے زیادہ مصروف تھے۔ اس کے بعد انگلستان کے بے مغز ٹوری پارٹی والوں نے اپنی شاہانہ عظمت کی خاطر لارڈ ہنٹر کی رسوائے عالم قرار داد منظور کر لی۔ وسکاؤنٹ فلٹے نے پاگل بریگیڈیئر جنرل آر ای، ڈائر کو کو جسے ہاؤس آف لارڈز نے "موجودہ دور کا ہیرو" کے لقب سے نوازا ہے، اعزاز دینے کی سفارش کی تھی۔ چنانچہ اسے خطیر رقم اور ہیرے جواہرات جڑی ہوئی ایک تلوار، جس پر پنجاب کا نجات دہندہ کے الفاظ کندہ تھے، بطور انعام پیش کی گئی اور ۱۲۹ ممبران نے اس قرار داد کے حق میں ووٹ دیئے۔ جناح نے کہا:

"یہ منہ بولتے اخلاقی جرائم ہیں۔ آج ہم ایک خطرناک اور انتہائی خراب صورت حال سے دو چار ہیں۔ اس کا حل آسان نہیں اور راہ میں بہت سی دشواریاں حائل ہیں۔ لیکن میں لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پے در پے غلطیوں کے آگے ہتھیار ڈالتے جائیں۔ پھر بھی میں حکومت سے کہوں گا کہ لوگوں کو مایوسی کی دلدل سے نکالا جائے۔ ورنہ عوام کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہے گا کہ وہ عدم تعاون کی پالیسی شروع کر دیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ مسٹر گاندھی کے پروگرام سے ہم آہنگ ہو۔"

اس طرح جناح، انگریزی انصاف او رمغربی تہذیب کے شریف ترین اصولوں پر ذاتی یقین میں بداعتمادی کی آخری حد کو پہنچ گئے۔ بہرحال وہ آخری جست لگا کر اسے قطعی طور پر مسترد نہیں کر سکے، جیسا کہ گاندھی اور اس کے لاکھوں پیرو کاروں نے کر دکھایا تھا کیونکہ ایسا کرنا، خود اپنے آپ کو، جس مقصد کے لئے وہ لڑ رہے تھے اس کو، اور انہوں نے جو حیثیت حاصل کر رکھی تھی اس سب کچھ کو، جھٹلانے کے مترادف ہوتا۔ جناح مہاتما سے بڑے مذہبی لیڈر نہیں تھے اور جلدی سے اپنے شاندار قانونی چیمبروں اور کلبوں سے سبکدوش ہو کر، دیہات یا جیل خانہ کا رخ اختیار نہیں کر سکتے تھے، جتنی جلدی گاندھی نے چرخہ کاتنا چھوڑ کر قوانین وصیت کی پریکٹس شروع کر دی تھی۔ ان دونوں شخصیات کے نمونے اس وقت تک مختلف بنیادی ڈھانچوں میں اس طرح ڈھل چکے تھے کہ شدید نقصان کے بغیر بدل نہیں سکتے تھے۔ ہر ایک قیادت کے ایک اسٹائل کا مکمل اصل نمونہ بن گیا، جو مختلف حلقوں کے موافق حال تھا۔ یہ ڈھانچہ مختلف زبانوں اور مقاصد سے وابستہ ہو گیا اور مختلف دنیاؤں کے مخصوص انداز میں ڈھل گیا۔ جناح مغربی رنگ میں رنگے ہوئے شہری ہندوستان کا ماڈل بن گئے جو صفائی اور پھرتی میں اپنی انتہا پر تھا۔ گاندھی ہندوستانی کسان کی عمیق دانشمندی اور ایسی دیہاتی زندگی کا مظہر بن گئے، جس میں افلاس کو سہنے اور ہر قسم کی مشکلات برداشت کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے۔

کانگرس کے کلکتہ اجلاس میں گاندھی کو پہلی بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ اگرچہ ان کے عدم تعاون پروگرام کی سی' آر داس اور بی' سی' پال جیسے سرکردہ بنگالی لیڈروں نے زبردست مخالفت کی اور وہ جناح کے حامی بن گئے۔ اینی بیسنٹ کا جھکاؤ بھی ادھر ہی تھا۔ تاہم مہاتما نے علی برادران اور موتی لال نہرو کی مدد سے حکومت کے خلاف مارچ کرنے کی قرارداد اکثریت سے منظور کرا لی' بمبئی کے معروف تاجر میاں محمد چھوٹانی نے' جو لہ گاندھی کے نمایاں حامیوں میں سے ایک تھا' کانگرس کا پنڈال بھرنے کے لیے اپنے خرچ سے خلافت کانفرنس کے ہزاروں مندوبین مہیا کر دیئے۔ جنہوں نے گاندھی کی حمایت میں ووٹ دیئے۔ اس طرح کانگرس ملکیت جمہور کی حامی جماعت بن گئی۔ اس چیز سے کانگرس کو مالی امداد دینے والے بیس کیمپ میں انقلابی تبدیلی واقع ہوئی اور دولت مند ہندو مارواڑیوں نیز تاجر پیشہ اور صنعت کار مسلمانوں کی جگہ نچلے درجے کے عوام الناس نے لے لی۔ گاندھی نے جس دن اپنا ستیہ گرہ کا پروگرام قومی سطح پر پہلی بار شروع کیا (یعنی یکم اگست ۱۹۲۰ء) اسی دن لوکمانیہ تلک آنجہانی ہو گئے۔ خود تلک نے بھی گاندھی کی قیادت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اتنا کٹر برہمن تھا کہ خلافت کے مشن کو قبول کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوا۔ اینی بیسنٹ جس نے گاندھی پر کبھی اعتماد نہیں کیا' ان کی تحریک کو "نفرت کی راہ" قرار دیتی تھی۔ جبکہ گوکھلے کا اعتدال پسند جانشین اور سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کا سربراہ وی' ایس' سری نواس شاستری مہاتما کو سراسر جھوٹا اور شیخ چلی سمجھتا تھا۔ فیروز شاہ مہتہ کا انتہائی رجعت پسند شاگرد اور نیشنل لبرل فیڈریشن کا ایک رہنما ڈنشا' ای' واچا' گاندھی کو پاگل اور خود پسند قرار دیتا تھا۔ مانٹیگو جو ایک طویل عرصہ تک گاندھی کی "فقیرانہ سیاست" کو نہیں سمجھ سکا' اب شک کرنے لگا تھا کہ شاید اس کا ستیہ گرہ کا پروگرام نیز تحریک خلافت میں نمایاں سرگرمی دونوں روسی سازش کی کڑیاں تھیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے ٹھیک اسی دن جس دن کہ گاندھی نے کلکتہ میں بڑی کامیابی حاصل کی' اپنے مراسلے میں لکھا: "اشتراکی متحدہ حکومتوں سے خلاف سخت دشمنی میں مسلمانوں کی شکایات کو استعمال کر رہے ہیں اور مجھے جس چیز کا ڈر لگتا ہے وہ پین اسلام ازم کا وہ لائحہ عمل ہے' جس پر چل کر وہ انتہا پسند تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے رہا ہے۔"

ہوم رول لیگ سے استعفاء

جناح اور گاندھی کلکتہ سے سیدھے بمبئی گئے تاکہ وہاں ۳ اکتوبر کو ہونے والے ہوم رول لیگ سوراج سبھا کے جلسے میں شرکت کر سکیں۔ گاندھی نے اجلاس کی صدارت کی اور اینی بیسنٹ کی سابقہ تنظیم کے منشور میں ایسی ترامیم تجویز کیں' جنہیں بروئے کار لانے سے وہ منشور ستیہ گرہ مہم کے موافق خطوط پر استوار ہو جاتا۔ جناح نے اس قرارداد کی مخالفت کی۔ گاندھی نے کہا کہ جسے اکثریت کا فیصلہ قبول نہ ہو' وہ سوراج سبھا سے استعفیٰ دینے میں آزاد ہے۔ اس اجلاس میں صرف ۶۱ ممبران شریک ہوئے جنہیں بہت مختصر نوٹس پر بلایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک تہائی سے کمی کم نے جناح کا ساتھ دیا۔ ان میں بمبئی کے دو معروف پارسی جمنا داس اور کانجی دوار کا داس شامل تھے۔ شکست خوردہ اقلیت اجلاس سے اٹھ کر چلی گئی اور ایک مہینہ پورا ہونے سے پیشتر ہی جناح نے "بڑے افسوس کے ساتھ" اس کی رکنیت سے استعفیٰ

دے دیا' جس کے وہ خود بھی سربراہ رہ چکے تھے۔ گاندھی نے انہیں منانے کے لئے خط لکھا کہ "آپ بھی اس نئی زندگی میں شریک ہوں جس کا دروازہ میں نے لوگوں کے لئے کھول دیا ہے۔ اپنی رہنمائی نیز تجربہ سے ملک کو فائدہ پہنچائیں۔" اس مراسلے کے جواب میں جناح نے جو خط لکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس کے ناگپور سیشن کے موقع پر وہ اس طریق کار کے بارے میں' جس پر گاندھی جی گامزن تھے' مختلف رائے رکھتے تھے اور ان کی سوچ کس قدر تند مزاجی اور پریشانی پر مبنی تھی۔

"اگر "نئی زندگی" سے آپ کی مراد آپ کا دیا ہوا طریق کار اور پروگرام ہے' تو مجھے افسوس ہے میں اس پر صاد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ تباہی کی طرف لے جائے گا' تاہم اصل نئی زندگی جو ملک کے سامنے رکھ دی گئی ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا واسطہ ایک ایسی حکومت سے ہے جو عوام کی شکایات ' محسوسات اور جذبات پر کوئی توجہ دینے کو تیار نہیں۔ نیز یہ کہ ہمارے اہل وطن بٹے ہوئے ہیں۔ اعتدال پسند پارٹی اب بھی غلط روش پر ہے اور یہ کہ آپ کے طریق کار نے ہر ادارے میں پھوٹ ڈال دی ہے اور لوگوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ جہاں جہاں آپ گئے ہیں' عام لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ نہ صرف ہندو اور مسلمان میں تفریق پیدا ہو گئی ہے بلکہ ہندو ہندو اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے یہاں تک کہ بیٹا باپ سے بدظن اور الگ ہو گیا ہے۔ ملک بھر کے لوگ عام طور سے مایوس ہو چکے ہیں اور آپ کے انتہا پسند پروگرام نے اکثر ناتجربہ کار نوجوانوں اور ناواقف و ناخواندہ لوگوں کی سوچنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ مکمل بدنظمی اور ابتری ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ میں اس کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔ تاہم اس ایک بات پر میرا پختہ یقین ہے کہ اس کا بنیادی سبب حکومت کی موجودہ پالیسی ہے اور جب تک علت کو دور نہ کیا جائے' اس کا اثر جاری رہے گا۔ اس سبب کو دور کرنے کی میرے پاس موثر آواز یا طاقت نہیں' تاہم میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے اہل وطن کو گھسیٹ کر تباہی کے اس کنارے پر پہنچا دیا جائے۔ جہاں انہیں باسانی پاش پاش کیا جا سکے۔"

کیا ۱۹۲۰ء میں مسٹر جناح پر "کپکپی طاری کر دینے والا اندیشہ" قومی قیادت اور اتحاد کے بارے میں ان کو خواب سے بیدار کرنے والی پہلی صدائے جرس تھی؟ یہ بات واضح ہے کہ انہیں گاندھی یا ان کی قوت فیصلہ پر بالکل اعتماد نہیں تھا کہ وہ ملک کو پاش پاش ہونے سے بچا سکیں گے۔ کیا ان کے دل میں پہلی بار پیدا ہونے والا یہ اندیشہ' تقسیم ہند کا احساس تو نہیں تھا؟ جناح نے اپنے انکشاف آور خط میں خبردار کیا تھا۔

"قوم پرستوں کے لئے واحد چارہ کار یہ ہے کہ وہ متحد ہو کر ایسے پروگرام کے لئے کام کریں جو مکمل ذمہ دار حکومت کے جلد حصول کے لئے سب کے لئے قابل قبول ہو' ایسا پروگرام کوئی فرد واحد نہیں دے سکتا' بلکہ اسے ملک کے جملہ سرکردہ لیڈروں کی تائید و حمایت حاصل ہونی چاہئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مجھے یقین ہے کہ میں اور میرے رفقائے کار اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

اس خط میں ایک طرف اپنی کمزوری کا اعتراف کیا گیا ہے' دوسری طرف انہوں نے مقصد اور ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے ذمہ دار حکومت کے حصول کی اس جدوجہد کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے' جس کی خاطر انہوں نے لکھنؤ پیکٹ سے بہت پہلے' اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ ان کی مجروح خود بینی و شدید

اس اختتامی فقرہ میں زیادہ واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ "میرے پاس کوئی موثر آواز یا قوت نہیں۔"
وسط ہند کے شہر ناگپور میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے باقاعدہ اجلاس کرسمس ۱۹۲۰ء کے بعد منعقد ہوئے۔ ہندو مذہبی جذبات کے اس پرانے اور سرگرم مرکز میں گاندھی کی انقلابی قیادت میں ایک نئی کانگریس نے جنم لیا۔ مہاتما نے پہلے ۲۸ر دسمبر کو سبجیکٹس کمیٹی کے اجلاس میں اپنی سابقہ قرار داد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ "سوراج تمام جائز اور پرامن ذرائع کو بروئے کار لا کر حاصل کیا جائے گا۔" جناح نے فوراً مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ "آزادی کے لئے پوری تیاری کئے بغیر' برطانوی تعلق کو ختم کرنا' ناقابل عمل اور خطرناک ہے۔" تاہم گاندھی کا استدلال تھا:

"میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تجویز کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ ہم بہر صورت اور غیر مشروط طور پر برطانوی تعلق ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس عظیم لڑائی کے ختم ہونے سے پہلے جس میں ہم قدم رکھ چکے ہیں' غالباً ہمیں خون کے سمندر سے گزرنا ہو گا۔ تاہم ہمارے متعلق یہ کہنے کی گنجائش پیدا نہ ہونے دیں کہ ہم خونریزی کے مجرم ہیں' بلکہ آنے والی نسلیں بھی ہمارے بارے میں یہ کہیں کہ ہم نے تکلیفیں جھیلیں ' نیز یہ کہ ہم نے کسی دوسرے کا خون نہیں بہایا بلکہ آزادی کی راہ میں خود اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا۔ اس لئے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ میں ان لوگوں کے بارے میں زیادہ اظہار ہمدردی نہیں کرنا چاہتا' جن کے سر پھاڑ دیئے گئے ہیں یا جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی جانیں خطرے میں ہیں' یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں۔"

توہین آمیز برتاؤ

جناح نے کمیٹی میں اس قرار داد کی اتنی مخالفت کی جتنی ممکن تھی۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ ان کی گمراہ کن پیش بینی میں "حوصلہ کی کمی" ہے۔ اگلے دن رائے شماری ہوئی تو نہ صرف ان کی مخالفت میں زیادہ ووٹ آئے بلکہ ان پر آوازے بھی کسے گئے۔ جونہی وہ منحوس سال اپنے انجام کو پہنچا' گاندھی نے ۱۴۵۰۰ سے زائد مندوبین' جو ناگپور میں جمع ہوئے اور کانگریس کے جلسہ کی رونق بنے اور تعداد میں گزشتہ برس امرتسر میں جمع ہونے والوں سے دوگنا سے بڑھ کر تھے' کے سامنے ایک نیا سیاسی فلسفہ پیش کیا۔ مہاتما کی قرار داد کا طویل اور کانوں کے پردے پھاڑنے والی تالیوں کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ لالہ لاجپت رائے نے ان کی تائید کی تو اس پر بھی دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔ جناح اکیلے اٹھے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ مجھے قرار داد کی مخالفت میں بولنے کی اجازت دی جائے۔ انہیں موقع دے دیا گیا۔ ٹائمز آف انڈیا کی رپورٹ کہتی ہے ۔ "مسٹر جناح چہرے پر روایتی مسکراہٹ سے ڈائس پر آئے اور اثر آفریں خود اعتمادی اور مردانہ یقین کامل کے ساتھ مدلل' روشن اور واضح انداز میں کانگریس کے پرانے مسلک میں تبدیلی کی مخالفت کی'۔ ان کی تقریر میں "شیم شیم" اور "سیاسی ٹھگ" کے تحقیر آمیز نعروں اور فلک شگاف آوازوں کے ساتھ مداخلت کی گئی۔ انہوں نے گاندھی کا ذکر "مسٹر" کہہ کر کیا تو بپھرے ہوئے سامعین نے شور مچایا کہ "مسٹر نہیں' مہاتما گاندھی" کہو۔ لیکن وہ مسٹر کی تکرار کرتے رہے۔ آخر کار انہوں نے تمہید کو چھوڑ کر ایک ایسی راہ نکالنے

کی کوشش کی جس سے پرجوش جذبات سے معمور فضا میں منطقی استدلال کی کچھ ہوا داخل کی جا سکے۔
انہوں نے بحث شروع کرتے ہوئے کہا: "ایسے موقع پر جبکہ ملک کی تقدیر دو آدمیوں کے ہاتھوں میں ہے اور ان میں سے ایک گاندھی ہے۔ اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر یہ جانتے ہوئے کہ انہیں اس اجتماع میں اکثریت کی حمایت حاصل ہے' میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ذرا توقف کریں۔ اپنے حامیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیں' قبل اس کے کہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔"

گاندھی نے جناح کی اپیل کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال حقارت بھری آوازوں' سیٹیوں اور شرارتوں نے آخر کار میثاق لکھنؤ کے خالق ہوم رول لیگ کے سابق صدر اور بمبئی کانفرنس کے سابق سربراہ کو پلیٹ فارم سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ جیسا کہ سی' پی کے کمشنر فرانک سلی نے دو روز بعد ناگپور سیشن کے بارے میں چیمسفورڈ کو بالکل درست طور پر مطلع کیا کہ "جناح کی تقریر بالکل بے اثر ثابت ہوئی۔"

یہ ان کی پبلک زندگی میں ان کی خودداری کو سب سے زیادہ تلخ انداز میں نیچا دکھانے والا تجربہ تھا۔ وہ اگلی ٹرین سے رتی کے ہمراہ ناگپور سے روانہ ہو گئے۔ ناگپور کے اجلاس میں انہیں جو خفت اٹھانی پڑی' اس کی یاد ہمیشہ ان کے ذہن پر سوار رہی۔ انہوں نے قومی لیڈر بننے کے جو خواب دیکھے تھے' اس دن سب پریشان ہو گئے۔ گاندھی نے سیاسی مقبولیت کی انتہائی بلندیوں کو چھو لیا۔ جناح پہلے سے بھی نچلی سطح پر آ گئے' جہاں خود ان کے مسلمان بھائیوں اور خلافت کے قائدین نے مہاتما کے حواریوں سے بھی زیادہ لعنت ملامت شروع کر دی۔ شوکت علی کو ان سے نفرت تھی اور جہاں کہیں بھی جاتے' کھل کر اس کا اظہار کرتے۔

اگرچہ انہوں نے صرف تین ماہ قبل مسلم لیگ کے اجلاس کے صدارت کی تھی' تاہم انہوں نے ناگپور کے لیگ سیشن میں شرکت کی تکلیف تک گوارا نہیں کی۔ انہوں نے گاندھی کی خلافت تحریک کی بیکار مخالفت کے نتیجے کو' ٹھیک طور پر سمجھ لیا تھا کہ وہ بھرائی ہوئی آواز میں حریفوں سے ٹکر نہ لے سکتے تھے۔ نہ ہی مزید گالیاں سننے کی تاب تھی۔ انہوں نے لوگوں کو واضح طور پر ان کے جنگی منصوبے کے عبث ہونے سے آگاہ کر دیا تھا۔ سیاسی افق پر جو بحران آنے والا تھا' اس سے' دیانتداری کے ساتھ انہیں پیشگی مطلع کر دیا تھا۔ لیکن ہر جیوری' خلافت کانفرنس' سوراج سبھا' کانگرس اور لیگ نے ان کے دلائل کو دقیانوسی' بزدلی پر مبنی اور غلط قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔ کوئی ایسی عدالت نہیں رہ گئی تھی' جہاں وہ اپیل کر سکتے' چنانچہ وہ خاموشی سے گھر چلے گئے' سیاست کا میدان ان کے کیریئر کے لئے مقتل کی صورت اختیار کر گیا' ہر چند کہ ان کا سیاسی کیریئر ختم نہیں ہوا تھا۔

چھٹا باب — بمبئی کو مراجعت (۲۴-۱۹۲۱ء)

۱۹۲۱ء میں سیاسی سٹیج چھوڑنے کے بعد جناح کلیتہً وکالت میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے آئندہ پانچ برس کے شب و روز میں تمام توانائیاں اور صلاحیتیں قانون کے لئے وقف کر دیں۔ ان کے خاموش چیمبر اور بار نے انہیں پبلک زندگی کے شوروغل اور کیچڑ بھرے میدان سے دور رکھنے میں دیواروں کا کام دیا۔ شور و

شعب ہی دنیا سے بخیریت نکل آنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا جیسے عوامی غیظ و غضب اور سرکاری ظلم و ستم کے سیاہ بادل فضا میں امنڈ رہے ہیں۔ سیاست میں ایک قوم پرست کی حیثیت سے ان کے کیریئر کی موت کے ساتھ ہی رتی کے ساتھ تعلقات میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ اب ان کی زندگیوں کی ظاہری چمک دمک ماند پڑ گئی تھی اور ان میں پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا تھا۔ جناح اب چڑھتے ہوئے سیاسی ہیرو نہیں تھے۔ وہ دن ہمیشہ کے لئے ہوا ہو گئے' جب وہ احتجاجی جلوس لے کر کسی ٹاؤن ہال میں گھس جاتے تھے یا ایسی گلیوں میں جن کے نام یونانی دیو تاؤں کے مبارک ناموں پر رکھے گئے تھے' عوامی اجتماعات سے خطاب کر لیتے تھے۔ واقعہ ناگپور کے بعد وہ تیزی سے بوڑھے دکھائی دینے لگے۔ ایسا محسوس ہونے لگا' گویا ۴۲ سال کا آزاد منش بانکا سجیلا جوان' راتوں رات ایک عمر رسیدہ مدبر اور ۴۵ سال کی عمر کا فکر مند بیرسٹر بن گیا ہے' جسے اپنے قیمتی وقت میں سے جوان بیوی کی اداؤں اور امنگوں کی تسکین اور شیر خوار بچی کا دل بہلانے کی بالکل فرصت نہیں۔

رتی نے ان کی دلچسپی اور توجہ دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام فطری خوبیوں اور ترغیب و تحریص سے کام لیا' تاہم وہ ان کے لکھنؤی دور عروج میں ان کی بیوی بنی جو عاجزانہ وعدوں اور لامحدود احکامات کا سال تھا۔ وہ دور ایک رومان انگیز خواب کی طرح لندن میں ان کے سٹیج کیریئر کی مانند ایک سراب بن کر دور جا چکا تھا۔ اس درمیانی مدت کے بارے میں جناح کے ایک قانونی معاون کی روایت ہے: "مزاج کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کی ضد تھے۔ جناح ہر روز اپنے مقدمات کی تیاری میں کھوئے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک بار چیمبر میں کوئی کانفرنس کر رہے تھے۔ اس دوران رتی اندر آئی۔ وہ اپنے طریقے سے بنی ہوئی تھی' جسے جدید معیار کے لحاظ سے بھی بہت آگے کہا جا سکتا ہے۔ وہ جناح کی میز پر جھک گئی اور اپنے پاؤں ہلانے اور بے چینی سے جناح کی کانفرنس کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی' تاکہ وہ اکٹھے گھر جا سکیں۔ جناح نے اف تک نہیں کی' وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہے' جیسے وہ وہاں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اس نے ابھی تک بھوتوں کی دنیا میں رہنا نہیں سیکھا تھا۔ انتہائی مایوسی کے باوجود زندہ لوگوں کے ساتھ دوستی و تعلق کی خواستگار تھی۔ اس نے خود بگڑے ہوئے بچے کی حیثیت سے پرورش پائی تھی' کسی زمانے میں اپنے باپ کی کل کائنات کا مرکز و محور وہی تھی۔ اس دنیا سے نکالے جانے کے بعد شوہر سے اس کے مطالبات دگنے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے طبقے کی اکثر ہندوستانی عورتوں کے مقابلے میں جو عام طور پر اپنے والدین' بہن بھائیوں' رشتہ داروں اور پھیلے ہوئے خاندان کے دیگر ممبران سے تعلقات قائم رکھتی تھیں۔ خصوصاً ماں بننے کے بعد انسانی مدد اور دوستی کے لئے اپنے شوہر پر کہیں زیادہ بھروسہ کرنے پر مجبور تھی۔ رتی کا ایسا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ سر ڈنشا نے دوبارہ کبھی اس سے کلام نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ شادی کے صرف دس سال بعد فوت ہو جانے پر جنازے میں بھی شریک نہیں ہوا۔ جسٹس چھاگلہ نے رتی کے ساتھ جناح کے تعلق کا نچوڑ نکالتے ہوئے لکھا ہے: "کسی بھی خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا فیاضانہ برتاؤ نہیں کیا ہو گا جیسا کہ مسٹر جناح کا برتاؤ تھا۔ اس کے باوجود وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے کہ اتنا وقت مانگنے والی اور اس قدر تند رہنے والی بیوی کو اس کے مزاج سے باہر رہنے کے لئے کتنے صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہو گا۔"

ناگپور کے بعد عام لوگوں سے جناح کا پہلا خطاب ۱۹ر فروری ۱۹۲۱ء کو پونا میں سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے اجلاسوں میں ہوا۔ یہ پارٹی گوکھلے نے قائم کی تھی اور برسی کے موقع پر ہر سال اس کے کسی ممتاز پیروکار کو تقریر کرنے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا۔ جناح نے حکومت اور گاندھی کی تحریک عدم تعاون' جو لوگوں کو غلط سمت میں لے جا رہی تھی' کے مابین مفلوج کر دینے والی محاذ آرائی کا تجزیہ پیش کیا۔ سیاست سے اڑھائی ماہ کی لاتعلقی ان کی واپسی کے لئے معقول وجہ بن گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو گاندھی کے پروگرام کی پیروی پر آمادہ نہ کر سکے۔ جسے وہ ایک مذہبی تحریک کہتے تھے اور جو ان کے خیال میں عام انسان کی فطرت کے خلاف اور تباہ کن طریقوں پر مبنی تھی۔ انہوں نے پبلک سٹیج پر دوبارہ آنے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا: "میں صرف ایک حقیقی سیاسی تحریک کی قیادت کے لئے میدان میں آسکتا ہوں جو صحیح سیاسی اصولوں پر استوار ہو۔" گاندھی پر ان کی نکتہ چینی سخت ہونے کے باوجود کلیتہ منفی نہیں تھی' جس کا نچوڑ یہ تھا کہ "بلاشبہ گاندھی ایک بڑے آدمی ہیں اور میں ان کا جتنا احترام کرتا ہوں' شاید ہی کوئی دوسرا اتنا احترام کرتا ہو' تاہم مجھے ان کے پروگرام پر یقین نہیں اور میں اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔" انہوں نے جرات کرکے اپنا یہ "قیاس" بھی پیش کر دیا کہ "اگر آج گوکھلے زندہ ہوتے تو وہ بھی اس پروگرام کی تائید نہ کرتے۔"

عدم تعاون اور بائیکاٹ کی مہم گاندھی کی توقع سے بہت کم موثر ثابت ہوئی۔ انگریزی عدالتوں میں بدستور کام جاری رہا۔ اگرچہ بعض ہندوستانی وکلاء نے پریکٹس چھوڑ دی تھی۔ سکول اور کالج بھی چلتے رہے۔ زیادہ تر ریلیں مقررہ وقت پر چلتی تھیں۔ جیل خانے بھر گئے۔ پولیس نے کام کرنا ترک نہیں کیا تھا اور فوج مکمل طور پر انگریز حکمرانوں کی وفاداری کا دم بھرتی رہی' جو اسے تنخواہ دیتے تھے۔ ۱۹۲۰ء کے موسم گرما میں تحریک ہجرت شروع ہوئی اور مسلمان قافلوں کی صورت میں افغانستان جانے لگے' تو ہندوؤں اور تحریک خلافت کے درمیان اتحاد کی دیوار میں شگاف پڑ گیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی کے باقی سالوں میں جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ "صرف خدا ہی جانتا ہے میں اکثر کیسی غلطیاں کرتا ہوں۔" گاندھی نے وسط اگست ۱۹۲۱ء میں اعتراف کرتے ہوئے لکھا: "جو لوگ مجھ پر معصوم عن الخطاء ہونے کی تہمت لگاتے ہیں' وہ سرے سے مجھے نہیں جانتے' زندگی برائیوں کے خلاف جدوجہد سے عبارت ہے۔"

نئے وائسرائے کی آمد

چیمسفورڈ کا جانشین روفس ڈینئیل اسحاق مارکوئیس آف ریڈنگ ۲ر اپریل ۱۹۲۱ء کو ہندوستان پہنچے۔ وہ برطانیہ کا لارڈ چیف جسٹس رہ چکا تھا اور اس میں کیولری کیپٹن چیمسفورڈ سے زیادہ اپنے ساتھی وکلاء' جیسے مسٹر جناح' کی سی عادتیں تھیں۔ ۱۹۲۱ء کے اختتام سے قبل ہی اس نے سیاستدانوں سے رابطے قائم کرنے کے لئے جناح کی مدد حاصل کر لی۔

جناح نے اس سال کانگرس کے احمد آباد میں ہونے والے اجلاس میں شرکت کی' اور وہاں بمبئی کے اعتدال پسند رہنما ایم آر جیکار اور دوسرے متعدد لیڈروں کے ساتھ مل کر اس امر کی کوشش کی کہ گاندھی

کو ستیہ گرہی پروگرام ختم کرنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ انہیں "مکمل صوبائی خود مختاری" نیز گول میز کانفرنس کے متعلق نئے وائسرائے کے وعدہ کو پرکھنے کا موقع مل سکے اور وہ مرکز کے دو عملی نظام میں ممکنہ توسیع کی بابت بات چیت کر سکیں۔ گاندھی نے وائسرائے کی اس نمایاں پیش کش پر "خاموشی سے گہرے خیال میں ڈوب کر" سوچا۔ جناح اور جیکار اس دوران انتظار کرتے رہے۔ آخر کار مہاتما اس بات پر راضی ہو گئے کہ لارڈ ریڈنگ کو وعدے پورے کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد جب ان کے زیادہ لڑاکا نائبین کی طرف سے دباؤ ڈالا گیا' تو گاندھی نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ اگر وہ پہلے جواب پر قائم رہتے تو ممکن ہے برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو انتقال اقتدار کا عمل پندرہ سال پیشتر شروع ہو جاتا۔ بہرحال گاندھی کو خدشہ تھا کہ ریڈنگ انہیں "کمزور کرنے" کی کوشش کر رہا ہے۔ "مجھے افسوس ہے' میں نے لارڈ ریڈنگ پر ایک ایسی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ کیا' جس کا مقصد ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے بے حوصلہ بنانا تھا۔" مہاتما نے اپنی نجی ڈائری میں نوٹ کیا۔ کیا پچاس سالہ مہاتما کا شدید رنج و الم کی اس نازک گھڑی میں خود اپنی مردی قوت پر سے اعتماد اٹھ رہا تھا؟ اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔

اس سال مسلم لیگ کا اجلاس بھی احمد آباد میں ہوا۔ جس کی صدارت مولانا حسرت موہانی نے کی۔ جناح انہیں سخت ناپسند کرتے تھے۔ لیگ کی تاریخ کا نقطہ زوال شروع ہو چکا تھا' کیونکہ زیادہ تر مسلمانوں نے یا تو اپنی توانائیاں تحریک خلافت کے لئے وقف کر دی تھیں یا جناح اور راجہ آف محمود آباد کی طرح جنگ کے بعد کی قیادت سے مایوس ہو کر لیگ کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ موہانی کو تسلیم کرنا پڑا کہ "مسلم لیگ کی موجودہ حالت واقعی بہت کمزور لگتی ہے۔ لیگ میں اب ایک پرانے کیلنڈر کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔"

جناح نے وسط جنوری ۱۹۲۲ء میں بمبئی میں ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی تاکہ کوئی متبادل راہ نکالی جائے' کیونکہ گاندھی کے شروع کردہ ستیہ گرہی پروگرام کے باعث جس میں ٹیکسوں کی عدم ادائیگی بھی شامل کر دی گئی تھی' صورت حال بگڑتی جا رہی تھی۔ ہندوستان کی بڑی بڑی جماعتوں کے گاندھی سمیت تقریباً ۳۰۰ لیڈروں نے کانفرنس میں شرکت کی۔ گاندھی نے بعد میں ۔ یس کو بتایا: "میں غیر رسمی طور پر محض اس خیال سے کانفرنس میں شریک ہوا تھا کہ شاید اپنے معتدل ساتھیوں و منا سکوں۔ مدراس کے سرسنکران نائرنے' جو کانگرس کے سابق صدر اور اب وائسرائے کونسل کے ممبر تھے' کانفرنس کی صدارت کی۔ انہوں نے جناح کو قرار دادیں پیش کرنے کو کہا۔ ان قراردادوں کا آغاز حکومت کی استبدادی پالیسی کی سخت مذمت اور کانگرس سے عدم تعاون ختم کرنے کے پرزور مطالبہ سے ہوا۔ آخر کار ایک مصالحتی قرار داد پر اتفاق ہو گیا۔ جس میں حکومت اور کانگرس و تحریک خلافت کے مابین اختلافات طے کرنے کے لئے ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کا مطالبہ کیا گیا۔ گاندھی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اصرار کیا کہ گول میز کانفرنس کے انعقاد سے پہلے حکومت کو ایک اعلان کے ذریعے اپنی کارروائی پر ندامت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات واپس لینے چاہئیں۔

مہاتما نے ۲۰ رکنی سبجیکٹس کمیٹی میں شرکت کی تاکہ قطعی قرار دادوں کی تیاری میں مدد دے سکیں۔ انہوں نے جناح کی تجاویز میں خاصا ردو بدل کر ڈالا تاکہ اگلے دن جب نئی قرار دادیں پیش ہوں تو رجعت

پسند سرسنکران نائر کرسی صدارت پر موجود نہ ہوں۔ چنانچہ دوسرے روز سر ایم وشویش ورایا سابق وزیر اعظم میسور کرسی صدارت پر متمکن ہوئے۔ ساری قرار دادیں متفقہ طور پر منظور ہو گئیں' تاہم گاندھی نے ابھی تک سول نافرمانی کو تیز کرنے کی اپیل واپس نہیں لی تھی' اور گول میز کانفرنس کے تصور کو مکمل سوراج کے لئے سکیم کی تیاری کے لئے قبل از وقت قرار دیا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہندوستان نے ابھی تک ناقابل تردید طور پر اپنی قوت ثابت نہیں کی ہے۔ بہرحال دو ہفتے بعد یو پی کے قصبہ چورا چوری میں ایک ہجوم نے تھانے پر حملہ کر کے ۲۲ ہندوستانی سپاہیوں کو زندہ جلا دیا' تو گاندھی جی قائل ہو گئے کہ لوگ ابھی عدم تشدد کی تحریک کے لئے تیار نہیں ہیں' چنانچہ اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں انہوں نے احتجاجی مہم کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اس موقع پر لکھا:

"خدا تعالیٰ مجھ پر بہت زیادہ مہربان رہا ہے۔ اس نے مجھے تیسری بار متنبہ کیا ہے کہ ہندوستان میں ابھی وہ سچی اور عدم تشدد کی فضا موجود نہیں ہے جسے مہذب کہا جا سکے' جس کے معنی شریف' سچے' عاجز' باخبر' خودسر لیکن پیارے' جو ہرگز مجرم اور نفرت انگیز نہ ہوں' افراد پر' مشتمل معاشرہ میں' خدا نے چورا چوری کے ذریعے صاف طور پر مجھے اپنی ہدایت سے مطلع کر دیا۔"

گاندھی کے یوں پلٹا کھا جانے کے فوراً بعد جناح اور جیکار نے ان سے ملاقات کی۔ آخر الذکر کرنے محسوس کیا کہ جناح' گاندھی کو سخت ناپسند کرتے ہیں' ان کے درمیان ہونے والی ہر ملاقات کے نتیجے میں فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ چورا چوری کی پر تشدد خبر کے پھیلنے کے بعد جناح اور سر ہرمزجی واڈیا کا گاندھی کے ساتھ برتاؤ انتہائی ناشائستہ ہو گیا۔ ناگپور سے ایک سال اور تھوڑا عرصہ بعد اب گاندھی جی کی باری تھی کہ وہ تحقیر و تذلیل برداشت کریں۔ بہرحال اپنے سب سے اہم حریف کی ہزیمت میں جناح کے لئے مسرت و اطمینان کا کوئی سامان نہ تھا۔ ستیہ گرہ کی ناکامی جس کی بابت انہوں نے پہلے ہی پیشگوئی کر دی تھی' تشدد اور ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ ان کے لئے اچھی خبر نہیں لایا 'کیونکہ میثاق لکھنؤ ان کے ماتھے سے قومی قیادت کا جھومر اس کے مستحکم ہونے سے قبل ہی چھن جانے کے بعد' جو کچھ بچا' وہ محض راکھ کا ڈھیر تھا۔ چورا چوری کی ان بدنصیب جلی ہوئی لاشوں کی طرح' بمبئی مذاکرات میں صرف ہونے والے بیشمار پر سکون لمحات اور کلکتہ میں احتیاط سے وضع کردہ دستوری سکیمیں' جن کی لکھنؤ میں توثیق ہو چکی تھی' ناگپور میں اٹھنے والے دھوئیں کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ آخر کیوں؟ اب لارڈ ریڈنگ کو اس بات پر آمادہ کرنے کا وقت بھی گزر چکا تھا جس پر چند ماہ پہلے وہ تیار تھا۔ کوئی صحیح الدماغ وائسرائے تشدد کے واقعات اور ذلت آمیز شکست کے بعد ایک نئے آئین کے لئے مذاکرات کیوں کرے؟ گاندھی کے ساتھ جناح کی کج خلقی اور ناشائستگی کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

وسط ۱۹۲۲ء میں جناح نے ایک نئی اعتدال پسند جماعت منظم کرنے کا فیصلہ کیا' جس میں گاندھی کو سرے سے شامل ہی نہ کیا جائے تاکہ وہ گاندھی کے خلاف زیادہ طاقت کے ساتھ اظہار خیال کر سکیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں جیکار اور موتی لال نہرو سے تعاون کی درخواست کی' لیکن دونوں نے معذرت کر لی۔ اس طرح جناح اپنے کانگرس کے ہندو ساتھیوں سے بالکل کٹ کے رہ گئے۔ پرانے "سفیر" نے فرقہ

وارانہ اتحاد کا جو پل تعمیر کیا تھا' وہ دھڑام سے گر پڑا۔ اس موقع پر جناح کی تنہائی و مایوسی میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہوا کہ انہوں نے خود کو تحریک خلافت سے بالکل الگ تھلگ رکھا تھا۔ علی برادران اور مولانا ابو الکلام آزاد انہیں حکومت کا ترجمان اور اپنے مشن کے لئے حقیقی "غدار" سمجھتے تھے۔ ان کا واحد سیاسی دوست بیرسٹری کے زمانے کا ساتھی اور سندھ سے تعلق رکھنے والا پرانا مسلم لیگی غلام محمد بھرگڑی رہ گیا تھا جو بمبئی میں اکثر ان کے پاس آتا رہتا تھا۔ وہ دونوں مالا بار ہل کی چوٹی پر رات گئے تک سیاسیات پر بحث کرتے تھے۔ جناح کا سابقہ ہوم رول سیکرٹری جمنا داس دوارکا داس اور اس کا چھوٹا بھائی کانجی بھی کبھی کبھار ادھر آ نکلتا تھا۔ کانجی جو رتی کا گہرا دوست بن گیا تھا' لکھتا ہے:

رتی کی یورپ کو روانگی

"مئی ۱۹۲۲ء کی ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ رتی ایک خاص قسم کے پرانے فیشن کے صوفے پر لیٹی ہوئی کہہ رہی ہے: "کانجی' میری مدد کرو۔" صبح آنکھ کھلی تو وہ خواب مجھے اچھی طرح یاد تھا' لیکن میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اگلی رات پھر وہی خواب دکھائی دیا' جس میں رتی مدد کے لئے پکار رہی تھی۔ تیسرے دن شام پانچ بجے کے قریب دفتر سے واپسی پر اور خواب کو بھلانے کے بعد' میں جناح کے مکان (ساؤتھ کورٹ) پر گیا۔ رتی کے ساتھ ملے ہوئے مجھے کئی ہفتے ہو گئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں پیشگی وقت لئے بغیر ان کی رہائش پر جا پہنچا۔ میں کار سے اترا تو جناح کا نوکر مل گیا۔ اس نے بتایا کہ رتی بیمار ہے۔ میں نے اسے اپنا کارڈ دیا۔ وہ ایک منٹ بعد واپس آ گیا اور کہنے لگا: "رتی آپ کو بلا رہی ہے۔" چنانچہ مجھے پچھلے برآمدے میں لے جایا گیا۔ جہاں وہ لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اسے صوفے پر لیٹے دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ہم بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ساڑھے سات بجے جناح بھی اپنے چیمبر سے آ گئے۔ انہوں نے مجھے مشروب نوشی کی دعوت دی اور کہا کہ رات کا کھانا کھا کر جاؤں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں پانچ بجے سے آیا ہوا ہوں' ڈنر تک نہیں ٹھہر سکوں گا۔ انہوں نے میری بات مانتے ہوئے مجھے رخصت کی اجازت دے دی۔"

اسی سال ستمبر میں رتی اپنی بیٹی' پالتو جانوروں اور نرس کو ساتھ لے کر لندن روانہ ہو گئی۔ کانجی نے پونا کے ایمپریس گارڈنز سے ان کے لئے "خوبصورت گلابوں" کا ایک گلدستہ بطور تحفہ بھیجا۔ رتی نے دوران سفر لندن پہنچنے سے قبل ۲۵' ستمبر ۱۹۲۲ء کو شکریہ کا خط لکھا' جس میں دیگر باتوں کے علاوہ تحریر کیا تھا: "آپ کا خط پا کر مجھے ہمیشہ خوشی ہو گی' اس لئے اگر آپ کو فارغ لمحات میسر آ جائیں تو اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہنا' اگر میں زندہ رہوں تو-- ہاں ایک بات اور یاد آ گئی۔ جناح کے پاس جائیں' ان سے ملاقات کر کے مجھے لکھیں کہ وہ کیسے ہیں۔ ان میں اپنے آپ کو قصداً حد سے زیادہ مصروف رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب جبکہ انہیں پریشان کرنے اور ستانے کے لئے میں ان کے پاس نہیں ہوں گی' ان کی حالت پہلے سے بدتر ہو جائے گی۔" اس کے اس ادراک کو کہ "انہیں قصداً خود کو حد سے زیادہ مصروف رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔" بیوی کی مضطرب زبان میں پرکھا جائے تو اس سے ان کے درمیان بڑھتی ہوئی دوری ظاہر ہوتی ہے'

جیسا کہ جناح کے اوقات میں اپنی مداخلت کے شرمیلے انداز میں ذکر سے پتہ چلتا ہے: "انہیں پریشان کرنے اور ستانے کے لئے۔" اب سفید بالوں کی ایک لٹ جناح کی پیشانی کے وسط میں نمودار ہو گئی تھی جو اس امر کا یقینی ثبوت تھا کہ وہ کتنی تیزی سے بوڑھے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی لکھنؤ والی خوبصورت مونچھیں رکھنی چھوڑ دی تھیں' اور اس دور کی تصویروں میں وہ کہیں مسکراتے نظر نہیں آتے۔ لباس کے معاملے میں وہ بدستور محتاط رہے۔ وہ ہمیشہ گہرے سیاہ یا نیوی بلیو رنگ کا ہلکا دھاری دار کپڑا پہنتے تھے۔

کونسل کی دوبارہ رکنیت

ستمبر ۱۹۲۳ء میں انہوں نے بمبئی کے مسلم رائے دہندگان کے نام ایک اپیل میں کہا ۔ اس شہر سے جو ووٹرز مجلس دستور ساز کے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں' ان کا فرض ہے کہ وہ مسٹر ایم اے جناح کی بھرپور حمایت کریں۔ یہ بات "بمبئی کرانیکل" کے ایک ایڈیٹوریل نوٹ میں کہی گئی تھی' جس کی مجلس ادارت کے چیئرمین وہ خود تھے۔ کانگرس اس موقع پر دو دھڑوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک گروپ جس کی قیادت موتی لال نہرو اور سی' آر' داس کے ہاتھوں میں تھی' کونسلوں میں داخلہ کا مخالف اور سوراج کا حامی تھا' جبکہ عدم تعاون پر کاربند گروہ گاندھی کا وفادار تھا۔ سوراجیوں نے بمبئی کی جنرل نشستوں کے لئے اپنے امیدواروں کا انتخاب کیا۔ جناح ایک آزاد مسلم امیدوار کی حیثیت سے میدان میں آئے۔ بمبئی میں ان کی مقبولیت اور احترام کا یہ عالم تھا کہ ان کے مقابلے میں کوئی امیدوار کھڑا نہ ہوا۔ اس طرح وہ ۱۴ر نومبر ۱۹۲۳ء کو آسانی سے اس کونسل کے ممبر بن گئے' جس سے انہوں نے رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد استعفیٰ دے دیا تھا۔

تی نے بیرون ملک سے واپسی کے بعد جناح پر زیادہ توجہ دینی شروع کی' لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ مثال کے طور پر "مذکورہ انتخابی مہم کے دوران ایک روز مسٹر جناح اور چھاگلا لنچ کے بعد جانے والے تھے۔ ہم نے کارلیگیا ہوٹل میں جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ بمبئی کے اچھے ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ جناح نے دو کپ کافی اور ایک پیکٹ پیسٹری کا حکم دیا۔

ماکولات و مشروبات کے سلسلے میں قائد اعظم مسلمانوں کے احساسات و اضطراب کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے سیکولر ہندوؤں' پارسیوں یا دیگر ہندوستانیوں کے ساتھ تعلقات بدستور قائم رکھے۔ ۱۹۲۵ء تک ان کا یہ حال تھا کہ ایک موقع پر ان کے نوجوان دوست راجہ آف محمود آباد نے جب یہ کہا: "میں اپنے آپ کو پہلے مسلمان سمجھتا ہوں۔" تو انہوں نے سختی سے سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا: "نہیں' پہلے آپ ہندوستانی ہیں اور بعد میں مسلمان ہیں۔" لیکن اب وہ اپنے اسلامی تشخص کی سیاسی اہمیت گھٹانے یا فراموش کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں تھے۔ ناگپور کے بعد ان پر بہت سے دروازے جبرا بند کر دیئے گئے تھے۔ سر عام ان کی جو تذلیل کی گئی اور ان کی ذات کے اعتراف سے جس طرح انکار کیا گیا' اس نے انہیں اپنی ذات ـــ نوں میں مزید گہرائی تک غرق کر دیا اور وہ اس برادری کے قریب تر ہو گئے' جو اب بھی ان کے

مشورے کو اہمیت دیتی تھی۔ اس چیز نے انہیں زیادہ مضبوط بننے میں مدد دی۔ اگرچہ مختلف طریقے سے سہی' ان کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ ان کے لئے ایک اور راستے سے اوپر چڑھنے کا موقع پیدا ہو گیا۔ وہ بہت بلندی پر پہنچ گئے تھے' لیکن بڑی تیزی کے ساتھ گر گئے! اگر جداگانہ حلقہ انتخاب کا سلسلہ نہ ہوتا تو شاید دوبارہ سیاست میں قدم نہ رکھتے۔ اس بار انہوں نہ ہر رکاوٹ کو بڑی احتیاط سے دور کیا اور ہر اس چٹان کو پاش پاش کر دیا جس نے ان کی راہ روکنے کی کوشش کی۔

ساتواں باب — نئی دہلی (۱۹۲۴-۲۸ء)

آزاد بلاک کی تشکیل

برطانوی ہند کی نومنتخب مرکزی اسمبلی کا پہلا اجلاس ۳۱ر جنوری ۱۹۲۴ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ جناح نے وقت ضائع کئے بغیر وائسرائے کے افتتاحی خطاب کے بعد تیئس کے تیئس "آزاد" ممبران کو گفت و شنید کے لئے مدعو کر لیا۔ چونکہ وہ ایک عملی سیاستدان اور چابک دستی سے مذاکرات کرنے میں ماہر تھے' اس لئے وہ بنیادی اصلاحات کا ایک پروگرام وضع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ پرانے ساتھی اس کی حمایت کریں گے۔ اور وہ اسے کامیاب بنانے کے لئے کام کریں گے۔

اب وہ اس پوزیشن میں تھے کہ موتی لال نہرو اور سی۔ آر۔ داس کے پاس جائیں اور اپنے آزاد ساتھیوں پر مشتمل طاقتور بلاک کے ووٹ سوراج پارٹی کے ۴۲ ممبران میں ضم کرنے کی پیشکش کر سکیں۔ یہ سب مل کر ۳۶ سرکاری نامزدگان کے جتھے کو جب چاہے شکست دے سکتے تھے۔ اس طرح راتوں رات اسمبلی کے اندر ایک نئی نیشنلسٹ پارٹی وجود میں آ گئی جس پر لارڈ ریڈنگ کو تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ منتخب نمائندوں کے اس طاقتور ہندوستانی بلاک نے جلد از جلد ڈومینین سٹیٹس اور پوری طرح خود مختار صوبائی حکومت کے قیام کی تاریخ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ اقدام اپنے اثر کے لحاظ سے بہت اہم تھا' تاہم سرکاری حلقے انہیں کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے' اس لئے جناح نے نئی دہلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک بار پھر اسی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی جیسا کہ انہوں نے لکھنؤ میں کیا تھا۔ اس دفعہ کوئی جادوگروں والا فارمولا کام میں نہیں لایا گیا' نہ ہی یہ اتفاق رائے زیادہ دیر تک قائم رہا۔

جناح نے اسمبلی میں جو حکمت عملی اختیار کی تھی' وہ فروری ۱۹۲۴ء میں اس وقت بار آور ہو گئی جب دستوری اصلاحات سے متعلق ایک قرارداد میں یہ سفارش کی گئی کہ گول میز کانفرنس جلد بلائی جائے۔ اہم اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا پورا خیال رکھا جائے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ اس کی روشنی میں مکمل ذمہ دار حکومت کا قیام عمل میں آ سکے۔ وہ قرارداد ۴۸ کے مقابلے میں ۷۶ ووٹوں سے منظور ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں لارڈ ریڈنگ نے وزیر داخلہ سر الیگزینڈر موڈی مین کی سربراہی میں ایک ریفارمز انکوائری کمیٹی مقرر کی۔ جناح نے چار دیگر ہندوستانی ممبروں کے ساتھ اس کمیٹی میں کام کیا۔ ان چاروں

ے نام اس طرح تھے: مدراس کے سر پی۔ ایس۔ سیوا سوامی آئر صدر نیشنل لبرل فیڈریشن' پونا کے معلم ڈاکٹر
آر۔ پی۔ پرانجپائی' الہ آباد کے سر تیج بہادر سپرو اور پنجاب کے سر شفیع لا ممبر حکومت ہند۔ اسمبلی کے منتخب
ممبران نے اسے جناح کمیٹی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ جناح نے سال کے اختتام سے قبل ہی اقلیتوں کے
قومی مطالبات پر مشتمل رپورٹ مرتب کر ڈالی' تاہم منتخب ممبران کی متحدہ اکثریت سے سرکاری حلقے خوفزدہ ہو چکے
تھے اور وہ مطالبات سے آنکھیں چرانے لگے تھے۔ وائسرائے نے اس رپورٹ پر بحث کی تجویز کو کئی بار ویٹو کر
دیا۔ اس طرح جناح کی سفارشات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

تحریک پاکستان اور ہندوستان کی جدید تاریخ پر اس کے منفرد اثر نے ہندوستان میں پارلیمانی حکومت کے
ارتقاء کے لئے جناح کے مثبت کردار کو کسی قدر دھندلا دیا ہے۔ ان کے وقت اور ان کی صلاحیتوں کا بہت بڑا حصہ
نئی قانون سازی کرنے' بجٹ کی مدات کے حق میں یا ان کے خلاف دلائل دینے اور سرکاری اہلکاروں نیز قوم
پرست ساتھیوں کو ذہنی طور پر دیانتدار رکھنے میں صرف ہوا۔ مرکزی مجلس دستور ساز کلکتہ میں جو حیثیت گوکھلے
کو حاصل تھی' اسمبلی میں ویسا ہی نمایاں مقام جناح نے حاصل کر لیا۔ وہ زیادہ تر قراردادوں پر بولتے' ہر دستاویز کا
بغور مطالعہ کرتے' ایک قانون دان کی سی احتیاط کے ساتھ رپورٹ دیتے اور کسی ترغیب کے بغیر اظہار خیال
کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک قرارداد کی حمایت میں' جس کا مقصد اسمبلی کو سرکاری معاہدات پر نظرثانی کا
اختیار دینا تھا اور دفتری حکومت اس کے سخت خلاف تھی' دلائل دیتے ہوئے انہوں نے کہا: "اس میں الجھن کیا
ہے؟ یہ محض ایک بہانہ ہے۔ وہی رٹی رٹائی کہانی دہرائی جا رہی ہے۔ انتظامیہ اس ایوان کے لئے سنجیدہ نوعیت
کی مصروفیات میں شامل ہو کر کھوج لگانے والی روشنی نہیں بننا چاہتی۔ میں کہتا ہوں اس کا قطعی کوئی جواز نہیں
ہے"۔ اسی طرح ایک بل کی مخالفت کرتے ہوئے' جس کی غرض و غایت ہندوستان میں داخلے کے لئے پاسپورٹ
کی شرط عائد کرنا تھا' انہوں نے دلیل دی: "جناب والا' میرے خیال میں پاسپورٹ پر جتنے بھی ضابطے عائد
ہوتے ہیں' وہ عوام کے لئے بہت بڑی تکلیف کا سبب ہیں' اس لئے جتنی جلد انہیں ختم کر دیا جائے' اتنا ہی بہتر ہے"

فروری ۱۹۲۴ء میں انہوں نے ایک اہم قرارداد پیش کی جو اقتصادی آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کا
مرکزی نقطہ بن گئی' جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ "حکومت ہند کو روپے کی صورت میں ٹینڈر داخل کر کے بڑے
بڑے قیمتی سٹورز خریدنے کی اجازت دی جائے' صرف لندن میں سٹرلنگ کی صورت میں نیلام کی بولی دے کر
مذکورہ سٹورز کی خریداری کا سلسلہ بند کیا جائے"۔ ان کا کہنا تھا "اگرچہ میری اس قرارداد سے ایوان کے ہر ممبر کو
دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک بہت ہی خشک موضوع ہے' تاہم مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جب فاضل ممبران
اس معاملے کو سمجھ لیں گے تو انہیں ماننا پڑے گا کہ یہ مسئلہ ہندوستان کو بہت بری طرح متاثر کر رہا ہے"۔ اس
کے بعد انہوں نے گزشتہ ۷۵ سال کی سرکاری خریداریوں کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا "یہ پابندی ہندوستان
کی معاشی ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنی ہوئی تھی"۔ وہ آخر اس نتیجے پر پہنچے: "اس سے موقع پر موجود
انگریز کارخانہ داروں کو بہت ہی زیادہ فائدہ پہنچتا ہے' وہ پہلے ہی معلومات حاصل کر لیتے ہیں' نتیجے میں تمام عملی
مقاصد کے لئے خرید کا یہ سلسلہ برطانیہ کی انگریزی فرموں کی طرف سے موصول ہونے والے ٹینڈرز تک محدود
رہتا ہے"۔ ان کا استدلال یہ بھی تھا: "دوران جنگ بہت سے اسٹوروں کی ہندوستان میں خریداری "ناگزیر"

ہو گئی تھی"۔ ان کی یہ قرارداد منظور ہو گئی اور اس سے ہندوستان کی اقتصادی ترقی کو اتنی تقویت ملی کہ آزادی سے قبل شاید ہی کسی دوسرے اقدام سے نصیب ہوئی ہوگی۔

جناح شہری آزادیوں کے زبردست حامی رہے' وہ انفرادی حقوق اور مساوی انصاف کے دفاع میں ہمیشہ کھل کر بولتے تھے۔ بمبئی کرانیکل کے شہر بدر کردہ ایڈیٹر بی۔ جی۔ ہارنی مین کو شہر میں دوبارہ داخلے کی اجازت دینے سے متعلق قرارداد پر اصرار کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"میں اس کی یقیناً مدافعت کروں گا۔ میں نے آئینی قانون کی عمیق گہرائیوں میں اتر کر اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فرد کی آزادی کسی ملک کے آئین میں عزیز ترین شے ہوتی ہے اور وہ اس انداز میں سلب نہیں کی جانی چاہئے۔ اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے' اگر مسٹر ہارنی مین نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اسے کسی ٹربیونل کے سامنے پیش کریں۔ میں جوبے احساس کے ساتھ بولتا ہوں' کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ کسی شخص کو شہر بدر نہیں کیا جانا چاہئے اور ایسے فرضی الزام کے تحت تو یہ کارروائی بالکل نہیں ہونی چاہئے' جو میرے علم کے مطابق سراسر غلط ہے"۔

اسی سال ستمبر میں شملہ میں انہوں نے اس اصول پر اپنے پختہ یقین کو دہرایا: "کسی شخص کے مال یا آزادی میں عدالتی سماعت کے بغیر مداخلت نہ کی جائے"۔ اسی روز ایک اور بل پر بحث کرتے ہوئے جناح نے وزیر داخلہ کی تحریک پر اعتراض کیا: "میں یہاں محض ایسے شخص کے طور پر نہیں کھڑا ہوں' جو حکومت پر اعتماد نہیں کرتا' بلکہ لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے کھڑا ہوں اور حکومت کو وہی کچھ کرنا ہوگا جو لوگوں کے بہترین مفاد میں ہو۔ وہ کچھ نہیں جو حکومت کی مرضی میں آئے"۔

اگلے سال مئی میں انہوں نے مسلم لیگ کے ایک خصوصی سیشن کی صدارت کی جو لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا "۱۹۲۳ء کے شروع ہی سے یہ محسوس اور تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سہ طرفہ بائیکاٹ ناکام ہو چکا ہے اور یہ کہ سول نافرمانی کی تحریک مستقبل قریب میں کامیابی سے نہیں چلائی جا سکتی۔ کونسلوں کا مقاطعہ جیسا کہ مہاتما گاندھی کی خواہش ہے' موثر اور کارآمد نہیں ہو سکتا۔ خلافت تحریک' جو کہ ایک عرصے سے چل رہی ہے' کسی بہتر پوزیشن میں ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ہماری گزشتہ تین سالوں کی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سوراج کے حصول کی اعلانیہ تحریک چل پڑی ہے۔ بڑی بیباکی اور تسلسل سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کے جلد قیام کے لئے اقدامات کئے جائیں"۔

اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے انہوں نے زور دے کر کہا: "۱۹۱۳ء میں پہلی بار مسلم لیگ میں شامل ہوتے وقت میں نے خبردار کیا تھا کہ سوراج کے حصول کے لئے ایک لازمی شرط یہ ہوگی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں سیاسی اتحاد و اتفاق ہو۔ میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ جس روز ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں گے' ہندوستان کو اسی دن ڈومینین سٹیٹس حاصل ہو جائے گا۔ سوراج کی اصطلاح بڑی حد تک ہندو مسلم اتحاد کے ہم معنی ہے"۔

مسلم لیگ نے اس اہم اجلاس میں طے کیا کہ وہ ایسے سوراج کے لئے جدوجہد کرے گی جس میں صوبوں کی وفاقی یونین ماسوائے مرکزی حکومت کے ان چند امور کے جو "عمومی اور مشترک نوعیت کے ہوں" پوری طرح خود مختار ہو۔ تمام اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے اور مسلمانوں کے لئے جداگانہ نظام انتخاب

قائم رکھا جائے۔ مخلوط انتخاب ناچاقی و نااتفاقی کا موجب بن سکتا ہے۔ نیز موثر نمائندگی کا مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ بالکل ناکافی طریقہ ہے۔ آئندہ کوئی ایسا بل یا قرارداد، جس سے کوئی برادری متاثر ہوتی ہو، اگر اس برادری کے منتخب افراد کی تین چوتھائی تعداد اس کے خلاف ہو، کسی بھی مجلس دستور ساز میں منظور نہ کیا جائے۔ لیگ نے جناح کی سربراہی میں ایک خصوصی کمیٹی بھی مقرر کی جسے حکومت ہند کے لئے آئینی اسکیم تیار کرنے کا کام سونپا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین احساس کی افسوسناک کشیدگی کو تشویش اور اضطراب سے دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے مزید طے کیا کہ ایسے "مصالحتی بورڈز" کے قیام میں تعاون کیا جائے گا جن میں تمام قوموں کے ممبران شامل ہو کر باقاعدہ اجلاسوں میں فرقہ وارانہ اختلافات کو حل کرنے اور تصادم کے اسباب کو گھٹانے کی کوشش کریں گے"۔ جناح نے مذکورہ بالا قرارداد کے علاوہ ایک اور قرارداد بھی پیش کی جس کے ذریعے زندگی کے تمام شعبوں میں مسلمانوں میں پائی جانے والی رسوا کن بدنظمی اور انتشار پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا تھا: "اس بدنظمی کے باعث نہ وہ مفید تبادلہ خیال کر سکتے ہیں، نہ آپس کے تعاون کو فروغ دے سکتے ہیں۔ الٹا یہ چیز مسلمانوں کو ترقی اور حکومت خود اختیاری کے لئے قومی جدوجہد میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے بری طرح روکتی ہے"۔ ایک کمیٹی مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کو داخلی یکجہتی کی ترغیب دینے کے لئے تشکیل دی گئی۔ ایک اور کمیٹی کو یہ فرض سونپا گیا کہ سنٹرل خلافت کمیٹی کے ساتھ مذاکرات کر کے اختلافات دور کرنے کی کوشش کرے۔ اسی اجلاس میں آئندہ تین سالوں کے لئے پارٹی کا مستقل صدر چنا گیا تاکہ مسلم ہندوستان میں اپنے انقلابی منصوبے کو بروئے کار لانے کا موقع مل سکے۔ اگرچہ تین سال کی مدت کافی نہ تھی، بہرحال اس کام کی ابتدا ہو سکتی تھی۔

ترکی کے صدر مصطفےٰ کمال اتاترک نے اکتوبر ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کر کے تحریک خلافت کی بنیاد تباہ کر دی۔ اس سے پان اسلام کے تصور پر گہری ضرب لگی اور زبردست پھوٹ پڑ گئی، چنانچہ ہندو مسلم فسادات میں تیزی اور شدت پیدا ہو گئی۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے پٹھانوں سے لے کر مالابار کے موپلے تک سب ان فسادات کی لپیٹ میں آ گئے۔ کشمیر سے ڈھاکہ تک ہندو اپنے ہمسائے ستم رسیدہ مسلمانوں کے جو جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں موجود تھے، دشمن بن گئے۔ ہندوؤں نے پرجوش مذہبی تنظیمیں مثلاً مہا سبھا، شدھی (مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے والی) قائم کیں۔ نیم عسکری تنظیم سنگٹھن کے ارکان ہندو اکثریت کے شہروں میں ڈرل اور مارچ کرتے وقت خوب شور مچاتے، جس سے مسجدوں میں نماز پڑھنے والے مسلمان بہت پریشان ہوتے تھے۔ یہ لوگ چھڑا سازی کرنے والے، گائے ذبح کرنے والے قصابوں کو بلا امتیاز و تفریق تشدد کا نشانہ بناتے تھے۔ ہیجان و شورش پیدا کرنے والا ہر واقعہ انتقامی حملوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتا تھا جس سے وسیع پیمانے پر فساد پھوٹ پڑتا اور فساد کے دوران بے شمار لوگ مارے جاتے یا زخمی ہوتے، اور اس طرح تلخی کا زہر عام پھیل جاتا۔

۱۹۲۴ء میں سی۔ آر۔ داس شدید بیمار ہو گئے۔ کانگرس میں موتی لال نہرو، سوراج پسند گروپ کے لیڈر کی حیثیت سے گاندھی سے ٹکر لینے والے اکیلے رہ گئے تھے۔ اگست ۱۹۲۴ء میں موتی لال کے نام ایک "انتہائی خفیہ" مراسلے میں داس نے لکھا: "میں اس بات پر تیار ہوں کہ کانگرس کی مشینری کو آپ کی گرفت میں لانے کو آسان بناؤں۔ حقیقت میں آپ کی مدد کے لئے میں کسی صورت میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے فریق نہیں بنوں

گا۔ میرا کسی چیز پر کوئی دعویٰ نہیں ہوا۔ محض پر امن فضا کو فروغ دینے میں تعاون کروں گا۔ مزید یہ کہ اگر آپ پوری مشینری کا کنٹرول سنبھالنے پر آمادہ نہیں تو میں اس کے لئے بھی پوری طرح تیار ہوں کہ ان صوبوں میں آپ کی گرفت مضبوط کرنے میں ہاتھ بٹاؤں جن کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ وہاں معاملات چلانے میں آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی"۔ بہرحال اسی خط کے آخر میں خیال ثانی کے طور پر گاندھی جی نے ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جو ان پر کانگرس کا صدر بن جانے کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے۔ وہ مراسلے کے اختتام پر لکھتے ہیں:
"اس معاملے پر از سرنو غور کرنے کے لئے میری صرف ایک شرط ہے' وہ یہ کہ آپ کی طرف سے بھی اس خواہش کا اظہار کیا جائے کہ میں صدارت قبول کر لوں۔ کیا آپ براہ نوازش مسٹر داس' کیلکر اور دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کر کے مجھے مطلع فرمائیں گے کہ کیا کرنا چاہئے"۔

گاندھی نے کونسلوں کا جو مسلسل بائیکاٹ کر رکھا تھا' اس سے دستور ساز اسمبلی اور کانگرس دونوں جگہ موتی لال کی پوزیشن خراب ہو گئی تھی۔ گاندھی نے مئی کے دوران سوراج پسندوں سے "بنیادی اختلاف" پر مبنی ایک بیان شائع کرایا تھا جس کا نچوڑ یہ تھا کہ کونسلوں میں داخلہ عدم تعاون کے خلاف ہے اور میں ایسا ہی تصور کرتا ہوں۔ گویا وسط ۱۹۲۴ء میں موتی لال اس صورت حال سے دوچار تھے کہ یا تو وہ جناح کے ساتھ اپنی اسمبلی پارٹی کا اتحاد برقرار رکھتے ہوئے گاندھی جی کے اعتماد سے محروم ہو جانے کا خطرہ مول لیں اور کانگرس میں اپنی پوزیشن خراب ہونے دیں یا دوسرا راستہ اختیار کریں۔ یہ کوئی آسان فیصلہ نہیں تھا۔ وہ پورے موسم گرما کے دوران پنجہ آزمائی کرتے رہے۔ اگست میں انہوں نے مہاتما گاندھی کو بمبئی میں اپنی رہائش گاہ 'واقع جوہو' پر آنے کی دعوت دی اور انہیں اسمبلی کے اندر سوراج پسندوں کے قومی تعمیر کے کام کے لئے افادیت کا قائل کرنا چاہا۔ جواہر لال نہرو بھی جو اس سال کانگرس کے سیکرٹری تھے' مذاکرات میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے' لیکن باپ بیٹا دونوں مل کر بھی گاندھی کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے' نہ ان پر کوئی اثر ڈال سکے۔ ہندوستان کی جدید تاریخ میں مہاتما گاندھی کی ضد اور ہٹ دھرمی کا توڑ صرف جناح تھے۔ تمام تر دوستانہ بات چیت اور سودبانہ تسلیمات کے پس پردہ نہرو کے بقول "یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ دونوں میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی۔ میں بھی جوہو سے مایوس لوٹا' کیونکہ گاندھی جی میرا ایک بھی شک دور نہیں کر سکے تھے جیسا کہ ان کا معمول ہے۔ انہوں نے مستقبل کے بارے میں سوچنے یا کوئی طویل المیعاد پروگرام وضع کرنے سے انکار کر دیا"۔ نہرو نے ان مذاکرات کو بجا طور پر اپنے باپ اور مہاتما کے درمیان "رسہ کشی" قرار دیا۔

گاندھی کی پوزیشن کو تسلیم کرنے کے بعد موتی لال نے اپنے سوراج پسند ساتھیوں کو اس بات پر متفق کر لیا کہ ایسے تمام مسودات قانون کو مسترد کر دیا جائے جنہیں منظور کرا کے بیوروکریسی اپنے اختیارات کو مستحکم کرنا چاہتی ہے۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ اس قسم کے چند اقدامات سے کوئی اچھا نتیجہ بھی اتفاقیہ طور پر نکل سکتا تھا۔ موتی لال نے اصرار کرتے ہوئے کہا "ہماری یہ واضح رائے ہے کہ ملک کے وسیع تر مفاد میں ایسے چھوٹے فائدوں کو قربان کرنا بہتر ہے' بجائے اس کے کہ بیوروکریسی کے اختیارات میں بالکل اضافہ نہ ہونے دیا جائے"۔ اس بیان نے سوراج پسندوں کی قومی پارٹی کو موت کے خطرے سے دوچار کر دیا' کیونکہ جناح اور ان کے آزاد ساتھیوں نے اسمبلی کے اندر "رکاوٹ ڈالنے والے حربوں" میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ ہر

تحریک پر اس کے استحقاق کے مطابق غور کریں گے۔ وہ کسی بل کی حمایت یا مخالفت میں صرف اس وقت ووٹ دیں گے جب انہیں یقین ہوگا کہ وہ بل ملک کی معاشی یا آئینی ترقی میں اضافے یا رکاوٹ کا سبب بننے والا ہے۔

مجھے مہاتما نہ کہا جائے

گرمیوں میں بمبئی کے دورے کے دوران گاندھی جی نے "ایکسیلیشیئر تھیٹر" میں "پارسی سرکل" کے ایک جلسے میں بھی تقریر کی جس کا مقصد مالابار کے سیلاب زدگان کے لئے چندہ جمع کرنا تھا۔ کانجی دوارکاداس اس اجلاس میں شریک ہوا اور ناگپور میں جناح کی کارکردگی کی نقل کرتے ہوئے مہاتما کو "مسٹر گاندھی" کہہ کر خطاب دیا۔ اس نے نوٹ کیا کہ "مہاتما" کے پردے میں بہت سے "گندے کام" کئے جا چکے ہیں۔ سامعین کی طرف سے کانجی پر بلند آواز میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی! تاہم اس موقع پر گاندھی جی اپنے نکتہ چیں کا دفاع کرنے کے لئے اٹھے اور بولے:

"لفظ مہاتما میرے نتھنوں میں تعفن پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کوئی شخص اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ہر کوئی مجھے "مہاتما" کہے تو مجھے کراہت آتی ہے۔ مجھ میں زندہ رہنے کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں جس قدر "مہاتما" کا لفظ استعمال نہ کرنے پر اصرار کروں گا، اتنا ہی زیادہ استعمال کیا جائے گا تو میں یقیناً اس کے استعمال پر زور دیتا۔ آشرم میں جہاں میں رہتا ہوں، ہر بھائی، بہن اور بچے کو یہ حکم ہے کہ وہ "مہاتما" کا لفظ استعمال نہ کرے"۔

چار سال قبل ناگپور میں جو کچھ وقوع پذیر ہو چکا تھا، جناح کے خیال میں گاندھی جی کی طرف سے یہ برسرعام معذرت کا اظہار تھا۔ اسے لازماً معلوم ہوگا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، کانجی، بیگم اور مسٹر جناح کو یقیناً اس کی رپورٹ دے گا۔

رتی کا تصوف کی طرف جھکاؤ

رتی نے ان دنوں کانجی کے ساتھ اتنی ہی ملاقاتیں کیں جتنی کہ اپنے معروف شوہر کے ساتھ کر چکی تھی اور اس کے ساتھ کھل کر اور زیادہ بے تکلفی سے "مراسلت" کرنے لگی۔ سکون کی تلاش میں وہ تصوف کی طرف مائل ہو گئی تھی، اور ارواح سے باتیں، جادو کرنے اور خیالات کی تبدیلی جیسے اعمال میں کانجی اس کا رہبر بن گیا۔ وہ لکھتا ہے "رتی غیرمادی دنیا سے رابطہ قائم کرنے میں حد درجہ دلچسپی لینے لگی۔ اس نے اپنے عقائد اور یقین کامل کی صداقت پرکھنے کے لئے بہت سے مشکل اور خطرناک تجربے کئے۔ وہ براہ راست علم کی متلاشی تھی"۔ یہ واضح نہیں ہے کہ اس کے تجربات کیسے "مشکل" اور "خطرناک" تھے، تاہم ایسا لگتا ہے کہ اس نے گولیاں کھانا شروع کر دی تھیں۔ شاید شروع شروع میں بے خوابی و افسردگی پر قابو پانے کے لئے۔ بلاشبہ بمبئی کی بندرگاہ پر افیون، مارفین، حشیش اور کوکین آسانی سے دستیاب تھی۔ نومبر ۱۹۲۴ء میں اس نے کانجی کو لکھا:

"ایک معاملہ ایسا ہے جس کے متعلق آپ سے بات کرنے کے لئے میں بہت بے چین ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس معاملے میں آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ تھوڑے دنوں سے میں روح سے میل جول کے مضمون میں

بہت زیادہ منہمک ہو گئی ہوں۔ میں اس بارے میں زیادہ جاننے اور سچائی تک پہنچنے کے لئے بہت زیادہ بیتاب ہوں۔ یہ ایک مغالطہ میں ڈالنے والا مضمون ہے۔ میں اس کے متعلق جتنا زیادہ سنتی ہوں' اتنی ہی زیادہ پریشان ہوتی ہوں۔ اگرچہ میں اب بھی سرگرمی سے اس میں دلچسپی لے رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہمارے شہر کے روحانی حلقوں سے ضرور روشناس ہوں گے۔ آدمی ایسے حلقے کا رکن بن سکتا ہے۔ میں کسی مسلک سے وابستہ نہیں ہوں' نہ ہی کسی عقیدے کی موید ہوں۔ اب میں اس معاملے میں اتنی زیادہ کھو گئی ہوں کہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اسے ترک کرنا چاہتی ہوں' کیونکہ میں خود کو دوسرے لوگوں کے تجربات پر قانع نہیں کر سکتی۔ میں اپنی ایسی شناخت کو ترجیح دوں گی کہ گمنام ہو جاؤں جبکہ آپ مجھے تلاش کرتے پھریں۔ میں سچے دل سے توقع کرتی ہوں کہ آپ اس معاملے میں میری مدد کر سکیں گے"۔

رتی نے ایک ماہ بعد اسے یاد دلانے کے لئے لکھا "میں جس چیز کے تعاقب میں ہوں' وہ حاضرات کا حلقہ ہے جس پر کسی مجرب طریقے سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ چونکہ میں اس معاملے کا ذاتی تجربہ حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہوں' جس پر میں بڑا پختہ یقین رکھتی ہوں"۔ اس کی تنہائی اور افسردگی کا تقاضا تھا کہ کوئی اس سے باتیں کرے اور اس سے اس بارے میں سوالات پوچھے جس میں وہ اتنی سرگرمی سے حصہ لے رہی تھی۔ "آپ ضرور آئیں اور مجھ سے جلد ملاقات کریں تاکہ ہم سابقہ موضوع پر گفتگو کا سلسلہ پھر سے شروع کر سکیں"۔

آئندہ اپریل میں اس نے ایک اور خط میں لکھا "پیارے کانجی' ہاں میں خواب کے اندر چلنے کے بارے میں جانتی ہوں' جس کا آپ نے ذکر کیا ہے' لیکن میں سارے خواب چلتے پھرتے دیکھتی ہوں۔ آپ نے اپنے خط میں جس قسم کے تجربے کا حوالہ دیا ہے' میرے نزدیک اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی' لیکن میری دوا میں گہری نیند میں چھٹکارا دلانے والی کوئی خوبی نہیں ہوتی۔ پانچ یا چھ گھنٹے کا مکمل آرام جس میں ذہن تو سکون کی حالت میں ہوتا ہے' لیکن اس کے برعکس جسمانی طور پر بہت بے چینی لگتی ہے۔ خواب مجھے شاذ ہی دکھائی دیتے ہیں"۔

اب اس کی عمر ۲۵ برس کی ہو گئی تھی۔ "میری روح بالکل جام ہو کے رہ گئی ہے۔ اگرچہ میں بلند عزائم رکھتی اور بعض چیزوں کی خواہش کرتی ہوں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میری حقیقی تحقیق بے نتیجہ کیوں رہی ہے؟ میرے حصے میں پھول تو کجا کانٹے بھی نہیں آئے۔ میں انتہائی بے آرامی سے سوچ رہی ہوں اور چاہتی ہوں کہ کوئی نفسیاتی قوتوں کا مالک میری مدد کرے"۔

اس نے لاکھ جتن کیے کہ اس کا شوہر ایسی باتوں میں دلچسپی لے۔ اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس بارے میں کانجی کو خبر دیتے ہوئے لکھتی ہے:

"میں آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر جناح کی توجہ اس معاملے کی طرف مبذول کرا رہی ہوں اور کبھی دھونس اور کبھی بہلا پھسلا کر اسے کتاب پڑھ کر سناتی ہوں۔ جناح کی صلح پسند روح کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ غیر معمولی اور ناقابل تردید ہے۔ اس واقعہ کا تعلق قتل کا سراغ لگانے سے ہے۔ یہ کہانی ایک غریب باورچن کے گرد گھومتی ہے جسے لندن سے پھانس کر بوسکومب لے جایا گیا اور وہاں قتل کر دیا گیا۔ اس جرم کی تفصیلات بڑی ہولناک ہیں۔ یہ جرم شہوت پرستی کے تحت کیا گیا تھا۔ مجرم کی چالاکی و ہوشیاری نے پولیس کو چکر میں ڈال دیا تھا اور وہ

بدحواس ہو گئی تھی کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ انہوں نے حلقہ حاضرات پر قابو پانے کی اجازت نہیں دی تھی' بہرحال انہوں نے مطلوبہ سراغ لگا لیا' شہادت اس نوعیت کی تھی کہ بدقسمت شخص کو پھانسی ہو گئی۔ جناح اس کیس میں کوئی سقم نہیں پا سکے"۔

کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ جناح امن کی دیوی کے لئے بہت زیادہ وقت یا توجہ وقف کرتے تھے۔ ان کی قانونی پریکٹس میں ہی بہت زیادہ وقت صرف ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ رتی نے اپنے ۱۲ اپریل والے خط میں مزید لکھا "ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی صورت میں بھی کشمیر نہیں جا سکیں گے' کیونکہ مسٹر جناح باؤلا کے مقدمہ میں مصروف ہیں"۔ کانجی اسے ہر قسم کی کتابیں' اپنے ادبی رسالے اور ڈرامے فراہم کرتا رہا۔ ۱۹۲۵ء میں سال بھر وہ مسلسل اس سے ملتا رہا۔ ہفتے میں تین یا چار دفعہ۔ دینا اب چھ برس کی ہو گئی تھی۔ کانجی نے چاہا کہ رتی اسے مدراس کے اس اسکول میں داخل کرا دے جو مسز اینی بیسنٹ کی تھیوسوفیکل سوسائٹی کے زیر انتظام چل رہا تھا' لیکن جناح نے اس اقدام کی مزاحمت کی۔ بلاشبہ انہوں نے محسوس کیا کہ اس طرح ان کی بیٹی اپنی قوم سے بالکل کٹ کر رہ جائے گی۔ شاید انہوں نے بھانپ لیا ہو کہ وہ جلد ہی اپنی اکلوتی بیٹی سے محروم ہو جائیں گے جیسا کہ سر ڈنشا کے ساتھ ہوا تھا۔ جون ۱۹۲۵ء میں رتی دوبارہ بیمار پڑ گئی تھی۔ اس نے لکھا "پیارے کانجی' اس وقت رات کے دو بجنے والے ہیں' میں خوفناک حد تک تھکی ہوئی اور نیند کی حالت میں تھی' لیکن تمہارے خیال نے آ کر مجھے جگا دیا۔ میں آہستہ آہستہ بستر سے باہر نکلی تاکہ تمہیں خط لکھ کر اور کچھ نہیں تو اپنے ضمیر کو سکون پہنچاؤں۔ کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے' اگر میں دوبارہ سو جاؤں"۔ جولائی میں اس نے جناح کو بتایا کہ میں کانجی کے ساتھ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے جوبلی کنونشن میں شرکت کرنے جاؤں گی' جو دسمبر میں مدراس کے مقام پر ہونے والا ہے۔ مسلم لیگ کا اجلاس آگرہ میں ہونا طے پایا تھا۔ جوبلی کے موقع پر وہ ایک تھیوسوفسٹ (یہ عقیدہ رکھنے والا کہ ہر شخص روحانی وجد اور وجدان کے ذریعے براہ راست خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے) کے طور پر مسز اینی بیسنٹ کی رہنمائی میں مشق شروع کرنے کا ارادہ رکھتی تھی' لیکن عین موقع پر اس کی "بلی بیمار ہو گئی" یوں اسے اپنی روانگی ایک ہفتہ موخر کرنی پڑی۔ بہرحال سال کے اختتام سے پہلے ہی وہ اڈیار میں مسز اینی بیسنٹ سے ملی۔ بوڑھی عورت نے فوراً ادراک کر لیا کہ وہ کتنی "ناخوش" ہے۔ اس نے یہ فیصلہ سناتے ہوئے کانجی کی حیرت کی ایک بار پھر تصدیق کر دی "کیا تمہیں اس کی آنکھوں میں ناخوشی نظر نہیں آتی؟ اسے غور سے دیکھو"۔

عدم دلچسپی کے دعووں کے باوجود گاندھی نے ۱۹۲۵ء میں کانگرس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔ ان کی توجیح یہ تھی کہ جس طرح کوئی تاجر کاروباری اجلاس کی صدارت کرتا ہے' میں نے بھی اسی طرح کانگرس کی صدارت کی ہے۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ شمال کے دونوں بازوؤں میں مسلمانوں کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوا ہے اور مسلمان پنجاب (۵۴ء۸ فیصد) نیز بنگال (۵۲ء۷ فیصد) میں اکثریت رکھتے ہیں۔ نئی صورت حال کا تقاضا ہے کہ لکھنؤ پیکٹ کے فارمولے پر از سرنو مذاکرات کئے جائیں۔ مسلم اکثریت کے ان دونوں صوبوں کے بہت سے مسلم لیگی قائدین کونسلوں میں مسلمانوں کی اقلیتی حیثیت پر قناعت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس طرح فرقہ وارانہ تفریق کی خلیج مزید گہری ہو گئی' جس نے مسلم لیگ کو تقسیم کے ناقابل واپسی خط پر پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں گاندھی کے عدم تعاون پروگرام کے بارے میں جو غلط فہمی پائی جاتی تھی' وہ

بتدریج دور ہونے لگی۔

سر کے خطاب کی پیشکش

لارڈ ریڈنگ کا ہندوستان میں یہ آخری سال تھا۔ وائسرائے نے اسمبلی میں جناح کی کارکردگی کا جائزہ لیا تو اسے بہت بہتر محسوس ہوئی' چنانچہ اس نے جناح کو اس قابل سمجھا کہ ان کا نام نائٹ کا رتبہ (سر کا خطاب) دینے کے لئے مرتب کردہ فہرست میں شامل کیا جائے' بشرطیکہ وہ اس پیشکش کو قبول کرلیں۔ ان سے رابطہ قائم کیا گیا تو جناح نے دو ٹوک جواب دیا "میں صرف مسٹر جناح کہلانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں محض مسٹر جناح کی حیثیت سے زندہ رہا ہوں اور اسی حیثیت میں مرنا چاہتا ہوں"۔ ادھر جب رتی سے پوچھا گیا کہ اسے "لیڈی جناح" کہلانا کیسا لگے گا؟ وہ سوال پوچھنے والے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی "اگر میرے شوہر نے نائٹ ہڈ قبول کی تو میں ان سے علیحدگی اختیار کرلوں گی"۔

میاں بیوی میں علیحدگی

وہ آخر الذکر راستہ اختیار کرنے کا حق رکھتی تھی۔ شاید اب اس نے اس معاملے پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ حق تھا جو اس نے چند سال بعد استعمال کیا۔ حالانکہ جناح کو "سر" کا خطاب نہیں ملا۔ ان کی بڑھتی ہوئی رجعت پسندی اور اسلامی شعور کی ترقی نے نظریاتی طور پر ان کے مابین اتنا بعد پیدا کر دیا کہ بالآخر جدائی ہو گئی۔ اس کے علاوہ شخصی اختلافات بھی تھے۔ مسٹر جناح عملاً پچاس برس کے ہو گئے تھے' جبکہ رتی کی عمر ان سے نصف تھی اور ان کے مزاجوں میں ہم آہنگی و مطابقت کا فقدان تھا۔ یہ وجہ نہیں کہ انہوں نے رتی سے محبت کرنا چھوڑ دی تھی حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۲۶ء میں جب وہ رتی کو ساتھ لے کر لندن' پیرس' کینیڈا اور امریکہ کے دورے پر گئے' اس وقت بھی یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ بہاریا موسم گرما میں دونوں کے مابین ابتدائی برسوں کی مقناطیسی کشش پھر عود کر آئے گی۔

سینڈ ھرسیٹ کمیٹی کی رکنیت

۱۹۲۵ء میں انہیں "سینڈ ہرسٹ کمیٹی" کا رکن مقرر کیا گیا جس کے سربراہ آرمی چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل انڈریو سکین تھے۔ کمیٹی کا مقصد سینڈ ہرسٹ کی طرز پر ہندوستان میں ملٹری کالج کے قیام کا جائزہ لینا تھا۔ تین ممبران پر مشتمل ایک وفد میں شامل ہو کر بیرونی ممالک میں فوجی کالجوں اور تنصیبات کے معائنے کے لئے اپریل میں بمبئی سے روانہ ہوئے اور اگست میں واپس آئے۔ اس دورے کے بارے میں رتی پریشان تھی اور وفد کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنے دوست کو لکھا "کانجی' میں چند ماہ کے لئے یورپ اور امریکہ کے دورے پر جا رہی ہوں۔ میری حفاظت اور امداد کرنے کے لئے آپ میرے ساتھ نہیں ہوں گے' اس لئے براہ کرم میرے لئے کسی چیز پر عمل مقناطیس کر دیں تاکہ میں آپ کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکوں"۔ اس نے کانجی کو ایک خوبصورت نیلم' جو خود پہنے ہوئے تھی اور جس پر محبت و تحفظ کا مقناطیسی عمل کر رکھا تھا' تحفے میں دیا۔ رتی نے

واپس آکر کانجی کو بتایا کہ جناح ایسی باتوں پر بالکل یقین نہیں رکھتے اور گنڈے تعویز پر میرے اعتقاد کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ تاہم دوسرا ہنی مون کامیاب ثابت ہونے کے بجائے یہ ان کا ایک ساتھ سفر کرنے کا آخری موقع تھا۔ بیرونی دورے سے واپسی کے بعد رتی کی صحت دن بدن گرتی گئی۔ "میں قیاس کرتی ہوں کہ ہم سب کو حزن و ملال کے لمحات سے اس وقت واسطہ پڑتا ہے جب ہمیں ہر چیز راستے کی رکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور کچھ وقوع پذیر نہیں ہوتا...... ایک قسم کے انتظار کی ذہنی کیفیت۔ آدمی انتظار کرتا ہے اور انتظار کرتا ہے' یہاں تک کہ زندگی پہ سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے"۔

اس نے اپنے بہترین دوست کانجی کو اوائل ۱۹۲۷ء میں لکھا "جب آپ آتے ہیں تو مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ براہ کرم مجھے یہ نہ کہیں کہ میں خاصی توانا نہیں ہوں اور اس قابل ہوں کہ آپ کی دوری برداشت کر سکوں۔ میں دوبارہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں۔ اگر میرے پاؤں خراب اور سوجے ہوئے نہ ہوتے' تو میں معمول کے مطابق چلتی پھرتی۔ میں اپنے دوستوں سے ملنے جاتی ہوں اور آج رات میں سینما جا رہی ہوں۔ خواب گاہ کے سلیپر پہن کر' کیونکہ دوسرے جوتے اتنے بڑے نہیں ہیں جن میں میرے خوبصورت اور سوجن جیسے پاؤں سما سکیں۔ اگر ایکسرے لیا جاتا تو پتہ چل سکتا تھا کہ ٹوٹی ہوئی سوئی ابھی میرے پاؤں میں ہے۔ اس لئے میں کوشش کر رہی ہوں کہ ہمت کر کے دوسرا آپریشن کرا لوں"۔ اب اس کا زیادہ تر وقت مختلف پالتو جانوروں --- بلیوں اور کتوں پر صرف ہوتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو پیار کرتی' ان کی دیکھ بھال کرتی اور ان کے علاج پر بچوں جیسی توجہ دیتی' کیونکہ دینا تو سارا دن سکول میں یا اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھر سے باہر رہتی تھی' مجبوراً اسے پالتو جانوروں کے ساتھ اپنا وقت گزارنا پڑتا تھا۔

مسلم لیگ کے صادق و مخلص سیکرٹری سید شمس الحسن نے لکھا ہے "فروری ۱۹۲۷ء میں لیگ کے دفتر کی دہلی منتقلی کے بعد قائداعظم جب کبھی دہلی آتے' میں ان کے حاجب (افسر امور خانہ داری) کے طور پر کام کرتا تھا۔ ان دنوں اپنی بیگم مریم (رتی کا اسلامی نام) کے ساتھ ان کے تعلقات خاصے کشیدہ ہو گئے تھے اور وہ اکیلے رہتے تھے۔ کبھی سیسل ہوٹل (پرانی دلی کے بہترین ہوٹلوں میں سے ایک) میں' کبھی میڈنز میں اور کبھی ویسٹرن کورٹ (ممبران اسمبلی کے لئے سرکاری قیام گاہ) میں قیام کرتے تھے۔ وہ اپنی صحت کے بارے میں اتنے محتاط نہیں تھے' جتنے دوسرے معاملات میں۔ دہلی کی سردی انہیں راس نہیں آتی تھی' اس لئے اکثر کھانسی اور زکام میں مبتلا رہتے۔ خرابی صحت کے باوجود اسمبلی میں حاضر ہوتے اور اپنے وقت اور توانائی کا زیادہ تر حصہ سیاسی سرگرمیوں میں صرف کرتے۔ شاید انہی مصروفیات سے ان کو پھیپھڑوں کی پیچیدہ اور مرکب بیماری کی ابتدا ہوئی جس نے ۲۱ سال بعد ان کی جان لے لی۔ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ جناح کی مضبوط جسمانی ساخت اچانک خراب ہونے لگی؟ رتی سے ان کی علیحدگی یقیناً ایک شدید دھچکا تھا (رتی کے پھیپھڑے اور جسم' جناح کے مقابلے میں خاصے تکلیف زدہ اور زخم خوردہ تھے اور اتنے کمزور تھے کہ وہ مزید دو سال بھی زندہ نہ رہ سکی)۔ اس پر مستزاد دہلی کی سردی تھی۔ حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ایک محبت سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر بادشاہی نظام کے جواز پر سے ان کا اعتماد اٹھ جانے سے انہیں ایک اور صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد ان کی صحت کبھی نہیں سنبھلی"۔

مصائب کی یلغار

۱۹۲۷ء کا سال ہندوستان کے لئے مجموعی طور پر اور جناح کے لئے ذاتی حیثیت میں امیدوں اور خوابوں کی شکست و ریخت کا سال تھا۔ مانٹیگو کے الفاظ نے بڑھتی ہوئی قوم پرستانہ توقعات کو جو حوصلہ بخشا' اس کو پورے دس سال ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود ڈومینین سٹیٹس' آزادی اور سوراج کا حصول پہلے کی طرح اب بھی آنکھوں سے اوجھل تھا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ برکن ہیڈ اور اس کے ٹوری ساتھیوں نے جان لیا تھا کہ ویسٹ منسٹر میں ان کے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں' اس لئے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ تنگ نظری پر مبنی امپیریل طرز حکومت ہندوستان پر مسلط کر دیا جائے۔ رامزے میکڈانلڈ کی لیبر حزب اختلاف ہر ضمنی انتخاب کے نتیجے میں مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی اور ۱۹۲۹ء کے انتخابات میں اپنی مکمل فتح کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔ ٹوری کابینہ نے ۱۹۲۷ء میں ایک دستوری کمیشن مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ۱۹۱۹ء کے انڈیا ایکٹ کا جائزہ لے کر ہندوستان کے لئے مزید دستوری اصلاحات کی سفارش کر سکے۔ برکن ہیڈ نے اپنے بیرسٹر دوست سر جان سائمن کو کمیشن کا سربراہ اور چھ دیگر انگریزوں کو' جو سب کے سب ہندوستانی امور سے نابلد تھے' رکن مقرر کر دیا۔ ریڈنگ کے جانشین لارڈ اردن نے' جو ہندوستانیوں کے محسوسات کی بابت زیادہ ہمدردانہ اور حساس رویہ رکھتا تھا' زور دیا کہ اس کمیشن میں کم از کم دو ہندوستانیوں کو ضرور شامل کیا جائے۔ لیکن برکن ہیڈ کی مرضی یہ تھی کہ اس کا فرستادہ کمیشن اپنی تحقیقات کسی تعصب و جانبداری سے متاثر ہوئے بغیر بروئے کار لائے۔

جناح نے جون میں وائسرائے کو واضح طور پر متنبہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس معاملے میں افراد کا انتخاب ہر دوسرے عامل سے زیادہ اہم ہے۔ کیا وہ خود اپنی تقرری کے امیدوار تھے؟ غالباً ایسا ہی تھا۔ ہندوستان کے دستور کی اصلاح و بہتری کے کام میں اپنے وقت اور توانائی کے ذریعے حکومت کی مدد کرنے پر وہ ہمیشہ مستعد رہتے تھے اور اب کام ہی ان کے لئے سکون و اطمینان کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا۔ ان کی تنبیہہ کو مسترد کر کے ایک اور چرکا لگایا گیا جو ہندوستان کے باقی ماندہ حقائق سے بے خبر اور فرسودہ قیادت کے ساتھ انہیں بھی سہنا پڑا۔ لارڈ برکن ہیڈ نے ان کی تجویز نومبر میں اعلانیہ مسترد کر دی۔ جب اگلے سال فروری میں سائمن کمیشن بمبئی پہنچا تو پورے ہندوستان نے بیک آواز "سائمن واپس جاؤ" کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ کمیشن کی سالوں کی محنت کو شاہی حکام کی تنگ نظری نے کام شروع ہونے سے پہلے تارپیڈو کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے کروڑوں ہندوستانیوں کے محسوسات کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفادات کو سب پر ترجیح دی تھی۔

سائمن کمیشن کے مسئلے نے مسلم لیگ کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک چھوٹا گروپ سابق لا ممبر سر محمد شفیع کی قیادت میں لاہور میں جمع ہوا اور کمیشن کا خیر مقدم کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ ہوا' جبکہ لیگ کی کونسل کے زیادہ تر ارکان نے ۳۰ دسمبر ۱۹۲۷ء کو کلکتہ میں جناح کی زیر صدارت منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت کی۔ اینی بیسنٹ اور سروجنی نائیڈو اعزازی مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئیں۔ اجلاس کی صدارت کے لئے آغا خاں کا نام تجویز ہوا تھا' لیکن وہ عین آخری لمحے پر ٹال گئے۔ ان کی جگہ مولوی محمد یعقوب نے اردو میں فی البدیہہ صدارتی تقریر کی۔ اس سیشن میں منظور ہونے والی اہم ترین قرارداد یہ تھی کہ "دستوری

کمیشن اور اس کے طریق کار کے بارے میں جو اعلان کیا گیا ہے‘ وہ اہل ہند کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے (جناح لیگ) نے طے کیا ہے کہ ملک بھر کے مسلمانوں کو کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے اور کسی مرحلہ پر کسی بھی صورت میں تعاون نہیں کرنا چاہئے"۔ اجلاس کے آخر میں جناح کو اگلے تین سال کے لئے دوبارہ مستقل صدر چن لیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے گرجتے ہوئے کہا:

"برطانیہ کے خلاف ایک دستوری لڑائی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ مصالحت کے لئے مذاکرات کی پہل ہماری طرف سے نہیں ہوگی۔ امن کے لئے حکومت کو درخواست کرنی چاہئے۔ ہمیں مساوی شریک کار بنانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ ہم نئے نظریے کی حتی الوسع مزاحمت کریں گے۔ جلیانوالہ باغ جسمانی مذبح خانہ تھا۔ تمام تر گوروں پر مشتمل کمیشن کا تقرر کر کے لارڈ برکن ہیڈ نے کہہ دیا ہے کہ ہم حکومت خود اختیاری کے اہل نہیں ہیں۔ میں پنڈت مالویہ کا خیر مقدم کرتا ہوں (ایک کانگرسی ہندو جو شریک اجلاس تھے) کانگرس اور مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے ہندو لیڈروں نے ہماری طرف جو دست تعاون بڑھایا ہے‘ میں اس پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں‘ کیونکہ میرے لئے یہ پیشکش حکومت کی طرف سے دی جانے والی کسی بھی رعایت سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ ہمیں دوستی کے اس ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے۔ فی الحقیقت آج کا دن ہمارے لئے بڑا روشن و تابناک ہے۔ ہماری صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے لارڈ برکن ہیڈ شکریے کے مستحق ہیں"۔

اس طرح ٹوری پارٹی کے واپس جانے والے سیکرٹری آف سٹیٹ نے ایک ہی جست میں وہ کچھ حاصل کر لیا جو گاندھی اور جناح اپنی مقبولیت اور اختیارات کے انتہائی عروج کے وقت بھی حاصل نہیں کر پائے تھے۔ اس نے کم از کم وقتی طور پر ایک ایسے ملک کو جس کے زخموں سے ابھی فرقہ واریت کا خون بہہ رہا تھا‘ بائیکاٹ اور عدم تعاون کی متروکہ لاشوں کے درمیان نئے سرے سے سانس لینے کا موقع فراہم کر دیا۔ گاندھی‘ جناح‘ موتی لال‘ جواہر لال‘ بلکہ عمر رسیدہ خاتون اینی بیسنٹ کو واحد ملک گیر قومی تحریک میں متحد کر دیا جس کا مقصد برکن ہیڈ‘ سائمن اور اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ کمپنی کو‘ جس کی وہ نمائندگی کرتے تھے‘ مسترد کرنا تھا۔

آٹھواں باب — کلکتہ (۱۹۲۸ء)

جناح کو خوش مزاجی سے محرومی کا احساس ۱۹۲۸ء کے اوائل میں ہوا حقیقت میں احساس کئی سال پہلے ان کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ ان کے لئے خوشی کا وقفہ قدرت کی خصوصی عنایت و نوازش تھی۔ سال کے اختتام تک ہندو مسلم اتحاد کا وہ قلعہ جس کی بنیاد فرقہ وارانہ بد اعتمادی، رشک و شبہ کی متزلزل دیواروں پر رکھی گئی تھی‘ مایوسی اور بے اطمینانی کی لہروں سے زمیں بوس ہو گیا۔ بچے دل سے واپسی کی کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ناگپور سے قبل کی فرحت بخش ہوا کے دوبارہ چلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ برکن ہیڈ نے اپنی عاقبت نا اندیشی سے تمام ہندوستان کی تحقیر کا سامان پیدا کر کے انہیں اکٹھا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک بالکل عارضی اور وقتی سراب تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے انگریز کی خود پسندی نے کانگرس میں ان کے رفقائے کار کے ساتھ آویزش کو اچانک کم کر دیا ہے۔

کلکتہ سیشن سے فارغ ہو کر جناح فوراً بمبئی پہنچے تاکہ لوگوں کو سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے لئے منظم کیا جا سکے۔ مقامی سطح پر جو بائیکاٹ کمیٹی تشکیل دی گئی اس کی صدارت جناح کے حصے میں آئی اور ان کے معاون

چھاگلا کو سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ چھاگلا لکھتا ہے:

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ

"جہاں تک کمیشن کے بائیکاٹ کا تعلق تھا' جناح چٹان کی طرح مضبوط تھے۔ کمیٹی کے سامنے تجویز پیش کی گئی تھی کہ بائیکاٹ صرف سیاسی لحاظ سے کیا جائے' سماجی طور پر نہیں۔ جناح نے اس سے بالکل اتفاق نہیں کیا۔ وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی نہیں ہٹے۔ ان کا استدلال یہ تھا "بائیکاٹ' بائیکاٹ ہوتا ہے۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل و کامل ہونا چاہئے"۔ بائیکاٹ مہم کے سلسلے میں ہم نے کئی اجلاس منعقد کئے۔ چوپاٹی کے میدان میں ایک بڑا جلسہ عام بھی منعقد ہوا"۔

سائمن اپنے کمیشن کے ساتھ ۳ر فروری ۱۹۲۸ء کو ساحل بمبئی پر اترا۔ جناح کا بائیکاٹ ہر لحاظ سے موثر رہا۔ گاندھی نے اس کامیاب بائیکاٹ کے منتظمین کو دلی مبارک کا خط لکھا۔ لبرلز' انڈی پینڈنٹس اور کانگرسی سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ برکن ہیڈ نے سائمن کو لندن سے روانگی کے موقع پر بریف کیا تھا۔ اگلے دن اس نے وائسرائے اِرون کو یاد دلانے کے لئے لکھا:

"ہم نے بائیکاٹ کا توڑ کرنے کے لئے ہمیشہ بائیکاٹ نہ کرنے والے مسلمانوں' پسی ہوئی برادری' کاروباری حلقوں اور دوسرے عوامل پر انحصار کیا ہے۔ آپ اور سائمن اس کا بہتر اندازہ کرسکتے ہیں کہ آیا مخالفت کی دیوار میں شگاف ڈالنے کے لئے ایسی جہتوں میں کام کرنا قرین مصلحت ہے یا نہیں؟"

دفتری حکومت نے جب یہ دیکھا کہ بائیکاٹ کی مہم قومی سطح پر برکن ہیڈ کے اندازے سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوئی ہے تو وہ بوکھلا کر رہ گئی۔

اس بائیکاٹ میں برکن ہیڈ نے جناح کے کردار کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے ان کو سب سے الگ کر کے کمیشن سے کہا تھا:

"سائمن کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ تمام مراحل میں ایسے اہم لوگوں سے ملاقات کرے جو بائیکاٹ میں شامل نہیں ہیں"۔ اس نے اِرون پر زور دیا "خصوصاً مسلمانوں اور پسے ہوئے طبقوں سے۔ میں نمائندہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کی وسیع پیمانے پر تشہیر کراؤں گا"۔

اس کے بعد اس نے ایک انگریز اہلکار کی بدترین الفاظ میں تحریر کردہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا اعلان کیا' جس میں نصیحت کے طور پر کہا گیا تھا "سائمن کمیشن کا مقصد بظاہر ہندوؤں کی کثیر آبادی کو ان خدشات سے "خوفزدہ" کرنا ہے کہ مسلمان کمیشن پر چھا گئے ہیں۔ وہ ایسی رپورٹ پیش کرے گا جو ہندوؤں کی پوزیشن کے لئے یکسر ہلاکت خیز ہوگی اس کے ذریعے جناح کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلمانوں کی ٹھوس امداد حاصل کی جائے"

آل پارٹیز کانفرنس

۱۲ر فروری کو جناح دہلی میں ایک کل جماعتی کانفرنس میں شریک ہوئے' جس کی صدارت کانگرس کے صدر حکیم انصاری نے کی۔ موتی لال' جواہر لال' لاجپت رائے' مالویہ اور جیکار سمیت اکثر و بیشتر سیاسی لیڈر موجود

تھے' البتہ گاندھی نہیں آئے۔ وہ اپنے سابرمتی آشرم سے نہیں نکلے' کیونکہ وہ دستوری منصوبہ بندی پر زیادہ یقین نہیں رکھتے تھے۔ یہ کانفرنس اس لئے بلائی گئی تھی کہ سائمن اور دوسرے حلقے جو آئینی فارمولا پیش کریں' تمام ہندوستانیوں کی طرف سے اس کے مقابلے میں واحد متبادل فارمولا پیش کیا جاسکے۔ کانفرنس میں سب سے پہلے جو مسئلہ زیر بحث آیا' وہ یہ تھا کہ "آئین میں کس منزل مقصود کو مرکز توجہ بنایا جائے"۔ تجویز کیا گیا کہ آئین میں ڈومینین طرز کی حکومت کے قیام کو اصل مقصد قرار دیا جائے۔ بعض ممبران کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ کانگرس نے آزادئ کامل کو اپنی منزل ٹھہرایا ہے' ہمیں اس سے کمتر منزل پر راضی نہیں ہونا چاہئے۔

جواہر لال نہرو اور کانگرس کے ایک سابق صدر سری نواس آئنگر آخر الذکر گروپ کے ساتھ تھے۔ اس نکتہ پر موتی لال نہرو اور جناح کو ان سے قدرے اختلاف تھا۔ آخر میں جس فارمولے پر اتفاق رائے ہوا' وہ یہ تھا کہ "مکمل خود مختار حکومت کے لئے دستور تیار کیا جائے"۔ مسلمانوں کی نمائندگی اور حقوق کا مسئلہ بڑی آسانی سے طے پا گیا۔ اگرچہ تو تکار ایک ہفتے تک جاری رہی۔ جواہر لال نے گاندھی کے نام مراسلے میں لکھا: "رسہ کشی میرے لئے ناقابل برداشت تھی' اس لئے میں دنگا فساد سے بچتے ہوئے وہاں سے کھسک آیا"۔

جناح نے آخر تک پرامید رہنے کی کوشش کی۔ کانفرنس کے اختتام سے قبل دہلی میں اسمبلی کا بجٹ سیشن شروع ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے آزاد ساتھیوں کو "اتحاد کی ایک اپیل" پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کر لیا' جو خود انہوں نے لکھی تھی۔ دس دن تک بے کار بحث ہوتی رہی' بہرحال کانفرنس مسلمانوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کئے بغیر ختم ہو گئی۔ جیکار' مالویہ اور لاجپت رائے جداگانہ انتخاب کو یکسر ختم کرنا چاہتے تھے۔ جناح اس کے بدلے میں آئینی تبدیلیوں کا مطالبہ کر رہے تھے' لاجپت رائے انہیں قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ جداگانہ انتخاب کے بارے میں جناح کی پوزیشن ہمیشہ سے واضح اور دوٹوک رہی۔ وہ اس کے ذریعے ایک طرح کا تحفظ اس وقت تک کے لئے چاہتے تھے جب تک مسلمان سیاسی لحاظ سے کمزور اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ رہیں تاکہ بتدریج ہندوؤں کے برابر آسکیں۔ بہرحال مسلمانوں کو معقول تحفظ اور آئینی اثر و رسوخ کی فراہمی کا یقین دلانے کے کئی طریقے تھے تاکہ ایسے ایجابی عمل کی بیساکھیوں کو ناگزیر بنا دیا جائے۔ جناح نے ایسی تجاویز ۱۹۲۷ء میں مرتب کر کے پیش کر دی تھیں۔ ان تجاویز کو مسلم لیگ نے' جو ابھی دو گروپوں میں نہیں بٹی تھی' مارچ میں منظور کر لیا اور کانگرس نے مئی میں پوری طرح ان کی منظوری دے دی۔

چودہ نکات

"دہلی مسلم تجاویز" جیسا کہ انہیں موسوم کیا گیا' مخلوط انتخاب پر بعض شرائط کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ یہ بڑی مشروط رعایت اور بعد میں آنے والی تجاویز میثاق لکھنؤ کی طرح' جناح کے آئینی ماہرانہ دماغ کی بے نظیر تخلیق تھیں۔ حقیقت میں انہوں نے ۲۹ سرکردہ مسلم قائدین کو' جن میں سر شفیع اور عبدالرحمٰن جیسے رجعت پسند شامل تھے' جداگانہ انتخاب کا اصول' جو کہ ہمیشہ مسلم لیگ کی پالیسی کا بنیادی پتھر رہا' ترک کرنے پر آمادہ کر لیا' جس سے اکیلے مسلمانوں کو یہ حق مل گیا کہ مسلمان امیدواروں کو ووٹ دے سکیں اور جملہ مسلم سیاستدانوں کو مجبور کر سکیں کہ وہ آئندہ انتخابی معرکوں میں اپنے حلقے کے سارے مسلمان ووٹروں سے اپیل کریں۔ مسلمان

امیدواروں کی ایک خفیف سی تعداد کو اب بھی ان تمام صوبوں سے انتخاب لڑنا تھا' جہاں مسلمان اقلیت میں تھے جیسا کہ میثاق لکھنؤ کے تحت طے پایا تھا' تاہم ہندو ممبروں کی اتنی ہی تعداد کو مسلم اکثریت کے صوبوں سے منتخب ہونا تھا۔ چونکہ ہر امیدوار مجبور تھا کہ حمایت حاصل کرنے کے لئے مشترک رائے دہندگان سے اپیل کرے' اس لئے ان سب کے لئے نرم رویہ اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ ایسی سکیم کے تحت منتخب ہونے والے جملہ مسلم امیدوار یا تو کانگرسی ہوتے یا خلافتی' مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ شاذ ہی جیتتا۔ یہ ایک فراخدلانہ سیاسی رعایت تھی جو ثابت کرتی ہے کہ قومی اصولوں اور مکمل آزادی کی منزل تک پہنچانے والی جدوجہد کے ساتھ جناح کا لگاؤ کتنا بے لوث اور بیباکانہ تھا۔

انہوں نے بدلے میں جو آئینی مراعات مانگی تھیں' وہ کسی لحاظ سے کمتر نہ تھیں۔ ان کے ذریعے مسلمان اکثریت کو تین مکمل صوبوں (سندھ' سرحد اور بلوچستان) کا کنٹرول حاصل ہو جاتا۔ نیز پنجاب اور بنگال میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے وہ کنٹرول مل جاتا' جس کے وہ مستحق تھے۔ سندھ اس وقت تک انتظامی لحاظ سے بمبئی کے زیر انتظام تھا' جس کا تاریخی' جغرافیائی' مذہبی یا اخلاقی وجوہ سے کوئی جواز نہیں تھا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان انگریزوں کی نظر میں بہت زیادہ پسماندہ اور قبائلی نظام میں جکڑے ہوئے تھے اور شورش پسند تھے' انہیں مکمل صوبائی درجہ حاصل نہیں تھا' اس لئے ان کا انتظام مرکز کی طرف سے مقرر کردہ فوجی حکام' اسمبلیوں کے بغیر چلا رہے تھے۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے بعد سے پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں نے واضح اکثریت حاصل کر لی تھی! تاہم اسمبلیوں میں ان کی تعداد میں اس نسبت سے اضافہ نہیں ہوا ۔ اس طرح جناح کی تجاویز سے منتخب مسلمان نمائندوں کو پانچ صوبائی حکومتوں میں اکثریتی کنٹرول حاصل ہو جاتا۔ آخری مطالبہ یہ تھا کہ مرکزی مجلس دستور ساز میں مسلمانوں کی کم از کم ایک تہائی تعداد کا انتخاب بھی مخلوط رائے دہندگان کو کرنا چاہئے۔

جناح نے ۱۹۲۸ء کا ماہ فروری ختم ہونے سے پہلے ہی بھانپ لیا کہ مہاسبھا کے دباؤ میں آکر کانگرس اس منظوری کو واپس لینے پر مجبور ہو گئی ہے جو اس نے گزشتہ مئی میں آئینی سمجھوتے کے سلسلے میں دی تھی۔ بہرحال انہیں مارچ میں بجٹ سیشن کے ختم ہونے تک دہلی میں رکنا پڑا۔ انہوں نے لیگ کونسل کو اپنا ہم خیال بنا لیا' جس نے باضابطہ صورت میں اس بات پر "افسوس کا اظہار کیا کہ ہندو مہاسبھا نے عملاً لیگ کی تجاویز مسترد کر دی ہیں" اپنے اہل وطن کی یہ آنکھیں کھول دینے والی تنگ نظری اور تعصب سے مجبور ہو کر' جناح نے مدد کے لئے اروِن کی طرف دیکھا۔ ان کا دبلے پتلے اور طویل عرصے سے بیمار وائسرائے کے ساتھ گزشتہ دو مہینوں میں اسمبلی کے اندر بڑا قریبی رابطہ رہ چکا تھا اور وہ اروِن کی ذہانت' مستعدی اور دیانتداری کے قائل ہو چکے تھے۔ کل جماعتی کانفرنس کا "ہنگامہ" جتنی دیر تک جاری رہا' وائسرائے کے سرد لیکن ضرورت کے مطابق معقول رویے نے جناح کو بڑا متاثر کیا۔ بالآخر مارچ میں انہوں نے وائسرائے سے ملاقات کی اور آئینی بحران سے نکلنے کی دو تجویزیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ سائمن کمیشن کو ایک مخلوط کمیشن میں تبدیل کیا جائے' دوسری یہ کہ ہندوستانیوں پر مشتمل ویسے ہی اختیارات کا حامل ایک اور کمیشن مقرر کیا جائے۔ اروِن کو یہ خیال بڑا پسند آیا' کیونکہ جناح نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ کسی طرف سے نکتہ چینی ہوئی تو وہ خود اس سے نمٹ لیں گے۔ بہرحال برکن ہیڈ نے ایسی تبدیلیاں کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی اس ہٹ دھرمی پر قائم رہا کہ کسی ہندوستانی سیاستدان کی تجویز کو سنجیدگی سے نہ لیا جائے۔ جناح ایک دفعہ پھر موثر اتحادیوں کے تعاون سے محروم

ہو گئے۔

رتی کے آخری ایام

۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو وہ تھکے ماندہ اور قدرے بددل ہو کر اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ ساؤتھ کورٹ میں رتی ان کی منتظر نہیں تھی' وہ تاج محل ہوٹل میں منتقل ہو چکی تھی اور وہاں ایک مہینے سے کرائے کے کمرے میں رہ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک چھت تلے اکٹھے نہ ہو سکے۔ کانجی کے ساتھ اس کا رابطہ اب بھی قائم تھا اور وہاں سے خط لکھتی رہتی تھی۔ چنانچہ ۳۰ مارچ کے خط میں لکھا "آج میں دوپہر کے اڑھائی بجے واپس آئی"۔ ۱۰ اپریل کو وہ اپنی والدہ کے ہمراہ بحری جہاز سے پیرس روانہ ہو گئی۔ ایک ماہ بعد جناح نے بھی ایس۔ ایس راجپوتانہ کے ذریعے پیرس کا سفر اختیار کیا۔ سری نواز آئنگر اور دیوان چمن لال بھی ان کے ہمراہی تھے۔ چمن لال جنیوا میں آئی ایل او کے ایک اجلاس میں شرکت کرنے جارہے تھے۔

شک وشبہ سے بالا خلوص

"میں نے جناح کو واضح طور پر غصے اور طیش کی حالت میں پایا۔ سندھ نیز صوبہ سرحد میں اصلاحات اور سیٹوں کے تحفظ کے ذریعے اکثریت کی نمائندگی سے متعلق چھوٹے موٹے اختلافات کا حل تلاش کرلیا گیا تھا' لیکن یہ سب اتفاق کے عارضی مواقع ثابت ہوئے۔ جناح کہتے ہیں مجھے تین لیڈر دے دیجئے جو اس متحدہ پروگرام میں میرے ساتھ شامل ہوں' جس کی منظوری دہلی میں دی گئی تھی' پھر آپ دیکھیں گے کہ سوراج محض ایک خواب نہیں رہے گا' بلکہ سیاسی حقیقت کے طور پر آپ کے سامنے ہوگا۔ وہ واضح طور پر دل شکستگی کی حالت میں ہیں' وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں' جو دل میں کینہ رکھنے کے ذاتی محرکات یا ذاتی مقاصد کے حصول میں کوشاں نہیں ہوتے' ان کا خلوص شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ تنہا انسانوں میں سے ایک ہیں"۔

اس سال گرمیوں میں جناح کو لندن میں کوئی سرکاری کام نہیں تھا' تاہم وہ پرانے لبرل اور لیبر ساتھیوں سے ملے' جن میں رامزے میکڈونلڈ اور لارڈ ریڈنگ بھی شامل تھے۔ بعدازاں وہ آئرلینڈ کے ہندوستان نواز ممبر پارلیمنٹ فینز براکوے کی دعوت پر ڈبلن گئے۔ وہیں انہیں رتی کے بارے میں پیرس سے چمن لال کا خصوصی پیغام ملا' جس میں کہا گیا تھا "اسے ۱۰۶ درجے کا بخار ہے اور بے ہوشی کی حالت میں ہے"۔ جناح فوراً پیرس پہنچے' جارج پنجم ہسپتال میں چیک کرانے کے بعد انہوں نے رتی کی والدہ سے بات کی' جس نے بتایا کہ اب اس کی حالات "بہتر" ہے۔ اتنی دیر میں چمن لال' ہسپتال سے تازہ ترین خبر لے آیا کہ "وہ قریب المرگ ہے"۔

"یہ سن کر جناح چند منٹ کے لئے سکتے میں آ گئے۔ پہلے انہوں نے خود کوشش کی' پھر مجھے کہا کہ کلینک میں فون کر کے اس سے رابطہ قائم کروں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے انچارج نرس سے بات کی' جس نے میری خبر کی تصدیق کی۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے انہوں نے کہا: "آؤ ہم اس کے پاس چلیں۔ ہمیں اسے بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے"۔ میں انہیں کلینک میں چھوڑ کر چلا آیا' جہاں وہ قریباً تین گھنٹے رہے۔ جب وہاں سے

لوٹے' تو ان کے چہرے سے بے چینی کے آثار غائب ہو چکے تھے۔ انہوں نے اسے نئے کلینک میں داخل کرا دیا اور علاج کے لئے نئے ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا۔ اس طرح سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ تاہم افسوس ہے کہ مسز جناح

تندرست ہونے کے بعد اپنے شوہر کے پاس نہیں ٹھہری' وہ ان سے پہلے بمبئی پہنچ گئی۔ میرے خیال میں ان کی دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی"۔

نہرو رپورٹ

جن دنوں جناح ملک سے باہر تھے' کانگرس کے صدر ڈاکٹر انصاری نے ۱۸ر مئی کو بمبئی میں ایک اجلاس کی صدارت کی' جس میں دہلی کی کل جماعتی کانفرنس کے بعض ممبران شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ موتی لال نہرو کی سربراہی میں ایک "کمیشن" قائم کیا جائے جو یکم جولائی تک ایک قومی دستور کا مسودہ مرتب کرے گا۔ یہ کمیشن جو کانگرس نے سائمن کمیشن کے جواب میں مقرر کیا تھا' اسی طرح غیر موثر ثابت ہوا۔ اس نے مذاکرات تو مکمل کر لئے' تاہم مسلمانوں کے با اثر نمائندے اس سے الگ تھلگ رہے اور یہ کمیشن مسلم ہندوستان کے سرکردہ رہنماؤں کی حمایت حاصل کرنے میں اسی طرح ناکام و نامراد رہا جیسے سائمن کو ہندوستان میں بحیثیت مجموعی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ نہرو کمیشن اپنا کام بروقت نہ کر پایا' کیونکہ موتی لال کانگرسی سیاست میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ وہ گاندھی کے ایماء پر کانگرس کی صدارت کا "تاج" حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ وہ مذکورہ تاج اپنے سر کے بجائے جواہرلال کے سر پر سجانا چاہتے تھے' تاہم دسمبر میں انہیں وہ تاج اپنے ہی سر پر رکھنا پڑا' ورنہ ان کا خاندان سرے سے اس اعزاز سے محروم ہو جاتا۔

نہرو کمیشن کا اجلاس اگست کے آخری ہفتے میں لکھنؤ میں ہوا تاکہ موتی لال اور جواہرلال نے الہ آباد میں جو تجاویز مرتب کی تھیں' ان کی روشنی میں ایک رپورٹ تیار کی جا سکے۔ موتی لال نے کوشش کی کہ جناح کے اعتراضات کا پہلے سے اندازہ کر لیا جائے اور ایسی پوزیشن اختیار کی جائے جو زیادہ کٹھن مسائل میں ان کے لئے قابل قبول ہو۔ موتی لال نے چھاگلا کو لکھنؤ بلایا' جہاں سروجنی نائیڈو' مسز اینی بیسنٹ' موتی لال' جواہر لال نیز تیج بہادر سپرو سے' جو ان دنوں نیشنل لبرل فیڈریشن کے سربراہ تھے' ملاقات کر سکے۔ چھاگلا نے لکھا ہے: "میرا خیال ہے رپورٹ کی تیاری میں میرا اہم حصہ یہ تھا کہ میں مخلوط انتخاب کی بابت اپنے یقین پر مضبوطی سے قائم رہا"۔ موتی لال نے ایک مرحلے پر سوچا تھا کہ اقلیتوں سے رپورٹ منظور کرانے کے لئے ہمیں جداگانہ انتخاب پر متفق ہو جانا چاہئے۔ میں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "ہم یہ آئین حال کے لئے نہیں' بلکہ مستقبل کے لئے وضع کر رہے ہیں (اس وقت چھاگلا کی عمر ۲۷ برس تھی) یہ ایک ایسی دستاویز ہو گی' جس کی بابت توقع کی جاتی ہے کہ تادیر باقی رہے گی' اس لئے ہمیں اس میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں کرنی چاہئے جو قومی مفاد کے منافی محسوس ہو"۔ آخر کار موتی لال مان گئے۔ چھاگلا نے لکھنؤ میں مسلم لیگ کی طرف سے رپورٹ منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔ جناح بیرونی دورے سے بمبئی پہنچے تو ان کا معاون (چھاگلا) خوش آمدید کہنے کے لئے بندرگاہ پر موجود تھا۔ اس نے مسٹر جناح کے کیبن سے باہر آنے کا انتظار بھی نہ کیا اور وہیں رپورٹ کی منظوری سے متعلق "خوشخبری" جا سنائی۔ جناح یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانے کے بجائے انہوں نے کہا: "ہم فیصلہ محفوظ رکھتے ہیں اور رپورٹ پر لیگ کے باقاعدہ اجلاس میں غور کریں گے"۔ جناح کسی حال میں نہرو رپورٹ کی کسی ایسی تجویز کو' جس کی رو سے گزشتہ برس کی دہلی مسلم تجاویز میں طے کردہ "ہندو پوزیشن" سے ان کو کچھ زیادہ

ملتا ہو ' قبول نہیں کر سکتے تھے۔
نہرو رپورٹ نے اصولاً جمہوری ہونے کے باوجود بنیادی طور پر میثاق لکھنؤ کی تردید کی اور مسلمانوں کے لئے اس کے عوض کسی قسم کے تحفظات پیش نہیں کئے۔ رپورٹ میں فرسودہ نصائح شامل تھے۔ مثال کے طور پر "فرقہ وارانہ رائے دہندگی ختم کرنے کا مقصد فرقہ وارانہ اتحاد کو فروغ دینا ہے' جس کی صورت یہ ہوگی کہ انتخاب کے موقع پر ہر قوم کم و بیش دوسرے کی محتاج ہوگی"۔ ایسے الفاظ ان لوگوں کو بدنیتی اور زمانہ سازی پر مبنی محسوس ہوئے' جو برسوں سے تشدد اور فرقہ وارانہ تعصبات کی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ نہرو رپورٹ کی بابت ان کا پہلا بیان اکتوبر کے آخر میں منظر عام پر آیا "آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے میری پوزیشن ایسی ہے کہ لیگ کے فیصلوں سے پہلے مجھے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتی"۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ "وہ ہوشیار ہو جائیں' مجھے مایوس یا ہراساں ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مسلمان خود کو منظم کریں' متحد ہو جائیں' انہیں اپنی قوم کے تحفظ کے لئے ہر معقول بات پر زور دینا چاہئے"۔
جناح کے اس بیان کی اشاعت سے اگلے دن موتی لال نے انہیں دعوت دی کہ وہ کمیٹی میں شامل ہو کر دہلی میں ہونے والے اجلاس میں شرکت کریں۔ جناح نے موتی لال کی دعوت قبول نہیں کی۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ "نہرو تجاویز پر غور کرنے کے لئے مسلم لیگ کا کوئی اجلاس نہیں ہو سکا ہے' اور بحیثیت صدر میرے لئے مناسب نہیں کہ اس کے فیصلوں کا پیشگی اظہار کر سکوں"۔ مذاکرات کے لئے یہ ان کی سب سے زیادہ موثر تکنیک تھی' جس میں اس کی منفرد قوت کا راز پنہاں تھا' کیونکہ ان کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ جب کبھی کسی پیشکش کی شرائط سے ناخوشی محسوس کرتے تو پوری جماعت کی قوت اپنی مٹھی میں جمع کر لیتے۔ اس وقت وہ سندھ روانہ ہونے والے تھے تاکہ وہاں ایک دولت مند اور طاقتور مسلمان پیر کے مقدمے میں صفائی کا چارج سنبھال سکیں۔

پیر پگاڑا کے مقدمے کی پیروی

پیر پگارا کو اسلحے کی بھاری تعداد ناجائز طور پر قبضے میں رکھنے کے الزام میں سکھر جیل میں قید کر دیا گیا تھا۔ ان کے مقدمے کی سماعت سکھر کے ایک خصوصی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی۔ جناح نے وہاں گورنمنٹ سرکٹ ہاؤس میں قیام کیا جو ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع شہر کی واحد اقامت گاہ تھی' جہاں سے دریائے سندھ اور سکھر کا عظیم الشان بیراج کا نظارہ بڑا لطف دیتا تھا۔ ان کی فیس ۵۰۰ روپے یومیہ تھی جو اس زمانے میں بڑی معقول سمجھی جاتی تھی۔ مجسٹریٹ نے پیر پگارا کو سزایاب کر دیا۔ جناح نے دو سال بعد اپیل دائر کی تو ان کے موکل کی سزا میں تخفیف کر دی گئی۔
جن دنوں جناح سندھ میں مقیم تھے' دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ ان کی ملاقات نوجوان محمد ایوب کھوڑو سے ہوئی' جو اس زمانے میں پیر پگارا کی خدمت کر رہا تھا' اور وہ آزاد پاکستان میں سندھ کا پہلا وزیر اعلیٰ بنا۔ دوسرے ریاست خیرپور کے نواب سر حاجی ہارون نے' جو اسمبلی میں جناح کی آزاد پارٹی کے رکن تھے' خیرپور ہاؤس میں ان کے اعزاز میں ضیافت دی' جس میں جناح نے انتہائی جدید فیشن کے مطابق کالی شیروانی' چوڑی دار پائجامہ اور پمپ شوز پہن کر شرکت کی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے سندھ کے ممتاز مسلمانوں سے

خطاب کیا۔ ان میں سے بعض عمر بھر کے لئے ان کے مضبوط ترین حامی اور مددگار بن گئے۔

راستے الگ ہوتے ہیں

سندھ چھوڑنے سے پہلے ۸ر نومبر کو انہوں نے مقامی لیگیوں کے ساتھ نہرو رپورٹ کے بارے میں اپنی تشویش پر کھل کر بات چیت کی۔ وہ دسمبر میں کلکتہ جانے والے تھے' تاہم انہوں نے بالکل بچی پیش گوئی کی جو بعد میں درست نکلی۔ "ہو سکتا ہے اس کنونشن کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہو جائیں"۔ کیا انہوں نے کلکتہ کے دسمبر میں ہونے والے کنونشن سے پہلے ہی بچ بچ تہیہ کر لیا تھا کہ اب ایسے "دستوری حل" کی تلاش میں جو ہر طبقہ' قوم اور مذہبی گروہ کے لئے قابل قبول ہو' اندرون ملک کل جماعتی سطح پر بھاگ دوڑ ترک کر دی جائے؟ کیا وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ مسلم لیگ کے لئے یہ بات زیادہ نفع بخش اور کم نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ تنہا انگریزوں سے مذاکرات کرے؟ آخر کار کل جماعتی کانفرنس میں اتنا وقت صرف کرنے کا ماحصل کیا تھا؟ کیا اب وہ اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر پانچ سال پہلے کی بہ نسبت کسی معاملے میں اتفاق رائے کے زیادہ قریب آ گئے تھے؟ اپنی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کے ساتھ ممکن ہے انہوں نے اس بات پر زیادہ توجہ سے غور کیا ہو کہ ہزاروں چیختے چلاتے مندوبین کے ساتھ' جن میں سے بعض انگریزی زبان بولنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے تھے اور زیادہ تر کوئی قانونی دستاویز ملاحظہ کرنے کے اہل نہیں تھے' طویل ملاقاتیں اور جلسے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں' نہ ہی اب وہ جسمانی طور پر زیادہ طاقتور تھے' ان کی عمر ۵۲ سال سے تجاوز کر چکی

اوائل نومبر میں لیگ کونسل کا اجلاس جناح کی حسب منشا کامیاب نہیں رہا۔ انہیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ ان کے بعض بہت اچھے ساتھی نہرو رپورٹ پر اتنے فریفتہ تھے کہ انہیں رائے شماری کرانے کی جرات نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ راجہ آف محمود آباد جو اس سال کے لئے مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو چکے تھے نہرو رپورٹ کو پسند کرتے اور اسے قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ چھاگلا بعض لوگوں کو اپنا ہمنوا پا کر بے حد خوش ہوا۔ اسے توقع تھی جناح اپنے پہلے ردِّعمل پر دانشمندی سے نظرثانی کریں گے' لیکن جناح اپنی مخالفت پر قائم رہے' وہ اسے محض ایک "ہندو دستاویز" کی نظر سے دیکھتے تھے۔

موتی لال' ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھنؤ میں جناح سے ملاقات کی اور انہیں دعوت دی کہ وہ نہرو کمیٹی کی خصوصی میٹنگ میں شرکت کریں تاکہ دسمبر میں کانگرس اور لیگ کے سیشن سے قبل' نیز کلکتہ کے مجوزہ آل پارٹیز کنونشن سے پیشتر فرقہ وارانہ مسائل پر کوئی مصالحتی فارمولا وضع کر سکیں --- لیکن جناح نے یہ دعوت ٹھکرا دی۔ وہ اب بھی اس رائے پر قائم تھے کہ پہلے لیگ کا اجلاس ہو اور وہ اپنا باقاعدہ موقف اختیار کرے۔ انہوں نے موتی لال سے کہا کہ مجوزہ کنونشن اگلے سال کے شروع تک ملتوی کر دیں تاکہ کانگرس اور لیگ اپنے سالانہ اجلاس سے فارغ ہو کر اس طرف توجہ دے سکیں۔ اس کے بعد وہ بمبئی چلے گئے اور ۲۳ر نومبر کو ہونے والے لیگ کے صوبائی اجلاس کی تیاریوں میں لگ گئے۔ انہیں امید تھی کہ اپنے شہر میں وہ ضرور اکثریت کی حمایت حاصل کر لیں گے' لیکن وہاں چھاگلا نے اپوزیشن کی طرف سے اتنی اثر آفریں تقریر کی کہ اجلاس کا رنگ ہی بدل گیا۔ جناح کو ووٹنگ کی ہمت نہ ہوئی اور انہوں نے فوراً اجلاس ملتوی کر دیا۔ کیا انہیں

اندازہ ہوگیا تھا کہ اس مسئلے میں ان کی اپنی جماعت کی اکثریت ان کے خلاف ہے اور معمولی اقلیت ان کی ہمنوا ہے؟ جناح روز بروز زودرنج' تنہائی پسند اور مایوس ہوتے جا رہے تھے۔

موتی لال نے لکھنؤ میں جناح کے ساتھ ملاقات کے بعد اپنی کمیٹی کے نام ایک "خفیہ" مکتوب میں لکھا "جناح نے کنونشن کے مسلم لیگ کے اجلاس سے پہلے انعقاد پر اس لئے اعتراض کیا ہے تاکہ کنونشن میں لیگ کی نمائندگی کا اختیار حاصل کیا جا سکے۔ میں یہاں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کمیٹی کی رپورٹ اور لکھنؤ میں کئے گئے فیصلوں پر غور کیا جاتا تو (مسلم لیگ کونسل) کی اس سے بھی زیادہ اکثریت انہیں منظور کر لیتی جتنی اکثریت نے راجہ آف محمود آباد کو اپنا صدر چنا تھا' توقع ہے کہ مسلم لیگ کے عام اجلاس میں بھی نتیجہ ایسا ہی نکلے گا"۔

ایسا لگتا ہے موتی لال کو جناح کی مسلم لیگ میں خستہ پوزیشن سے پوری طرح باخبر کر دیا گیا تھا' اس لئے انہوں نے جناح کے مطالبات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا' بصورت دیگر وہ ایسی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ موتی لال نے جناح کی دب کر پھر سے ابھرنے کی صلاحیت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ یہ ایک ہلاکت آفریں غلطی تھی۔ نہ صرف ان کی رپورٹ کے حق میں بلکہ ان توقعات کے لئے بھی جو انہوں نے ہندوستان کو ایک متحدہ اکائی کی صورت میں برقرار رکھنے کے لئے قائم کر رکھی تھیں۔ آل انڈیا کنونشن حسب پروگرام ۲۲ر دسمبر کو کلکتہ میں شروع ہوا' لیکن مسلم لیگ کے مقرر کردہ نمائندے ۲۸ر دسمبر تک اس کے پرہجوم سیشن میں شرکت کے لئے نہیں پہنچے۔

کلکتہ سیشن سے خطاب

۲۶ر دسمبر کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں شروع ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا: "ایسے موقع پر جبکہ دونوں قوموں کے مابین اتحاد کی اشد ضرورت ہے' بعض قوتیں مسلمانوں کے مابین پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں"۔ ۲۷ر دسمبر کو رائے شماری کے بعد ۲۳ مندوبین کا انتخاب کیا گیا' کہ وہ کانگرس کے طلب کردہ کنونشن میں شرکت کر سکیں۔ اس وفد میں راجہ آف محمود آباد اور جناح کے علاوہ ۳۲ سالہ نوابزادہ لیاقت علی خاں بھی شامل تھے' جو بعد میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم بنے۔ نیز چھاگلا بھی جو ۶۷۔۱۹۶۶ء کے دوران بھارت کے وزیر خارجہ رہے۔ چھاگلا نے اپنی یادداشتوں میں بیان کیا ہے:

"جناح' نہرو رپورٹ کو یکسر مسترد کر دینے کے حق میں تھے۔ طویل بحث کے بعد آخر ہم تین اہم ترامیم پر متفق ہو گئے۔ اولاً یہ کہ جداگانہ انتخاب باقی رکھا جائے۔ دوسرے سنٹرل اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں مخصوص ہونی چاہئیں۔ تیسرے مابقیہ اختیارات صوبوں کو ملنے چاہئیں"۔

۲۸ر دسمبر کو جناح نے کنونشن میں مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ انہوں نے زور دے کر کہا: "مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین سمجھوتہ ہماری قومی ترقی کے لئے انتہائی اہم ہے اور یہ کہ تمام اقوام کو اس وسیع ملک میں دوستانہ اور صلح پسند جذبے کے ساتھ رہنا چاہئے"۔

الہ آباد کے تیج بہادر سپرو نے جو ماضی میں وائسرائے کی کونسل میں لاء ممبر رہ چکے تھے' جناح کی گزارشات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"اگر آپ اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ نامزد ممبران کو ملا کر مرکزی اسمبلی میں نمائندگی ۲۷ فیصد ہو جاتی ہے جبکہ مسٹر جناح ۳۳ فیصد کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں اپنے طور پر آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ مسٹر جناح کی تصویر کشی کریں' جنہیں میں گزشتہ ۱۵ سال سے جانتا ہوں۔ اگر وہ ایک بگڑا ہوا شریر بچہ ہے تو میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ جو کچھ وہ مانگتا ہے' اسے دے دو اور یہ جھگڑا ختم کرو"۔

بہرحال پونا کے ایم۔ آر۔ جیکار جو اسمبلی میں نیشنلسٹ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور کونشن میں مہاسبھا کے ترجمان کی حیثیت سے شرکت کر رہے تھے' سپرو کی طرح جناح کی نازبرداری کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"میں بھی پچھلے ۱۹ برسوں سے جناح کو بڑے قریب سے جانتا ہوں۔ میں نے قومی زندگی میں ایک رفیق کار کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج ہمارے سامنے وہ نہ تو ایک شریر بچے کی طرح آئے ہیں نہ بگڑے ہوئے بچے کی مانند۔ یاد رکھنے کی اہم بات یہ ہے کہ معروف مسلم رہنماؤں مثلاً قابل صد احترام محب وطن مولانا ابوالکلام آزاد' ڈاکٹر انصاری' سر علی امام' راجہ صاحب محمود آباد اور ڈاکٹر کچلو نے نہرو رپورٹ میں شامل مصالحتی اصولوں کو منظور کر لیا ہے۔ مزید یہ کہ خود مسلم لیگ میں ممبران کی بڑی تعداد نے اس کے حق میں رائے دے دی ہے' اس لئے اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں یہ کہوں گا کہ مسٹر جناح مسلمانوں کی ایک معمولی سی اقلیت کی نمائندگی کرتے ہیں"۔

بلاشبہ جیکار کو خوب علم تھا کہ یہ بات مسٹر جناح کی انانیت اور حساس طبیعت کے لئے ایک زوردار طمانچہ ثابت ہوگی' چنانچہ ان کے اس بیان پر پرجوش تالیاں بجائی گئیں اور نعرہ ہائے تحسین بلند کئے گئے۔ جناح نے بڑی نرمی اور شائستگی سے جواب دیا۔ انہوں نے اپنے جذبات پر بے حد کنٹرول رکھتے ہوئے' جس کا مظاہرہ ناگپور کے بعد انہوں نے کبھی نہیں کیا تھا' تقریر کی اور کہا:

"ہم ایک بہت ہی سنجیدہ اور اہم کام میں مصروف ہیں۔ ہم یہاں' جیسا کہ میں سمجھتا ہوں' اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ ایک باضابطہ معاہدہ طے کریں۔ تمام جماعتیں جو اس میں شامل ہوں گی' انہیں اس کے لئے کام کرنا ہوگا۔ کیا آپ چاہتے ہیں مسلمانان ہند آپ کے ساتھ چلیں یا آپ نہیں چاہتے؟ اقلیت اکثریت کو کچھ نہیں دے سکتی' اس لئے مجھ سے یہ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ میں آپ کے بقول "چھوٹی باتوں" پر زور نہ دوں۔ میں ان تبدیلیوں کے لئے اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں "ایک شریر بچہ" ہوں' اگر یہ "معمولی نکات" ہیں تو آپ انہیں مان کیوں نہیں لیتے؟ میں اس تبدیلی کا مطالبہ اس لئے کر رہا ہوں کہ میرے خیال میں یہ مسلمانوں کے لئے بہترین اور منصفانہ ہے۔ ہم سب اس سرزمین کے فرزند ہیں' ہمیں اکٹھے رہنا ہے' اکٹھے کام کرنا ہے' خواہ ہمارے مابین کیسے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں' ہمیں اپنے درمیان مخاصمانہ جذبات کو راہ نہیں دینی چاہئے۔ اگر ہم اتفاق نہیں کر سکتے تو ہمیں باہم لڑنے کے بجائے دوستوں کی طرح جدا ہو جانا چاہئے۔ میری بات پر یقین کیجئے۔ ہندوستان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا' جب تک ہندو اور مسلمان متحد نہ ہوں۔ کسی منطق' فلسفہ یا دلیل کو مفاہمت کے راستے میں حائل نہ ہونے دیں۔ مجھے اس سے بڑھ کر کسی چیز پر خوشی نہیں ہوگی کہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد دیکھوں"۔

جناح نے غالباً بھانپ لیا تھا کہ وہ جس مجمع کو خطاب کر رہے ہیں' وہ لوگ دلائل سننے سے پہلے ہی ان کے خلاف اپنا ذہن بنا چکے تھے۔ یقیناً جب وہ اس فقرے پر پہنچے کہ "ہمیں دوستوں کی طرح جدا ہو جانا چاہئے" تو وہ ذہنی طور پر علیحدگی کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ یہ چیز جناح کی زندگی میں جدائی کا اہم نقطہ بن گئی۔ وہ کانگرس کی شاہراہ سے کٹ گئے' اور یہ اسی قسم کی صورت حال تھی' جس سے انہیں آٹھ سال پہلے ناگپور میں واسطہ پڑ چکا تھا۔ انہوں نے ہندوستانی نیشنلزم کے سامنے اپنا آخری نغمہ پیش کر دیا تھا۔ دادا بھائی نوروجی نے ویسٹ منسٹر کے دیوان عام میں اپنی آواز بلند کر کے جس چیز کا خواب دکھایا تھا' مارلے اور فیروز شاہ نے جس کی پرورش کی تھی' جسے گوکھلے اور مانٹیگو نے اپنی رہنمائی اور افکار سے مالا مال کیا تھا' بڑے قد و قامت والے ان تمام لبرل لیڈروں نے جو ترکہ چھوڑا تھا' آج اس کا جنازہ نکل گیا۔ ایکٹر وہ پیدائشی طور پر تھے' اس لئے اپنے پارٹ کے الفاظ بھرے ہوئے ہاؤس کے سامنے' اگرچہ وہ ہمیشہ موافق نہیں ہوتا تھا' اپنی سیاسی زندگی کے ہر ایکٹ کا پردہ گرنے سے پہلے' پڑھتے تھے۔ ناگپور میں ایک ایکٹ ختم ہوا تھا' کلکتہ میں دوسرا ایکٹ اختتام پذیر ہوا' اس دفعہ درمیان کا وقفہ خاصا لمبا؟

نواں باب   شملہ۔ (۱۹۲۹۔۳۰ء)

جناح نے اپنے گروپ کے ایک گرما گرم سیشن کے بعد جو کلکتہ کنونشن میں ہونے والی بحث کے بعد ہوا' لیگ کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ انہوں نے راجہ محمود آباد' چھاگلا اور اپنے دیگر نوجوان اتحادیوں نیز اہل بنگال کو پیچھے چھوڑا اور خود ٹرین کے ذریعے دہلی پہنچ گئے۔ یکم جنوری ۲۹ء کو دہلی میں ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس آغا خاں کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ سر شفیع اپنے پنجابی گروپ کے ساتھ پنڈال میں موجود تھے۔ باریش علماء اور جواہرات سے لدے پھندے مسلم نواب اور جاگیردار مسلم لیگ کے حلقہ میں رونق افروز تھے۔ جناح لال قلعہ کے میدان میں برپا اس کانفرنس میں دیر سے پہنچے تھے' ایک کونے میں اکیلے بیٹھ گئے۔ انقلاب پسند علی برادران بھی جلسہ گاہ میں تشریف فرما تھے۔ بہت سی مسلم ریاستوں کے حکمران بھی آئے ہوئے تھے۔ کیا یہ واقعی جناح کا اپنا گھر تھا؟ کیا حقیقی معنوں میں یہ ان کے اپنے عوام تھے؟

کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے آغا خاں نے لکھا ہے کہ "یہ ایک بہت بڑا اجتماع تھا جس میں ہر طبقہ فکر کے مسلم نمائندے موجود تھے۔ میں اس کے اہم اور دیرپا سیاسی فیصلوں کا سرچشمہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں' طویل' مفصل اور بے تکلف بحث کے بعد آخر کار ہم کئی اصولوں پر متفق ہو گئے' جو ہمارے منشور میں شامل کر لئے گئے۔ ان میں سے پہلا اصول یہ تھا کہ مسلمانان ہند کے لئے صرف ایسے وفاقی طرز کا نظام حکومت قابل قبول ہو گا جس میں صوبوں کو مکمل خود مختاری اور مابقیہ اختیارات حاصل ہوں۔ دوسرے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کی توثیق کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکزی و صوبائی حکومتوں نیز سول سروسز میں مسلمانوں کی شرح نمائندگی میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ابھی پاکستان نگاہوں سے اوجھل تھا' تاہم ایک کمزور فیڈرل ڈھانچے کے اندر اس کا ابتدائی ادھورا خاکہ موجود تھا۔ مسلم لیگ کے طاقتور شاہی مربی نے جسے پندرہ سال قبل فرقہ وارانہ جہاز سے پل کے نیچے پھینک دیا گیا تھا' مسلم ہندوستان کی باگ ڈور ایک بار پھر سنبھالی تھی' اس کی قوم

پرستی کے باغیانہ جذبے کو باہر کی دنیا میں بڑا پسند کیا جاتا تھا۔

ہزہائی نس آغا خان اپنی یادداشت میں مزید لکھتے ہیں۔ "کانفرنس میں اتفاق رائے خصوصاً بڑا نمایاں تھا۔ اس نے مسٹر جناح کی اپنے ساتھی مسلمانوں کی طرف سے واپسی اور ذہنی تبدیلی کی' جس کا طویل عرصہ سے انتظار کیا جا رہا تھا راہ ہموار کر دی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے کلکتہ کانگرس کے اجلاس میں شریک ہو کر آئے تھے اور وہاں یہ نتیجہ اخذ کر چکے تھے کہ کانگرس میں آل انڈیا سطح کی کسی دوسری پارٹی میں' جس پر ہندوؤں کا قبضہ ہو' ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اپنے نقطہ نظر سے متفق کر لیا تھا۔"

ہو سکتا ہے اپنی اس کامیابی پر آغا خان کا اظہار فخر و مسرت صحیح ہو۔ تاہم جناح ان کے حلقہ بگوش نہیں بنے' نہ ہی ان کے خوجہ مسلک کے قائل ہوئے۔ بہرحال آغا خان ــــ تائب ہو کر' پلٹنے والے رہنما کی قدر و قیمت سے بخوبی آگاہ تھے۔ میاں شفیع اور سر فضل حسین نے بھی جناح کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا وہ جیکار کی نادانستہ امداد کے بغیر اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ عوام کی رائے سے یوں "اعلانیہ" متفق نہیں ہوئے تھے۔ وہ انگریز نواز اور اس قدر رجعت پسند ٹیم کے بارے میں محبت و نفرت کے ملے جلے جذبات رکھتے تھے۔ آغا خان اور شفیع جیسے لوگوں کے ساتھ چلنے کے لئے یک دم مکمل واپسی اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے ــــــ غیر جانبداری کی منزل سے گزرنا ضروری تھا۔

رتی داغ مفارقت دے گئی

وسط جنوری تک وہ واپس بمبئی پہنچ گئے۔ رتی تاج محل ہوٹل میں واقعتاً بستر سے لگ گئی تھی۔ وہ بہت کم باہر نکلتی تھی۔ صرف کانجی کے ساتھ تھوڑی بہت بات چیت کر لیتی تھی۔ جناح اس کی مزاج پرسی کے لئے وہاں گئے۔ وہ یقیناً جان گئے تھے کہ رتی قریب المرگ ہے۔ کانجی مسلسل اس کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ اوائل فروری میں اسمبلی کا بجٹ سیشن شروع ہو گیا۔ جناح ہر شام کو تاج محل ہوٹل پہنچتے اور دونوں کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے۔ جیسا کہ "پہلے وقتوں میں" کیا کرتے تھے۔ کانجی کی سادہ لوحی نے باور کر لیا کہ دونوں میں مفاہمت ہو رہی ہے۔ تاہم یہ اسی قسم کی مصالحت تھی جیسی کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان ہوئی تھی۔ ۱۸؍ فروری ۱۹۲۹ء کو رتی کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس نے بڑی نقاہت کے ساتھ کانجی سے کہا "میری بلیوں کا خیال رکھنا' وہ کسی کو مت دینا۔" دو روز بعد جو کہ اس کی ۲۹ ویں سالگرہ کا دن تھا' رتی اس جہاں سے سدھار گئی۔

چمن لال' دہلی کی ویسٹرن کورٹ میں جناح سے ان کے کمرہ میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے رسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا "مسٹر جناح سے بات کرا دو۔" چمن لال نے رسیور انہیں دے دیا۔ فون سننے کے بعد انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ ٹرنک کال بمبئی سے تھی۔ رتی شدید بیمار ہے۔ میں آج رات روانہ ہو رہا ہوں۔" تھوڑے توقف کے بعد انہوں نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے ادھر سے کون بول رہا تھا؟" پھر خود ہی کہنے لگے۔ "وہ میرے سسر تھے۔ میری شادی کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ بات کی ہے۔" چمن لال نے مشورہ دیا کہ وہ رات کی بجائے اگلی صبح کو فرنٹیر میل سے جائیں۔ کیونکہ رات کی ٹرین ان کو جلدی نہیں پہنچائے گی۔ "وہ کس وقت بمبئی گئے؟ اس کا چمن لال کو علم نہیں ہو سکا۔

البتہ بعد میں ان پر یہ انکشاف ہوا کہ رتی محض بیمار نہیں تھی' اصل میں اس کا انتقال ہو چکا تھا۔

رتی کی تدفین ۲۲ر فروری کو بمبئی کے مسلم قبرستان میں عمل میں آئی۔ کانجی گرانٹ روڈ اسٹیشن پر ان سے آ ملا تھا۔ کار میں سفر کے دوران اس نے جناح کو قائل کرنا چاہا کہ "رتی لاش کے جلانے کے حق میں تھی۔" تاہم اسے مسلم رسوم کے مطابق دفن کیا گیا۔ یہ ایک دردناک منظر تھا۔ جناح مسلسل پانچ گھنٹے تک چپ چاپ غم کی تصویر بنے بیٹھے رہے۔ جب میت کو لحد میں رکھ دیا گیا' تو انہوں نے اٹھ کر سب سے پہلے قبر پر مٹی ڈالی۔ سسکیاں لیتے لیتے اچانک ان کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ کئی منٹ تک بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ ایم سی چھاگلا بھی وہاں موجود تھا۔ اس کی روایت ہے "واقعی ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ واحد موقع تھا جب میں نے جناح کو اس قسم کی انسانی کمزوری کا مظاہرہ کرتے دیکھا۔"

مارچ کے آغاز میں وہ دہلی اسمبلی میں واپس پہنچ گئے۔ یہاں انہیں موتی لال کی ایک کٹوتی تحریک کا جواب دینا تھا۔ جس کا تعلق وائسرائے کی کابینہ کے مصارف میں کمی سے تھا۔ اس تحریک کی منظوری دینے سے پہلے شکایات کا ازالہ کرنے کا آئینی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس طرح نہرو رپورٹ پر بحث کا دروازہ کھل گیا۔ رپورٹ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلافات طے نہیں ہو سکے۔ اس لئے ایک متفقہ دستور مرتب کرنے کا سوال خارج از بحث ہو گیا۔ جناح ایک بار پھر دوسرے گروپ سے مل گئے۔ موتی لال نے پوری کوشش کی کہ اس اعتراض کو دور کر لیا جائے۔ لیکن جناح پھر اپنے نکتہ پر آ گئے۔ انہوں نے رپورٹ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ انہوں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں۔ یہ رپورٹ میرے فاضل دوست کا پالتو بچہ ہے۔ لیکن میں غیر جانبداری کے ساتھ ٹھنڈے دل سے کہہ رہا ہوں اور انہیں احساس دلانا چاہتا ہوں' جتنی جلدی وہ اس بات کو تسلیم کر لیں' اتنا ہی بہتر ہو گا کہ یہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔"

جناح نے فیصلہ کیا کہ موتی لال' جیکر اور دوسرے ہندو لیڈروں پر ثابت کر دیا جائے کہ "دراصل میں ایک چھوٹی سی اقلیت کی نمائندگی نہیں کرتا۔" لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا ان کا اپنا مسلم لیگی گروپ بھی بدستور اختلاف رائے کا شکار تھا۔ انہوں نے ۳۰ر مارچ ۱۹۲۹ء کو دہلی میں مسلم لیگ کا ملتوی کردہ سیشن پھر سے طلب کر لیا۔ اجلاس سے پہلے رات کو اور صبح سویرے بھی انہوں نے اپنے بعض حریفوں سے ملاقات کی اور انہیں ایک نئے فارمولا پر' جسے جناح کے "چودہ نکات" کا نام دیا گیا متفق الرائے بنانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ڈاکٹر انصاری' تصدق احمد خان شیروانی' ڈاکٹر سیف الدین کچلو' ڈاکٹر محمد عالم اور ڈاکٹر سید محمد نے نئے فارمولا کی ڈٹ کر مخالفت اور نہرو رپورٹ کی حمایت کی۔ تاہم محمد علی' گاندھی کے سحر سے مکمل طور پر آزاد ہو کر صدق دل سے جناح کے حامی بن گئے۔ انہوں نے جناح کے بے مثال تدبر و فراست کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں "سب سے بڑا مصالحت کنندہ" قرار دیا۔ جناح اب مسلمانوں کو ساتھ لے کر وہی کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو انہوں نے ۱۹۱۶ء میں پوری قوم پرستانہ تحریک سے حاصل کیا تھا۔ انہوں نے آغا خان کے "چار نکات" لے کر انہیں ۱۹۲۷ء کی دہلی مسلم تجاویز سے ہم آہنگ کیا۔ ان کی ابتداء یا آخر میں کچھ اور تجاویز جوڑیں اور آنے والے سیلاب سے بچنے کے لئے ایک واضح فارمولا تیار کر دیا۔ آصف علی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو' موجودہ حالات میں "بہترین حل" قرار دیتے ہوئے اس کے حامی بن گئے۔ تاہم جناح نے [illegible]

جہاز بنایا تھا' اس کے پار لگنے کا بہت کم امکان تھا۔ "مخلوط کابینہ" کے ساتھ ایک دن کے لئے بھی ان کا چلنا ممکن نہ تھا۔

مسلم قیادت میں پھوٹ پڑتی ہے

اگلی صبح اجمیری گیٹ (دہلی) کے قریب روشن تھیٹر میں لیگ کا جلسہ ہونے والا تھا۔ جناح کو ساڑھے دس بجے اس کا افتتاح کرنا تھا۔ وہ رات بھر چھوٹے موٹے معاملات طے کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ اس لئے اجتماع میں دیر سے پہنچے۔ اس وقت تک ڈاکٹر انصاری کے حامی پہلی قطاروں میں قبضہ جما چکے تھے۔ اور ڈاکٹر عالم زبردستی صدر بن بیٹھے تھے۔ انہوں نے نہرو رپورٹ کو منظور کرنے کے حق میں قرارداد پیش کی اور تصدق شیروانی سے ان کی تائید کے لئے کہا۔ بہرحال ہجوم نے ڈاکٹر عالم کو کارروائی جاری نہیں رکھنے دی۔ مولانا محمد علی نے مطالبہ کیا کہ وہ صدارت کی کرسی چھوڑ دیں۔ ڈاکٹر عالم نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ اس پر سامعین پلیٹ فارم پر چڑھ گئے۔ اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اتنی دیر میں جناح بھی آگئے۔ ان کو دیکھ کر ہنگامہ آرائی قدرے کم ہو گئی۔ لیکن صورتحال کو قابو سے باہر دیکھ کر انہوں نے اجلاس کو ملتوی کرنا مناسب سمجھا اور اپنا چودہ نکات پر مشتمل فارمولا پیش نہ کیا۔ اگر سامعین خاموشی سے بات سننے پر آمادہ ہو جاتے تو وہ اجلاس کے سامنے یہ قرارداد پیش کرنے کا ارادہ کرکے آئے تھے کہ "اگر مسلمانان ہند کی رائے فہرست میں درج کرنی ہے تو اسے متحدہ فیصلہ کے ذریعے ہی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔"

اس وقت کوئی ان کو سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ حقیقت میں جناح کی لیگ کا وجود ختم ہوگیا تھا۔ اس کے کئی اجلاس یا تو کورم پورا نہ ہونے کی بنا پر یا سامعین کے بے لگام طرز عمل کی وجہ سے ملتوی کرنے پڑے۔ ہندوستان کے باقی مسلمان یا تو مولانا ابو الکلام آزاد کی پیروی کرتے ہوئے کانگرس میں تھے یا خستگی کی حالت میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی جماعت صوبائی سطح سے زیادہ حیثیت کی حامل نہ تھی۔ میاں شفیع کی لیگ کا دائرہ اثر پنجاب تک محدود تھا۔ ڈاکٹر انصاری کے ایماء پر آصف علی اور چودھری خلیق الزمان نے ان کے ساتھ مل کر ایک نئی مسلم نیشنلسٹ پارٹی بنائی جو یوپی میں ایک حد تک فعال اور بااثر تھی۔ آغا خان نے اپنی آل انڈیا مسلم کانفرنس قائم کی جس کے حلقہ اثر میں سر فضل حسین' سر شفاعت خاں احمد' نواب چھتاری شامل تھے۔ تین ماہ بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ وہ مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔ ان سب کو ایک ساتھ واپس لانے کے بارے میں جناح کی توقعات کسی قدر حقیقت پسندانہ تھیں، چند ذاتی دوست ملک برکت علی' عبدالمتین چوہدری اور سر محمد یعقوب مسلم لیگ کو چلانے میں وفاداری کے ساتھ مدد کر رہے تھے۔ سید شمس الحسن کے بقول دوسرے لوگ قائد اعظم کے ساتھ کام کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ وہ سخت اصول پسند تھے۔ وہ مسائل تک آزادانہ رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ چند وجوہ تھیں جن کے باعث لوگ ان سے دور رہتے تھے۔

اب قائد اعظم کے لئے اپنے انگریز دوستوں کی طرف رجوع کرنے کے سوا چارہ کار نہیں رہا تھا۔ لندن کی سیاسی فضا تیزی سے لیبر پارٹی کے حق میں جا رہی تھی اور اسلنگٹن کیمشن میں ان کے پرانے رفیق کار رامزے میکڈونلڈ ویسٹ منسٹر کا نیا قطب تارا بننے والے تھے۔ مئی میں ٹوری حکومت ختم ہو گئی اور نئے وزیر اعظم

میکڈونلڈ نے ولیم ویج وڈبین کو نیا سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند مقرر کیا۔ جناح کو جونہی لیبر پارٹی کی فتح کا پتہ چلا، وہ فوراً شملہ پہنچے اور وہاں لارڈ ارون سے طویل ملاقات کی۔ وائسرائے اپنے نئے چیف سے ہدایات حاصل کرنے کے لئے چند ہفتوں میں لندن جانے والے تھے۔ جناح نے ان پر زور دیا کہ برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستان کو ڈومینین سٹیٹس دیئے جانے کے بارے میں ٹھوس اعلان کرائیں۔ اور اس کے سامنے یہ تجویز رکھیں کہ ایسا آئین مرتب کرنے کی غرض سے لندن میں گول میز کانفرنس بلائی جائے۔ لیکن "موجودہ نظام" دوبارہ زبردست یلغار کی زد میں آ گیا۔ کلکتہ کے آخری سیشن کے دوران گاندھی نے کانگرس کی مرکزی سٹیج سنبھال لی تھی۔ وہ دھمکیاں دے رہے تھے کہ اگر پارلیمنٹ ۱۹۲۹ء کے دوران نہرو رپورٹ پر عملدرآمد نہ کرا سکی تو وہ از سرنو ملک گیر سطح پر ستیہ گرہ تحریک شروع کر دیں گے۔

مکمل آزادی کا مطالبہ

مہاتما گاندھی نے کانگرس میں یہ قرارداد پیش کی کہ نہرو رپورٹ صرف ایک سال کے لئے قبول کی جائے تاکہ موتی لال اور جواہر لال کے ساتھیوں کے مابین کانگرس پلیٹ فارم پر جو چپقلش چل رہی ہے کہ ہندوستان کی منزل مقصود ڈومینین سٹیٹس ہونی چاہئے یا مکمل آزادی، ختم ہو جائے۔ کہا گیا کہ کانگرس نہرو رپورٹ کو مکمل طور پر بطور آئین قبول کر لے گی بشرطیکہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو یا اس سے پہلے برطانوی پارلیمنٹ اسے منظور کر لے۔ اس قرارداد میں مذکور تھا "تاہم اگر مذکورہ تاریخ تک اسے منظور نہ کیا گیا یا اس سے پہلے مسترد کر دیا گیا تو کانگرس عدم تعاون کی ایک پرامن تحریک چلائے گی جس میں لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ ٹیکسوں کی ادائیگی بند کر دیں نیز اس سلسلہ میں دیگر ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی۔" یہ عمدہ قرارداد تھی لیکن اس کے باوجود سبھاش چندر بوس نے اس میں "کسی تاخیر کے بغیر مکمل آزادی" کے الفاظ شامل کرنے پر اصرار کیا۔ اس موقع پر اپنے گلے کا پورا زور لگاتے ہوئے سبھاش چندر بوس نے پوچھا "ہماری سیاسی پستی کا سبب کیا ہے"؟ اور پھر مستقبل کی آزاد ہند فوج کے نیتا اور کانگرس کے دوبارہ صدر منتخب ہونے والے سبھاش چندر نے خود ہی جواب دیا۔ "ہماری غلامانہ ذہنیت ہے۔ اگر آپ اس ذہنیت پر غالب آنا چاہتے ہیں تو آپ کو لوگوں میں مکمل آزادی کی تڑپ کی روح پھونکنا ہوگی" اس بیان پر زوردار تالیاں بجائی گئیں۔ یہ نوجوان ہندوستان کی آزادی کی راہ میں خون کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار تھا۔ اس نے ۱۹۲۲ء کے تاریک اور مایوس کن ایام کو بھلا دیا تھا۔"

۱۹ر جون ۱۹۲۹ء کو قائداعظم نے اپنے دیرینہ دوست اور نئے وزیراعظم رامزے میکڈونلڈ کے نام ایک مراسلہ میں لکھا کہ "موجودہ صورت حال ایک سنگین تعطل کی حیثیت رکھتی ہے، اگر اسے جاری رہنے دیا گیا تو میرا اندازہ ہے کہ یہ صورت حال ہندوستان اور برطانیہ دونوں کے مفادات کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔" اس کے بعد انہوں نے گزشتہ چند سالوں خصوصاً سائمن کمیشن کے تقرر کے بعد کی سیاسی صورت حال پر اختصار سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ہم کمیشن کی رپورٹ کو مسترد کر چکے ہیں۔"

یہ بات یاد دلاتے ہوئے کہ برطانیہ کے قول و قرار پر سے ہندوستان کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا

کہ "ہمیں کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کی بہترین صورت تلاش کرنی چاہئے۔" انہوں نے وزیر اعظم کو خبردار کیا کہ "ملک میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جس نے آزادی کامل کو اپنی منزل ٹھہرالیا ہے اور میں کسی مبالغہ کے بغیر آپ کو بتا رہا ہوں کہ آزادی کی تحریک روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی ہے کیونکہ انڈین نیشنل کانگرس کی ہمدردیاں اس کے شامل حال ہیں۔" ایسی تحریک کا زور توڑنے کے لئے جو ان کی نظر میں وائسرائے کی رائے کے مطابق ہندوستان کی سلامتی کے لئے کم خطرناک نہ تھی' انہوں نے تجویز کیا "ہر میجسٹی کی حکومت کو "پہلے قدم کے طور پر کسی تاخیر کے بغیر یہ اعلان کر دینا چاہئے ۔ برطانیہ دو ٹوک الفاظ میں وعدہ کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کو ڈومینین سٹیٹس کے ساتھ مکمل ذمہ دار حکومت عطا کردے گا ———— "ایسے اعلان پر عملدر آمد اور عملی اقدامات کے لئے انہوں نے اپنے دوست پر زور دیا کہ "وہ ہندوستان کے نمائندوں کو مدعو کریں' جو اس پوزیشن میں ہوں کہ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے (کیونکہ سردست انڈیا میں مکمل اتفاق رائے کا حصول ناممکن ہے) اہل لندن کی مدد کریں ۔۔ تاکہ وہ کسی آئینی حل پر پہنچ سکیں۔ اس طرح وضع کردہ تجاویز کو بعد ازاں پارلیمنٹ میں پیش کیا جا سکے گا۔

کانفرنس کی تجویز

جن دنوں جناح کا خط میکڈونلڈ کو موصول ہوا' انہی دنوں لارڈ ارون لندن پہنچے۔ وہ وکٹوریہ سے ملنے سیدھے انڈیا آفس گئے اور اس کے سامنے گول میز کانفرنس بلانے نیز ہندوستان کے لئے ڈومینین سٹیٹس کے بارے میں باقاعدہ اعلان کی تجاویز پیش کیں۔ نیا سیکرٹری آف سٹیٹ انہیں قبول کرنے کے حق میں تھا تاہم یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ ہم سائمن کمیشن کے نقش قدم پر نہ چلیں جو ان دنوں اپنی رپورٹ مرتب کر رہا تھا۔ بعد ازاں وائسرائے نے مذکورہ بالا دونوں تجاویز پر سائمن سے بات چیت کی۔ ارون ان کا رد عمل جاننے کا خواہاں تھا۔ ارون نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا:

"مجھے یہ سن کر قدرے حیرت ہوئی کہ شروع میں اس نے ڈومینین سٹیٹس سے متعلق اعلان کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ گول میز کانفرنس کے بارے میں دقت محسوس کی' خاص طور سے اس بنا پر کہ اس سے کمیشن کی رپورٹ پر اس کے منظر عام پر آنے کے بعد برا اثر پڑے گا۔ اسے کانفرنس کے سامنے رکھے جانے والے بہت سے کاغذات میں سے ایک کاغذ سمجھ لیا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دونوں نکات پر اپنی پوزیشن بدل کر ایک بار پھر مجھے حیران کر دیا۔ میرا ہمیشہ سے قیاس تھا کہ وہ لارڈ ریڈنگ سے زیادہ متاثر ہے۔ بہرحال سبب خواہ کچھ ہو آخر کار اس نے گول میز کانفرنس کی بابت اطمینان کا اظہار کیا اور وزیر اعظم کے ساتھ خطوط کے تبادلہ کے بعد اس منصوبہ سے متفق ہو گیا کہ کانفرنس کے بارے میں تاثر دیا جائے گا کہ وہ کمیشن کے پیش کردہ تصور کے نتیجہ میں ہو رہی ہے' جسے حکومت نے فوری طور پر اس لئے منظور کر لیا ہے کہ وہ برطانوی ہند اور ریاستوں کے معاملہ پر غور کرنے کی ضرورت اچھی طرح سمجھتی ہے۔"

جہاں تک سائمن کی سرخروئی کے لئے ارون کی اس تاریخی منافقت کا تعلق ہے' ان دونوں تجاویز کا اصل کریڈٹ وائسرائے کو نہیں بلکہ اس کے گمنام مشیر جناح کو جاتا ہے۔

سائمن کے زخم مندمل ہونے میں کچھ وقت لگا۔ رامزے میکڈونلڈ نے ۱۴ر اگست کو ایک "نجی خط" میں جواب دیا۔

"پیارے جناح!

مجھے افسوس ہے کہ ایک غلطی کے باعث آپ کا ۱۹ر جون کا لکھا ہوا خط فوری طور پر مجھے نہیں دکھایا گیا۔ میں بلا تامل یہ کہوں گا کہ میں آپ کے اس جذبہ کی بے حد قدر کرتا ہوں۔ جس جذبہ کے تحت آپ نے یہ خط لکھا ہے اور مجھے اس میں مذکورہ تجاویز پر ممکنہ طریقے سے عملدر آمد سے بہت مسرت ہو گی۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ کا جس کے بارے میں آپ نے بلا جھجک فرض کر لیا ہے' اس سے زیادہ کچھ مقصد نہیں تھا کہ حکومت کی رہنمائی کے لئے کچھ مشورے دیئے جائیں اور حکومت کا ارادہ یہ ہے کہ جونہی وہ رپورٹ سامنے آئے تمام حقائق کی روشنی میں اس پر غور کیا جائے۔ آپ نے اپنے خط میں جو تجاویز پیش کی ہیں' انہیں اس خواہش کے ساتھ زیر غور لایا جائے گا کہ جہاں تک حالات اجازت دیں' ان سے بہر صورت فائدہ اٹھایا جائے تاہم یہاں میں ایک بات کہوں گا جو بار بار کہہ چکا ہوں اور اب بھی حکومت کا پختہ ارادہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو جلد درجہ نو آبادیات مل جائے۔ آئندہ کے اقدامات کے بارے میں بہت جلد اعلان کیا جائے گا۔"

قائد اعظم اس خط سے بہت خوش ہوئے اور ۷ر دسمبر کو بڑے پر امید لہجہ میں جواب دیا "اگر آپ میری تجاویز پر جن کی بابت مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ ان سے متفق ہیں' عمل کرتے ہیں تو اس سے ہندوستان کے لئے درخشاں مستقبل کی راہ کھل جائے گی اور برطانیہ عظمیٰ کا نام تاریخ میں ایک ایسی قوم کے طور پر لکھا جائے گا جو اپنے وعدوں کی پاسداری کرتی ہے۔"

اگلے مہینے لارڈ اردن نے وائسرائے کیمپ سے جناح کے نام خط لکھا جس میں کہا گیا تھا :-

"ہر میجسٹی کی حکومت ایسے ذرائع کی تلاش میں سرگرم عمل ہے جن کی مدد سے ہندوستان کے آئینی ارتقاء کے اہم سوال پر ان تمام لوگوں کے تعاون سے غور کیا جا سکے جو برطانوی ہند کے متعلق ذمہ داری کے ساتھ اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ ہر میجسٹی کی حکومت کے فیصلے کی رو سے ۱۹۱۷ء کے اعلان میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا بنیادی مسئلہ جیسا کہ وہاں سمجھا جاتا ہے ڈومینین سٹیٹس کا حصول ہے۔ اس پالیسی پر پوری طرح عمل درآمد سے آخر کار ریاستوں کو ان کا مقام مل جائے گا۔ حکومت برطانیہ نے حسب ضابطہ تجویز کیا ہے کہ برطانوی ہند اور ریاستوں کے مختلف مفادات کے نمائندوں کو دعوت دی جائے اور ان کے ساتھ الگ الگ یا اکٹھے' جیسا بھی حالات اجازت دیں' ملاقات کی جائے اور ان سے برطانوی ہند نیز پورے ہندوستان کے مسائل کی بابت صلاح مشورہ کیا جائے۔ انہیں توقع ہے کہ اس طرح وہ پارلیمنٹ کے سامنے ایسی تجاویز پیش کر سکیں گے جن پر بڑی حد تک اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔"

اس طرح لندن میں منعقد ہونے والی تین گول میز کانفرنسوں کے متعلق ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔ پیچیدہ عمل کے شروع کرانے میں جناح نے وزیر اعظم کے دوست میں' ایک مشیر کا کردار ادا کیا۔ وہ اب وائسرائے کے بھی کلیدی صلاح کار بن گئے تھے۔

اردن کا یہ بیان یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو ہندوستان کے تمام بڑے بڑے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع

کیا۔ جناح اس دن بمبئی میں تھے۔ انہوں نے ۱۸ دیگر افراد کے ساتھ سر چمن لال' سوہن لال سیتلواڑ سے ان کے چیمبرز میں ملاقات کی اور وہاں سے اروِن کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک اخباری بیان جاری کیا' جس میں کہا گیا تھا۔

"یہ اعلان حکومت کے طریق کار میں بنیادی تبدیلی کا مظہر ہے' جس کے ذریعے نمائندگان ہند حکومت برطانیہ کے ساتھ کانفرنس میں شریک ہو کر اس امر کی کوشش کریں گے کہ ممکنہ حد تک اتفاق رائے سے تجاویز پر مشتمل کوئی ایسا آئینی مسودہ وضع کیا جائے جسے ڈومینین سٹیٹس کے حصول کی خاطر پارلیمنٹ میں پیش کیا جا سکے اور اس طرح کوئی ایسا حل تلاش کر لیا جائے جو ہندوستان کی سیاسی رائے کا مظہر ہو۔"

سروجنی نائیڈو' بھولا بھائی ڈیسائی' سرہومی پی موڈی' چھاگلا' کانجی دوار کا داس اور اس کا بھائی اس بیان پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے' ادھر نئی دہلی میں موتی لال نہرو کی زیر صدارت ایک اجلاس ہوا جس میں کانگرس کے علاوہ مختلف پارٹیوں کے ۳۰ لیڈروں نے ایک "عمومی مصالحانہ پالیسی" کی ضرورت پر زور دینے ــــ ــــ اور سیاسی قیدیوں کے لئے عام معافی کے ساتھ ساتھ گول میز کانفرنس میں کانگرس کو غالب نمائندگی دینے کا مطالبہ بھی کیا۔ لیڈروں کے اس منشور میں' جیسا کہ اس کا نام رکھا گیا' مزید کہا گیا تھا کہ گول میز کانفرنس میں اس بات پر بحث نہیں ہونی چاہئے کہ ڈومینین سٹیٹس کب دیا جائے گا بلکہ اس میں ہندوستان کے لئے ڈومینین دستور کی سکیم وضع کی جائے گی۔

جواہر لال نہرو نے پہلے اس منشور پر دستخط کر دیئے۔ پھر جلدی ہی معذرت کرنے لگے۔ بہرحال سبھاش چندر بوس اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ جلسہ گاہ سے باہر نکل جانے کی بجائے انہوں نے خود کو "بیجا مداخلت کرنے والا" محسوس کیا اور کانگرس کی صدارت سے استعفیٰ دینے کے بارے میں سوچنے لگے' جو انہوں نے حال ہی میں قبول کی تھی۔ گاندھی نے نہرو کے شش و پنج کو دیکھتے ہوئے نصیحت کی کہ "آپ کو ہرگز استعفیٰ نہیں دینا چاہئے۔ اس سے قومی نصب العین پر برا اثر پڑے گا۔ جلد بازی کی ضرورت نہیں نہ ہی کوئی اصول معرض خطر میں ہے۔ جہاں تک صدارت کے تاج کا تعلق ہے آپ کے علاوہ اسے کوئی نہیں پہن سکتا۔ یہ کبھی بھی پھولوں کا تاج نہیں رہا۔ اب اسے سراسر کانٹوں کا تاج بننے دیں۔" اگرچہ نہرو مستعفی نہیں ہوئے تاہم ان کی دھمکی نے گاندھی اور موتی لال کے اس ارادہ میں پختگی پیدا کر دی جو انہوں نے لیڈروں کے منشور کا ساتھ دینے کے بارے میں سوچا تھا۔ اروِن نے رامزے میکڈونلڈ سے تبدیلی کا اتنا زیادہ وعدہ حاصل کر لیا جتنا وعدہ وہ کرنے کو تیار تھا۔ اس لئے جب قائداعظم نے دونوں فریقین کا باقی ماندہ فاصلہ ختم کرانے کی کوشش کی تو انہوں نے خود کو ایک ایسی حالت میں پایا جو اگرچہ غیرمانوس نہیں تو قابل رشک بھی نہیں تھی۔

گاندھی' جناح' موتی لال' سپرو اور پٹیل نے ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے ہاؤس میں شام ۳۰-۴ بجے اروِن سے ملاقات کی' وہ اسی دن صبح کے وقت لندن سے لوٹے تھے۔ جونہی ان کی ٹرین دہلی ریلوے سٹیشن پر پہنچی بم کا زوردار دھماکہ ہوا۔ خوش قسمتی سے وائسرائے یا ان کے عملہ کا کوئی فرد زخمی نہیں ہوا۔ دوپہر کے بعد سب سے پہلے گاندھی نے وائسرائے کو فون کیا۔ ان کی ٹرین کو بم سے اڑانے کی جو خطرناک سازش کی گئی تھی' اس پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے جان بچ جانے پر اروِن کو مبارک باد دی' بعد ازاں وائسرائے نے دریافت کیا

آیا ان کے اعلان کی جو تعبیر و تشریح کانگرسی لیڈروں کے مشترکہ بیان میں شائع ہوئی ہے (یہ کہ گول میز کانفرنس اس بات پر غور کرنے کے لئے نہیں کہ درجہ نو آبادیات کب دیا جائے بلکہ ڈومینین کے دستور کی اسکیم وضع کرنے کے لئے ہو گی) درست ہے۔ گاندھی نے یہ بات وضاحت سے کہی کہ جب تک اس نکتہ پر اتفاق رائے نہ ہو جائے۔ ان کے خیال میں کسی دوسرے سوال پر غور کرنا بیکار ہو گا۔ اروِن نے اصرار کیا کہ ان کے بیان کے الفاظ پوزیشن کی خود وضاحت کر رہے ہیں "کانفرنس کی غرض و غایت اس مسئلہ کو حل کرنا ہے جو حکومت برطانیہ کے قطعی پالیسی بیان سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے جلدی میں کہا کہ "اس معاملہ میں کسی بڑے کام کے ہو جانے کا امکان موجود ہے اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو ہاتھ سے ایک اچھا موقع نکل جانے کا خطرہ بھی ہے۔ بظاہر یہ کہنا ناممکن ہے کہ کانفرنس کسی خاص دستور کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ہو رہی ہے' اروِن نے مزید وضاحت کی۔ "تاہم کانفرنس کو پورا پورا موقع دیا جائے گا کہ اس کے سامنے جو تجاویز رکھی جائیں ان پر مکمل کر بحث کر سکے۔ کانفرنس معاملات پر بحث کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہو گی۔ کسی قسم کے مباحثہ پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ ان کے خیال میں کانفرنس میں کوئی قطعی رائے شماری نہیں کرائی جائے گی۔ تاہم امپریل کانفرنس کے خطوط کی پیروی کرتے ہوئے ممبران کی عام معاملہ فہمی کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔"

"مسٹر گاندھی کے خیال میں امپریل کانفرنس مختلف لائنوں پر ہوئی تھی۔ وہاں بحث میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں کم و بیش ایک ہی ذہن کی تھیں۔ جبکہ انڈین کانفرنس میں ایسا نہیں ہو گا۔ بہرحال اگر انہوں نے زیادہ حجت بازی کی تو کانفرنس کسی ایسی پالیسی پر نہیں پہنچ سکے گی جو سب کے لئے قابل قبول ہو۔"

یہ واضح طور پر ایک الہامی اخذ کردہ نتیجہ تھا جو بالکل درست ثابت ہوا۔ تقسیم ہند سے اٹھارہ برس پہلے اس کا ادراک کرتے ہوئے پیشگوئی کر دی گئی تھی کہ کانفرنسوں میں اور کابینہ کے اجلاسوں میں ہزاروں لاکھوں گھنٹے ضائع کئے گئے اور لاکھوں بے مقصد الفاظ پر خواہ وہ جھلی پر لکھے ہوئے تھے یا کاغذ پر چھپے ہوئے انسان کا بہت زیادہ بیش قیمت وقت صرف ہوا۔ گاندھی نے اعتراف کیا کہ کانفرنس میں واقعی کوئی ووٹنگ نہیں ہو سکتی' تاہم انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ "اگر کانفرنس کے فوری نتیجہ کے طور پر ڈومینین سٹیٹس کے قیام کی بابت قیاس نہیں کیا جائیگا تو وہ اس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔" انہوں نے مطالبہ کیا کہ "ملک کو بلا تاخیر مکمل آزادی دی جائے ور کہا کہ "ہندوستان اپنے دفاعی مسائل خود حل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔" موتی لال نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس پر اضافہ کیا: "انگریز ہندوستان کے درجہ نو آبادیات کے حصول میں حائل رکاوٹوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کو فوری طور پر ڈومینین کا درجہ دے دیا جائے۔ تو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگرچہ ان کی مراد یہ نہیں کہ ہندوستان کے لئے ڈومینین سٹیٹس کی لازماً وہی شکل ہو جیسی کہ اس وقت ڈومینین کی کوئی مخصوص شکل موجود ہے۔"

لارڈ اروِن نے اسے "نامعقول" خیال کیا اور اس نکتہ پر زیادہ موثر مدد کے لئے جناح اور سپرو کی طرف دیکھا۔ دونوں نے مسٹر گاندھی اور موتی لال کو سمجھانے کی کوشش کی' ان کی دلیل یہ تھی کہ کانفرنس کے شرکاء ڈومینین سٹیٹس کی تجویز پیش کرنے میں آزاد ہوں گے۔ ——— غور و فکر کے بعد ایسی تجاویز کی نشاندہی کر سکے گا جن سے مسائل کو کم کرنے میں مدد ملے کانفرنس کا اصل کام مکمل ڈومینین سٹیٹس دینے کی راہ میں

حائل دشواریوں پر غور و خوض اور تحفظات کی بابت بحث کرنا ہوگا۔ لیکن گاندھی اور موتی لال نے اپنے اس وعدہ پر قائم رہتے ہوئے جو انہوں نے جواہر لال اور دہلی مینی فیسٹو پر دیگر دستخط کنندگان کے ساتھ کیا تھا' دوسری کانفرنس میں شریک ہونے اور ایسے مسائل پر بحث کرنے سے انکار کر دیا جو تمام پارٹیوں کو ان کے مختلف تناظر میں قابل قبول نہ ہوں۔

موتی لال نہرو نے اپنی رائے ظاہر کی "کوئی بھی ہندوستانی ڈومینین سٹیٹس سے کم پر مطمئن نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا مجھے اس راستہ میں کوئی مشکلات نظر نہیں آتیں۔ تاہم اگر کچھ دشواریاں حائل ہوئیں تو مرکزی تنظیم کو تسلیم کرنے کے بعد انہیں حل کیا جا سکے گا۔ انڈیا ان سے خود نمٹ لے گا۔ اصل عقدہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو انتقال اقتدار کا ہے۔"

جناح سے ملنے والوں نے محسوس کیا کہ اس ناکام کانفرنس کے دوران ان کے رویہ میں اس سے بھی زیادہ تلخی اور غیر لچکداری پیدا ہو گئی' جو رتی کی موت کے بعد دیکھنے میں آئی تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر اپنی آرزوؤں کو کھلی چھٹی دے دی تھی۔ کیونکہ انہوں نے جس چیز کا "اہتمام کیا تھا" وہ بہرحال بات چیت کے قابل معاملہ نہیں تھا۔ رامزے میکڈونلڈ اور لارڈ اروِن نے ان سے جو وعدے کئے تھے' وہ کوئی بات نہیں تھی' شاید پانچ سال کے اندر اندر ہندوستان ایک آزاد ڈومینین کی حیثیت سے کینیڈا اور آسٹریلیا کے برابر آ جائے گا اور پھر ساری دنیا کی ترقی میں معاون ثابت ہوگا۔ جیسا کہ جناح نے وزیر اعظم کو لکھا اور اسے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ اس کے اعلان کا زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اس نے حقیقتاً سب کو ایک کمرہ میں جمع کر دیا ہے اگرچہ وہ خود بھی گزشتہ دو ماہ سے مذاکرات میں مصروف رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ گاندھی اور موتی لال نے جواہر لال اور ان کے ساتھیوں نے چٹان بن کر راستہ میں ایک پتھریلی دیوار کھڑی کر دی تھی' اس سے ٹکرا کر ہر امید پاش پاش ہو جاتی تھی۔ اس سے جناح کے قلب و ذہن پر منفی اثرات کا مرتب ہونا ناگزیر تھا۔ وہ بڑے تھکے ماندے افسردہ' مایوس' تنہا اور کبیدہ خاطر تھے۔ وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ جب موتی لال نے یہ کہا کہ ڈومینین سٹیٹس حاصل کرنے کی راہ میں کوئی دشواری حائل نہیں تو اس سے ان کی کیا مراد تھی۔ گاندھی زیادہ صاف گوئی سے کام لے رہے تھے۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ حقیقت میں اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے اور یہ کہ اس سے الجھن پیش آ سکتی ہے۔ موتی لال تو یہ تک ماننے کو تیار نہیں تھے کہ کوئی مسلم مسئلہ موجود ہے۔ آٹھ سال بعد ان کے فرزند ارجمند نے بھی مسلم مسئلہ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جناح کافی جانتا تھا کہ ان دونوں نے انہیں کس قدر ستایا۔

کانگرس کا اعلان لاہور

اس سال کانگرس کا سالانہ اجلاس حسب معمول کرسمس کے روز (۲۵ دسمبر) لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں آزادی کامل کی قرارداد منظور کی گئی۔ اس نے ہندوستان کی قومی تحریک میں جسے چلتے ہوئے یہ ۴۴ واں برس تھا' انقلابی روح پھونک دی۔ کرسمس کی تعطیلات کے دوران منعقد ہونے والا کانگرس کا یہ آخری سیشن تھا' جس کی صدارت نوجوان جواہر لال نہرو نے کی۔ اس موقع پر انہوں نے زبردست نعروں کی گونج میں اعلان کیا:

"چونکہ کانگرس غریب عوام کی نمائندہ جماعت ہے اور دسمبر کے آخر میں اس کا اجلاس منعقد کرنے سے غریبوں کو گرم کپڑوں کے اہتمام پر بہت زیادہ مالی بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے' اس لئے آئندہ سے سالانہ اجلاس دسمبر کے آخر میں نہیں' بلکہ ۲۶ر جنوری کو ہوا کرے گا۔"

گاندھی نے ۱۰ سال قبل جن انقلابی تبدیلیوں کا آغاز کیا تھا' ان کے نتیجے میں کانگرس کی نوجوان قیادت نے برٹش ایمپائر کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ قوم نے انگریز حکمرانوں کی عادات و اطوار' ان کی روایات و اقدار' اداروں اور ٹائم ٹیبل سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا۔ ورکنگ کمیٹی نے ۲۶ر جنوری (اتوار) کو "یوم آزادی کامل" منانے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر منظور کردہ قرار داد میں کہا گیا: "ہم اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان کو برطانیہ کے ساتھ تعلقات لازماً" ختم کر کے کامل آزادی حاصل کرنی ہو گی۔" اس قرارداد کی ملک بھر میں زبردست تشہیر کی گئی اور چند ہفتوں میں اس کا چرچا گھر گھر ہونے لگا۔

مسٹر جناح نے بمبئی میں ـــ مالا بار ہل سے سرکار کے ظلم و تشدد اور لوگوں کے مسائل سے بے رخی کے خلاف کانگرس کے اس اٹھتے ہوئے طوفان کا مشاہدہ کیا جو ملک کے کونے کونے میں بڑی تیزی سے رونما ہو رہا تھا۔ اس طوفان کی راہ میں آنے والی بہت سی چٹانیں پاش پاش ہو گئیں۔ بعض نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا اور بعض بالکل ڈوب گئیں۔ انقلاب کی ہر آنے والی لہر سمندر میں ایک ہلچل مچا رہی تھی اور یہ سلسلہ شب و روز جاری تھا۔ مسٹر جناح اس بے مقصد کھیل سے بہت بیزار اور تنگ آ چکے تھے۔ شاید ان کے لئے فیصلہ کن گھڑی آ گئی تھی کہ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ جائیں' کیونکہ اب ان کی دلچسپی کا کوئی سامان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ لندن میں وہ آسانی سے قانون کی پریکٹس کر سکتے تھے اور خود کو پریوی کونسل میں دائر ہونے والی اپیلوں تک محدود رکھ کر بھی بہت زیادہ آمدنی حاصل کر سکتے تھے۔

مسٹر جناح نے گاندھی کو "اس طوفان کے اچانک رونما ہونے کا" ذمہ دار ٹھہرایا۔ انہوں نے کانگرس کے نئے پروگرام کو "سیاسی ہسٹریا" کا نام دیا۔ سر تیج بہادر سپرو نے ان کی رائے سے اتفاق ــــ کرتے ہوئے ۵ر جنوری ۱۹۳۰ء کو ایک مراسلہ میں لکھا: "میں نے آج کے اخبار میں آپ کا انٹرویو پڑھا۔ میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔ کانگرس واقعی پاگل ہو گئی ہے' لیکن اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ وہ پورے ملک کو اپنے تباہ کن پاگل پن میں گھسیٹنا چاہتی ہے۔ ہمیں کوئی اقدام کرنا ہو گا۔ ہمیں مل کر عزم کے ساتھ قدم اٹھانا ہو گا۔ ہم اپنے اختلافات خود طے کریں گے۔ مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ اس موقع پر آپ کی صلاحیتیں ملک کے لئے سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتی ہیں۔" سپرو ایک اور آل پارٹیز کانفرنس منعقد کرنے کے حق میں تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح کو یقین دلایا "میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے لئے ہندو مسلم مسئلے کا حل تلاش کرنا مشکل نہیں' تاہم آپ کی مدح سرائی کے بغیر میں یہ کہوں گا کہ آپ کے تعاون اور رہنمائی کے بغیر ایسا حل قابل عمل نہیں ہو گا۔" جناح نے ان کی تجویز کو آزمانے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد سر شفیع اور راجہ محمود آباد بھی آمادہ ہو گئے۔ مہا سبھا کے لیڈر مجوزہ کانفرنس میں شرکت کے لئے پہلے سے تیار تھے۔ چنانچہ سر سپرو کی مساعی اور مسٹر جناح کے تعاون سے یہ کانفرنس ۲۶ر فروری ۱۹۳۰ء کو دہلی میں منعقد ہوئی جس میں پچاس سے زیادہ مندوبین نے شرکت کی۔ ان میں اعتدال پسند' مہا سبھائی' کرسچین' اینگلو انڈین اور اس کی جسٹس پارٹی'

اچھوت اور مسلم قائدین شامل تھے۔ مسٹر جناح نے اوائل فروری میں ہندو مہاسبھا کے لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ سے ملاقات کے دوران فرقہ وارانہ مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا تھا اور انہیں فضا قدرے سازگار محسوس ہوئی تھی' لیکن حقیقتاً فروری ۱۹۲۸ء کے بعد سے فرقہ وارانہ سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ۔ اتنا فرق ضرور پڑا کہ زیر بحث بے مقصد کانفرنس میں کانگرس شریک ہو گئی۔

مسٹر جناح نے سر سپرو کی کانفرنس سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کی تھیں' بلکہ انہوں نے اپنی توجہ لندن پر مرکوز رکھی۔ انہوں نے لارڈ اروِن پر زور دیا کہ گول میز کانفرنس کے انعقاد کی تاریخ کا اعلان کیا جائے اور مدعوئین کے نام سرکاری دعوت نامے بھیجے جائیں۔

گاندھی کالانگ مارچ

مہاتما گاندھی نے سابرمتی سے سمندر تک اپنا "مارچ" مکمل کر لیا تھا۔ انہوں نے ساحل سمندر پر سرکاری احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نمک بنا کر نئی ستیہ گرہ تحریک شروع کر دی ـــــ مسٹر جناح کو خدشہ محسوس ہوا کہ ستیہ گرہ کی نئی پرجوش تحریک اور حکومت کی طرف سے اسے کچلنے کی کارروائی اس کمزور آئینی جہاز کو' جو انہوں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے' بمبئی کا ساحل پار کرنے سے پہلے ہی تباہ کر ڈالے گی۔ اروِن گول میز کانفرنس کی تاریخ کا اعلان کیوں نہیں کرتا؟ ان کی قانونی بصیرت نے محسوس کیا کہ وائسرائے اس معاہدے سے پیچھے ہٹنے کے بہانے تلاش کر رہا ہے جو بڑی مشکل سے سیاستدانوں اور اس کے مابین زبانی طے پایا تھا۔ پیرپگاڑا کی اپیل کے سلسلے میں مصروفیت کی بناء پر انہوں نے ۲۶ر اپریل ۱۹۳۰ء کو سرکٹ ہاؤس سکھر سے وائسرائے کو خط لکھا۔ وائسرائے کی طرف سے دو ہفتے کے بعد جواب دیا گیا: "گول میز کانفرنس اکتوبر میں منعقد ہو گی۔" اس سے دریافت کیا گیا کہ "اسمبلی کا سیشن ستمبر کی بجائے جولائی میں شملہ کے مقام پر طلب کیا جائے تو کیسا رہے گا"؟ مسٹر جناح کا خیال تھا کہ ایسے سیشن کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ زیادہ تر منتخب ممبران نے کانگرس کی اپیل پر اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا تھا' تاہم انہوں نے وائسرائے کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے شملہ سیشن میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی۔

گاندھی نے نمک سازی کے سلسلے میں ۱۲ر مارچ کو احمد آباد میں واقع اپنے آشرم سے مارچ کا آغاز کیا۔ وہ ۲۴۰ میل کا سفر طے کر کے ۵ر اپریل کو ڈانڈی پہنچے۔ اس روز دنیا بھر کی نگاہیں گاندھی جی کے کارواں پر لگی ہوئی تھیں' جو موسیٰ کی بھیڑوں کی طرح غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے گاندھی کی رہنمائی میں مارچ کر رہے تھے۔ گاندھی کی اپیل پر ۶ر اپریل کو ملک بھر میں ہڑتال کی گئی اور نمک سے متعلق قوانین کو پامال کرتے ہوئے ساحل سمندر پر جگہ جگہ نمک سازی کی گئی۔ یکم اپریل کو سورت میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا: "ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنے مصائب و مشکلات پر قابو پانے کے لئے قدم اٹھائیں۔ پس ہم نے نمک سازی کے شعبے میں حکومت کی اجارہ داری ختم کرنے کے لئے یہ راہ اختیار کی ہے۔" ۶ر اپریل کی ملک گیر ستیہ گرہی تحریک کے نتیجے میں زبردست ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ حکومت نے ایک بار پھر استبدادی قوانین کا سہارا لیا اور ۵ر مئی کو مہاتما گاندھی کو گرفتار کر کے پونا کی " یراودا جیل " میں ڈال دیا۔ گاندھی نے

اپنے خطوط میں اس جیل کو "پیلس" اور "مندر" کا نام دیا۔

گاندھی جی کی نظر بندی کو ابھی دو ہفتے بھی نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے لارڈ ارون کو "ڈیئر فرینڈ" کے لقب سے خطاب کر کے ایک خط لکھا اور اس کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیئے۔ انہوں نے اپنے ان "گیارہ نکات" پر پھر سے زور دیا جو جنوری میں رامزے میکڈونلڈ کو بھیجے تھے اور جن کی بابت کہا تھا کہ سول نافرمانی کی تحریک ختم کرنے کے لئے ان پیشگی شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے پہلی شرط یہ تھی کہ شراب نوشی پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ چوتھی شرط کی رو سے نمک پر محصول ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ دیگر شرائط کے تحت مالیہ اراضی میں ۵۰ فی صد کمی' دفاعی بجٹ میں کم از کم ۵۰ فی صد کمی' اعلیٰ حکام کے مشاہروں میں ۵۰ فی صد کمی' سیاسی قیدیوں کے لئے عام معافی اور پولیس کے کریمنل انٹیلی جنس ڈویژن کو ختم کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جیل میں دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا:

"میں نے جو قدم اٹھایا' اسے غیر دانشمندانہ خطرہ مول لینے کے مترادف قرار دیا جاتا ہے' تاہم یہ ایک قابل توجیہہ خطرہ ہے۔ خطرہ مول لئے بغیر کوئی عظیم مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ میں ایک رجائیت پسند ہوں۔ اپنی چالیس سالہ جدوجہد کے دوران مجھے بارہا کہا گیا کہ میں ناممکن کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں' لیکن میں نے ہمیشہ اس کے برعکس ثابت کر دکھایا۔"

مہاتما گاندھی کے اس انٹرویو کی پریس میں اشاعت کے فوراً بعد سپرو اور جیکار نے وائسرائے کی نجی منظوری کے ساتھ اپنا "امن مشن" شروع کر دیا۔ جناح کی توقع تھی کہ گول میز کانفرنس کے موقع پر ارون کسی نرمی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ وہ اس کانفرنس کو اپنے لئے سیاسی روشنی کی واحد کرن سمجھتے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے وائسرائے کو لکھا: "میں اس بارے میں بہت پریشان ہوں کہ جن نمائندوں کو مدعو کیا جا رہا ہے' ان کے نام اگست کے آخر یا ستمبر کے شروع تک شائع نہیں ہونے چاہئیں۔ میں آپ سے یہ درخواست بھی کروں گا کہ مدعوئین کی فہرست' ناموں کا حتمی فیصلہ کرنے سے قبل' مجھے دیکھنے کا موقع دیا جائے تاکہ میں مناسب تجاویز پیش کر سکوں۔ بہرحال اس بارے میں آخری فیصلہ آپ ہی کا ہو گا کہ کن لوگوں کو دعوت دی جائے' اور یہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب میں شملہ میں ہوں گا۔" وائسرائے کا اصرار تھا کہ جولائی میں اسمبلی کا اجلاس شملہ میں ہونا چاہئے۔ مسٹر جناح کا مشورہ اس کے برعکس تھا۔ یوں ارون کے ساتھ جناح کا تعلق روز بروز قریبی ہوتا گیا۔ اگرچہ ہمیشہ یکساں نہیں رہا۔ دبلے پتلے' خوش پوش و خوش مزاج اور ظاہری تکلفات کا لحاظ رکھنے والے ان دونوں اشخاص میں اتنی گہری یکسانیت تھی کہ گاہ وہ ایک دوسرے کے لئے کشش محسوس کرتے تھے اور گاہ اشتعال میں آ جاتے تھے۔

سپرو اور جیکار نے ۲۳' ۲۴ر جولائی کو یراودا جیل میں گاندھی سے ملاقات کی۔ مہاتما نے جیل میں موتی لال اور جواہر لال کے نام ایک نوٹ لکھا' جس میں کہا گیا تھا: "میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر گول میز کانفرنس کو محض ان تحفظات پر غور و خوض تک محدود کر دیا گیا جو مکمل حکومت خود اختیاری کے سلسلے میں ضروری ہوں ۔ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے وہاں آزادی کا سوال اٹھایا تو اسے نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔ میں کانفرنس میں شرکت کے بارے میں کانگرس کے موقف کی اس وقت تک توثیق نہیں کر سکتا' جب تک اس کی مکمل تشکیل کے بارے میں مجھے مطمئن نہیں کیا جاتا۔"

گاندھی نے اسی دن موتی لال نہرو کو ایک اور خط بھیجا جس میں کہا گیا تھا "بلاشبہ میری پوزیشن بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ تاہم جواہرلال کی رائے قطعی ہونی چاہئے۔ آپ اور میں اسے مشورہ دے سکتے ہیں۔" اس کے بعد سپرو اور جیکار ۲۷ ‘۲۸ جولائی کو نینی جیل میں موتی لال اور جواہرلال سے ملے‘ موتی لال کی صحت جون میں ان کی اسیری کے بعد سے خراب ہوتی جا رہی تھی۔ مذکورہ بالا دونوں ملاقاتوں کے ساتھ انٹرویو کے دوران بھی انہیں شدید بخار تھا۔ چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

امن مذاکرات

۲۸ جولائی کو ارون نے جناح کو مطلع کیا کہ لیبر گورنمنٹ نے لبرل اور کنزرویٹو پارٹیوں کو بھی کانفرنس میں مدعو کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جناح نے جواب میں لکھا: "میں ایک بار پھر آپ کو یاد دلاؤں گا‘ جیسا کہ میں نے شملہ میں عرض کیا تھا کہ کانفرنس کی کامیابی کے لئے آپ کا لندن میں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مزید سیاسی قیدیوں کی رہائی پر زور دیا۔ خصوصاً خان عبدالغفار خان کے بارے میں ‘کیونکہ کانفرنس کے لئے صوبہ سرحد سے جو لوگ نامزد کئے گئے تھے‘ ان میں خان صاحب کا نام بھی شامل تھا۔ وہ زیادہ انگریزی نہیں جانتے تھے‘ تاہم پٹھانوں کے ہردلعزیز رہنما تھے کچھ ہی عرصہ بعد وہ کانگرس کے کٹر اتحادی بن گئے اور "سرحدی گاندھی" کے نام سے شہرت پائی۔

سپرو نے ۸ اگست کو نینی جیل میں موتی لال اور جواہرلال کو بتایا کہ ارون کو انہیں پونا بھیجنے اور گاندھی سے ملاقات کرنے کا موقع دینے پر کوئی اعتراض نہیں۔ دو دن بعد ایک خصوصی ٹرین انہیں پونا لے گئی۔ ۱۳ سے ۱۵ اگست تک سپرو اور جیکار کی موجودگی میں تینوں کانگرسی رہنماؤں نے تبادلہ خیال کیا۔ ورکنگ کمیٹی کے بعض دیگر ممبران بشمول پٹیل اور سروجنی نائیڈو بھی مذاکرات میں شامل ہو گئے‘ لیکن کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ۱۵ اگست کو ان کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا۔

مسٹر جناح کو اپنی کانفرنس کی ناکامی پر بڑا دکھ ہوا تھا‘ جب یراودا جیل میں ہونے والے مذاکرات کی خبریں ان کی نظر سے گزریں‘ جن میں مسلم لیگ شامل نہیں تھی‘ تو لامحالہ ان کی تشویش میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے ۲۹ اگست کو ارون کے نام ایک اور مراسلہ لکھا جس میں اسے مشورہ دیا گیا کہ ہندوستانی قوم پرستوں کے ساتھ نمٹتے وقت وہ زیادہ ثابت قدمی اور سختی کا مظاہرہ کریں۔

مسٹر جناح نے وائسرائے اور سیکرٹری آف سٹیٹ کا سارا بوجھ اٹھا لیا تھا۔ وہ نہ صرف مسلم اقلیت‘ ہندوستان کی پوری آبادی‘ برطانیہ‘ بلکہ پوری دنیا کے مفادات کا تحفظ کرنا اپنی ذمے داری سمجھنے لگے تھے۔ ان کے خیال میں جواہرلال نہرو ایک خطرناک نوجوان انقلابی تھا‘ جس کے فیصلوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ گاندھی کو دماغی لحاظ سے بالکل غیر متوازن سمجھتے تھے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ یراودا جیل میں گاندھی سے ساتھ بے مقصد ملاقات کے بعد موتی لال کا بخار اور تیز ہو گیا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بوڑھے نہرو کی قوت فیصلہ نوجوان بیٹے کے حق میں بے بس ہو گئی ہے جس نے آزادی کامل کا نعرہ لگا کر عوام کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ "امن مذاکرات" سے علیحدہ اور لاتعلق رہ کر انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان کی دنیا ان کے لئے تاریک

اور اجنبی بن گئی ہے۔ اب ان کی آخری امید لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس سے وابستہ ہو کے رہ گئی
لارڈ ارون نے ۲۸ر اگست کو شملہ کے وائسریگل لاج سے سپرو اور جیکار کے نام لکھا:

"مجھے اندیشہ ہے جیسا کہ آپ خود بھی تسلیم کریں گے کہ آپ نے رضاکارانہ طور پر جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، کانگرسی لیڈروں کی طرف سے موصولہ خط نے اس کام کو آگے بڑھانے میں کوئی مدد نہیں دی۔ اس خط میں اختیار کردہ لہجہ اور اس کے مندرجات دونوں مایوس کن ہیں۔ کانگرس کی پالیسی سے ملک کو جو زبردست نقصان پہنچا ہے، ان لیڈروں نے اس کا قطعاً احساس نہیں کیا۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ ان کی پیش کردہ تجاویز پر تفصیل کے ساتھ غور کرنے سے کوئی کار آمد نتیجہ بر آمد ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کانگرسی لیڈروں سے دوبارہ ملیں گے، تو میرا نقطہ نظر ان پر واضح کر دیں گے۔"

"امن مذاکرات" کا پہلا دور اس طرح اختتام کو پہنچا کہ ارون نے یکم ستمبر کو جناح کے نام خط میں اپنا پختہ ارادہ ظاہر کیا۔ ایک ہفتہ بعد جناح کی طرف سے جو جواب دیا گیا، اس کے مطالعے سے ایسا مترشح ہوتا ہے جیسے کسی افسر بالا نے اپنے ماتحت کے نام چٹھی لکھی ہے:

"مجھے آپ کا یکم ستمبر کا خط ملا۔ میں اس کے لئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ محض آپ کو اطلاع دینے کے لئے چند سطریں لکھ رہا ہوں، وہ یہ کہ میں اپنی پیشہ وارانہ مصروفیت کے تحت آج سندھ جا رہا ہوں اور وہاں سے ۱۸ یا ۱۹ کو واپس بمبئی آؤں گا۔ میں نے اس حقیقت کے پیش نظر کہ کانفرنس وسط نومبر تک نہیں ہو رہی، اپنی روانگی کے لئے ۴ر اکتوبر کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ باقی باتیں میری واپسی پر ہوں گی۔"

انہیں اپنے سفر پر روانگی سے پہلے بہت سے امور نمٹانے تھے، کیونکہ اگلے کئی برسوں تک لندن میں قیام کی غرض سے جانے کے لئے اب ان کے پاس صرف ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ لندن سے واپسی اور بمبئی میں قیام کو ۳۵ سال ہو گئے تھے۔ جوانی میں فنکاری کے خواب دیکھنے والا اب بمبئی کے کامیاب ترین وکلاء میں سے ایک، وائسرائے کا گہرا دوست اور وزیر اعظم کا معتمد رفیق بن چکا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ وہ واپس لندن جائے۔ سیاست سے حقیقی معنوں میں دستبردار ہونے کے لئے نہیں، بلکہ ایک ایسی فضا میں آباد ہونے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے جو ہندوستان کے ماحول سے یکسر مختلف اور بدرجہا بہتر تھی۔ اپنے نجی معاملات میں ہمیشہ کی طرح محتاط رہتے ہوئے جناح نے روانگی کے وقت اپنے آئندہ منصوبوں کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ واقف کاروں نے یہی سمجھا کہ وہ گول میز کانفرنس میں جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں جبکہ انہوں نے شعبہ قانون میں اگلی سیڑھی پر قدم رکھنے کا عزم کر لیا تھا۔ اب وہ برٹش ایمپائر کی اعلیٰ ترین عدالت --- پریوی کونسل --- میں پریکٹس کرنے جا رہے تھے۔ وسط اگست میں انہوں نے ڈاکٹر اقبال کو دعوت دی کہ وہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کریں، جس میں وہ خود شریک نہیں ہو سکیں گے۔ وہ اپنے مسلمان ساتھیوں سے بھی اسی قدر مایوس ہو چکے تھے، جتنے ہندوؤں سے۔ مسلمان حقیقتاً کسی ایک معاملہ میں بھی متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ باہمی جھگڑوں اور نہ ختم ہونے والی بحث سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے گول میز کانفرنس کے بہانے مستقل طور پر لندن منتقل ہونے کی ٹھان لی۔

پہلی گول میز کانفرنس

مسٹر جناح ۴ر اکتوبر کو پی اینڈ او کمپنی کے جہاز "وائسرائے آف انڈیا" کے ذریعے بمبئی سے روانہ ہوئے
. جارج پنجم نے ۱۲ر نومبر کو ہاؤس آف لارڈز کے وسیع ہال میں پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں کل ۵۸ مندوبین شریک ہوئے جن میں مسٹر جناح' آغا خان' سپرو اور جیکار جیسے چوٹی کے سیاستدانوں کے علاوہ ریاستوں کے ۱۶ نمائندے شامل تھے۔ جن میں مہاراجہ آف پٹیالہ' بڑودہ' بھوپال اور الور کے نام قابل ذکر ہیں۔ برطانوی وزیر اعظم میکڈونلڈ کے ساتھ ساتھ دولت مشترکہ میں شامل ملکوں کے وزرائے اعظم بھی افتتاحی تقریب میں موجود تھے۔ جارج پنجم کے مختصر خطاب کو حاضرین نے کھڑے ہو کر سنا۔ جارج پنجم کے چلے جانے کے بعد ایوان راجگان کے چانسلر مہاراجہ پٹیالہ نے وزیر اعظم میکڈونلڈ کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا۔ آغا خان نے اس کی تائید کی۔ یوں کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ ہندوستانی مندوبین میں سے لبرل لیڈر وی ایس سری نواس شاستری نے سب سے پہلے خطاب کیا۔ اس کے بعد ۱۶ مسلم مندوبین کے ترجمان کی حیثیت سے مسٹر جناح کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ "ٹائمز" کی رپورٹ کے مطابق انہوں نے پہلی متنازعہ تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

"جناب صدر! میں خوش ہوں کہ آپ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ برطانوی حکمرانوں اور مدبرین کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس نوعیت کے جو اعلانات کئے گئے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا کام وہاں کے لوگوں کو حکومت خود اختیاری کے لئے تیار کرنا ہے' بالکل صاف اور واضح تھے لیکن میں زور دے کر کہوں گا کہ ہندوستان توقع کرتا ہے کہ اب ان اعلانات کو جلد عملی جامہ پہنایا جائے گا۔"

یہ سٹیج ان اسٹیجوں میں سے زیادہ پر شکوہ تھا' جہاں سے پہلے انہوں نے خطاب کیا تھا۔ جناح کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ شاستری کی طرح اپنی تقریر میں خوشامد اور چاپلوسی کرتے' کام کی بات نہ کرتے یا اس تاریخی موقع پر کوئی تاریخ ساز آئیڈیا پیش نہ کرتے۔ ان سے پہلے جن والیان ریاست نے خطاب کیا' ان کی تقاریر روایتی جملوں اور فقروں سے بھری ہوئی تھیں' لیکن جناح کی تقریر بم شیل کی طرح تھی۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا "میں کانفرنس میں دولت مشترکہ کی ڈومینوں کے وزرائے اعظم اور نمائندوں کی موجودگی کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ یہاں ایک نئی ڈومنین آف انڈیا کے قیام کا مشاہدہ کرنے کے لئے موجود ہیں' جو برطانوی دولت مشترکہ میں ان کے شانہ بشانہ مارچ کے لئے تیار ہے۔" کیا سامعین میں سے کسی نے بھی یہ سوچا کہ مسٹر جناح کی منزل مقصود ایک ایسی ڈومنین کی قیادت کرنا ہے جس کا وجود دور تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا؟

سرمالکم ہیلی جو پنجاب اور یوپی کے گورنر رہ چکے تھے اور کانفرنس میں حکومت ہند کے سینئر مشیر کی حیثیت سے شرکت کر رہے تھے' یقیناً ان لوگوں میں سے ایک تھے' جو جناح کی فراست و دور بینی کا اندازہ لگانے میں ناکام رہے۔ انہوں نے وائٹ ہال سے لارڈ ارون کو مطلع کیا۔

"مجموعی طور پر اس وقت مسلمان نسبتاً خاصے متحد نظر آتے ہیں۔ آغا خان نے ان کی رہنمائی نہیں کی بلکہ

اکثریت کی پیروی کرنے کو بہتر سمجھا۔ بلاشبہ جناح پر اس بارے میں بہت شک و شبہ کیا جاتا ہے۔ کانفرنس کے آغاز میں اس نے وہ کچھ نہیں کہا' جس پر ان کی جماعت نے اتفاق کیا تھا۔ اس نے اپنی تقریر کی ایک نقل کانفرنس سیکرٹریٹ کو پیشگی دینے سے انکار کردیا۔ حالانکہ دیگر مندوبین میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ جناح ہمیشہ ان بام مچھلوں کی طرح جو ان کے اسلاف بمبئی کی مارکیٹ سے خریدا کرتے تھے' متلون مزاجی اور ہوشیاری سے کام لیتے رہے ہیں۔"

کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۱۷ نومبر ۳۰ء کو جیمز کے پیلس میں منعقد ہوا۔ قبل ازیں گزشتہ شب مسٹر جناح' سر شفیع اور آغا خان نے سپرو' سیلواڈ' جیکار اور ڈاکٹر بی ایس مونجے سے نواب بھوپال کی قیام گاہ پر ملاقات کرکے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم آغا خان کے بقول یہ محض "سطحی ہم آہنگی" تھی' جب کہ جذبات اور نقطہ نظر میں گہرے اور مشکل اختلافات بدستور موجود رہے' کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ جناح اور ان کے زیادہ تر ساتھی اپنے چودہ نکات پر مصر تھے۔ سپرو اور سیلواڈ ان میں سے صرف نصف نکات ماننے کو تیار تھے۔ جیکار اور مونجے بھی سارے نکات قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔

مسٹر جناح کے خدشہ کے مطابق کانفرنس بہت وسعت اختیار کرگئی۔ جب کہ ابتدائی سیشن میں صرف تین' دوسرے سیشن میں چھ اور تیسرے سیشن میں چار تقاریر کی گنجائش تھی۔ یہ تقریریں اتنی طولانی' بھرتی کے الفاظ سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت پر مشتمل تھیں کہ صدر کانفرنس نے اگلے مقررین کے لئے دس منٹ کے وقت کی قید لگادی' کیونکہ سامعین پر ظاہر ہوگیا تھا کہ ان کا قیمتی وقت اکثر دہرائے گئے دلائل پر ضائع کیا جارہا ہے۔ سپرو کے الفاظ میں ان تمام ہندوستانیوں کی تقاریر کا نچوڑ موجود تھا کہ "سارا مستقبل معرض خطر میں ہے۔ وہ وقت گزر گیا' جب ہندوستانیوں کو تلقین کی جاتی تھی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔" والیان ریاست کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑودہ کے گائیکواڑ نے اس سے بھی زیادہ صاف گوئی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ سر شفیع نے بھی مزید "تاخیری اقدامات" سے بچنے کا مشورہ دیا۔ تاہم کنزرویٹو پارٹی کے وفد کے سربراہ لارڈ پیل نے ان تمام اپیلوں کو نظرانداز کردیا۔ اگرچہ وہ بڑی اہم ' جوش دلانے والی اور بالکل درست ثابت ہوئیں۔ لارڈ پیل نے اصرار کیا کہ پہلے سائمن کمشن کی سفارشات پر عملدرآمد کیا جائے۔

۲۰ نومبر کو مسٹر جناح نے صرف دس منٹ خطاب کیا۔ انہوں نے لارڈ پیل کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ سائمن کمیشن کی رپورٹ بے جان ہوچکی ہے۔ پھر انہوں نے اپنے مختصر خطاب میں وہ دلائل پیش کئے جو بعد ازاں حصول پاکستان کی مہم میں ان کی سٹرٹیجی کا بنیادی ستون بن گئے۔ ایولن رنچ نے بعد میں لکھا کہ جب میں نے مسٹر جناح سے پوچھا: "آپ کو پاکستان کا خیال پہلی بار کب سوجھا"? تو انہوں نے جواب دیا: "۱۹۳۰ء میں۔" تاہم اس امر کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں کہ اس وقت تک انہوں نے اپنی جدوجہد کی بابت سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ بہرحال نومبر ۳۰ء میں انہوں نے دو نکات کی وضاحت کی اور اپنی آئندہ پالیسی کے بارے میں مدبرانہ رائے کا اظہار کیا: "مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ برطانیہ ہندوستان میں تجارتی اور سیاسی نوعیت کے مفادات رکھتا ہے' اس لئے وہ اس مسئلہ کا فریق ہے۔ ہندوستان کے آئندہ آئین سے گہری وابستگی رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہمارے مفادات برطانیہ سے کہیں

زیادہ اور انتہائی اہم ہیں۔ برطانیہ کے محض مالیاتی، تجارتی یا سیاسی مفادات ہیں، جب کہ ہمارے ہر قسم کے مفادات ہندوستان سے وابستہ ہیں، جہاں تک فریقوں کا تعلق ہے۔ یہاں میز کے گرد چار بڑی پارٹیاں بیٹھی ہیں۔ وہ برطانوی حکومت، ہند کے والیان ریاست، ہندو اور مسلمان ہیں۔"

مسٹر جناح نے بہت پہلے مسلمانوں کے خصوصی مفادات، ضروریات، مسائل اور مطالبات کا ادراک کر لیا تھا۔ لیکن یہ ان سے پہلا تجاوز تھا جو ان کی پاکستان حکمت عملی کا بنیادی پتھر بن گیا۔ یعنی "مسلمان" ہندوستان کے آئینی مسئلے میں ایک پارٹی ہیں، ایک علیحدہ بلاک ہیں، جو ہندوؤں والیان ریاست اور برطانیہ سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ تعداد میں ان سے کم اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے غیر اہم ہیں۔ ان کا پیش کردہ دوسرا نکتہ اگرچہ اہم تھا لیکن اس کی حیثیت ایک دھمکی سے زیادہ نہیں تھی، جن لوگوں نے ان کی تقریر سنی، انہوں نے اس دھمکی کو "سودا بازی کرنے والے کی زبان" قرار دیا۔ انہوں نے شرکاء کانفرنس کو خبردار کیا کہ "اگر یہ گول میز کانفرنس ہندوستان کی امنگوں کے مطابق کسی سمجھوتے پر نہ پہنچ سکی تو ۷ کروڑ مسلمان اور دوسرے لوگ جو اب تک الگ تھلگ رہے ہیں، تحریک عدم تعاون میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

اس کے بعد مسٹر جناح نے یہ "اہم اصول" بیان کیا جس کے بارے میں انہوں نے توقع ظاہر کی کہ کانفرنس کے انگریز ممبران اچھی طرح یاد رکھیں گے کہ " ہندوستانی اپنے گھر کے خود مالک بننا چاہتے ہیں۔ میں کسی ایسے دستور کا تصور نہیں کر سکتا، جس میں ملک کو چلانے کی ذمہ داری ایسی کابینہ کو نہ سونپی گئی ہو جو مقننہ کے روبرو جوابدہ ہو۔ یہ وہ کم سے کم مطالبہ ہے، جس کی تکمیل سے لندن آئے ہوئے ہندوستان کے سیاسی لیڈر اور برطانوی ہند کی جیلوں میں بند ہزارہا کارکن مطمئن ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے میکڈانلڈ کو یاد دلایا کہ دو سال پیشتر لیبر کانفرنس میں مستقبل کے وزیراعظم نے اعلان کیا تھا۔ "مجھے امید ہے کہ آئندہ چند مہینوں میں، سالوں میں نہیں، برطانوی دولت مشترکہ میں ایک نئی ڈومینن کا اضافہ ہو جائے گا۔ میری مراد ہندوستان سے ہے۔" مسٹر جناح نے زور دے کر کہا: "۱۹۲۸ء سے اب تک دو سال گزر چکے ہیں۔"

مسٹر جناح وفاق کے لئے آئین کا ڈھانچہ مرتب کرنے والی اس سب کمیٹی میں شامل تھے جس کی سربراہی لارڈ سنکی کر رہے تھے۔ سر شفیع کی معیت میں انہوں نے کمیٹی پر یہ واضح کیا کہ ایسا کوئی دستور قابل عمل نہیں ہو گا۔ جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو احساس تحفظ و سلامتی فراہم کرنے والی دفعات شامل نہ ہوں۔ ۹، ۱۴ اور ۱۵ دسمبر کو ہندو مسلم تنازعہ کے حل کے سلسلے میں لندن کی ہر کوشش کی ناکامی کے بعد ہیلی نے اروِن کو رپورٹ دی۔ "اس سلسلے میں آخری میٹنگ وزیراعظم کی دیہی رہائش گاہ "چیکرز" میں منعقد ہوئی۔ جس کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں کو بسوں کے ذریعے وہاں پہنچایا گیا۔ میں نے گزشتہ رات ان میں سے بعض کے ساتھ بات چیت کی۔ جہاں تک پیش گوئی کرنے کا تعلق ہے، آثار بتا رہے ہیں کہ مسلمان جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہو جائیں گے۔ تاہم وہ پنجاب اور بنگال میں برائے نام اکثریت اور دوسرے صوبوں میں تلافی کا کلیہ حاصل کر لیں گے۔" ہیلی کی پیش گوئیاں قبل از وقت ثابت ہوئیں۔ مسلمان ہندوستان سے ڈالے گئے تجدید شدہ دباؤ کے تحت جداگانہ انتخابات سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف مذکورہ مطالبات پر اصرار قائم رکھا بلکہ وہ ان تمام شرائط پر ڈٹ گئے جو ان کے چودہ نکات میں شامل تھیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر مونجے کی قیادت میں

ہندو اس سمجھوتے سے مکر گئے جو چودہ نکات کے بارے میں ہوا تھا۔ اس طرح "مکمل بحران" پیدا ہو گیا۔
رامزے میکڈونلڈ اس تعطل سے اتنا پریشان و دلبرداشتہ ہوا کہ اس نے لارڈ ولنگڈن کو جو ان دنوں کینیڈا میں گورنر جنرل تھا' واپس ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ وائسرائے کی حیثیت سے ارون کی میعاد اپریل ۱۹۳۱ء میں ختم ہونے والی تھی' لیکن برطانوی وزیر اعظم نے ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو ہی حکومت کینیڈا کو ولنگڈن کی بابت فیصلہ سے آگاہ کر دیا۔
ولنگڈن جنگ عظیم اول کے دوران بمبئی کا گورنر رہ چکا تھا اور اس زمانے میں مسٹر جناح کی اس کے ساتھ ان بن ہو گئی تھی۔ حسب پروگرام وہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک وائسرائے رہا۔ حسن اتفاق سے مسٹر جناح نے یہ سارا عرصہ لندن میں گزارا۔ اگرچہ وہ مزاج اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے اب ۱۹۱۸ء کے نوجوان قوم پرست انقلابی لیڈر نہیں رہے تھے' جس نے ولنگڈن کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کی قیادت کی تھی۔ جناح کے متعلق ولنگڈن جو تاثرات رکھتا تھا' ان کے بارے میں اس قدر کہنا کافی ہو گا کہ اس نے انہیں جوائنٹ کمیٹی سے الگ تھلگ رکھا' جسے آخری گول میز کانفرنس کی تجاویز کو ایک نئے بل کی صورت میں مدون کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ اگرچہ ولنگڈن کے دور حکومت میں مسٹر جناح نے لندن میں قیام کو ترجیح دی' تاہم وہ گاہے بگاہے شملہ' دہلی اور بمبئی کے چکر لگاتے رہے۔

پاکستان کا تصور پیش کیا جا رہا ہے

رامزے میکڈونلڈ کی طرف سے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل میں ناکامی کی خبر ابھی کینیڈا پہنچی تھی کہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تاریخ سر پر آ گئی۔ یہ اجلاس ۲۹ اور ۳۰ دسمبر کو الہ آباد میں ہوا جس کی صدارت اردو کے صوفی شاعر و فلاسفر ڈاکٹر اقبال نے کی۔ وہ "لنکن ان" کے بیرسٹر تھے' انہوں نے اعلیٰ تعلیم ہیڈل برگ (میونخ) میں پائی تھی اور ٹرینٹی کالج آکسفورڈ کے گریجویٹ تھے۔ ان کا جھکاؤ مذہب کی طرف بہت زیادہ تھا اور پنجاب کی سیاست میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ الہ آباد سیشن میں انہوں نے پہلی بار دو قومی نظریہ پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ ہندو مسلم تنازعہ پر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ابھی تک انہوں نے دونوں قوموں کی مکمل علیحدگی کا پرچار نہیں   تاہم یہ بات زور دے کر کہی کہ جمہوریت کے یورپی اصول کا ہندوستان پر اطلاق نہیں ہو سکتا' جب تک فرقہ وارانہ گروہوں کی حقیقت کا اعتراف نہ کیا جائے۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ان کے لئے ہندوستان کے اندر مسلم انڈیا کا قیام عمل میں لایا جائے' بالکل درست اور جائز ہے۔ ایک قدم اور آگے بڑھا کر انہوں نے کہا: "میں پنجاب' شمال مغربی سرحدی صوبہ' سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست کی صورت میں متحد دیکھنا چاہتا ہوں۔ جسے برٹش امپائر کے اندر یا اس کے باہر حکومت خود اختیاری حاصل ہو۔ شمال مغرب میں مسلمانوں کی مذکورہ ریاست کی تشکیل   مسلمانوں' کم از کم شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں' کی آخری منزل لگتی ہے۔" اقبال گول میز کانفرنس کے بارے میں زیادہ پر امید نہ تھے۔ اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے رامزے میکڈونلڈ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ "اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔"
۱۴ر جنوری ۱۹۳۱ء کو آغا خان' مسٹر جناح اور سر شفیع نے رامزے میکڈونلڈ سے ملاقات کر کے اسے خبردار کیا

کہ اگر حکومت کے پالیسی بیان میں اقلیتوں کے لئے تسلی بخش تحفظات کا اعلان نہ کیا گیا تو مسلم مندوبین کانفرنس کے اخذ کردہ نتائج سے لاتعلقی اختیار کرلیں گے۔ کانجی دوار کا داس لکھتا ہے "رامزے میکڈونلڈ نے کانفرنس کے دوران اب تک جناح کا تعاون حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی تھی۔"

ایک موقع پر ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میکڈانلڈ نے کہا:

"ہندوستان میں متوقع تبدیلیوں کے پیش نظر حکومت برطانیہ کو ایسے ممتاز ہندوستانیوں کی تلاش ہوگی، جن کی بحیثیت صوبائی گورنر تقرریاں کی جاسکیں"۔ اس تجویز کا واضح اشارہ یہ تھا کہ مسٹر جناح کے لئے صوبائی گورنر بننے کا شاندار موقع ہوگا، اگر وہ خود کو حکومت کا تابعدار اور معاون ثابت کریں۔ جناح نے فوراً جواب دیا "میری اپنی خدمات فروخت کے لئے دستیاب نہیں"۔ یوں انہوں نے میکڈانلڈ کی پیشکش بڑی بے اعتنائی سے ٹھکرادی۔ ان کے نزدیک اس کی حیثیت سیاسی رشوت سے زیادہ نہ تھی۔

اس وقت قانون پر مسٹر جناح کا سختی سے عمل، ان کے ناقابل بکاؤ ہونے کی طرح، اہم عامل بن چکا تھا، اس نے لندن میں مسلمان وفد کی اور بعد ازاں پورے مسلم ہندوستان کی قیادت کرنے میں بڑی مدد دی۔ پہلی گول میز کانفرنس کے اختتام پر مسلمان وفد یہ جاننے کے لئے بیتاب تھا کہ آئین میں اقلیتوں کے لئے کون سے تحفظات شامل کئے جانے والے ہیں۔ اس سلسلے میں آغا خان کو ایک خط موصول ہوا۔ وفد نے فوری طور پر ان کے کمرے میں جمع ہو کر اس پر غور کیا اور مسٹر جناح کے آنے سے پہلے، جو لیٹ آئے تھے، اس کی منظوری دے دی۔ انہوں نے خط کا بغور مطالعہ کیا اور ایسی خامی کی نشاندہی کی، جس کے ہوتے ہوئے کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔ ایک ایسی خامی، جو اس سب پر پانی پھیردیتی، جو کچھ تسلیم کیا گیا تھا۔ اس نکتہ آفرینی پر سب دنگ رہ گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے اپنی قوم کے لئے ۱۴ میں سے ۱۲ پوائنٹس حاصل کرلئے۔

اس طرح مسلمان وسط جنوری میں کانفرنس کے اختتامی سیشن کے موقع پر یک جان ہوگئے اور انہوں نے اقلیتوں کی سب کمیٹی کے آگے اپنی آخری پیشکش رکھ دی، جس میں ایک تو یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پنجاب میں ہندو، سکھ اور مسلمانوں کے مابین پیریٹی (مساوات) ہونی چاہئے ------ دوسرے بنگال میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی حیثیت ملنی چاہئے، تاہم یہ دونوں معقول تجویزیں پنجاب کے سکھوں اور بنگال کے ہندوؤں نے قبول نہیں کیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اختتامی سیشن میں جناح، شفیع یا آغا خان میں سے کسی نے بھی تقریر نہیں کی۔ البتہ شفیع کی صاحبزادی بیگم شاہنواز نے وزیراعظم اور برطانوی میزبانوں کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے مدح وستائش سے پر تقریر کی اور کانفرنس کی کارکردگی کو ایک "نئے عہد کے طلوع" سے تعبیر کیا، لیکن جناح کے تاثرات ایسے نہ تھے۔ دو ماہ قبل لندن آمد کے موقع پر انہوں نے کانفرنس سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں، وہ بری طرح ناکام ہوگئیں اور ہندو مسلم تصفیہ کے حل کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ انہوں نے فاطمہ جناح اور اپنی صاحبزادی دینا کو بھی لندن بلالیا تھا تاکہ وہیں ان کے ساتھ قیام کریں۔ اب مسٹر جناح نے ایسے مکان کی تلاش شروع کردی تھی، جس میں تینوں اکٹھے رہ سکیں۔ وہ لیگ کو اقبال اور ان کے پنجابی دوستوں کے لئے چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اب ان کی صرف ایک آرزو تشنہ تکمیل رہ گئی تھی، وہ تھی پارلیمنٹ کا رکن بننے کی امنگ، خواہ کسی پارٹی کے ذریعے اس میں کامیابی حاصل ہو۔ شاید ان کی سوچ یہ تھی کہ وہ اب بھی مسلمانوں کی خدمت

کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو پریوی کونسل کا جج تو کہیں نہیں گیا' جو ان کے کامیاب کیریر کا عروج ثابت ہو گا۔
انہوں نے جوں جوں ہندوستان کے بارے میں خبریں پڑھیں اور وہاں سے جو اطلاعات موصول ہوئیں' ان سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ بحران کے منظر سے ہٹ جانا ہی دانش مندی ہے۔
مسٹر جناح نے لندن کے "انر ٹیمپل" میں کرایہ پر چیمبر حاصل کرنے کے لئے درخوست کی' جو انہی دنوں خالی ہوا تھا۔ اس وقت ٹیمپل کے خزانچی سر جان سائمن تھے۔ انہیں جلد ہی "کنگز بنچ واک" میں مطلوبہ چیمبر مل گیا۔ تاہم مناسب مکان کے حصول میں کئی مہینے لگ گئے۔ جو ئندہ یابندہ کے مصداق بالآخر ہمسٹیڈ ویسٹ ہیلتھ روڈ پر ان کی پسند کا ایک بڑا تین منزلہ مکان مل گیا' جہاں انہوں نے کئی سال گزارے۔
لارڈ ولنگڈن نے ۱۸ اپریل ۱۹۳۱ء کو بطور وائسرائے ہند حلف اٹھایا۔ لندن سے روانگی سے پیشتر ۲۱ مارچ کو اس کے اور مسٹر جناح کے مابین ایک خوشگوار ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں ہونے والی گفتگو کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوا۔ عام قیاس یہی ہے کہ دو پرانے دوستوں کے درمیان سوشل قسم کی بات چیت ہوئی ہو گی' جس میں مسٹر جناح نے نئے وائسرائے کو مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کیا ہو گا۔ ولنگڈن کے جواب کا بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے' کیونکہ وہ ہر اقلیت کے معاملے میں مدد کرنے والا اور مسلمانوں کے مطالبات کی حوصلہ افزائی کرنے والا تھا۔ اسے اس بات پر یقیناً خوشی ہوئی ہو گی کہ سیاسی امور میں مسٹر جناح کی نظر بڑی پختہ ہو گئی ہے۔

برٹش پارلیمنٹ کا الیکشن لڑنے کی خواہش

ابتداء میں جناح کو توقع تھی کہ وہ لیبر پارٹی کے ذریعے پارلیمنٹ کے ممبر بن جائیں گے' کیونکہ اس پارٹی کا پروگرام ان کے سیاسی نظریات سے بہت ہم آہنگ تھا' تاہم پہلی گول میز کانفرنس میں بعض بنیادی مسائل پر انہوں نے عدم تعاون کے جس رویے کا اظہار کیا' اسے رامزے میکڈانلڈ نے برا محسوس کیا اور مسٹر جناح کے لئے اس کی ہمدردیاں خاصی ماند پڑ گئیں اور جون تک یہ نوبت آ گئی کہ وہ مسٹر جناح کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہ تھا۔ حتیٰ کہ انہیں ملاقات کا وقت دینے سے بھی انکار کر دیا۔ مسٹر جناح اس وقت تک فابیان سوسائٹی میں شمولیت اختیار کر چکے تھے' لیکن لیبر پارٹی کی قیادت اب بھی انہیں اپنا امیدوار بنانے پر رضامند نہ ہوئی۔ اس لئے انہوں نے لیبر پارٹی سے رشتہ توڑ کر کنزرویٹو پارٹی کا رکن بننے کا فیصلہ کر لیا اور اس مقصد کے لئے آغا خاں سے امداد مانگی۔ اگرچہ کنزرویٹو پارٹی روایتی طور پر ہندوستان کے جملہ سیاسی مطالبات کے سخت خلاف تھی' لیکن آغا خاں کی طرح جناح کو بڑی امید تھی کہ وہ اس پارٹی کو کانگرس کے انقلابیوں کے مدمقابل مسلمانوں کے مطالبات میں دلچسپی لینے پر یقیناً آمادہ کر لیں گے۔
لیکن آغا خاں سمیت اعلیٰ سطح کی پرزور سفارش کے باوجود مسٹر جناح کوئی ایسا حلقہ تلاش نہیں کر سکے' جہاں سے وہ الیکشن لڑ سکتے۔ اگر وہ برٹش پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہو جاتے تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ کبھی واپس ہندوستان نہ جاتے۔ اگست ۱۹۳۱ء میں ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں انہیں لکھنؤ آنا پڑا۔ اس دورے میں ایک شام انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی کی سٹوڈنٹس یونین کے اجلاس سے خطاب کیا۔ گول میز کانفرنس کی ناکامی اور ہندوؤں کے رویے سے اپنی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے سامعین کو بتایا: "ہم لندن میں چکر کاٹتے رہے

اور یہاں ہندوستان میں بھی ہمیں چکروں پر چکر دیئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس سیدھے راستہ تک نہیں پہنچ سکے جو ہمیں آزادی کی منزل پر پہنچا دے"۔ لکھنؤ سے فارغ ہو کر وہ شملہ بھی گئے' وہاں اسمبلی کے پرانے ساتھیوں سے ملاقاتیں کیں اور آخر میں وائسرائے ولنگڈن سے بھی ملے۔

دوسری گول میز کانفرنس

لارڈ ارون نے اپنا عہدہ چھوڑنے سے پہلے گاندھی سمیت ہزارہا سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ ۲۷ر اگست ۳۱ء کو گاندھی نے ولنگڈن کو مطلع کیا کہ اگرچہ کانگرسی حلقوں میں بہت سے شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں' تاہم میں نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ ولنگڈن نے ان کے جذبات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنی طرف سے نیک خواہشات کا اظہار کیا' ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ وائسرائے نے رامزے میکڈانلڈ کے نام ایک مراسلے میں گاندھی کی بابت لکھا: "وہ ایک عجیب و غریب قسم کا چھوٹا شیطان ہے' جو ہمیشہ اپنے مفاد کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس کے تمام کاموں میں "بنیا" ذہنیت اس پر غالب رہتی ہے"۔ گاندھی کانگرس کے اکیلے نمائندے کی حیثیت میں لندن روانہ ہو گئے۔ جواہر لال ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے اور بہت سے دوستوں نے بھی مہاتما سے کہا کہ وہ نہرو کو ساتھ لیتے جائیں لیکن وہ نہیں مانے۔

مسٹر جناح اوائل ستمبر میں واپس لندن آ گئے۔ نئے پاسپورٹ میں جو انہیں ۱۹۳۱ء میں ملا' ان کی جائے سکونت ہندوستان کے بجائے انگلستان درج کی گئی تھی۔ دینا کو ایک قریبی بورڈنگ سکول میں داخل کرا دیا گیا تھا اور اب فاطمہ جناح اکیلی اپنے بھائی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ کئی ہفتوں کے بعد مسٹر جناح کے لوٹ آنے سے گھر کی اداسیاں دور ہو گئیں۔ انہی دنوں سیکرٹری آف سٹیٹ ویج ووڈبین نے مسٹر جناح کو دوسری گول میز کانفرنس کی فیڈرل دستور ساز کمیٹی میں شامل کر لیا۔

یاد رہے کہ یہ کانفرنس ۷ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو شروع ہوئی تھی تاہم اس میں ان کا کردار پہلی کانفرنس کے مقابلے میں بالکل غیر نمایاں تھا۔ اس دفعہ پورے ہندوستان کی نگاہیں گاندھی پر لگی ہوئی تھیں' کیونکہ وہی ہر کمیٹی میں ہندوستان کی نمائندگی کر رہے تھے اور ہر مکمل سیشن میں وہی بولتے تھے۔ فیڈرل دستور ساز کمیٹی کا اجلاس ۷ر سے ۲۷ر ستمبر تک لارڈ سانکی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اگلے روز رامزے میکڈانلڈ نے اقلیتی کمیٹی کا اجلاس پھر سے بلایا' جس میں گاندھی بھی شریک ہوئے۔ یہ اجلاس ۱۸ر نومبر تک ہوتا رہا' یہاں تک کہ کانفرنس کا مکمل اجلاس منعقد ہونے کے باعث اس کمیٹی کا اجلاس ختم کرنا پڑا۔

پہلی کانفرنس کی طرح دوسری کانفرنس بھی کوئی نمایاں مقصد حاصل نہ کر سکی' حالانکہ اس کے شرکاء میں لارڈ سانکی' مہاتما گاندھی' سپرو' امیر اکبر اور جیکار جیسے جہاندیدہ و تجربہ کار لیڈر شامل تھے۔۔ مسلم وفد اپنے سابقہ مطالبات پر مضبوطی سے ڈٹا رہا۔ اگرچہ لارڈ سانکی کی رپورٹ یہ تھی کہ اس کی کمیٹی کے طویل مباحث ختم کر کے ایک آل انڈیا فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا جائے لیکن مسلمانوں کی وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے مسٹر جناح نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا: "میں اب بھی اس رائے کا حامل ہوں کہ آل انڈیا فیڈریشن کی اسکیم کے مکمل ہونے میں کئی سال لگ جائیں گے۔ ابھی تک اسکیم کے کسی اہم جزو ترکیبی پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا ہے"۔ سر

شاہنواز بھٹو نے بھی' جو سندھ کے امیر ترین جاگیردار اور آئندہ پاکستان کے ایک وزیر اعظم (ذوالفقار علی بھٹو) کے والد تھے' اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ رامزے میکڈانلڈ کو آخری تقریر میں اعتراف کرنا پڑا کہ کوئی واضح نتیجہ حاصل کئے بغیر کانفرنس ختم ہو گئی ہے۔

مسٹر جی۔ ڈی۔ برلا جو ہندوستان کے متمول ترین مل مالکان میں سے ایک اور کانگرس کے حامی تھے' ایوان ہائے صنعت و تجارت کی فیڈریشن کی طرف سے کانفرنس میں شریک ہوئے تھے' انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا: "جو کچھ ہوا ہے' ہم اس سے قطعی مطمئن نہیں ہیں"۔ مسٹر برلا ہندوستانی بجٹ اور ملک کی اقتصادی صورت حال پر جو نکتہ چینی کرتے تھے' وہ برطانوی کابینہ کے کسی رکن کی تنقید سے کم نہیں سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے ایسی کئی تجاویز پیش کیں' جن پر عمل کر کے ہندوستان کے سالانہ بجٹ برطانوی اخراجات میں ۴۰ سے ۵۰ فیصد تک کمی کی جا سکتی تھی لیکن اس موقع پر انہوں نے آئینی "تحفظات" کے خلاف سب سے زیادہ زوردار آواز بلند کی۔ انہوں نے حکومت برطانیہ کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہندوستان کے سرمایہ کار کو نظرانداز نہ کرے۔ سرمایہ کار ان تحفظات سے سخت نفرت کرتا ہے کیونکہ یہ اس کے مفاد میں نہیں ہیں' یہ محض شہری سرمایہ داروں اور ساہوکاروں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں"۔

گاندھی نے کانفرنس سے سب سے آخر میں خطاب کیا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو آدھی رات کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"کانگرس تنہا پورے ہندوستان کے جملہ مفادات کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ کوئی فرقہ وارانہ تنظیم نہیں ہے۔ یہ فرقہ واریت کی کٹر دشمن ہے خواہ وہ کسی صورت اور شکل میں پائی جائے۔ اس کے باوجود میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کانگرس کو فریقین میں سے ایک فریق سمجھا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں' برطانوی عوام اور وزراء کو اس حقیقت کا قائل کر دوں کہ کانگرس اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ کانگرس آل انڈیا سطح کی واحد قومی تنظیم ہے' جو ہر قسم کی فرقہ واریت سے پاک ہے۔ میری بات پر یقین کیجئے' میں تسلیم کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا مسئلہ موجود ہے اور میں مکرر کہتا ہوں کہ جب تک اقلیتوں کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا' ہندوستان کو سوراج نہیں مل سکتا' آزادی نہیں مل سکتی۔ تاہم میں مایوس نہیں ہوں' کوئی نہ کوئی دن ضرور آئے گا' جس دن اقلیتوں کے مسئلہ کا کوئی حقیقی اور دیرپا حل ڈھونڈ لیا جائے گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ جب تک غیر ملکی حکومت کی شکل میں ایک اقلیت کو دوسری اقلیت سے اور ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے جدا کرنے والی قوت موجود ہے' نہ اقلیتوں کے مسئلہ کا دیرپا حل نکل سکتا ہے' نہ ہی اقلیتوں کے مابین دوستی و خیرسگالی کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ کیا ہندو' مسلمان اور سکھ اس وقت بھی برسرپیکار رہتے تھے' جب انگریزی حکومت نہیں تھی' جب انہیں انگریزوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہ لڑائی زیادہ پرانی نہیں ہے۔

میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ اس لڑائی نے انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی جنم لیا"۔

آغا خاں بذات خود بنگال یا پنجاب میں مسلم اکثریت کی صحیح طاقت و اہمیت پر یقین نہیں رکھتے تھے' جیسا کہ وہ قبل ازیں مسٹر جناح کو ایک خط میں لکھ چکے تھے: "اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسلم خواتین پردے میں رہتی ہیں اور ان میں سے بہت سی پولنگ میں حصہ لینے پر آمادہ نہیں' نیز معاشی لحاظ سے بھی مسلمان' ہندوؤں کے دست نگر

ہیں، محض رجسٹر میں انہیں اکثریت دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا"۔ جناح دوسری کانفرنس اور اس کے نتائج کے بارے میں اور بھی زیادہ مایوس تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک پرانے صحافی دوست درگاداس کو سیمپسن ہوٹل میں لنچ کرتے ہوئے بتایا: "اس قسم کی جبوری سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں؟ انگریز محض ہمارے باہمی اختلافات کی نمائش و تشہیر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ گاندھی کے منظر پر آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ انگریز انہیں بیوقوف بنائیں گے اور وہ انگریزوں کو"۔ آخر میں انہوں نے سوال کیا: "کانگرس کا یہ دعویٰ کہاں گیا کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ مجھے اس کانفرنس سے کچھ حاصل ہونے کی توقع نہیں"۔

وزیر اعظم رامزے میکڈانلڈ نے اپنے اختتامی خطاب میں کہا: "گزشتہ دو ماہ کے دوران جو بحث و مباحثے ہوئے، ان سے ہمیں حل طلب مسائل کو ٹھیک طور سے سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ فوری اور مثبت اقدامات کے طور پر انہوں نے اپنی حکومت کے دو اہم فیصلوں کا اعلان کیا۔ ایک یہ کہ آئندہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو پورے گورنری صوبے کی حیثیت حاصل ہوگی، دوسرے سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے نیا صوبہ قائم کیا جائے گا"۔ ان دو خصوصی مراعات کے ملنے سے مسلم وفد کو اپنی سیاسی حکمت عملی کے درست ہونے کا یقین آ گیا۔ یہ بات الگ ہے کہ آئندہ انتخابات میں شمال مغربی سرحدی صوبہ نے سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کی قیادت میں مسلم لیگ کے بجائے کانگرس کا ساتھ دے کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

کانفرنس کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے گاندھی نے خبردار کیا: "جہاں تک میرا تعلق ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اکٹھے نہیں چل سکتے، ہم جلد ہی جدا ہونے والے ہیں"۔ واقعی ایسا ہی ہوا، ہندوستان پہنچتے ہی گاندھی جی کو بمبئی میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے برعکس جناح نے برطانوی حکومت پر زور دینا شروع کیا کہ مرکز میں پوری ذمہ داری کے ساتھ ساتھ صوبوں کو مکمل خود مختاری دی جائے کیونکہ یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ والیان ریاست کا کسی وفاقی اسکیم سے متفق ہونا خارج از امکان ہے۔ انہوں نے اپنے انگریز دوستوں کو مزید مشورہ دیا کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ عبوری طور پر حل کر دیں۔ میں ایسا اس لئے کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے فرقہ وارانہ مسئلہ حل کر دیا اور اس کے بعد مرکز میں ذمہ داری سونپنے کا قدم اٹھایا، تو مسلمان اور ہندو دونوں قومیں حکومت کے خلوص کی قائل ہو جائیں گی اور عوام اس کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دیں گے"۔ اس طرح آئندہ دس سالہ سیاسی رسہ کشی کے لئے اسٹیج تیار کر دیا گیا، جس میں جناح کے آئینی فارمولے کو انگریزوں کی حمایت حاصل رہی، جب کہ گاندھی اور اس کے حامیوں کو شدید انقلابی مزاحمت کرنا پڑی۔

اگلے چند سال جناح کی بالغ عمری کے خاموش ترین اور سیاسی سرگرمیوں سے یکسر خالی تھے۔ ان کے روزمرہ معمول میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ صبح ۹ بجے ناشتہ کر کے وہ شہر میں واقع اپنے چیمبر میں چلے جاتے۔ ان کا انگریز ڈرائیور براڈبری ان کی کار چلاتا۔ انہوں نے پریوی کونسل میں جلد ہی نام پیدا کر لیا، تاہم وہاں بطور جج کام کرنے کی حسرت ان کے دل میں ہی رہی۔ جیکار کی طرح انہیں جج میں شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی، جسٹس چھاگلہ کی روایت ہے کہ "پریوی کونسل میں جناح کی پریکٹس اتنی کامیاب نہیں رہی، جتنی کہ انہیں توقع تھی۔ اس چیز نے انہیں ۱۹۳۴ء میں ہندوستان واپس آنے کے لئے پہلے ہی آمادہ کر لیا"۔

مایوسی وبیزاری کا دور

درگاداس نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "سیمپسن ہوٹل میں لنچ کے دوران جناح نے اعتراف کیا کہ وہ اپنی قانونی پریکٹس سے خوش نہیں ہیں۔ ان کی اصل خواہش تو یہ تھی کہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں ایک سیٹ حاصل کریں یا پارلیمنٹ کے رکن بنیں"۔ دراصل اس میں اس قدر صداقت لگتی ہے کہ وہ دوسرے بہت سے وکیلوں کی طرح پریکٹس میں یقیناً کامیاب ہوئے' تاہم صرف اس قدر مصروفیت ان کے لئے ناکافی تھی۔ بلاشبہ پارلیمنٹ کی ممبری ان کا منتہائے مقصود تھا لیکن ان کے لئے کسی حلقے کا دروازہ نہیں کھلا۔ اگر پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں انہیں کوئی سیٹ مل جاتی تو وہ اس سے بھی جلد ہی بیزار ہو جاتے۔ ایک سال سے کم عرصے میں انہوں نے ہمسٹیڈ ہیتھ کا ایک ایک انچ قدموں سے ناپ ڈالا ہو گا اور لندن کے ہر بہترین اور عمدہ ہوٹل میں کھانا کھا چکے تھے۔ گو ویسٹ اینڈ کا تھیٹر اب بھی ان کے لئے باعث کشش تھا اور آکسفورڈ یا کیمبرج کے پرانے دوستوں سے ملاقاتیں بھی اپنے اندر دلچسپی کا سامان رکھتی تھیں' اس کے باوجود ان کی صلاحیتوں کو تحریک دینے والی کوئی سرگرمی موجود نہیں رہی تھی۔ ان کی زندگی کے لئے کوئی چیلنج نہیں رہ گیا تھا۔ فتح پانے کے لئے وہاں کوئی اعلیٰ سطح کا اجلاس نہیں ہوتا تھا۔ نیچا دکھانے کے لئے ان کے پائے کے حریف نہیں تھے۔ پچپن سال کی عمر میں ان کی زندگی میں ایسا ٹھہراؤ آ گیا تھا' جو مشابہت میں قبر کی خاموشی سے کسی طرح کم نہ تھا۔

ان کا دل بہلانے والی صرف دینا تھی لیکن وہ گھر سے دور اسکول میں پڑھتی تھی اور کبھی کبھار چھٹیوں میں آتی تھی۔ وہ سیاہ آنکھوں والی خوبصورت' نازک اور دلکش لڑکی تھی۔ وہ اپنی ماں کی طرح ہنستی تھی اور ممدوت کی طرح شوخی یا تنگ مزاجی سے کام لیتی تھی۔ باپ کے لاڈ سے بگڑی ہوئی بچی تھی۔ اس کے پاس دو کتے تھے' ایک سیاہ رنگ کا ڈوبرین اور دوسرا سفید رنگ کا ویسٹ ہائی لینڈ ٹیریر۔ بے شک گھر میں فاطمہ جناح بھی تھیں لیکن وہ بہت زیادہ خاموش' اداس' مصروف اور پریشان لگتی تھیں اور مسٹر جناح کو ہر وقت بن بلائے مہمانوں خصوصاً عورتوں سے چوکنا کرتی رہتی تھیں۔ وہ ہر اس عورت سے نفرت کرتی تھیں جو جناح کو پسند ہوتی تھی۔ بیگم رعنا لیاقت علی خاں کہتی ہیں کہ "وہ رتی سے بے حد نفرت کرتی تھیں' میرے خیال میں وہ ہم سب کے بارے میں بدگمان رہتی ہوں گی۔ ہم انہیں شریر بڑھیا (WICKED WITCH) کہا کرتے تھے"۔

نومبر ۱۹۳۲ء میں مسٹر جناح نے کمال اتاترک کی زندگی پر ایچ۔ سی۔ آر مسٹرونگ کی کتاب GREY WOLF پڑھی۔ ایسا لگتا ہے کہ ترکی کے اس عظیم معمار کی سوانح حیات میں انہیں خود اپنی زندگی کی جھلکیاں نظر آئیں' چنانچہ وہ گھر پر بڑی دیر تک اسی کتاب کا تذکرہ کرتے رہتے' یہاں تک کہ دینا کے ساتھ بھی اس بارے میں باتیں ہوئیں' جس نے ان کا نام ہی "گرے ولف" رکھ دیا۔ دینا کی عمر اس وقت محض ۱۳ سال تھی' وہ مسٹر جناح سے کام لینے کا ہنر خوب جانتی تھی۔ ہر اتوار کو "پنچ اور جوڈی" سینما جانے کے لئے وہ بڑے پیار سے اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہتی: "آیئے' گرے ولف' مجھے خاموش تماشا دکھانے لے چلئے' کیونکہ میں چھٹی پر ہوں"۔ اس کے بعد مسٹر جناح کے لئے پس و پیش کی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔

ان کی توجہ ہٹانے والی دیگر مصروفیات بھی تھیں لیکن ان کی نوبت کبھی کبھار آتی تھی۔ بیگم شاہنواز لندن

واپس آ گئی تھیں تاکہ پہلی دو کانفرنسوں کی سفارشات کو پارلیمانی بل کی شکل دینے میں ہاتھ بٹا سکیں۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کے لئے مسٹر جناح ہر طرح سے موزوں تھے' لیکن انہیں نہ تو تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی' نہ ہی پارلیمنٹ کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں حصہ لینے کو کہا گیا۔ آخری کانفرنس میں آغا خاں' ظفراللہ خاں' سپرو' جیکار' پاٹرو اور امبیدکر نمایاں تھے۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے ہارڈنگ' اردن' ا۔ٹلی' زٹلینڈ' لارڈ چانسلر اور آرچ بشپ آف کنٹربری حصہ لے رہے تھے' البتہ جناح' گاندھی اور نہرو موجود نہ تھے۔ نہرو کو گاندھی کے واپس بمبئی پہنچنے سے پیشتر ہی الہ آباد میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا تھا' پھر بمبئی پہنچنے پر گاندھی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔

کمیونل ایوارڈ

جناح کی لندن کو واپسی اور وہاں سب سے الگ تھلگ قیام قید خانہ کی زندگی سے بہتر نہ تھا۔ انہیں رہ رہ کے وطن کی یاد ستاتی ہوگی' لیکن وہاں کے حالات کسی طور سازگار نہ تھے۔

گورنمنٹ نے وزیر اعظم کے وعدہ کو نباہتے ہوئے' دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمہ پر اگست ۱۹۳۲ء میں فرقہ وارانہ فیصلہ (کمیونل ایوارڈ) منظوری کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ اس کی رو سے مسلمانوں کو پنجاب میں ۵۱ فیصد اور بنگال میں ۵۰ فیصد سے کم سیٹوں کی یقین دہانی کرائی گئی۔ جہاں طاقت کا توازن خصوصی مفادات رکھنے والے یورپیوں کو حاصل تھا' جداگانہ طرز انتخاب کو بحال رکھا گیا۔ نیز ہندو اکثریت کے تمام صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی دی گئی۔ تیسری گول میز کانفرنس ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو ختم ہوئی جس کے اختتام پر سیکرٹری آف سٹیٹ سر سیموئیل ہور نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کو آل انڈیا وفاقی مرکز میں پوری ۳۳.۷۵ فیصد نمائندگی دی جائے گی۔ نیز یہ کہ اڑیسہ اور سندھ نام کے دو صوبے جلد ہی قائم کر دیئے جائیں گے۔

ادھر کیمبرج میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایک ۳۵ سالہ مسلمان طالب علم چوہدری رحمت علی نے ایک پمفلٹ شائع کیا' جس کا عنوان تھا "اب یا پھر کبھی نہیں"۔ ذیلی عنوان کے تحت لکھا تھا: "کیا ہمیں زندہ رہنا ہے یا ہمیشہ کے لئے مٹ جانا ہے؟"۔ گمنام رحمت علی نے اپنی شناخت "پاکستان کی قومی تحریک کے بانی" کی حیثیت سے کرائی تھی اور اس کے تین ساتھیوں' وہ بھی کیمبرج کے طالب علم تھے' محمد اسلم خان' شیخ محمد صادق اور عنایت اللہ خان کے نام بھی پمفلٹ پر درج تھے' جنہوں نے بظاہر اس پمفلٹ کے مندرجات کی ترتیب و اشاعت میں ہاتھ بٹایا تھا جس میں پہلی بار پاکستان کا نام لیا گیا تھا۔ رحمت علی نے ہندو مسلم تنازعہ کا یہ حل تجویز کیا تھا کہ ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کو جو پانچ شمالی صوبوں یعنی سرحد' پنجاب' کشمیر' سندھ اور بلوچستان میں آباد ہیں' ہندوؤں سے الگ اپنا آزاد ملک قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگرچہ ۱۹۳۳ء میں کیا گیا یہ مطالبہ علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء سے ماخوذ تھا' تاہم کیمبرج میں "پاکستانی قومی موومنٹ" کے بانی طلبہ کا اصرار تھا کہ ان کا پلان بنیادی طور پر علامہ اقبال کی تجویز سے مختلف ہے' کیونکہ علامہ اقبال نے انڈین وفاق کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے الگ یونٹ کی تشکیل کا تصور دیا تھا' جبکہ ہم وفاق سے باہر ایسی ریاست کا قیام چاہتے ہیں۔ وہ زور دے کر یہ بات کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو ہندوؤں کی غالب اکثریت پر مشتمل وفاق میں رکھا گیا' تو ملک میں امن

آشتی قائم نہیں رہ سکتی۔ اس صورت میں ہم اپنی تقدیر کے آپ مالک نہیں ہوں گے' بلکہ ہندوؤں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

پاکستان نامی پمفلٹ کی اشاعت کے فوراً بعد متعدد کنزرویٹو حکام نے پارلیمنٹ کی آئینی اصلاحات پر جائنٹ کمیٹی کے روبرو مطالبہ پاکستان کو مبہم اور بے معنی قرار دیا۔ سر میکائیکل اوڈائر نے' جو جلیانوالہ باغ کے مشہور زمانہ قتل عام کے وقت پنجاب کا گورنر رہ چکا تھا' وسط جون میں مذکورہ کمیٹی کے سامنے آل انڈیا فیڈریشن کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل پیش کی کہ "اگر ہندو اکثریت پر مشتمل وفاقی حکومت نے اپنی رائے مسلم اکثریت کے صوبوں پر ٹھونسنے کی کوشش کی تو پنجاب' سندھ' بلوچستان اور سرحدی صوبہ کو وفاق سے الگ ہونے اور اپنا جداگانہ مسلم وفاق بنانے سے کونسی چیز باز رکھ سکے گی جبکہ مسلم فیڈریشن کی تجویز پہلے ہی پیش کی جا چکی ہے۔ جنرل اوڈائر یہ وضاحت نہیں کر سکا کہ مسلم فیڈریشن کا تصور کہاں وجود رکھتا ہے؟ ایسا لگتا ہے شاید اس کی نظر سے چوہدری رحمت علی کا "پاکستان" نامی کتابچہ گزر چکا تھا یا اس نے ایسی تجویز کسی مسلمان دانشور سے سن لی تھی۔

سر ظفر اللہ خان نے' جو بعد میں پاکستان کے وزیر خارجہ بنے' اپنے دورہ لندن کے دوران پاکستان اسکیم کو چند طالب علموں کی ایک ایسی تجویز قرار دیا جسے کوئی سنجیدگی سے لینے کو تیار نہیں۔ مسلم وفد کے دوسرے ممبر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: "اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ ابھی تک کسی نمائندہ شخص یا تنظیم نے اس اسکیم پر غور نہیں کیا"۔

آیا جناح کو ان دنوں پاکستانی اسکیم کا علم تھا یا نہیں' ان کے کاغذات سے اس بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اگلے سال چوہدری رحمت علی نے ان سے ملنے اور اپنی اسکیم پر تبادلہ خیالات کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے وقت نہیں دیا۔ ابھی تک وہ مسلم لیگ کی اس دعوت کو قبول کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھے جو اپریل ۳۳ء میں دہلی میں ہونے والے اجلاس کی صدارت کرنے کے لئے دی گئی تھی۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا تھا "میں دسمبر ۳۴ء سے پہلے ہندوستان نہیں آ سکتا"۔ عبدالمتین چوہدری کے برقی دعوت نامہ کے جواب میں انہوں نے مزید کہا "علاوہ ازیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں وہاں آ کر کیا کروں گا۔ آپ نے بجا طور پر تجویز کیا ہے کہ میں اسمبلی کا ممبر بن جاؤں۔ لیکن کیا اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ ممبر بن کر میں وہاں کوئی کام کر سکوں گا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر غور کر کے میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان میں میری خدمات کی کوئی گنجائش نہیں' تاہم میں افسوس کے ساتھ پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان کو بچانے کے لئے اس وقت تک کچھ نہیں کیا جا سکتا جب تک ہندو صحیح صورت حال کا اعتراف نہیں کرتے۔ انہیں بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ اگر کوئی اسکیم اتفاقیہ کامیاب ہو گئی تو وہ صورت حال' موجودہ پوزیشن' سے بھی بدتر ہو گی۔ میں آپ کی اس تجویز کے لئے شکر گزار ہوں کہ میں سر ابراہیم (رحمت اللہ) کے مستعفی ہونے کے بعد الیکشن میں کھڑا ہونے کی کوشش کروں' تاہم اس بارے میں ہندوستان آنے سے پہلے کچھ نہیں کہہ سکتا' بہرحال میں دسمبر میں چند ماہ کے لئے ہندوستان آؤں گا"۔

ہندوستان واپسی کی دعوت

پروگرام کے مطابق دسمبر کا دورہ پیشہ ورانہ کام کے سلسلے میں تھا۔ تاہم اسمبلی کا دوبارہ انتخاب لڑنے کی خواہش بھی اپنی جگہ موجود تھی۔ شاید وہ لندن کی بے کیف اور خاموش زندگی سے اکتا گئے تھے۔ گرمیوں میں نوابزادہ لیاقت علی خاں اپنی خوبصورت دلہن کے ساتھ لندن پہنچے اور انہیں ہندوستان واپس چلنے کی دعوت دی۔ دراصل وہ ہنی مون منانے گئے تھے ایک استقبالیہ میں اچانک مسٹر جناح سے ملاقات ہوگئی' جہاں انہوں نے نوجوان جوڑے کو اپنے گھر پر لنچ کرنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر نواب زادہ نے اصرار کے ساتھ کہا: "آپ کو لازماً وطن جانا ہوگا۔ لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ تن تنہا مسلم لیگ میں نئی جان ڈال سکتے ہیں اور اسے ختم ہونے سے بچا سکتے ہیں"۔ بیگم لیاقت علی خاں نے بھی بیگم شاہنواز کی طرح بڑے عقیدت مندانہ اور مودبانہ الفاظ میں ویسی ہی اپیل کی۔ آخرکار لیاقت علی خاں کی ترغیبات اور امداد و تعاون کے وعدے رنگ لائے۔ لیاقت علی خاں کی اس اپیل نے ان کی "انا" کو بڑا متاثر کیا کہ صرف وہی مسلم لیگ کو بچا سکتے ہیں اور مسلمانوں کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا سکتے ہیں۔ لندن میں ان کے لئے اب صرف ایک گول میز رہ گئی تھی جس پر بیٹھ کر وہ اور فاطمہ کھانا کھاتے تھے' ایک دوسرے سے کبھی کبھار بات کر لیتے تھے اور مسکرانے کی نوبت تو بالکل نہیں آتی تھی۔ اکثر شاموں کو ماسوائے جب کوئی خوبصورت بیگم رونق افروز ہوتی گھر کی روشنیاں مدہم رہتی تھیں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ مسٹر جناح بہت بڑے ایکٹر تھے اور انہیں اپنی اداکاری سے ناظرین کے دل موہ لینے کے لئے سٹیج کی تلاش تھی اور ایسا اسٹیج ہندوستان میں ہی میسر آسکتا تھا۔

گیارہواں باب — لندن —— لکھنؤ —— (۳۷—۱۹۳۴ء)

جناح ۳۴ء میں بمبئی واپس آگئے' تاہم انہوں نے ہمسٹیڈ میں اپنا دفتر بند نہیں کیا' نہ ہی شہر میں اپنا چیمبر خالی کیا۔ اگلے چند برسوں کے دوران وہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان سفر کرتے رہے اور لندن یا بمبئی کو اپنا مستقل مسکن بنانے کے بارے میں سوچتے رہے۔

۴ مارچ ۳۴ء کو دہلی میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس ہوا' جس میں طے پایا کہ پارٹی کے عزیز گروپ کو' جو ایک سال پہلے اس وقت علیحدہ ہو گیا تھا جب اس کے قائم مقام صدر میاں عبدالعزیز بیرسٹر نے تمام سیکرٹریوں کو بھگا دیا تھا اور لیگ کو ذاتی پارٹی کی حیثیت دے دی تھی' دوبارہ لیگ میں شامل کر لیا جائے۔ عزیز گروپ نے اکتوبر ۳۳ء میں اپنا اجلاس ہگلی کے پار ہوڑہ (کلکتہ) میں منعقد کیا جبکہ خان بہادر حافظ ہدایت حسین کی صدارت میں ایک ماہ بعد جو اجلاس ہوا' اس نے عزیز گروپ کو "باغی گروپ" کا نام دیا۔ ہدایت حسین گول میز کانفرنسوں میں شرکت کر چکا تھا' جہاں اس نے جناح' شفیع اور آغا خان جیسے قائدین سے ملاقاتیں کیں' وہ مسلمانوں کے متحدہ مطالبات کے حق میں تھا۔ ۳۳ء میں اس کے گروپ نے ایک قرارداد کے ذریعے لیگ کونسل کو اختیار دے دیا کہ وہ آغا خاں اور جناح سے مل کر مسلم لیگ کو ایک کرنے کے لئے تجاویز پر تبادلہ خیال کرے۔ عبدالعزیز نے اس شرط کے ساتھ مسلم لیگ میں واپس آنے پر رضامندی ظاہر کر دی کہ مشترکہ اجلاس کی صدارت مسٹر جناح سے کرائی جائے۔ ہدایت حسین کو پہلے تو اپنا منصب صدارت چھوڑنے میں تامل تھا' تاہم آخر میں مسٹر جناح کے

حق میں دستبردار ہوگیا۔ مارچ کے اجلاس میں کونسل نے مسٹر جناح کو اختیار دے دیا کہ وہ سالانہ اجلاس کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعین کریں۔ چونکہ انہوں نے ۲۲ اپریل کو برطانیہ جانے کے لئے سیٹ بک کرالی تھی' اس لئے وہ صرف یکم اور دو اپریل کو لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کرسکے۔

کونسل کے ۴۰ ممبران نے مسٹر جناح کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ان اجلاسوں میں پریس کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کونسل کی میٹنگ ختم ہونے پر جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ "مسلم لیگ پوری طرح چاق وچوبند ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمان ہندوستانی مفادات کی خدمت کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ قرطاس ابیض کی مذمت کرنے کے لئے خصوصی دلائل کی ضرورت نہیں' صرف اس میں درج تجاویز کا مطالعہ کافی ہے"۔

یاد رہے کہ سر سیموئل ہور' سیکرٹری آف سٹیٹ نے ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے لئے مارچ ۳۳ء میں اپنی تجاویز پیش کی تھیں' جنہیں وائٹ پیپر کا نام دیا گیا تھا۔ ان میں کہا گیا تھا کہ فیڈریشن آف انڈیا گورنری صوبوں اور ریاستوں کی ایک یونین ہوگی جس کے تمام اختیارات "تاج" کو حاصل ہونگے۔ فیڈریشن کے انتظامی اختیارات' شاہ برطانیہ کی طرف سے ایک گورنر جنرل استعمال کرے گا جس کا تقرر ہز میجسٹی کریں گے۔ وہ ہندوستان کی مسلح افواج کا سپریم کمانڈر ہوگا۔ وہ براہ راست دفاع' امور خارجہ اور کلیسائی امور کا انچارج ہوگا۔ اتنے غیر معمولی اختیارات کسی ایسے نظام میں جسے آئینی کہا جائے' اپنی مثال آپ تھے۔ اس لئے مسٹر جناح نے ان تجاویز پر کڑی نکتہ چینی کی۔ ونسٹن چرچل کے زیر قیادت ٹوری پارٹی نے بل کی زبردست مخالفت کی تاہم پارلیمنٹ نے ۱۷ مارچ ۳۳ء کو اس کی منظوری دے دی۔

مسٹر جناح نے نئی سٹریٹجی کے تحت کانگریس سے از سر نو رابطہ قائم کیا تاکہ وہ کمیونل ایوارڈ میں مسلمانوں سے جو وعدے کئے گئے ہیں' ان سب کو منظور کرلے۔ اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کی وائٹ پیپر کے خلاف احتجاج کی راہ ہموار ہوگئی۔ ٹوری پارٹی کے پارلیمنٹ کا ٹکٹ دینے سے انکار پر برافروختہ ہوکر نیز ولنگڈن اور ہور ہندوستان کو جس ظالمانہ طریق سے چلا رہے تھے' اس سے پریشان ہوکر جناح نے سوچا' اس وقت کانگریس کو ہندو مہاسبھا پر انحصار کم کرنے کی ترغیب دی جائے اور ملک میں فرقہ وارانہ امن وسکون قائم کرنے کے لئے کام کیا جائے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے انہوں نے کانگریس سے کہا "کیا ہم اس نازک وقت میں اپنے اختلافات کو بھلا سکتے ہیں اور آشکار خطرہ کی موجودگی میں ماضی کو نظرانداز کرسکتے ہیں؟ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوسکتی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مکمل تعاون اور دوستی کی فضا قائم کی جائے۔ اور اس خواہش میں میرا تاثر یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں کی ٹھوس حمایت حاصل ہے۔ قومی حکومت خود اختیاری کے مطالبہ میں مسلمان کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں' پس تنازعہ کی اصل جڑ یہ ہے کہ کیا ہم مسلمانوں کو مکمل طور پر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ جن تحفظات کو بہت اہم سمجھتے ہیں' انہیں ملک کے آئندہ آئین میں شامل کرلیا جائے گا؟"

جناح کی متحدہ قومی پلیٹ فارم کی تشکیل کے لئے کام کرنے پر آمادگی نے لیگ میں برطانیہ کے حامی قائدین مثلاً سر فضل حسین اور ہدایت حسین کو چوکنا کردیا۔ انہوں نے نواب چھتاری کو ساتھ ملاکر کوششیں شروع کردیں کہ مسلم اکثریت کو جناح سے دور رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے نواب چھتاری کے ایماء پر ایک پارلیمانی مجلس بنائی گئی' تاہم وہ زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی۔ ہدایت حسین نے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلانے کے لئے توڑ جوڑ شروع کئے لیکن جناح کی قیادت کو چیلنج کرنے میں وہ بھی کامیاب نہیں ہوسکا اور دل برداشتہ ہوکر سال ختم ہونے سے پہلے ہی راہی ملک عدم ہوگیا۔ جناح کی یہ پالیسی بڑی کامیاب رہی کہ پہلے کانگریس کو مسلمانوں کی امداد سے محروم کیا اور انگریزوں کا حامی بنایا' پھر انہیں انگریزوں کے خلاف صف آرا کردیا اور اس طویل جدوجہد کے ہر مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے مراعات حاصل کیں' جو بالآخر مذاکرات کے ذریعے انتقال

اقتدار پر منتج ہوئیں۔

انڈی پنڈنٹ پارٹی کے پارلیمانی لیڈر

جناح ابھی لندن میں ہی تھے کہ اکتوبر کے انتخابات میں اہل بمبئی نے انہیں اپنی نمائندگی کے لئے دوبارہ منتخب کر لیا۔ دراصل اس سیٹ پر کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ جس نشست پر وہ جنگ عظیم اول سے پہلے منتخب ہوئے تھے' اسی سیٹ کے لئے صرف انہیں نامزد کیا گیا اور وہ بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے پارلیمانی لیڈر چن لئے گئے۔ وہ دسمبر ۳۴ء میں لندن سے واپس بمبئی آئے اور جنوری میں دہلی پہنچے جہاں انہوں نے کانگریس کے صدر راجندر پرشاد سے ملاقات کی' تاہم فرقہ وارانہ تنازعہ کا حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ پنڈت مدن موہن مالوی نے جو ہندو مہاسبھا کا لیڈر تھا کانگریس کا پریذیڈنٹ بھی رہ چکا تھا' جناح کے پیش کردہ مسلم مطالبات ماننے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ معقولیت پر مبنی تھے۔ اس طرح کروڑوں بے بس عوام کی تقدیر پر چند ہٹ دھرم لیڈروں نے محرومی کی مہر ثبت کر دی۔ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ میں اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوئے۔ یوں جناح' پرشاد مذاکرات کوئی مقصد حاصل کئے بغیر ختم ہو گئے۔ البتہ پرشاد کو مسٹر جناح کی قائدانہ صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرنا پڑا۔

فروری ۳۵ء میں جناح نے انڈین پارلیمنٹ میں زیر بحث آئینی اصلاحات بل میں ایک ترمیم پیش کی۔ تین حصوں پر مبنی ان کی تجویز میں کہا گیا تھا کہ کمیونل ایوارڈ کو اس وقت تک کے لئے منظور کر لیا جائے جب تک متعلقہ اقلیتیں کسی متبادل فارمولا پر متفق نہیں ہو جاتیں۔ دوسرے صوبائی حکومت کے شعبہ میں سے ان قابل اعتراض امور خصوصاً دوسرے ایوان کی تشکیل' گورنروں کے خصوصی اور غیر معمولی اختیارات' پولیس رولز' سیکرٹ سروس اور انٹیلی جنس کے محکمہ جات سے متعلق دفعات ختم کی جائیں جن کی موجودگی میں اصل انتظامیہ کا کنٹرول اور ذمہ داری غیر موثر ہو کے رہ گئی ہے' تیسرے آل انڈیا فیڈریشن اسکیم کو بالکل فرسودہ' بنیادی طور پر ناقص اور سراسر ناقابل قبول قرار دیا جائے۔ کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی نے جناح کی تجویز کے خلاف اور کمیونل ایوارڈ کے حق میں تقریر کی' تاہم کانگریس نے حصہ اول کی مخالفت میں ووٹ نہیں دیا۔ تجویز کو ۱۵ کے مقابلہ میں ۶۸ سے منظور کر لیا گیا۔ سرکاری بلاک اور یورپینوں نے بھی اس کی حمایت کی۔ تجویز کے دوسرے اور تیسرے حصہ پر ایک ساتھ رائے شماری ہوئی۔ کانگریس نے حمایت اور سرکاری بلاک نے مخالفت کی۔ اس طرح تینوں تجاویز بھاری اکثریت سے پاس ہو گئیں اور لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ جناح واقعی ملک کے ذہین ترین پارلیمنٹرین ہیں۔

جناح خوب جانتے تھے کہ یہ محض "کاغذی فتح" ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ چاہے تو اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے' تاہم انہوں نے کم از کم ٹوری پارٹی (برطانیہ) اور کانگریس دونوں کو دکھا دیا تھا کہ ان کی "معمولی سی اقلیت" کی آواز پھیل کر کتنی وسعت اختیار کر سکتی ہے' اور اگر اسے صحیح طریقہ سے زبان دی جائے تو مسلم اقلیت کے مطالبات اکثریت کی آواز معلوم ہونے لگتے ہیں۔ تاہم ایک ایسے ملک میں جہاں وہ سال کے صرف چند ماہ گزارتے تھے' قومی لیڈر شپ حاصل کرنے کے لئے بڑی سخت جدوجہد درکار تھی۔ انہوں نے بمبئی میں اپنے پرانے شاگرد چھاگلہ کو دوبارہ ساتھ ملانے کی کوشش کی' تاہم چھاگلا نے مسلم لیگ میں شمولیت سے متعلق اپنے "باس" کی اپیل پر کان نہیں دھرے بلکہ ان پر زور دیا کہ وہ ایک غیر فرقہ وارانہ پارٹی منظم کریں تو دوبارہ ہر دلعزیز لیڈر بن سکتے ہیں۔ بہرحال اپنی ۶۰ ویں سالگرہ کے موقع پر جناح اس جماعت کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے جو ان پر مکمل اعتماد کرتی اور ان کی قیادت میں کام کرنے کو تیار تھی۔ اپریل ۳۵ء میں وہ پھر لندن چلے گئے اور اگلے چھ مہینے وکالت کی مصروفیات میں بسر کئے۔ پریکٹس سے اب انہیں چالیس ہزار ماہوار تک آمدنی ہونے لگی تھی۔

مسٹر جناح اکتوبر ۳۵ء میں وطن لوٹ آئے تاکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۳۵ء کے تحت ہونے والے انتخابات کے لئے اپنی پارٹی کو منظم اور تیار کر سکیں۔ نیز صوبائی اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کا نیا کیڈر قائم کر سکیں۔ مذکورہ ایکٹ نے ۲ اگست ۳۵ء کو قانون کی شکل اختیار کی۔ اگرچہ اس میں شامل آل انڈیا فیڈریشن اسکیم پر کبھی عملدر آمد نہیں ہوا' تاہم اس کے دوسرے حصے ۴۷ء کے بعد دستور کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ۴۷ء میں آزادی کے بعد بھی ہندوستان اور پاکستان نے اپنے اپنے دساتیر کی تدوین میں اس سے بڑی مدد لی۔ ونسٹن چرچل اس ایکٹ کو از کار رفتہ قرار دیتے تھے۔ اس کے متعلق جناح بھی اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ ۳۵ء کے آخر میں بمبئی پہنچنے پر ایک بیان میں انہوں نے کہا تھا "ہم سب جانتے ہیں کہ نیا دستور ہم پر ٹھونسا گیا ہے۔ اب یہ مختلف لیڈروں کا فرض ہے کہ اس کے بارے میں ایک دو ٹوک اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں"۔ فروری ۳۵ء میں انہوں نے اسمبلی کی بحث کے دوران فیڈریشن اسکیم پر جو نکتہ چینی کی تھی' وہ بہت زوردار اور موثر تھی۔ کیونکہ گاندھی جی' جنہوں نے ستمبر ۳۴ء میں کانگریس سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کردیا تھا' ایک دفعہ پھر سرگرم عمل ہوگئے اور اب انہوں نے اپنی زندگی چھوت چھات کے خاتمہ اور سب کی بھلائی کے لئے وقف کرنے کی ٹھان لی۔ مذکورہ بالا اسکیم کو ہدف تنقید بناتے ہوئے گاندھی نے کہا۔

"مجھے یقین ہے اس فیڈریشن اسکیم کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان نے گزشتہ ۵۰ برسوں میں نمائندہ حکومت کے سلسلہ میں جو ترقی کی ہے اور جس مقصد کے لئے جدوجہد کی ہے' وہ سب کچھ قربان کردے۔ اس بارے میں کسی صوبہ سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ والیان ریاست سے نہیں پوچھا گیا آیا وہ فیڈریشن میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔ میرا اگلا اعتراض یہ ہے کہ مذکورہ اسکیم قابل عمل نہیں ہے"۔

جواہر لال نہرو کو ستمبر ۳۵ء میں جیل سے رہائی کے بعد اپنی بیوی کملا کے پاس جانے کی اجازت دیدی گئی تھی جو تپ دق کا علاج کرانے جرمنی گئی ہوئی تھی۔ نہرو اپنی بیوی کی وفات (۲۸ فروری ۳۶ء) تک یورپ میں مقیم رہے اور پرشاد کے بعد کانگریس کی صدارت سنبھالنے کے لئے ۳۶ء میں ہندوستان لوٹ آئے۔

اپریل ۳۶ء میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر جناح کو مستقل صدر چنا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے میثاق لکھنؤ کے پرانے ساتھی سید وزیر حسن (ریٹائرڈ چیف جسٹس لکھنؤ ہائی کورٹ) کو لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے نامزد کیا۔ اصل میں سر فضل حسین کو اس اجلاس کی صدارت کرنی تھی' لیکن طویل علالت اور بعد میں وفات کے باعث وہ ایسا نہ کر سکے۔ فضل حسین جناح کو سخت ناپسند کرتے تھے ــــ اپنی موت سے ایک ماہ پیشتر انہوں نے ڈائری میں لکھا "اب میں عام طریقہ سے ہٹ کر ان کے لئے شرافت کا مظاہرہ نہیں کروں گا" لیکن جناح نے انہیں اپنی قوت ارادی کے اظہار کا موقع نہیں دیا۔ لیگ کے اجلاس کے لئے دو بار تاریخ مقرر کی گئی اور اجلاس کسی نہ کسی بہانے ملتوی کردیا گیا۔ فضل حسین نے اپنے ڈائری نوٹ کے آخر میں لکھا۔ "ایسا لگتا ہے وہ میرا سامنا کرنے سے اجتناب کر رہے ہیں"۔

لیگ کے اجلاس بمبئی میں فیصلہ کیا گیا کہ اس منتشر جماعت کو عوامی تحریک میں بدلنے کے لئے ہر ضلع میں اس کی شاخیں قائم کی جائیں اور رضاکار بھرتی کئے جائیں جو ملک کے ہر گاؤں' قصبہ اور شہر تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچائیں اور مسلم عوام کو آئندہ انتخابات میں بھرپور حصہ لینے پر ابھارا جائے۔ طے پایا کہ سیکرٹریٹ کے اخراجات کے لئے ابتدائی طور پر پانچ لاکھ روپے اکٹھے کئے جائیں۔ علی گڑھ اور دوسری یونیورسٹیوں کے مسلمان طلباء کو دعوت دی جائے کہ وہ اس قومی خدمت میں رضاکارانہ طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ سید وزیر حسن نے اپنے صدارتی خطبہ میں کانگریس لیگ کی طرف سے ملک کی دیگر سیاسی پارٹیوں کو مشترکہ طور پر دعوت دی کہ "وہ سمجھوتہ کے لئے ایسی کم سے کم شرائط تلاش کریں جن کی بدولت ہم مل جل

کر ملک کے لئے نیا دستور مرتب کر سکیں"۔ میثاق لکھنؤ کے پیچھے کار فرما اصل سوچ اور نہرو رپورٹ سے پہلے آل پارٹیز کانفرنس کے تصور کو آزمانے کی یہ ایک اور کوشش تھی۔ صرف یہی نہیں وہ چار نکات پر مشتمل ایک تجویز بھی ساتھ لائے تھے جس کے بارے میں انہیں توقع تھی کہ جواہر لال کی کانگریس کے اعتدال پسند ہی نہیں بلکہ مہاسبھائی لیڈر بھی اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ وہ چار نکات یہ تھے۔

۱) موجودہ نظام کی جگہ لینے کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جمہوری ذمہ دار حکومت کا قیام۔

۲) تمام غیر معمولی استبدادی قوانین کی تنسیخ اور آزادی اظہار رائے نیز پریس اور تنظیم کی آزادی کی بحالی۔

۳) کسانوں کو فوری اقتصادی امداد' تعلیم یافتہ اور ناخواندہ بیروزگاروں کے لئے سرکاری سطح پر روزگار کی فراہمی' نیز کارکنوں کے لئے کم سے کم مقررہ اجرت کے ساتھ آٹھ گھنٹے یومیہ کار کردگی۔

۴) مفت اور لازمی پرائمری تعلیم کا اجراء

اجلاس میں مسٹر جناح نے ایک قرارداد پیش کی جس کے ذریعے مجوزہ دستور کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں شامل کر کے عوام پر ٹھونسنے کی سرکاری کوشش کے خلاف پر زور احتجاج کیا گیا تھا۔ قرارداد پر بولتے ہوئے انہوں نے اپنے پیروکاروں کو تلقین کی کہ وہ نئی فیڈرل اسکیم کے ساتھ وہی سلوک کریں جیسا برتاؤ جرمنوں نے معاہدہ وارسائی کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا آئینی احتجاج ہی وہ واحد طریقہ ہے جو برطانوی حکومت کو اپنی اسکیم بدلنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ مسلح انقلاب کا کوئی امکان نہیں' جبکہ عدم تعاون کا نسخہ ہم آزما چکے ہیں۔ وہ کامیاب نہیں ہوا' بہرحال ایسی آئینی تبدیلی کے لئے تمام قوتوں کو شانہ بشانہ جدوجہد کرنی ہوگی"۔

ایک مہینے بعد لارڈ ولنگڈن کی جگہ لارڈ لنلتھگو وائسرائے بن کر آگئے تاکہ اس دستور کو نافذ کر سکیں جس کی تدوین میں انہوں نے جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستانیوں کے نام اپنے پہلے نشری خطاب میں انہوں نے لوگوں کو اپنی غیر جانبداری کا یقین دلاتے ہوئے کہا "مجھ پر خدا کا بڑا کرم ہے اس نے مجھے پانچ بچے عطا کئے ہیں' میں پانچوں سے پیار کرتا ہوں لیکن ان میں سے کوئی بھی چہیتا نہیں"۔ وائسرائے کے فرزند نے' جو اس تقریر کی رپورٹنگ پر مامور تھا' اس کے بارے میں جناح کا ردعمل بھی نقل کیا اور اسے "منحوس" قرار دیتے ہوئے لکھا "جناح نے اپنے پیروکاروں کو بتایا کہ نئے وائسرائے کا غیر جانبداری کے بارے میں عہد انگیزی حکومت سے مسلمانوں کی وفاداری کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے"۔

اسی مہینے جناح نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ قومی معاملات میں کانگریس اور دیگر ہندو اکثریت والی جماعتوں سے قدم ملا کے چلیں۔ اس پالیسی کی بنا پر ان کے لئے مسلمان رفقائے کار خصوصاً صوبائی سربر آوردہ شخصیات مثلاً پنجاب میں سر فضل حسین' سندھ میں سر غلام حسین' ہدایت اللہ' آسام میں سر محمد سعد اللہ خان اور صوبہ سرحد میں خان عبدالقیوم خان کو ساتھ لے کر چلنا اور ان کی فرمانبرداری کو برقرار رکھنا محال ہوگیا جو ہمیشہ صوبوں کے لئے مخصوص مراعات و مفادات کے طلبگار رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مرکزی قوت کی ڈھال کے نیچے رہ کر ہی ایسا ممکن ہے۔ جناح کی بصیرت اس سے کہیں آگے دیکھ رہی تھی وہ مستقبل میں تمام قوموں کو مساوی المرتبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ انگریز' ہندوستانی اور پاکستانی --- برابر کی سطح پر ہوں۔ اگر کانگریس اپنی اس بدتمیزی پر قائم رہی' جس کا مظاہرہ اس کے بعض لیڈر مسلم مطالبات کے بارے میں گاہ بگاہ کرتے رہتے تھے۔

لیگ کو مضبوط کرنے، اس کی سوداکاری پوزیشن کو بہتر بنانے اور آئندہ انتخابات کے سلسلہ میں بمبئی کے اجلاس نے مسٹر جناح کو سنٹرل پارلیمانی بورڈ کا چیئرمین منتخب کیا اور انہیں صوبائی پارلیمانی بورڈوں کے تقرر کا اختیار دے دیا۔ یہ بورڈز جو کانگریس کے پارلیمانی بورڈز کی طرز پر قائم کئے گئے، مسٹر جناح کے لئے بازو ثابت ہوئے اور آہستہ آہستہ ان کا اقتدار پوری مسلمان قوم تک پھیلانے میں بڑی مدد دی۔ سن کے اختتام سے پہلے ہی ۵۴ نمایاں مسلمان سیاستدانوں نے ان کے تحت مرکزی پارلیمانی بورڈ میں کام کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کردیں۔ جس کا پہلا اجلاس ۸ تا ۱۱ جون لاہور میں ہوا۔ ۹ جولائی کو سر فضل حسین کی موت نے جناح کے راستہ سے ایک مضبوط حریف کو ہٹا دیا۔ دوسری طرف انہوں نے ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کرکے انہیں بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔

جناح نے مرکزی پارلیمانی بورڈ کو مسلمانوں کا صحیح معنوں میں نمائندہ بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ دہلی میں لیگ کونسل کے ممبران اور متعدد صوبائی لیڈروں سے صلاح مشورہ کیا۔ بعد ازاں چار دن پنجاب میں گزارے اور وہاں بہت سے لوگوں کو لیگ میں شامل کیا۔ علامہ اقبال کے علاوہ پاکستان کے ہونے والے تین وزرائے اعظم، لیاقت علی خان (یوپی) سہروردی (بنگال) اور آئی آئی چندریگر (بمبئی) پارلیمانی بورڈ میں شامل تھے۔ جناح کی منفرد شخصیت اور بے مثال قابلیت کی بدولت ذہین، قابل اور باصلاحیت نوجوانوں کی بھاری کھیپ مسلم لیگ کی علمبردار بن گئی اور انہوں نے منتشر قوم کو ایک متحد و منظم قوم میں بدل دیا۔ یوں بہت سے دولت مند، تاجر، تجربہ کار اور ارباب دانش و حکمت جناح کے نائب اور دست و بازو بن گئے۔ ۱۹۳۶ء سے قبل مسلم لیگ مالی الجھنوں کا شکار رہتی تھی، بہت سے ارکان سالانہ چندہ بھی بروقت ادا نہیں کرتے تھے، اگرچہ انہیں بھاری خرچ کرکے وی پی پارسل بھیجے جاتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر بغیر ادائیگی واپس آتے تھے۔ ۱۹۱۱ء سے مہاراجہ آف محمود آباد لیگ کی مالی امداد کی غرض سے ۳۰۰۰ روپے سالانہ روپے دے رہے تھے، تاہم اب اخراجات بہت بڑھ گئے تھے۔ دوسرے الیکشن مہم سر پر آرہی تھی۔ اس لئے اب وسیع پیمانہ پر مالی امداد کی اپیل کی گئی، جو موثر ثابت ہوئی اور کلکتہ کے تاجر ابوالحسن اصفہانی سمیت متعدد سرمایہ داروں نے لیگ کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے۔

۱۹۳۶ء میں لیگ کو بنگال میں دو حریف مسلم پارٹیوں سے سابقہ پڑا۔ ان میں سے ایک تو نواب آف ڈھاکہ کی یونائیٹڈ مسلم پارٹی تھی جبکہ دوسری مولوی فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی ۔ نواب آف ڈھاکہ نے کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں اپنی پارٹی کا سہ روزہ کنونشن منعقد کرنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن اصفہانی اور انکے ساتھیوں نے اوائل اگست میں وہاں ایک قضیہ کھڑا کردیا۔ انہوں نے فضل الحق گروپ کو ٹاؤن ہال میں ہونے والی ایک کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کرلیا۔ اس طرح ایک رسہ کشی نے جنم لیا۔ جسے طے کرنے کے لئے مسٹر جناح کی ثالثی پر دونوں فریق رضامند ہوگئے۔ اصفہانی نے موقع کو غنیمت جانا اور مسٹر جناح کو تار دے دیا کہ بلا تاخیر کلکتہ پہنچیں۔ وہ فوراً کلکتہ پہنچ گئے۔ ٹاؤن ہال میں بنگالی مسلم قائدین کے نمائندہ اجلاس سے خطاب کیا، جس میں طے پایا کہ یونائیٹڈ مسلم پارٹی کو لیگ میں ضم کردیا جائے گا۔ اس ادغام کے نتیجہ میں سہروردی اور خواجہ ناظم الدین جیسی سرکردہ شخصیات لیگ میں آگئیں۔ ابتدا میں فضل الحق بھی لیگ میں شمولیت پر آمادہ ہوگئے لیکن بعد میں ارادہ بدل لیا۔ وہ جناح سے زیادہ انقلابی اور انہی کی طرح قسمت آزمائی کے شوقین تھے لہٰذا وہ جناح کے حریف ثابت ہوئے وہ ٹک کر کسی پارٹی میں نہیں رہتے تھے۔ کرشک پارٹی کے لیگ میں ادغام کے بعد صوبہ میں لیگ نے جو وزارت بنائی اس کے سربراہ فضل الحق بنے۔ یوں مسلم لیگ کو اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل ہوگئی۔ انہی دنوں مسٹر جناح نے لکھنؤ کے سب سے بڑے مسلم جاگیردار، راجا آف محمود آباد کو، جن کی سالانہ آمدنی اندازاً دو ملین روپے تھی، لیگ کے مرکزی بورڈ کا خزانچی مقرر کردیا۔

لیگ کا انقلابی منشور

جنوری۔ فروری ۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں نے جس پلیٹ فارم سے حصہ لیا' وہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مزید برآں اب ان کے منشور میں درج ذیل نیشلسٹ مطالبات بھی شامل تھے۔

"جملہ استبدادی قوانین کی تنسیخ کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ ایسے تمام اقدامات کی مزاحمت کی جائے گی جو ملک کے مفاد کے لئے ضرر رساں ہوں۔ جن سے لوگوں کی بنیادی آزادیاں اور حقوق پر زد پڑتی ہو اور وہ ملک کے اقتصادی استحصال پر منتج ہوتے ہوں' مرکزی و صوبائی انتظامیہ مشینری کے اخراجات میں کمی کی جائے گی جبکہ قومی تعمیر کے محکموں کے لئے معقول رقم مختص کی جائے گی۔ انڈین آرمی کو قومی فوج بنایا جائے گا اور فوجی اخراجات کم کئے جائیں گے۔ سوتی صنعت سمیت ملکی صنعتوں کو ترقی دی جائے گی۔ کرنسی' زرمبادلہ اور قیمتوں کو منضبط کیا جائے گا تاکہ معاشی لحاظ سے ملک ترقی کر سکے۔ دیہاتی آبادی کی معاشرتی' تعلیمی اور معاشی بہتری کے لئے آواز اٹھائی جائے گی۔ زرعی محتاجی سے نجات دلانے والے اقدامات کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہوگی۔ محاصل کے بھاری بوجھ کو کم کرنے کے لئے تدابیر بروئے کار لائی جائیں گی"۔

انگریزوں سے مدد کی اپیل

اس زمانہ میں پاکستان نیشنل موومنٹ کے بانی رحمت علی ۱۶ مونٹیگو روڈ کیمبرج میں رہتے تھے' جہاں سے عجیب و غریب قسم کے مذہبی و سیاسی نوعیت کے پمفلٹ اور خطوط بھاری تعداد میں شائع ہوتے تھے۔ ان مراسلات اور کتابچوں میں انگریزوں سے اپیل کی جاتی تھی کہ وہ تحریک پاکستان کا ساتھ دیں۔ مثال کے طور پر ۸ جولائی ۳۵ء کو انہوں نے ایک پوسٹر میں لکھا "کیا میں یور لارڈ شپ سے اہل پاکستان کی طرف سے یہ اپیل کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ اس نازک موقع پر ہماری جدوجہد میں ہماری مدد کریں۔ گورنمنٹ آف انڈیا بل نے جس کی بنیاد انڈین فیڈریشن اسکیم پر رکھی گئی ہے' پاکستان کی زندگی میں ایک سنگین قسم کا بحران پیدا کر دیا ہے اور ایک ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے جو اس کے مستقبل کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے۔ میں بڑی سنجیدگی سے توقع کرتا ہوں کہ آپ کی پوری ہمدردیاں اور حمایت پاکستان کے ناقابل شکست مطالبہ کے حق میں ہوگی۔ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو انصاف اور مساوات کے اصول پر مبنی ہے۔ ہمارے اس مقدس حق کو تسلیم کیا جائے کہ پاکستان ہندوستان سے الگ ہمارا قومی وطن ہے۔ پاکستان ہندو سرزمین پر واقع نہیں ہے' نہ ہی اس کے باشندے ہندوستانی شہری ہیں۔ ہماری قومی زندگی کی بنیاد اور اس کے مشمولات ہندوؤں کے اقدار سے بالکل مختلف ہیں۔

مسلم یونٹی بورڈ

ہم پاکستانی کئی بار پرزور الفاظ میں اس انڈین فیڈریشن اسکیم کو مسترد کر چکے ہیں' جسے گول میز کانفرنس کے لئے حکومت کے نامزد کردہ مسلم وفد نے بڑی ڈھٹائی سے قبول کر لیا ہے۔ نہ وہ پاکستانی مندوب تھے نہ پاکستانی عوام کے نمائندے۔ سرافرازی کے فن میں طاق ان سرکردہ لیڈروں نے تاریخ کی تنبیہہ سے مکمل چشم پوشی کرتے ہوئے ہماری قومیت کا سودا کر لیا اور ہماری آئندہ نسلوں کو قربان کر دیا۔ انہیں اپنے فعل ــــــ پاکستان سے انتہائی توہین آمیز غداری کے لئے تاریخ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا"۔ رحمت علی کی طرف سے ایسی اپیلوں کا سلسلہ ۱۹۵۱ء میں ان کی وفات تک جاری رہا' تاہم جناح بڑی بے اعتنائی سے انہیں نظرانداز کرتے رہے۔ رحمت علی کے تنقیدی حملے پاکستان کی تخلیق کے بعد ذاتی نوعیت کے اور سدید

تر بن گئے۔ بہرحال جناح کے لئے زیادہ دیر تک رحمت علی کے پیش کردہ سیاسی مطالبہ اور قومی تحریک کو نظرانداز کرنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء میں لیگ کے سنٹرل بورڈ نے جو منشور اپنایا اس میں ایسی اہم مراعات شامل تھیں' جن کا مطالبہ پاکستان نیشنل موومنٹ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ مسلم اقلیت کو جس کی ۴۸۲ جداگانہ ایسی نشستیں تھیں جن پر لیگ کے امیدواروں نے الیکشن میں حصہ لیا' مزید مراعات دلانے کے لئے لیگ نے جو چودہ نکات مرتب کئے ان میں سے تین نکات پاکستان نیشنل موومنٹ کے پیش کردہ تھے۔ لیگ کا پہلا نکتہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ مذہبی نوعیت کے معاملات میں جمعیت العلمائے ہند اور مجتہدین کی رائے کو معقول وزن دیا جائے گا۔ اگلے دو نکات میں اردو رسم الخط اور زبان کی حفاظت اور فروغ دینے کا عہد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی روز مرہ دگرگوں حالت کو بہتر بنانے کا عزم بھی ظاہر کیا گیا تھا۔ جمعیت العلمائے ہند جس نے تحریک خلافت کے زمانہ میں جنم لیا تھا۔ اس وقت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا احمد سعید دہلوی کی زیر قیادت کام کر رہی تھی اور یوپی میں اس نے مسلم کانفرنس پارٹی سے اتحاد کر لیا تھا۔ نئے اتحاد کا نام "مسلم یونٹی بورڈ" رکھا گیا' جس کے صدر راجہ سلیم پور اور جنرل سیکرٹری چوہدری خلیق الزمان تھے۔ فروری ۱۹۳۷ء میں خلیق الزمان اور ان کے کئی ساتھیوں نے دہلی میں جناح سے ملاقات کی جس میں طے پایا کہ اگر وہ لیگ میں شامل ہو جائیں تو یوپی کے پارلیمانی بورڈ میں ان کی اکثریت ہوگی۔ جناح کے اس اقدام نے یوپی میں لیگ کو بڑی تقویت بخشی۔ مسلم یونٹی بورڈ کے جملہ امیدواروں کو لیگ کی حیثیت سے الیکشن لڑنا تھا۔ اس سے مسلم لیگ کا نام بھی بلند ہوا اور اسے عوام میں مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔

تاہم نوابزادہ لیاقت علی خان اس فیصلہ پر بڑے خفا ہوئے کیونکہ اس طرح صوبے کے پارلیمانی بورڈ پر ان کی گرفت اور اختیارات کو زبردست دھچکا لگا۔ انہوں نے یوپی بورڈ کے ممبران کے انتخاب میں بھرپور اثر و رسوخ استعمال کیا۔ اگرچہ مرکزی بورڈ میں لکھنؤ کے سات ارکان کے مقابلہ میں ان کا گروپ اقلیت میں تھا۔ جناح نے لیاقت علی خان کی خواہشات کے خلاف فیصلہ دیا۔ جس سے وہ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ جولائی میں ہی بمبئی کے مقام پر جناح سے ملاقات کے بعد دونوں پارلیمانی بورڈوں سے مستعفی ہو کر لندن چلے گئے۔ اس اقدام نے وقتی طور پر جناح کو ایک ایسے شخص کی حمایت سے محروم کر دیا جس نے لیگ کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ بہرحال جناح نے اتنا زبردست نقصان برداشت کر لیا لیکن مسلم یونٹی بورڈ والوں سے جو سمجھوتہ کیا تھا' اس سے پھرنا گوارا نہیں کیا۔ لیاقت علی خان نے جو آکسفورڈ سے فارغ التحصیل تھے' بعد میں جناح کو "ہندوستانی سیاست کا رولز رائس" قرار دیا۔ ان کے "ناقابل فروخت" ہونے کو سراہا اور ان کے سیاسی فیصلہ میں کارفرما حکمت کا برملا اعتراف کیا' حالانکہ یوپی میں اپنے اختیارات پر زد پڑنے سے وہ اس فیصلہ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ لیاقت علی خان جناح کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جیسے کسی برٹش پبلک اسکول کا طالب علم اپنے ہیڈ ماسٹر کو دیکھتا ہے۔ ایسی کیفیت جس میں انسانی ذہن کسی چیز کو بیک وقت پسند و ناپسند کرتا ہے اور آخر کار اس کی تعریف پر مجبور ہو جاتا ہے۔

تیسری قوت بھی ہے

جناح کے فیصلہ کی دور اندیشی سال کے آخر میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ لیگ نے ۳۵ میں سے ۲۹ مسلم نشستیں جیت لیں جبکہ کانگریس کا ایک بھی مسلمان امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا۔ رفیع احمد قدوائی جیتے لیکن ان کی جیت چوہدری خلیق الزمان کی حمایت سے ممکن ہو سکی۔ لیگ نے یوپی میں طاقت کا متاثر کن مظاہرہ کیا۔ کسی اور صوبہ میں بھی اس کی ایسی

پوزیشن ہوتی تو جناح کانگریس کی مغرور قیادت سے کچھ اور مراعات چھین لیتے۔ پنجاب میں لیگ کے ۷ میں سے ۲ امیدوار کامیاب ہوئے، آسام میں ۳۴ میں سے ۹، بنگال میں ۱۱۷ میں سے ۳۹، بمبئی اور مدراس میں زیادہ تر کامیاب ہوئے۔ پورے ہندوستان میں لیگ کو ۱۰۹ سیٹیں حاصل ہوئیں۔ جبکہ کانگریس نے کل گیارہ صوبوں میں ۱۵۸۵ میں سے ۷۱۱ نشستیں جیت لیں، تاہم مسلم نشستوں پر اس کے صرف ۲۶ امیدوار کامیاب ہوئے۔ اس سے کانگریسی قیادت کو زبردست صدمہ پہنچا اور انہوں نے مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ۱۹۳۷ء میں ایک زوردار رابطہ عوام مہم شروع کی۔ اس سلسلہ میں پنڈت نہرو نے مسلم لیگ کے وجود اور مسلم مسئلہ کی موجودگی کو سنجیدگی سے تسلیم نہیں کیا۔ ان کا اصرار اب بھی یہی تھا

"ملک میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری حکومت۔ کانگریسی امیدوار کے خلاف ووٹ دینا گویا انگریزی تسلط کو دوام بخشنا ہے۔ کانگریس ہی وہ واحد قوت ہے جو حکومت سے ٹکر لے سکتی ہے۔ کانگریس کے مخالفین مفادات کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالبات کا عوام سے کوئی تعلق نہیں"۔

جناح کو جب نہرو کی ان لن ترانیوں کا علم ہوا تو انہوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "میں نہرو کے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ ملک میں ایک تیسری قوت بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں"۔ چند دن بعد جناح نے اعلانیہ نہرو کو خبردار کیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن نہرو کو انتخابات میں کانگریس کی کامیابی یقینی نظر آرہی تھی، اس لئے انہوں نے خوفزدہ ہونے اور مسلم حلقہ نیابت سے لاتعلقی اختیار کرنے کی بجائے عام مسلمانوں کو کانگریس کے پلیٹ فارم پر لانے کی مہم پورے شد و مد سے جاری رکھی۔ ایک تقریر میں انہوں نے کہا "مسٹر جناح اعتراض کرتے ہیں کہ کانگریس بنگالی مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرے اور کہتے ہیں کہ کانگریس مسلمانوں کو علیحدہ رہنے دے۔ مسلمان کون ہیں؟ بظاہر صرف وہ جو مسٹر جناح کی پیروی کرتے ہیں۔ مسلم لیگ کیا چاہتی ہے؟ نہرو نے بڑے حقارت بھرے لہجہ میں سوال کیا۔ کیا یہ ہندوستان کی آزادی چاہتی ہے؟ مجھے یقین ہے کہ ہرگز نہیں۔ یہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی نمائندگی کرتی ہے بلاشبہ یہ گروہ انتہائی معتدد افراد پر مشتمل ہے۔ جو بالائی مڈل کلاسوں کے طبقات میں سرگرم عمل ہے۔ جس کا مسلم عوام سے کوئی رابطہ نہیں اور نچلے درمیانی طبقہ سے تو ان کا تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسٹر جناح کو معلوم ہونا چاہیے کہ ارکان مسلم لیگ کے مقابلہ میں مسلم عوام سے میرا رابطہ زیادہ رہا ہے"۔

نہرو کی سب سے بڑی کمزوری

جناح کے ساتھ معاملہ کرنے میں یہ نہرو کی آخری سیاسی غلطی نہیں تھی تاہم یہ ان مہلک غلطیوں میں سے ایک تھی جو گھمنڈ اور غرور کے عالم میں ان سے سرزد ہوئیں۔ اقبال سے بڑھ کر نہرو نے لیگ کے لئے ایک نئی سٹریٹیجی پیش کی جس میں جناح کو ترغیب دی گئی اور چیلنج کیا گیا کہ وہ ڈرائنگ روم کی سیاست سے نکلیں اور ان کروڑوں مسلمان عوام تک پہنچیں جو بیچارے دیہی کھیتوں میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ بلاشبہ مسلم لیگ کے لئے صرف ایک ہی ممکنہ راستہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو حرکت میں لاتی۔ انہیں خواب غفلت سے جگاتی اور مسلم قیادت کے پیچھے چلنے کی ترغیب دیتی۔ صرف یہ پکار کہ "دین خطرہ میں ہے" مسلم لیگ کا منفرد موقف بن سکتا تھا۔ کوئی مشترکہ اصول یا پالیسی مسلمانوں کے اتحاد کا سبب نہیں بن سکتی نہرو نے ایک بار اسمبلی میں جناح کی انڈی پنڈنٹ پارٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزاً کہا تھا۔ جناح کے لئے ان ریمارکس نے مہمیز کا کام کیا اور وہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی نئی حکمت عملی اپنانے پر مجبور ہو گئے۔ اس چیلنج نے انہیں اسی طرح چونکا دیا، جیسے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی قرارداد عدم تعاون کی مخالفت کرنے پر انہیں زبردست دھچکا لگا تھا۔ اس وقت ان کی

سیکولر دانشمندانہ قیادت نے "مہاتما گاندھی" کو "مسٹر" کے روپ میں لانے کی سعی ناکام کی تھی۔ اب نہرو نے جناح کے نام سے پہلے "مسٹر" کا لفظ استعمال کر کے گویا ان کا منہ چڑایا تھا کیونکہ یہ لقب برطانیہ نوازی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جناح مسلمانوں کی قیادت کے دعوے دار ہونے کے باوجود مسلمانوں سے کٹے ہوئے لگتے تھے۔ یہ حملہ اس سے بھی شدید تر تھا جو دس سال پہلے آل پارٹیز کانفرنس کے موقع پر جیکار نے کیا تھا۔ جواہر لال بہرحال جیکار سے کہیں زیادہ خوش بیان مقرر تھے' انہیں عوام' پر اپنی مضبوط گرفت کا پختہ یقین تھا۔ کانگریس کے مستقبل کے بارے میں زیادہ پرامید تھے' انہیں ماضی کی تکالیف اور مشکلات کا زبردست احساس تھا۔ کیونکہ ان کی سیاسی فتوحات کا مشاہدہ کرنے اور کروڑوں زبانوں سے "جواہر لال کی جے" سننے کے لئے ان کا والد یا بیوی دنیا میں نہیں رہے تھے' علاوہ ازیں وہ مضبوط جذبات کے مالک تھے اور ان کے مزاج کے بہت سے رنگ تھے' وہ اکثر جذبات انگیز چیزوں سے متاثر ہو کر صحیح قوت فیصلہ سے بھٹک جاتے تھے۔ یہ نہرو کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ ایک ایسے شخص میں جو پورے ہندوستان کی سیاسی قیادت کا آرزومند تھا اور حقیقت میں یقین رکھتا تھا کہ میں پوری دنیا پر حکمرانی کے لئے موزوں ہوں' یہ بہت ہی مہلک خامی تھی۔

اس کے برعکس جناح کبھی طیش میں نہیں آتے تھے' سوائے مناسب سیاسی فائدہ کے لئے۔ وہ اپنے غصہ سے اسی طرح کام لیتے تھے جیسے کوئی وکیل یا اداکار سامعین کو متاثر کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ غصہ کا اس قدر اظہار ہرگز نہیں کرتے تھے جو کنٹرول سے باہر ہو تا کیونکہ ان کے ذاتی جذبات مر چکے تھے اور دوبارہ کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔ نہرو سے انہیں جو نفرت تھی اس کی نوعیت سرد جنگ کی تھی' جس نے غیض و غضب کی بجائے توہین و تحقیر کے باعث جنم لیا۔ نہرو کے ان ریمارکس کے کئی مہینے بعد ایک انٹرویو دیتے ہوئے جناح نے کہا "کانگریس کے خدائی فوجدار (مفسد) صدر کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے پوری دنیا کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہے' وہ اپنے کام سے کام رکھنے کی بجائے ہر معاملہ میں ٹانگ اڑانا ضروری سمجھتے ہیں"۔ انتخابات کے بعد مارچ میں نہرو نے کانگریس کا ایک نیشنل کنونشن طلب کیا جس میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا کانگریس یکم اپریل ۳۷ء کو نئے آئین کے نفاذ کے بعد اپنے کامیاب امیدواروں کو عہدے سنبھالنے دے گی یا نہیں' کیونکہ وہ نئے دستور کو "غلامی کا نیا چارٹر" قرار دے چکے تھے اب اسے منظور کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے جبکہ گاندھی جی اس کے حق میں تھے کہ نئے آئین کو ایک موقع ملنا چاہیے۔ ورکنگ کمیٹی کے اکثر ممبران کی رائے بھی یہی تھی۔ مجبوراً نہرو کو ان کا مشورہ ماننا پڑا۔ تاہم انہوں نے مسلم لیگ یا دیگر غیر کانگریسی منتخب امیدواروں کو کنونشن میں مدعو کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ایسی تجویز کو انہوں نے خطرناک قرار دیا اور اس بات پر مصر رہے کہ کانگریس کو "نیم سامراجی گروپوں" کے ساتھ ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

لیگ سے وعدہ خلافی

چوہدری خلیق الزمان کو جو ۳۶ء میں اپنے "یونٹی بورڈ" کو لیگ میں مدغم کرنے سے پہلے ۲۰ سال تک کانگریس کے سرگرم و فعال لیڈر رہ چکے تھے' توقع تھی کہ یو پی میں کانگریس لیگ کے تعاون سے حکومت بنائے گی جس میں وہ خود بھی شامل ہونگے۔ رفیع احمد قدوائی جو اس وقت کانگریس کے صوبائی لیڈر تھے موتی لال نہرو کے سیکرٹری رہ چکے تھے اور نہرو بھی ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ قدوائی اور خلیق الزمان پرانے دوست تھے۔ اس لئے ان کے لئے یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی۔ اگر انہوں نے الیکشن سے قبل "مخلوط حکومت" کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا اور خلیق الزمان سے وعدہ کیا گیا کہ یو۔ پی گورنمنٹ

میں مسلم لیگ کے دو نمائندوں کو وزارتیں دی جائیں گی۔ لیکن انتخابات میں بھاری کامیابی کے بعد نہرو نے مسلم لیگ کے دست تعاون کو جھٹک دیا۔ اس وقت کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں مولانا ابوالکلام آزاد اکیلے مسلم رہنما تھے۔ انہوں نے وسط مئی ۱۹۳۶ء میں صوبائی علماء پارٹی کو مسلم لیگ سے توڑ کر لیگ کا ہمنوا بنانے کا کارنامہ انجام دیا۔ اور اس غرض کے لئے ہر قسم کی ترغیب و تحریص سے کام لیا۔ بے شک اس طرح انہوں نے نہرو کو اپنا ممنون بنا لیا اور ان کا زبردست اعتماد حاصل کر لیا۔ وہ دوسری جنگ عظیم کے دوران (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۶ء) کانگریس کے صدر رہے اور نہرو کی اولین کابینہ میں بحیثیت وزیر تعلیم شامل ہوئے اور مرتے دم تک مسند وزارت پر براجمان رہے' تاہم انہوں نے جناح سے عمر بھر کی دشمنی مول لے لی۔ جناح کو جب جمعیت العلماء کے یوں پھر جانے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے کہا " آزاد کی اس فریب کاری نے انہیں پستی کی انتہائی سطح پر گرا دیا ہے۔ یہ انتہائی خطرناک لڑائی ہے "۔

جولائی ۱۹۳۷ء میں مولانا آزاد لکھنؤ گئے اور خلیق الزمان سے مصالحت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے پیشکش کی کہ " اگر مسلم لیگ علیحدہ گروپ کی حیثیت سے کام کرنا ترک کر دے اور اس کے جملہ ممبران کانگریس پارٹی کا حصہ بن جائیں تو انہیں (خلیق الزمان کو) یو پی کی کابینہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ خلیق الزمان نے ان شرائط کو اس صوبائی پارٹی کے لئے جس کے وہ صدر تھے "موت کا وارنٹ" قرار دیا اور انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دریں اثناء نہرو نے کانگریس کی کمیٹیوں کو ہدایات جاری کیں کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو کانگریس کا رکن بنانے کی مہم تیز تر کر دیں۔

جناح نے نہرو کو کبھی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ تاہم اس مرحلہ پر وہ اس کے ساتھ سمجھوتہ اور مصالحت کی کوششوں سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ انہوں نے نہرو کی بجائے گاندھی سے اپیل کی کہ وہ معاملات کو خراب ہونے سے بچائیں۔ گاندھی ان دنوں عملی سیاست سے کنارہ کش ہو کر واردھا آشرم میں مقیم تھے۔ مئی کے آخر میں جناح نے بی جی کھیر (بمبئی میں کانگریس کے لیڈر اور نامزد وزیر اعلیٰ) کی معرفت گاندھی کو ایک پیغام بھجوایا۔ کھیر نے جناح سے کہا تھا کہ وہ صوبائی کابینہ میں شمولیت کے لئے مسلم لیگ کے دو نمائندے نامزد کر دیں۔ لیگ نے بمبئی میں ۲۹ میں سے ۲۰ مسلم نشستیں جیت لی تھیں۔ کھیر یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جناح کے تعاون سے اس کی انتظامیہ مضبوط اور بہتر کارگزاری کی اہل ہو جائے گی۔ جناح کے پیغام کے جواب میں گاندھی جی نے کہا "میں چاہتا ہوں' کچھ کروں' لیکن میں بالکل بے بس ہوں۔ اتحاد پر میرا یقین آج بھی اتنا ہی روشن ہے' جتنا پہلے تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ تاریکی اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ مجھے اس میں سے سورج کی روشنی بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ایسی مایوسی میں' میں روشنی کے لئے خدا کو پکارتا ہوں"۔

میں اتھارٹی ہوں

لیگ کا آئندہ سیشن لکھنؤ میں ہونے والا تھا۔ جناح یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا صدارتی خطبہ یا تو ان کی جماعت کیلئے بانگ رحیل کا کام دے گا یا موت کی گھنٹی ثابت ہو گا۔ انہیں یہ احساس بھی تھا کہ ان کے لئے ذاتی طور پر اور مسلم لیگ کے لئے جماعتی حیثیت میں وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ انہیں ہمیشہ کھانسی کی شکایت رہتی تھی۔ اصفہانی نے لکھا ہے کہ "وہ سگریٹ پیتے رہتے اور کھانستے رہتے تھے۔ ہم اسے محض سگریٹ پینے والے کی کھانسی یا ضیق النفس سمجھتے تھے' ہم میں سے کوئی بھی نہ جان سکا کہ وہ کھانسی کتنی بری تھی۔ جب تک بہت تاخیر نہ ہو گئی"۔ اس سال گرمیاں انہوں نے شملہ اور سری نگر میں گزاریں۔ جوں جوں مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل کی حیثیت سے ان کی شہرت پھیلتی گئی' اسی طرح ان کی مصروفیات بڑھتی گئیں۔ کشمیر کے دورہ میں فاطمہ جناح ان کے ساتھ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مئی ۱۹۳۷ء کے

بعد ان کی وفات تک وہ ہر کہیں ان کے ہمراہ گئیں۔ کشمیر میں قیام کے دوران وہ چار مقدموں میں ہائی کورٹ میں پیش ہوئے۔ ان میں سے دو فوجداری اور بقیہ دو دیوانی تھے۔ حنیفہ بیگم بنام سرکار نامی مقدمہ کو بڑی شہرت ملی' جس کا فیصلہ موکلہ کے حق میں ہوا۔ اس مقدمہ میں پرزور دلائل دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "مائی لارڈ' میں اتھارٹی ہوں"' اسلامی قانون کے ایک سچے اور صحیح شارح کی حیثیت سے معاشرہ میں ان کا وقار اتنا بلند تھا کہ کوئی بھی ان کے اس دعویٰ کو رد کرنے کی جرات نہیں کر سکا اور حسب معمول وہ جس کیس میں پیش ہوئے' اسے جیت لیا۔

ان گرمیوں کے دوران اور سردیوں کے شروع میں وہ جہاں کہیں بھی گئے' ملاقات کرنے والے مسلم لیڈروں کو دعوت دی کہ وہ لیگ کے آئندہ سیشن میں ضرور شریک ہوں۔ سر شفیع کے داماد میاں بشیر احمد کے علاوہ پنجاب اور بنگال کے سرکردہ زعماء نے جن میں سر سکندر حیات اور فضل الحق کے نام قابل ذکر ہیں' جناح کی دعوت پر لکھنؤ کے اجلاس میں شرکت کی۔ اور اس یادگار سیشن سے روانہ ہونے سے پہلے مسلم لیگ سے تعاون کرنے پر رضامند ہو گئے' اس سے مسلم لیگ کو زبردست تقویت پہنچی اور نہرو نے "رابطہ عوام مہم" چلا کر جناح کو جو چیلنج دیا تھا' اس کا موثر توڑ ہو گیا' ورنہ مسلمانوں کو ان کے اپنے حلقہ انتخاب میں بھی ہار جانے کے خطرات لاحق تھے۔

جناح نے بمبئی سے لکھنؤ تک کا سفر ٹرین سے کیا۔ ان کی ٹرین جونہی کانپور کے اسٹیشن پر پہنچی۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ان کے ڈبہ پر ٹوٹ پڑا۔ جمیل الدین احمد لکھتے ہیں۔

"لوگوں کا جوش و خروش بے پناہ اور ہندو جارحیت کی مزاحمت کے لئے ان کا عزم و حوصلہ دیدنی تھا' یہاں تک کہ مسٹر جناح جو بصورت دیگر بڑے خاموش اور پرسکون رہنے والے تھے اس نظارہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی نگاہوں سے مضبوط عزم جھلکنے لگا جس میں اس اطمینان کی آمیزش تھی کہ آخر کار میری قوم جاگ اٹھی ہے۔ ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جناح نے چند حوصلہ بخش الفاظ کہے۔ بہت سے مسلمانوں کی آنکھوں میں اپنے رہنما کو دیکھ کر شدت جذبات سے خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ انہیں غلامی سے نجات دلائے گا"۔

وہ ۱۳ اکتوبر ۳۷ء کی شام کو لکھنؤ پہنچے جہاں ۲۱ سال قبل انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کو اکٹھا کرنے کے لئے میثاق لکھنؤ نامی یادگار سمجھوتہ تیار کر کے ہندو مسلم اتحاد کا ایک ایسا پل تعمیر کیا تھا جو بدقسمتی سے زیادہ عرصہ قائم نہ رہا۔ اس وقت باہمی تنازعات کی گرد سے افق پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ مسٹر جناح کے تھکے ماندے چہرے پر مایوسی کے بھیانک آثار صاف دکھائی دینے لگے۔ خلیق الزمان اور راجہ محمود آباد نے ان کے خیر مقدم کے لئے مسلم لیگی رضاکاروں کا ایک دستہ تیار کر رکھا تھا' انہوں نے قائداعظم اور ان کی ہمشیرہ کو سلامی دی۔ پھر انہیں ایک مشعل بردار جلوس کی صورت میں لکھنؤ کی تنگ گلیوں میں سے گزار کر ان کی قیام گاہ تک لائے۔ ایک جگہ لیگی رضاکاروں اور کانگریس کے سرگرم کارکنوں کے درمیان ہاتھاپائی ہو گئی۔ خلیق الزمان کے بقول یہ جھگڑا کانگریس اور لیگ کے درمیان اس سرد جنگ کی ابتدا تھی جو ہندوستان کی تقسیم کا دیباچہ بنی۔

پنجاب کی تسخیر اور پاکستان کا قیام

پنجاب کے وزیراعظم سر سکندر حیات نے مسٹر جناح اور لیگ کونسل سے اگلی صبح ملاقات کی جس میں ان کی مضبوط یونینسٹ پارٹی کو لیگ میں ضم کرنے کی شرائط پر غور کیا گیا۔ ان کی بنیادی شرط یہ تھی کہ پنجاب میں پارٹی پر ان کا مکمل کنٹرول

باقی رہنا چاہئے کیونکہ مسلم لیگ نے صرف دو سیٹیں جیتی ہیں۔ جناح کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ پنجاب کے طاقتور جاگیردار کی شرائط خوش دلی سے قبول کر لیں اور نامی گرامی سردار کو گلے لگا کر اس کا دل جیت لیں۔ ۱۴ اکتوبر کو برٹش انڈیا کے قوی ترین مسلم لیڈروں کے مابین جو معاہدہ طے پایا' لیگ کونسل نے زبردست تالیوں کی گونج میں اس کی منظوری دی۔ لیگ کونسل کا تالیاں بجانا اور غیر معمولی مسرت کا اظہار کرنا بالکل بجا تھا کیونکہ پنجاب میں لیگ کی کوئی ایسی پوزیشن نہ تھی جسے بنیاد بنا کر وہ اپنے مسلم قومیت کے دعویٰ کو پھیلا سکتی۔ پنجاب مسلم اکثریت سے محروم صوبہ تھا' پنجاب کو قابو کر لینے کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان کا حصول ممکن ہوگیا۔ بنگال مرکزی دار الخلافہ سے بہت دور تھا۔ حیدر آباد دکن' سندھ' سرحد' بلوچستان اور کشمیر مسلم اکثریت کے جزیرے تھے' لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنا بڑا اور اس قدر مضبوط نہ تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔ پنجاب کی حیثیت ایسے سیمنٹ کی تھی جس نے شمال مغرب کے صوبائی یونٹوں کو اکٹھا و یکجا کیا' نیز ان کے درمیان پل کا کام کیا۔ پنجاب پاکستان کا پہلا اور سب سے اہم جلی حرف تھا۔ سر سکندر حیات کو اپنی پارٹی میں شامل کرنے کے بعد جناح نے راجہ محمود آباد کی رہائش گاہ کے باہر قیصر باغ میں لیگ کے دفتر پر سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ جس پر "P" کا لفظ بڑا نمایاں تھا۔ اس پرچم کا لہرانا ایک نئی قوم کی پیدائش کا بیج بونا تھا' جو تقریباً ایک عشرہ تک برطانوی ہند کے شکم میں رہی۔ اس یادگار اور تاریخی موقعہ پر فضل الحق بھی مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہوگئے۔ اس طرح جنوب مشرقی ایشیا کی ابھرتی ہوئی مسلم ریاست میں دور دراز فاصلے پر مواقع مشرقی بازو کا اضافہ ہوگیا۔ غروب آفتاب تک جناح کو یقین ہوگیا تھا کہ انہوں نے جس دوسرے لکھنؤ پیکٹ کی ابتداء کی ہے وہ برصغیر کے اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا جس طرح پہلے لکھنؤ پیکٹ سے آزاد لیکن متحدہ ہندوستان کی راہ ہموار ہوئی تھی۔ جلد ہی جواہر لال اور مہاتما کو بھی اس معاہدہ کا پتہ چل گیا۔ بہت جلد پوری دنیا کو معلوم ہوگیا کہ کس طرح بظاہر ایک لاغر اور کمزور سفید بالوں والے عمر رسیدہ مسلم رہنما نے 'اقلیتوں کے مابین ایک اقلیت کا لیڈر ہوتے ہوئے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا ہے' جس کے لئے وہ شروع دن سے کوشاں تھا۔ بڑے عرصہ تک اس کا مذاق اڑایا گیا' اسے نظر انداز کیا گیا۔ اس کی تذلیل کی گئی اور ناقابل التفات سمجھ کر اس کی دلآزاری کی گئی۔ اب پنجاب اور بنگال کے وزرائے اعظم اس کے پیروؤں میں شامل تھے۔ آج کے بعد وہ ان سب کی طرف سے بولنے کے مجاز ہوگئے۔ یوں انہیں مسلم جنوبی ایشیاء کی ایک طاقتور' اعلیٰ وارفع اور فیصلہ کن آواز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

لکھنؤ سیشن سے نہ صرف لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی پوزیشن میں بلکہ جناح کی ذاتی وابستگیوں اور قطعی منزل مقصود کے بارے میں بھی ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان کی پوشاک یکسر بدل گئی۔ اب وہ انگریزی سوٹ کی بجائے شلوار قمیض کے ساتھ سیاہ رنگ کی شیروانی پہننے لگے۔ ۱۵ اکتوبر ۳۷ء کو پہلی بار ایک جلسہ میں انہیں قائداعظم کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ رات انہوں نے راجا محمود آباد کے ہاں گزاری تھی۔ ناشتہ کے بعد وہ جلسہ سے خطاب کرنے کے لئے جانے لگے تو نواب محمد اسماعیل خان کی قراقلی ٹوپی پر ان کی نظر پڑ گئی' جناح نے اپنے دوست سے وہ ٹوپی مستعار لے کر پہنی جو شیروانی کے ساتھ بڑی جچی۔ حاضرین نے اسے بڑا پسند کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس وضع کی ٹوپی دنیا بھر میں "جناح کیپ" کے نام سے مشہور ہوگئی۔ جب انہوں نے شیشہ میں دیکھا کہ سفید شیروانی کے ساتھ ٹوپی بہت بھلی لگتی ہے تو وہ قائل ہوگئے کہ اسلامی لباس کو آخری ٹچ دینے کے لئے ٹوپی کا استعمال ضروری ہے۔ چنانچہ جناح کیپ ان کی پوشاک کا لازمی جزو بن گئی۔ جناح کیپ نے جلد ہی مقبولیت حاصل کر لی اور کھدر کی بنی ہوئی "گاندھی کیپ" جسے گاندھی دنہو کے علاوہ اکثر کانگرسی نیتا پہنتے تھے' کے مقابلہ میں مسلمانوں خصوصاً لیگیوں کی شناخت بن گئی۔

راجا محمود آباد کے باغ میں قریباً ۵۰۰۰ مسلمان مندوبین سے' جو ملک کے ہر حصہ سے آئے تھے' خطاب کرتے ہوئے

قائداعظم نے فرمایا "آل انڈیا مسلم لیگ کا موجودہ سیشن اس کے قیام سے اب تک منعقد ہونے والے اہم ترین اجلاسوں میں سے ایک ہے۔ کانگریس کی موجودہ قیادت خصوصاً گزشتہ دس سال سے مسلمانان ہند کو زیادہ سے زیادہ برگشتہ کرنے کی ذمہ دار ہے۔ انہوں نے ایسی پالیسی اختیار کرلی ہے جو سراسر ہندوانہ ہے۔ انہوں نے ان چھ صوبوں میں جہاں انکی اکثریت ہے' حکومتیں بنالی ہیں انہوں نے اپنے اقوال سے' اپنے افعال سے اور اپنے پروگرام سے ثابت کردیا ہے کہ مسلمانوں کو ان سے کسی انصاف یا دیانتداری کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں انہیں موافق نظر آیا انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کردیا اور مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ غیر مشروط طور پر انکی اطاعت قبول کرلے اور ان کی شرائط پر دستخط کردے۔ ہر صوبہ' ہر ضلع' ہر تحصیل اور ہر شہر و قریہ کے مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ عوام کی بھلائی کا مثبت پروگرام مرتب کریں' نیز ان کی معاشرتی' اقتصادی اور سیاسی ترقی کی تدابیر اور وسائل وضع کریں۔ اپنے آپ کو منظم کریں' اپنے اندر مکمل اتحاد و یکجہتی پیدا کریں۔ خود کو تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح تیار کریں۔ اپنے اندر ٹیم سپرٹ پیدا کریں' اپنے ملک اور عوام کی بھلائی کے لئے دیانتداری اور وفاداری سے کام کریں' کوئی فرد یا قوم محنت' تکلیف اور قربانی کے بغیر کچھ حاصل نہیں کرسکتی۔ یہاں ایسی قوتیں موجود ہیں جو آپ کو تنگ کریں گی' آپ پر ظلم ڈھائیں گی' آپ کو دھمکیاں دیں گی۔ ممکن ہے آپ کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے' تاہم آزمائش و ابتلا کی اس بھٹی میں سے گزر کر' ظلم و ستم سہہ کر دھمکیوں اور ترہیبات کا مقابلہ کرکے نیز مشکلات اور قربانیوں سے گزرنے کے بعد ہی ایک ایسی قوم کا ظہور ممکن ہے' جو اپنی گذشتہ عظمت اور تاریخ کے شایان شان ہو اور وہ اپنی آئندہ تاریخ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخ عالم میں عظیم تر اور زیادہ شاندار بنانے کے لئے زندہ رہے۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھ میں ہے' وہ ایک بنیان مرصوص' ٹھوس' منظم اور متحدہ قوت کی حیثیت سے ہر قسم کے خطرات اور مخالفت کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ آپ کے اپنے ہاتھوں میں زبردست طلسمی قوت موجود ہے۔ اپنے اہم اور بنیادی فیصلے خود کیجئے' وہ نتائج کے لحاظ سے سنگین' عظیم اور دوررس ہوسکتے ہیں۔ فیصلہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچئے لیکن جب کوئی فیصلہ کرلیں تو جسد واحد کی طرح اس پر ڈٹ جائیں"۔

قائداعظم تقریر ختم کرکے جونہی بیٹھے پنڈال میں موجود ہر مسلمان نے کھڑے ہوکر خوشی سے تالیاں بجائیں اور اس امر کا احساس دلایا کہ ایک نئی مسلم لیگ وجود میں آگئی ہے گویا ان کے عظیم قائد نے ایک اہم اور عظیم فیصلہ کرلیا ہے۔ جس کے نتائج دوررس ہونگے نیز یہ کہ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا' نہ اس کے لئے نہ ہی اس کی جماعت کے لئے جناح جو لکھنؤ آنے تک تذبذب کا شکار تھے' جلد ہی کشمکش سے آزاد ہوگئے۔ جب وہ منل قوت کے پرانے مرکز سے روانہ ہوئے تو انہوں نے قائداعظم کی حیثیت سے مسلم لیگ کی جڑیں وہاں بڑی مضبوطی سے پیوستہ کردیں تھیں۔

بارہواں باب۔ لاہور کی طرف: ۱۹۳۸ء —— ۱۹۴۰ء

۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء کے دوران قائداعظم کی مصروفیات کا سب سے بڑا مرکز و محور ایک عوامی پارٹی کی تعمیر و تشکیل رہا۔ لکھنؤ کے سرمائی اجلاس ۱۹۳۷ء سے لے کر مارچ ۱۹۴۰ء کے سیشن کے درمیانی عرصہ میں مسلم لیگ کے ارکان کی تعداد چند ہزار سے بڑھ کر پانچ لاکھ سے زائد ہوگئی۔ رکنیت کی فیس کانگریس کے مقابلہ میں نصف کردی گئی یعنی چار آنے کی بجائے صرف دونی وصول کی جانے لگی۔ لیگ کے منشور میں کئی لحاظ سے تبدیلیاں کر کے اسے جدید تقاضوں کے مطابق بنایا گیا تاکہ قوم اپنے نئے لیڈر کی قیادت میں خود اعتمادی سے آگے بڑھ سکے۔

لکھنؤ سیشن میں لیگ نے ایک قرارداد کے ذریعے طے کیا تھا کہ وہ آزاد جمہوری ریاستوں کی فیڈریشن کی صورت میں مکمل آزادی کے لئے کام کرے گی، جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و مفادات معقول اور موثر طور پر محفوظ ہوں گے۔ کانگریس کی مذمت کی گئی جس نے "بندے ماترم" نامی گیت مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو یکسر انداز کرتے ہوئے تعلیمی اداروں میں قومی ترانہ کے طور پر جبراً رائج کردیا تھا۔ لیگ کے نزدیک وہ گیت سراسر غیر اسلامی، خیالات کے لحاظ سے بت پرستی کا مظہر اور ہندوستان میں صحیح قومیت پرستی کی تعمیرو تشکیل کے لئے ضرر رساں تھا۔ لیگ نے ہندی کی بجائے اردو کو ہندوستان کی عمومی زبان بنانے کا فیصلہ کیا۔ آخر میں معاشرتی و اقتصادی اور تعلیمی اصلاحات کا پروگرام تجویز کیا گیا۔ لیگ نے وعدہ کیا کہ کارخانوں کے مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں کے لئے اوقات کار مقرر کئے جائیں گے۔ انکی کم از کم اجرت کا اعلان کیا جائے گا۔ ان کے گھروں میں حفظان صحت کا اہتمام کیا جائے گا۔ دیہی اور شہری قرضے کم اور سود کو ختم کیا جائے گا۔ جملہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے مہلت دی جائے گی اور مکمل آزادی کے حصول کے لئے نئی تدابیر اختیار کی جائیں گی اور اس مقصد کو پانے کی خاطر تمام سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔

جناح سکندر کشمکش

لکھنؤ میں ہفتہ بھر ملاقاتوں کا جو سلسلہ جاری رہا تھا، اس نے مسٹر جناح کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔ جب واپس بمبئی کے لئے روانہ ہوئے تو وہ شدید بخار اور آہستہ آہستہ خشک کھانسی میں مبتلا تھے۔ قریباً ایک ماہ مکمل آرام کرنے کے بعد وہ اس قابل ہوسکے کہ اپنے نائبین کی طرف سے موصول ہونے والے خطوط کا جواب دے سکیں، ان میں پنجاب اسمبلی کے واحد لیگی رکن ملک برکت علی کا شکایت نامہ بھی شامل تھا جو انہوں نے سر سکندر حیات کی لیگ کے ساتھ زیادتیوں کے بارے میں لکھا تھا۔

سر سکندر حیات اور یونینسٹ۔ لیگ معاہدہ کی تعبیرو تشریح جناح کے لئے دردِ سر بن گئی کیونکہ ملک برکت علی ڈاکٹر اقبال اور پنجاب کی سیاست سے باخبر دیگر لیڈروں نے محسوس کیا کہ یونی نسٹ پارٹی کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ سکندر حیات نے اپنی جماعت کے ہندو اور سکھ ارکان کو یقین دلایا کہ "اب جناح میری جیب میں ہے۔ لیگ والے اپنی بالادستی کے بارے میں جو دعوئ کرتے پھر رہے ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں"۔ کیا جناح نے لیگ کی حیثیت بلند کرنے کے لئے واقعی سکندر حیات کی من مانی شرائط قبول کرلی تھیں؟ کیا لیگ نے سکندر حیات کا تعاون حاصل کرنے کے لئے حقیقتاً غیر معمولی قیمت ادا کی تھی؟ کم از کم جناح کے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن پنجاب کا مسئلہ دسمبر ۱۹۴۲ء میں سکندر حیات کی وفات کے بعد بھی ایک سربستہ راز ہی رہا۔

مسلم طلباء میدان عمل میں

جناح نے اپریل میں لیگ کونسل کا اجلاس لاہور کی بجائے کلکتہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جہاں آ[illegible] د میں [illegible]ے ۳۷ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کرنے گئے ہوئے تھے۔ یہ تنظیم لکھنؤ [illegible] مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس، علی گڑھ یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین اور آل بنگال مسلم سٹوڈنٹس کے باہم ادغام سے وجود میں آئی تھی۔ اس سلسلے میں علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک طالب علم لیڈر محمد نعمان نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

نعمان اپنی فیڈریشن کے پہلے اجلاس کے افتتاح کی دعوت دینے بمبئی گئے تھے۔ وہ اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں "مجھے اس بات سے بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے میری دعوت قبول کرنے میں ایک منٹ بھی نہ لگایا۔ میں نے ساتھ ہی ان سے درخواست کی کیا اس بارے میں پریس میں خبر دے دی جائے؟ انہوں نے جواب میں کہا۔ یہ خبر فوراً چھپوا دو۔ قائداعظم کی رہنمائی میں مسلمان طلباء نے کلکتہ میں جس سفر کا آغاز کیا۔ اس کے شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور آخر کار ہم حصول پاکستان کی جدوجہد میں کامیاب ہوگئے"۔ کلکتہ میں جناح اور فاطمہ نے اصفہانی کے ہاں قیام کیا۔ ۲۹ دسمبر کو صبح ۳۰-۸ پر قائداعظم نے کانفرنس کا افتتاح کیا تو پشاور سے راس کماری تک کے قریباً ۳۰۰ مسلم طلباء ہال میں جمع تھے۔ انہوں نے جذبات سے عاری اور ڈرامائی انداز سے ہٹ کر سیدھے سادھے طریقہ سے خطاب کیا اور طلباء کو بتایا کہ "لکھنؤ میں میں نے صرف خطرے کی گھنٹی بجائی ہے۔ وہ گھنٹی اب بھی بج رہی ہے۔ لیکن مجھے فائر بریگیڈ نظر نہیں آرہا۔ میں چاہتا ہوں آپ فائر بریگیڈ تیار کریں' انشاء اللہ ہم آگ بجھالیں گے"۔ اس نئے منظم گروہ مسلم فائر بریگیڈ کے لئے انہوں نے جو بیانات دئے' ان میں سب سے زیادہ یاد رکھنے کے قابل یہ بات تھی۔ "ہم نہیں چاہتے کہ ہمیں امریکی حبشیوں کی پست سطح پر گرا دیا جائے"۔ اب جناح کو ان نوجوان بازوؤں اور توانا رضاکاروں کی حمایت حاصل ہو گئی جن کی لیگ کو ضرورت تھی۔ پرانی آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن نے جو کانگریس کے زیادہ قریب تھی۔ نئی مسلم فیڈریشن کو "رجعت پسند اور فرقہ وارانہ" قرار دیا۔ راجہ محمود آباد کو سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر چنا گیا اور محمد نعمان بطور جنرل سیکرٹری کام کرنے لگے۔ فیڈریشن کے منشور میں دیگر تقاضوں کے علاوہ مسلم طلباء میں سیاسی بیداری پیدا کرنے اور انہیں ملک کی آزادی میں جائز حصہ لینے کے لئے تیار کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اقتصادی و معاشرتی حالت بہتر بنانے' اسلامی تہذیب اور علوم کو فروغ دینے نیز اسلام' مخالف قوتوں کی سرکوبی کرکے اپنے مذہب و عقیدہ کو مضبوط بنانے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا۔

بمبئی واپس آنے کے بعد جناح کو جلد ہی (جنوری ۳۸) پھر علی گڑھ جانا پڑ گیا۔ جہاں ان کا صحیح معنوں میں "شاہانہ استقبال" کیا گیا۔ ان کے عقیدت مند اور مداح طالب علم بصد اصرار ان کی گاڑی کو سٹیشن سے یونیورسٹی کیمپس تک (تین میل سے زائد) فاصلہ خود کھینچ کر لے گئے۔ مسلم لیگ کے اس تعلیمی گہوارہ میں جناح نے اپنے پرجوش تالیاں بجانے والے سامعین کے روبرو معمول سے ہٹ کر فصیح اور خوش بیان تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا "جناب صدر آپ نے کہا ہے کہ مسلمان پیدائشی لحاظ سے آزاد ہوتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں اسے کب آزاد رہنے دیا گیا؟ اس ملک میں ہم گذشتہ ۱۵۰ برسوں سے غلام ہیں"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جناح نے عوامی خطاب میں "غلام" (Slave) کا لفظ استعمال کیا اور مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ بڑے ہی موثر الفاظ میں کھینچا۔ وہ ۱۹۳۶ء سے اپنے سامعین کو یقین دلاتے آرہے تھے کہ مسلم لیگ میں دوبارہ جان ڈال دی گئی ہے اور اس نے مسلمانوں کو انگریزوں کے شکنجہ سے آزاد کرالیا ہے۔ لیکن اب ایک اور طاقت ابھری ہے جو خود کو حکومت برطانیہ کا جانشین سمجھتی ہے۔ آپ اسے چاہے کوئی نام دے دیں تاہم وہ ہندو اور صرف ہندو طاقت ہے۔ ان کی تقریر اس شاندار خوشخبری پر ختم ہوتی۔ "آپ قیمتی پتھر' ہیرے اور جواہرات یعنی مسلم معاشرہ کی بکھری ہوئی توانائیوں اور صلاحیتوں کو جمع کرتے جائیں' جب آپ کو کوئی ماہر فن سنار مل جائے گا تو وہ انہیں ایک ایسے ہار میں پرو دے گا جسے دیکھ کر آپ عش عش کر اٹھیں گے"۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں بنگال کے سوبھاش چندر بوس نہرو کی جگہ کانگریس کے صدر بنے۔ ان کی عمر محض ۴۱ سال

تھی۔ انہوں نے بڑے بہادرانہ انداز میں قید و بند کی صعوبتیں سہی تھیں اور حال ہی میں رہا ہوئے تھے۔ کانگریس کی صدارت کا اعزاز سبھاش چندر بوس کو دیتے وقت نہرو نے جناح کے نام مراسلہ میں لکھا۔ "ہم ہر وہ کام کرنے کے مشتاق ہیں جو ہمارے اختیار میں ہو اور جس سے ہر قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے' ہم ایسی ہر الجھن کو حل کرنے کے لئے تیار ہیں جو ہماری عام زندگی کو بہتر بنانے اور ہندوستانیوں کے اتحاد و ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہو۔ براہ کرم مجھے بتایئے کہ صحیح معنوں میں کون کون سے اختلافی نکات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے؟" اس کے جواب میں جناح نے لکھا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ پر خط و کتابت کے ذریعے بحث بھی ہو سکتی ہے؟ اس کا حل تو بعد کی بات ہے"۔ جواہر لال نے اتفاق کیا کہ ایسے امور میں ہمیشہ بالمشافہ گفتگو مفید ثابت ہوتی ہے۔ تاہم اس عمل میں مراسلت بھی کار آمد ہے اور بعض اوقات اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ گفتگو کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور دو ٹوک ہوتی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ ہمیں یہ بتا کر پوزیشن کی وضاحت کرنے میں مدد دیں گے کہ ہمارے درمیان کن امور پر اختلاف ہے اور آپ ان اختلافات کو کیسے ختم کرنا پسند کریں گے۔ "تاہم جناح اختلافات پر تحریری بحث کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ یہ انتہائی ناپسندیدہ اور نامناسب طریقہ ہے۔ آپ آپس کی بات تیسرے فریق کو سنانا پسند کرتے ہیں جبکہ میں آپس میں بات چیت کو ترجیح دیتا ہوں۔ آپ یقیناً جانتے ہوں گے اور نہیں جانتے تو جاننا چاہئے کہ ہمارے درمیان کون کون سے نکات متنازعہ ہیں"۔

جواہر لال کی طرف سے بار بار کی گئی اس اپیل کو کہ مسلمانوں کے تازہ ترین مطالبات سے اختصار کے ساتھ مطلع کیا جائے' مسترد کر کے جناح نے نہ صرف اپنا قیمتی وقت بچایا بلکہ گاندھی جی کو مجبور کر دیا کہ وہ خود پہل کر کے انہیں مذاکرات کی دعوت دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جواہر لال' بوس' آزاد' پٹیل یا پرشاد میں سے کوئی بھی کانگریسی نیتا مہاتما کی منظوری کے بغیر بات چیت نہیں کرے گا اور گفتگو کے لئے جو بھی فارمولا وضع کیا گیا' اس کی آخری منظوری گاندھی جی سے لی جائے گی۔ آخر کار فروری ۳۸ء کے اواخر میں مہاتما نے لکھا کہ "میں نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا رہنما بنانا منظور کر لیا ہے' پہلے ان کے اور آپ کے مابین بات چیت ہو گی۔ تاہم ہر صورت میں آپ مجھے اپنے تصرف میں سمجھیں"۔ اس پر جناح نے جواب دیا۔ "میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے رویہ اور سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی رہنمائی مولانا ابوالکلام آزاد کریں گے"۔

جناح نے اس بات پر اصرار کیا کہ جس طرح گاندھی خود کو تمام ہندوؤں کا ترجمان منوانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح انہیں جملہ مسلمانان ہند کا ترجمان تسلیم کیا جائے اور مسلم لیگ ایک ایسی بااختیار سیاسی جماعت تسلیم کی جائے جو سارے مسلمانوں کی نمائندہ ہے' کانگریس کے نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں قابل قبول نہ تھیں' جناح بھی اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے۔ تاہم مذاکرات سے بچنے کی کوئی ترکیب تو کام میں لانی تھی۔ کانگریس کی طرف سے تسلیم کرنے کا معاملہ بہرحال آخری چیز تھی جس کا مطالبہ وہ اس نازک مرحلہ پر کر رہے تھے' مسلمان قوم پر "ہندو راج" کے واضح اور موجودہ خطرہ کے خلاف متحدہ کرنے کے نصب العین کو اس سے زبردست دھچکا لگتا۔ کانگریس اور لیگ کے مابین ۱۹۳۸ء میں کسی قسم کی مفاہمت خواہ وہ صوبائی سطح پر ہوتی یا مرکزی سطح پر' جزوی ہوتی یا بنیادی نوعیت کی۔ لیگ نے رکن سازی کی جو مہم شروع کر رکھی تھی' وہ بری طرح ناکام ہو جاتی۔ حقیقت میں ان کی ساری حکمت عملی کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ہر ایسے مسلمان کو اپنی صفوں میں شامل کر لیا جائے جو ہندوستان پر ہندو تسلط سے خوفزدہ اور اس کا مخالف ہو۔ اس موقع پر کسی قسم کے سمجھوتہ کا یہ مطلب ہوتا کہ

مسلمانوں کو متحدہ کرنے کی جو اسکیم چلائی گئی تھی اس پر پانی پھیر دیا گیا۔ ایسے مذاکرات کے نتیجہ میں جناح کو بمبئی اور دوسری صوبائی وزارتوں میں چند مزید سیٹیں شاید مل جاتیں' تاہم وہ حصول پاکستان کے مشن میں بری طرح ناکام ہو جاتے۔

شبانہ روز محنت کے باعث ان کی کھانسی اور بے آرامی بڑھتی گئی۔ جس سے وہ مزید زود رنج اور تنک مزاج ہو گئے۔ وہ زیادہ خلوت و تنہائی چاہتے تھے۔ اگرچہ پہلے بھی ہجوم کا سامنا کرنا اور اسے برداشت کرنا ان کے بس میں نہ تھا' ماسوائے جب وہ کسی اسٹیج سے لوگوں کو خطاب کرتے۔

مارچ ۳۸ء میں جناح نے اصفہانی کو اطلاع دی۔ "میں فاطمہ کے ساتھ ۱۶ اپریل کی صبح کو میل سے آرہا ہوں۔ جہاں تک میرے استقبال کا تعلق ہے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مناسب نظم و ضبط برقرار رکھا جائے تاکہ میں معقول وقت میں گھر پہنچ سکوں۔ کیونکہ ان لمبے لمبے جلوسوں سے' جن میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ میرے اعصاب اور قوت برداشت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ اس لئے آپ اس امر کی کوشش کریں کہ میں ۱۲ بجے تک گھر پہنچ جاؤں اور بعد دوپہر تھوڑی دیر کے لئے لازماً آرام کر سکوں۔ آپ نے اخبارات میں یقیناً پڑھ لیا ہو گا کہ علی گڑھ' میرٹھ اور دوسرے مقامات کے دوروں سے مجھے کتنی تکلیف پہنچی ہے۔ اس لئے نہیں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی صرف اس وجہ سے کہ سفر میں بہت زیادہ بے قاعدگیاں سرزد ہوئیں اور بہت زیادہ تھکاوٹ نے میری صحت پر برا اثر ڈالا"۔

مسلم لیگ کے ان کے منصوبوں کو کوئی بھی چیز شائد اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتی تھی جتنا نقصان خرابی صحت کی افواہوں سے پہنچ سکتا تھا۔ سیاسی قوت بننے کے لئے طبعی طور پر تندرست ہونا ناگزیر تھا۔ اس بارے میں معمولی سا شک بھی کہ جناح کے پھیپھڑوں پر نہ مٹنے والے داغ ہیں تو قیادت کی غیر معمولی صلاحیتوں کا چرچا بے کار ہو جاتا۔ ان کی واحد تمنا یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت تنہائی میں گذاریں' لوگوں کے سامنے کم سے کم آئیں اور اپنی سرگرمیاں محدود کر دیں۔ فاطمہ جناح خاموشی سے تیمار داری کرتی رہیں۔

اپنے لئے خلوت کو زیادہ یقینی بنانے کے لئے جناح نے مالا بار ہل پر واقع اپنی رہائش ماؤنٹ پلیزنٹ کو نئی شکل دی۔ ان کا یہ بنگلہ ۱۵۰۰۰ مربع گز سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ کوٹھی جدید طرز کی اور بڑی شاندار تھی۔ اس کے علاوہ ۱۰ اورنگزیب روڈ (نیو دہلی) پر انہوں نے ایک نئی کوٹھی خریدی تھی' اس کی تزئین و آرائش پر بھاری رقم صرف کی گئی۔ آج کل اس کوٹھی میں نیدرلینڈ کا سفارت خانہ ہے۔ نئی دہلی والے بنگلہ پر جانے کے لئے نئی کار ضروری تھی' چنانچہ انہوں نے پیکارڈ ایٹ کا انتخاب کیا۔ جس کی خریداری کا کام اصفہانی کو سونپ دیا گیا۔ اس پر کل ۱۰۰۱۷ روپے خرچ ہوئے۔ ان دنوں مالی لحاظ سے ان کی حالت خاصی اچھی تھی۔ "سے فیئر" میں انہوں نے جو فلیٹ کرایہ پر دے رکھے تھے' ان سے ۲۰۰۰ روپے ماہوار سے زائد آمدنی تھی۔ ان کی معیاری فیس ۱۵۰۰ روپے یومیہ (ہندوستان میں سب سے زیادہ) تھی۔ علاوہ ازیں انہیں ۴۰۰۰۰ روپے سے زیادہ اس سٹاک پر ڈوائڈنڈ ملا جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے خریدا تھا۔ جناح ملک کے ٹیکس دینے والے اس منتخب گروپ میں سے ایک تھے جن کی آمدنی پر سپلیمنٹری ٹیکس کے علاوہ "سوپر ٹیکس" بھی لاگو ہوتا تھا اور بعض اوقات بہت سے بڑے دولت مندوں کی طرح وہ بھی ٹیکس کی رقم بڑی دیر سے ادا کرتے تھے۔

جناح اس وقت یہ کہنے کی پوزیشن میں تھے کہ مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹیاں ہندوستان کی گیارہ میں سے سات صوبائی اسمبلیوں میں سرگرمی سے کام کر رہی ہیں اور ان پارٹیوں کی رکنیت روزانہ بڑھ رہی ہے۔ سنٹرل

اسمبلی میں لیگ کے بلاک کو خود منظم کیا۔ عام انتخابات کے علاوہ لیگ کے متعدد امیدوار ضمنی انتخابات میں بھی کامیاب ہوئے تھے۔ وسط اپریل ۳۸ء میں کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے جناح نے بانگ دہل کہا۔ "کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ مسلمان یہ بات کئی بار واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ مذہب کے علاوہ ان کا کلچر' زبان' اور پرسنل لاز بھی ہندوؤں سے مختلف ہیں۔ دوسری بات جو زندگی اور موت کے مسئلہ کے برابر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے مستقبل اور مقدر کا انحصار سیاسی حقوق کے تحفظ قومی زندگی' حکومت اور ملکی انتظامیہ میں بھرپور حصہ لینے پر ہے۔ وہ آخری سانس تک اس کے لئے جدوجہد کریں گے۔ اور ہندو راج کے تمام خواب مٹی میں ملادئے جائیں گے۔ وہ کسی کے مطیع ہو کر نہیں رہیں گے۔ کوئی ان پر غالب نہیں آسکتا۔ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم کسی کے آگے سر نہیں جھکائیں گے"۔ جناح کی سٹر ٹیجی یہ تھی کہ کانگریس کو "لیگ کا احترام کرنا اور اس سے ڈرنا" سکھایا جائے۔ اپنے پیروکاروں کو یہ سبق دیا جائے کہ وہ بنیادی طور پر خود پر بھروسہ کریں اور متحدہ ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے پاس اس امر کی جائز شکایات تھیں کہ ان کے ساتھ زیادتیاں کی گئی ہیں۔ لیگ اور جناح نے فیصلہ کیا کہ کانگریس وزارتوں کے خلاف شکایات اکٹھی کر کے انہیں شائع اور مشتہر کیا جائے۔ لیگ کونسل نے راجہ آف پیرپور کی سرکردگی میں اس مقصد کے لئے ایک خصوصی کمیٹی مقرر کی۔ راجا صاحب نے متاثرہ مسلمانوں کی زبانی و تحریری شہادتوں کے ساتھ کانگریسی وزراء کے خلاف شکایتوں پر مبنی رپورٹ لیگ کے سالانہ اجلاس (جو دسمبر میں ہونا تھا) سے ایک ماہ قبل پیش کردی۔

گاندھی جناح ملاقات

اس مرحلے پر گاندھی نے جناح کو خطوط لکھے اور تار بھی دئے تاکہ دونوں کے مابین ملاقات ہوسکے اور مذاکرات میں مولانا آزاد گاندھی کی مدد کرسکیں' لیکن جناح نے مولانا آزاد یا کسی بھی دوسرے غیر لیگی مسلم رہنما کے ساتھ ملاقات کرنے سے صاف انکار کردیا۔ مجبوراً مہاتما اس بات پر متفق ہوگئے کہ وہ ۲۸ اپریل ۳۸ء کو اکیلے بمبئی جائیں اور مسٹر جناح سے بات چیت کریں۔ وہ قبل از دوپہر جناح کے گھر پہنچے۔ دونوں رہنماؤں نے ساڑھے تین گھنٹے تک تنہائی میں مذاکرات کئے۔ جن کے دوران گاندھی جی لاجواب ہوگئے' وہ اپنے دعوؤں کی کوئی دلیل پیش نہ کرسکے اور زیادہ تر وقت مذاکرات کے نوٹس لینے میں گذارا۔ اس بات چیت نے ۶۹ سالہ مہاتما کو مزید مایوس و دل برداشتہ کردیا۔ اس ملاقات کی روداد سے سوبھاش کے علاوہ نہرو کو بھی مطلع کیا اور انہیں لکھا:۔ "میں بات چیت جاری رکھے ہوئے ہوں تاہم میرے لئے یہ سوچنا تکلیف دہ امر ہے کہ میں اس خود اعتمادی سے محروم ہوگیا ہوں جو ایک ماہ پہلے تک مجھ میں تھی۔ میں نے آپ سے اس چیز کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ آپ کو تجاویز کا جائزہ لینے میں مدد مل سکے۔ آپ سرسری طور پر ان تجاویز کو رد کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے اگر وہ آپ کو پسند نہ آئیں۔ اس معاملہ میں آپ کو میری راہنمائی کرنی ہوگی"۔

نہرو نے جان چھڑانے کے لئے یہ کام صدر کانگریس سوبھاش کے ذمہ لگادیا۔ وہ مئی کے شروع میں بمبئی گئے اور جناح سے ملے۔ تاہم بات چیت سے فاصلے کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئے اور ان کی عام تشہیر کی جانے لگی۔ جناح نے لیگ کو تنظیمی لحاظ سے کانگریس کو آئینہ دکھانے والی جماعت میں بدلنے کی پالیسی پر عمل کیا۔ انہوں نے اپنی ورکنگ کمیٹی (ہائی کمانڈ) مقرر کی۔ جس کا اجلاس ۴ جون ۳۸ء کو بمبئی میں ہوا۔ یہ واقعی ایک مضبوط کمیٹی تھی جس میں سر سکندر حیات' فضل الحق' خلیق الزمان اور لیاقت علی خان جیسے لوگ شامل تھے۔ انہوں نے لیگ

کی حیثیت کو چار چاند لگانے میں مدد دی' اس کی حیثیت کانگریس یا برطانوی لیبر پارٹی کی شیڈو کابینہ کی سی تھی۔

نہرو ۱۲ر جون کو انگلینڈ روانہ ہوئے اور جون کے اختتام سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے کلیمنٹ اٹیلی' سٹیفورڈ کرپس' ہیرالڈ لاسکی اور لیبر پارٹی کی شیڈو کابینہ کے دیگر ارکان سے ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں اس موضوع پر بحث کی گئی کہ نئی لیبر گورنمنٹ ہندوستان کو اقتدار کس طرح منتقل کرے گی۔ وی کے کرشنا مینن' جو لندن میں نہرو کے میزبان بنے' ان کے گہرے دوست اور پبلشر تھے' وہ لندن اسکول آف اکنامکس میں لاسکی کے شاگرد رہ چکے تھے۔ سپین میں خانہ جنگی پورے زوروں پر تھی اور چیمبرلین گورنمنٹ نازیوں کے بڑھتے ہوئے مظالم کے آگے بھیگی بلی بنی ہوئی تھی۔ جسے دیکھتے ہوئے عام قیاس آرائی کی جارہی تھی کہ زمام اقتدار جلد ہی لیبر پارٹی کو سونپ دی جائے گی۔ نہرو نے اپنے پریس' انٹرویوز میں چیمبرلین کی حکومت پر کھلم کھلا تنقید کی اور کہا "یہ باتیں جنگ کو قریب تر لانے والی ہیں' خواہ ان کے بارے میں کچھ ہی دعوے کیوں نہ کئے جائیں۔ میرے خیال میں ہندوستان کو اس بات پر ڈٹ جانا چاہئے۔ جس کا اعلان وہ پہلے ہی کر چکا ہے کہ وہ سامراجی جنگ کی مخالفت کرے گا"۔

چیمبرلین گورنمنٹ کی ہر پالیسی پر بیباکانہ حملوں نے برطانوی انتظامیہ کو جناح کا اس سے بھی زیادہ ہمدرد اور اثر پذیر بنا دیا جتنا کہ وہ پہلی گول میز کانفرنس سے تھی۔ جناح اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے اگست میں شملہ گئے۔ جہاں قائم مقام وائسرائے لارڈ برابورن نے' جو ماضی میں بمبئی اور بنگال کے گورنر رہ چکے تھے' جناح اور ان کے فوراً بعد سر سکندر کو ملنے کی دعوت دی۔ مسلم ہندوستان کے قائدین کے ساتھ اس اہم اور خفیہ ملاقات نے نیم خود مختار صوبوں اور ریاستوں کی اس فیڈریشن کے مقدر پر مہر لگا دی جس پر ابھی عملدر آمد نہیں ہوا تھا اور جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا بنیادی پتھر تھی۔ لارڈ زیٹلینڈ سیکرٹری آف سٹیٹ نے ۱۶ر اگست ۱۹۳۸ء کو ہونے والی اہم ملاقات کے بارے میں برابورن کا یہ بیان نقل کیا "جناح نے اس حیرت انگیز تجویز پر اپنی بات ختم کی کہ ہمیں مرکز کو ویسا ہی رکھنا چاہئے جیسا کہ وہ اس وقت ہے۔ یہ کہ ہمیں مسلمانوں کو کانگریسی صوبوں میں تحفظ فراہم کر کے اپنا دوست بنانا چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو مسلمان مرکز میں ہمارا تحفظ کریں گے"۔ سر سکندر نے اس استدلال کے ساتھ جناح کی تائید کی "ہم پاگل بن کر فیڈریشن اسکیم کی حمایت کر رہے ہیں اور حقیقت میں کانگریس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ اور یہ کہ اگر ہم (برطانوی حکومت) مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کریں تو وہ ہر حال میں ہمارا ساتھ دیں گے"۔ برطانیہ کے لئے یہ یقین دہانی جو اسے درپیش مشکل ترین جنگ کے موقع پر کرائی گئی' بڑی اہم تھی کیونکہ انڈین آرمی اب بھی زیادہ تر مسلمان دستوں پر انحصار کرتی تھی اور پنجاب نئے رنگروٹ مہیا کرنے والا سب سے زرخیز علاقہ تھا۔

جناح نے حکومت کو قوانین کے نفاذ میں مدد دینے کے لئے خاصے ووٹ دلائے۔ شاید اس سے بھی زیادہ اہم جناح کی خاموش آواز تھی جو جنگ کے موقع پر فوجی وفاداری کے معاملہ میں اپنا کام کر رہی تھی' اس حکمت عملی نے انگریزوں کی آئندہ عشرہ میں ہندوستان کے اندر بقا کو بڑی تقویت پہنچائی۔ ورنہ سوبھاش نے تو نہرو کے سامنے جلد ہی محوری طاقتوں کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ مہاتما گاندھی نے بھی اعلانیہ کہہ دیا تھا کہ جنگ چھڑنے پر وہ برطانوی حکومت کی حمایت واپس لے لیں گے۔ گویا کوئی بھی کانگریسی لیڈر برطانیہ کا حامی نہیں تھا۔ جناح نے بڑے پرجوش انداز میں ممبران اسمبلی سے پوچھا۔ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں فوج کے ہر رکن کو' سپاہی سے لے کر افسر تک' یہ ترغیب دوں کہ وہ حکم عدولی کے افعال کا ارتکاب کریں؟ میں ایسا کرنے سے معذور ہوں۔ اگر

آج میں فوج کو ایسی ترغیب دیتا ہوں تو یہ صرف میرے لئے تباہ کن ہوگی ۔ اس مخالف کے لئے نہیں جسے میں نشانہ بنانا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے اپنے مخالف کا نام نہیں لیا۔ انہیں نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کانگریس نے انکے ساتھ مصالحت کرنے کیلئے بڑے عرصہ تک انتظار کیا تھا۔ جناح نے برطانیہ عظمیٰ کے کیمپ میں شامل ہو کر کانگریس سے دوبارہ لڑائی شروع کردی۔ اس وقت بھی وہ اپنی مستقبل کی قوم کے قائداعظم کی حیثیت سے کانگریس کے خلاف نبرد آزما تھے۔

انہوں نے کانگریس کے ساتھ مصالحت کی امید کا دامن چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ شاید ایسا ایک بھی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ تاہم مختلف مواقع پر ان کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک کیا گیا' انکی تحقیر کی گئی اور ان کی رائے کو ٹھکرایا گیا' ان سب نے وقت اور عمر کے دباؤ کے ساتھ مل کر اپنا کام دکھایا۔ کانگریس کی بدتمیزیوں' بیوقوفیوں' کوتاہیوں' ضمیر فروشیوں' مسلمانوں کے خلاف حقیقی اور فرضی سوچ' کام کی زیادتی' محرومی' خدشات' شبہات' امیدوں' منتشر خوابوں' راکھ کا ڈھیر بننے والے جذبات اور غرور وغیرہ سب نے مل کر جناح کے مزاج کو بدل دیا۔ وہ اس اندھیری رات کی طرف آہستگی اور خاموشی سے نہیں بڑھنا چاہتے تھے۔ "ہم جو جدوجہد کر رہے ہیں وہ محض روٹی اور مچھلی کے چند ٹکڑوں' وزارتوں اور عہدوں کے لئے نہیں ہے' نہ ہی ہم اپنے اہل وطن کی اقتصادی' معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے مخالف ہیں' جیسا کہ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے"۔ جناح نے ۸ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کراچی میں سندھ پراونشل لیگ سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا۔ اس اجلاس میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد سے مایوس ہونے کی سب سے بڑی وجہ کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ کانگریس کی موجودہ قیادت سے اس کی امید نہیں کی جاسکتی۔ آخر کار ایک ذی ہوش اور صاحب شعور آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر احمقانہ بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو گندے کپڑوں میں ملبوس' ہجوم' بمبئی و دہلی سمیت ایک کے بعد دوسرے صوبہ غیر تربیت یافتہ ہندو اہلکاروں میں گھرا ہوا پائے؟ اس سے بڑھ کر اس کے لئے اور کونسی اچھی دلیل ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے انگریز دوستوں اور رفقائے کار کی طرف چلا جائے؟"

"کسی غیر پر اعتماد کرنا درست نہیں"۔ جناح نے کراچی میں جو آگے چل کر پاکستان کا دارالحکومت بننے والا تھا' اپنے مسلم لیگی پیروکاروں کو نصیحت کی۔ "ہمیں اپنی موروثی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اپنی طاقت میں اضافہ کرنا چاہئے اور اپنے فیصلوں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کی رضامندی حاصل کر کے تقویت دینی چاہئے اگر (خدانخواستہ) مسلمانوں کو ان کے قومی نصب العین کے حصول اور امنگوں کی تکمیل میں ناکامی ہوئی تو ان مسلمانوں کی غداری کے نتیجہ میں ہوگی جو ہماری صفوں میں موجود ہیں' کیونکہ ماضی میں ایسا ہوچکا ہے"۔ جناح کی طرف سے جماعت اور لوگوں کے لئے اختیار کردہ "قومی نصب العین" کا اعلانیہ اظہار پہلی بار کیا گیا۔ یہ کوئی نیا یا بغیر سوچا سمجھا اعلان نہیں تھا۔ وہ اپنی طویل المیعاد سٹرٹیجی کا انکشاف کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں تھے کیونکہ ابھی بہت زیادہ تنظیمی کام اور اداروں کی تعمیر کا مرحلہ طے کرنا باقی تھا۔ تاہم انہوں نے سیاسی معرکہ آرائی کے منصوبے بنالئے تھے' انہوں نے اس وقت زبردست احتجاج کیا جب انہیں طنزاً حالات سے بے خبر اور ناواقف قرار دیا گیا "میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں ہندو قوم سے اس طرح نہیں لڑ رہا ہوں' نہ ہی عام طور سے ان کے ساتھ میری کوئی لڑائی ہے کیونکہ ان کے اندر میرے بہت سے ذاتی دوست ہیں"۔ قریباً ۶ ماہ قبل ڈاکٹر اقبال پھیپھڑوں کی مہلک بیماری سے انتقال کرگئے تھے۔ ایک عشرہ بعد یہی بیماری جناح کی موت کا سبب بنی۔ اب صرف سکندر حیات قیادت کے مسئلہ میں جناح کے حریف رہ گئے تھے۔ جناح نے خود کو مسلمانوں کو متحد کر کے

مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے انتھک کام کے لئے وقف کردیا۔ وہ (مسٹر جناح) اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ صرف وہی مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی اور چھوت چھات جیسی حیثیت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ انکے برعکس حریف مسلمانوں کو بدستور اپنے شکنجے میں اسیر رکھنے کے لئے زبردست کوشش کر رہے تھے۔

کراچی مسلم لیگ کے قدموں میں

۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کراچی کے ڈسٹرکٹ بورڈ نے رسمی طور پر مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کا خیر مقدم کیا۔ سکندر حیات نے لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہرایا' اس کے بعد مسٹر جناح کی خدمت میں بزبان اردو خطبہ استقبالیہ پیش کیا گیا جو چاندی کی ٹرے پر لکھا ہوا تھا۔ نیز شہر کراچی کی چابیاں بھی نذر کی گئیں۔ خطبہ استقبالیہ کے تمہیدی کلمات اس طرح تھے "یہ بات شہر کراچی کے لئے باعث افتخار ہے کہ مسٹر جناح جیسی عظیم شخصیت اور معروف سیاستدان نے یہاں جنم لیا"۔ انہیں "قائداعظم" اور "مسلم قوم کے سالار" جیسے القابات سے مخاطب کیا گیا۔ دوپہر کے بعد انہوں نے سکندر حیات' فضل الحق اور خان بہادر اللہ بخش (سندھ کی یونائیٹڈ پارٹی کے وزیر اعظم) جس نے قبل ازیں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اللہ بخش کی مخلوط حکومت کا انحصار کانگریس کی امداد پر تھا۔ جناح نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ سندھ کو مسلم لیگ کی صوبائی فہرست میں شامل کر کے دم لیں گے۔ جس میں سرفہرست بنگال کا نام تھا اور بے ضابطہ طور پر پنجاب شامل تھا۔ ان دونوں صوبوں میں دراصل مخلوط حکومتیں کام کررہی تھیں۔ ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کراچی میں آمد کے بعد جناح نے کثیر جماعتی اسمبلی کے کم و بیش بیس ممبران سے ملاقاتیں کیں اور انہیں مسلم لیگ میں شامل ہونے پر آمادہ کرلیا۔ یہاں تک کہ آخر میں خود اللہ بخش نے بھی مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کردی۔

اللہ بخش کی وعدہ خلافی اور انجام

چند دن بعد جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا۔ ملاقات میں طے پایا تھا کہ سندھ اسمبلی کے مسلم ممبران پر مشتمل ایک ٹھوس پارٹی تشکیل دی جائے گی جس کا نام مسلم لیگ پارٹی ہوگا۔ اللہ بخش ... کے جملہ مسلم وزراء نے مستعفی ہونے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد صوبائی لیگ پارٹی کے انتخابات ہونے تھے جس میں اتفاق رائے سے نیا پارلیمانی لیڈر منتخب کرنا تھا۔ ناکامی کی صورت میں مسٹر جناح کو اس کی نامزدگی کرنی تھی اور سارے گروپوں کے لئے ان کا فیصلہ ماننا لازمی ہوتا۔ بہرحال اگلی صبح سندھ کانگریس پارٹی کے لیڈر نے ولبھ بھائی پٹیل (صدر آل انڈیا کانگریس پارلیمانی بورڈ) کو تار دیا اور اللہ بخش و لیگ کے مابین ہونے والی سازباز سے آگاہ کردیا۔ جب ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اللہ بخش سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس نے معاہدہ سے صاف انکار کر کے ہر ایک کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اتنی صریح وعدہ خلافی کے صدمہ سے دوچار ہونے کے باوجود جناح نے "اتحاد" کے لئے کوشش جاری رکھی اور سندھ میں اپنے نائب سر عبداللہ ہارون کو اللہ بخش کے گھر بھیجا۔ ہارون نے ساری رات مغز ماری کی' تاہم وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور اگلی صبح آکر رپورٹ دی کہ اللہ بخش کانگریس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ یہ ایسی کڑوی گولی تھی جسے نگلنا جناح کے بس سے باہر تھا۔ انہوں نے آزاد صوبہ سندھ کے لئے طویل اور سخت جدوجہد کی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ مسلم اکثریتی صوبہ ہونے کی بنا

پروہاں مسلم لیگ کی حکومت بنے گی۔ لیکن کانگریس کے مرد آہن اور نہرو کے نظریاتی مخملی دستانہ کے نیچے چالاک انتظامی ہاتھ۔ سردار پٹیل نے جناح کے ہونٹوں سے یہ کشش اس وقت چھین لی جب وہ اس کی شیرینی سے لطف اندوز ہونے والے تھے۔

پٹیل نے ان کے آبائی صوبہ سندھ کو ان کے حلقہ اثر سے جس طرح نکالا اور چھینا وہ یہ بات عمر بھر نہ بھلا سکے' نہ پٹیل کو اس کے لئے معاف کیا۔ ملک برکت علی تک یہ ساری روداد پہنچی تو انہوں نے کہا "بلاشبہ آپ نے ایک بڑی کامیابی حاصل کرلی تھی' لیکن کانگریس کے کتوں نے فتح کا کپ آپ کے ہاتھ سے چھین لیا۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ مسلمانان سندھ اس غدار (اللہ بخش) کو ضرور سبق سکھائیں گے"۔ یاد رہے کہ اللہ بخش کو مئی ۴۳ء میں قتل کردیا گیا اور اس کے قاتلوں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

پیرپور رپورٹ

راجہ پیرپور نے کانگرس کی زیادتیوں کے بارے میں اپنی رپورٹ نومبر ۳۸ء میں پیش کی۔ لیاقت علی خان نے اسے ایک سبز پمفلٹ کی شکل میں' جس کے ٹائیٹل پر لیگ کا جھنڈا بنا ہوا تھا' دہلی سے شائع کرا دیا۔ اگرچہ اس کا مسودہ مسٹر جناح نے نہیں لکھا تھا تاہم اس کے "عمومی سروے" کا آغاز کرنے کی منظوری انہوں نے ہی دی تھی۔ اس کا ابتدائی جملہ یہ تھا "فرقہ وارانہ مسئلہ نے ہندوستان میں سمجھوتہ کو کھٹائی میں ڈال رکھا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں یہ ایک حقیقی مسئلہ ہے اور جتنی جلدی اسے حل کرلیا جائے' ملک کے لئے اسی قدر بہتر ہوگا۔ فرقہ وارانہ مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے جب ہندوستان کو آزادی مل جائے' اور ہندوستان آزادی سے صرف اس وقت ہمکنار ہو سکتا ہے جب فرقہ وارانہ مسئلہ حل کرلیا جائے۔ یہ گورکھ دھندا ہمیں کسی منزل پر نہیں پہنچائے گا اور ملک کو بیرونی استحصال کے جال میں پھنسادے گا۔ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل نہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ اقلیتوں کی گروہ بندی اس میں حائل ہے بلکہ اکثریتی طاقتوں کی گروہ بندی نے اس کا راستہ روک رکھا ہے"۔

رپورٹ میں اواخر ۱۹۳۷ء کے بعد سے کانگرس کے زیر حکومت صوبوں میں ہندو مسلم فسادات کے خاص خاص واقعات کی فہرست دی گئی تھی۔ مسلمانوں کے جان و مال کو پہنچنے والے نقصان کے لئے کانگرس کی سرکاری پالیسیوں کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا' اگرچہ اس مختصر سے پمفلٹ میں تفصیلی شہادتیں قلمبند نہیں کی گئی تھیں۔

قائداعظم کا خطاب

۱۰ر دسمبر ۳۸ء کو مولانا مظہرالدین احمد' ایڈیٹر روزنامہ "الامان" دہلی نے اپنے اخبار میں تجویز پیش کی کہ مسلمان آئندہ اپنے محبوب رہنما کو "قائداعظم" کے لقب سے پکارا کریں۔ اسی مہینے پٹنہ میں لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو اس میں لوگوں نے "قائداعظم زندہ باد" کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ سید عبدالعزیز' بہار کی یونائیٹڈ پارٹی کے ہر دلعزیز رہنما' مجلس استقبالیہ کے صدر تھے' انہوں نے لیگ کے سہ روزہ سیشن کو ہر لحاظ سے کامیاب و یادگار بنانے کے لئے بے دریغ سرمایہ خرچ کیا اور کسی پہلو سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پٹنہ وسطی ہندوستان کا وہ مقام ہے جہاں چھٹی صدی قبل مسیح میں مہاتما گوتم بدھ نے انسانیت کو محبت اور سچائی کا درس دیا تھا۔ بعد ازاں خاندان موریہ کے مہاراجہ اشوک نے دکھ' اہنسا اور دھرم کا پیغام دور دور تک پہنچایا۔ ہندو

تہذیب و ثقافت کے اس گڑھ میں مسلم لیگ کے کامیاب جلسہ کا انعقاد بتوں کے لئے حیرت و استعجاب کا موجب بنا۔

پٹنہ سیشن سے خطاب

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کی رات کو اپنے پرجوش سامعین سے فی البدیہہ خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

"آپ کو جاننا چاہئے کہ کانگرس نے فاشزم کی راہ پر چلتے ہوئے تصفیہ کی ہر امید کا خون کردیا ہے۔ کانگرس کی ہائی کمان یہ لغو دعویٰ کرتی ہے کہ انہیں پورے ہندوستان کی نمائندگی کا حق حاصل ہے' یہ کہ ہندوستان کے بارے میں بولنے کے صرف وہی مستحق ہیں۔ دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے فیصلوں کو طاقتور مقتدر کے فیصلے سمجھ کر قبول کرلیں۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کریں گے اور توقع رکھتے ہیں کہ مسلمان ان کے اس اعلان کو منظور کرلیں گے۔ میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمان کسی قسم کی مراعات و بخشش کے طلبگار نہیں۔ ہم نے اپنے پورے حقوق حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔ کانگرس سراسر ایک ہندو جماعت ہے۔ یہ ایسی صداقت ہے جس سے ہندو خود بھی باخبر ہیں۔ چند گمراہ ہونے والوں اور گمراہ کئے گئے یا ناپاک عزائم رکھنے والے مسلمانوں کی موجودگی اسے قومی جماعت نہیں بنا سکتی' نہ ہی اس طرح وہ قومی جماعت بن سکتی ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کوئی اٹھ کر اس امر کی تردید کرے کہ کانگرس ہندو جماعت نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا کانگرس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ اس کے پیچھے اصل نا .بغہ عصر کون ہے؟ مسٹر گاندھی' مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ مسٹر گاندھی ہی ہیں جو اس تصور کو ملیامیٹ کررہے ہیں جس کے تحت کانگرس کی تشکیل ہوئی تھی۔ وہ اکیلے کانگرس کو ہندو ازم کے احیاء کی طرف موڑنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہندو مذہب کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور ملک میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے کانگرس کو استعمال کررہے ہیں۔ آج ہندو ذہنیت اور ہندو نقطہ نظر کی بڑی احتیاط سے پردہ پوشی کی جارہی ہے۔ مسلمانوں کو نئی شرائط قبول کرنے اور کانگرسی لیڈروں کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے"۔

کانگرس کی تباہی کا ذمہ دار... گاندھی

ٹھیک اٹھارہ سال پہلے ناگپور میں مہاتما گاندھی کو جو فتح حاصل ہوئی تھی' اس وقت سے لے کر پٹنہ میں جو ناگپور سے بڑھ کر ہندوؤں کا متبرک مقام تھا' ہونے والے سیشن تک قائداعظم نے بارہا اور اعلانیہ یہ بات کہی کہ مسٹر گاندھی کانگرس کو تباہ کررہے ہیں۔ لیکن پٹنہ میں خود انہیں کتنی شاندار فتح حاصل ہوئی' ان کی مساعی کا کتنا اطمینان بخش صلہ ملا' اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ یہاں انہوں نے جس پارٹی سے خطاب کیا وہ کانگرس نہیں بلکہ ان کی اپنی جماعت مسلم لیگ تھی جو بھاری تعداد میں جلسہ سننے اور تالیاں بجانے آئی تھی۔ یہاں سامعین کی تعداد ناگپور سے زیادہ اور ان کا جوش و خروش بیکراں تھا۔ گاندھی کے خلاف یہ ان کا سخت ترین حملہ تھا۔ چونکہ ان کی تقریر دیر تک جاری رہی اس لئے انہوں نے نہرو' بوس' پرشاد اور پٹیل سمیت دیگر نیتاؤں کو بھی خوب لتاڑا۔ جناح نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ کانگرس کی یقین دہانیوں پر قطعاً اعتبار نہ کریں' وہ ان کی اس فیڈریشن کو ہرگز نہیں مانے گی جو ۱۹۳۵ء کے دستور میں تجویز کی گئی ہے۔

راست اقدام کی قرارداد

پٹنہ سیشن کا دوسرا دن ایک قرارداد پر بحث کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ اس قرارداد کی رو سے لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بہار' یوپی اور سی پی کے مسلمانوں کی شکایات کے ازالہ اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے جب بھی ضروری سمجھے "راست اقدام" کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہندو اکثریت کے مذکورہ بالا تینوں صوبوں سے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کی بہت زیادہ رپورٹیں موصول ہوئی تھیں۔ اتفاق رائے سے منظور ہونے والے اس ریزولیوشن کو مسٹر جناح نے "انقلابی" اور "ماضی سے بغاوت" کا نقیب قرار دیا کیونکہ اس نازک موڑ پر پہنچنے تک لیگ نے ہمیشہ آئینی لحاظ سے بتدریج ترقی کی پالیسی پر عمل کیا تھا۔ اگرچہ انہیں "راست اقدام" کی اپیل کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا' تاہم قائداعظم نے صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین کی اور مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ لیگ کو منظم اور مضبوط کریں تاکہ ساڑھے نو کروڑ مسلمان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ تیسرے دن کا زیادہ حصہ قرارداد فلسطین پر بحث میں گزرا۔ اس قرارداد کے ذریعے حکومت برطانیہ کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کی یلغار کو فوراً روکے۔ قرارداد میں مزید کہا گیا کہ فلسطین کا مسئلہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ اگر انگریزی حکومت نے عربوں کے ساتھ انصاف نہ کیا تو مسلمانان ہند عربوں کو انگریزی استحصال اور یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے بچانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے عبدالستار خیری نے کہا کہ ہمارے لئے انگریز اور ہندو دونوں یہودیوں کی مانند ہیں یعنی ہمارے دشمن ہیں۔ ہندوستان میں گاندھی ہندو یہودیوں کے رہنما ہیں۔ ایک اور لیگی مندوب مسٹر عبدالخالق نے زور دے کر کہا کہ مغرب کے اصل یہودی انگریز ہیں جبکہ مشرق کے یہودی ہندو ہیں اور یہ دونوں شائیلاک کی اولاد ہیں۔ جناح نے مداخلت کرتے ہوئے عبدالخالق سے کہا کہ وہ اپنی تقریر میں سے "شائیلاک کی اولاد" کا جملہ نکال دیں کیونکہ ایسے بیانات لیگ کی ساکھ اور وقار کے منافی ہیں۔

خواتین سب کمیٹی

پٹنہ میں ایک ریزولیوشن کے ذریعے مس فاطمہ جناح کی سربراہی میں خواتین کی ایک سب کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس میں دہلی سمیت ہر صوبہ سے ۳۰ سربرآوردہ مسلم خواتین کو شامل کیا گیا ۔ اس کمیٹی میں بیگم شاہنواز کی طرح متعدد خواتین تھیں جنہوں نے زندگی بھر اسلام کے روایتی پردہ کو نہیں اپنایا تھا اور ان کا شمار جدید ہندوستان کے ذہین ترین اور مقبول ترین لیڈروں میں ہوتا ہے۔ بیگم شاہنواز نے کوئین میری کالج (لاہور) سے گریجوایشن کیا' لندن میں ہونے والی تینوں گول میز کانفرنسوں کے لئے انہیں چنا گیا۔ وہ پہلی اور واحد خاتون تھیں جنہوں نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۷ء تک مسلم لیگ کونسل میں کام کیا جنہوں نے لیگ میں خواتین کی عدم موجودگی کی طرف مسٹر جناح کی توجہ مبذول کرائی اور مسلم خواتین کی مرکزی کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس صف میں ناگپور سے بیگم نواب صدیق علی خاں جیسی باپردہ اور کٹر دینی عقائد رکھنے والی خواتین شامل تھیں' ان کا بیان ہے کہ:

"میں قائداعظم سے ۱۹۳۵ء میں پٹنہ سیشن کے موقع پر ملی۔ میں ان دنوں برقعہ پہنتی تھی۔ اپنے خاوند کے کہنے پر میں نے قائداعظم کے ساتھ ملاقات سے پہلے زندگی میں پہلی بار برقعہ اتار دیا۔ میں جانتی تھی کہ وہ انتہائی

خوش پوشاک تھے اور وقت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ میرے دل میں ایک انجانا خوف تھا۔ جب میں کمرہ ملاقات میں داخل ہوئی' میری آنکھیں فرش میں گڑی ہوئی اور ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو قائداعظم کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ انہوں نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں احتراماً قدرے جھکی اور ان سے ہاتھ ملایا۔ یہ دیکھ کر میرے خاوند بہت خوش ہوئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ میں ایک معروف قاضی کی بیٹی ہوں اور بڑے سخت مذہبی عقائد رکھتی ہوں' چنانچہ انہیں شک تھا کہ شاید میں ہاتھ نہیں ملاؤں گی"۔

پٹنہ میں بہت سے رجعت پسند مندوبین نے عورتوں کی تنظیم کے خلاف پرزور احتجاج کیا' انہیں یہ خدشہ تھا کہ اس طرح اسلام کا عائد کردہ پردہ ختم ہو کے رہ جائے گا۔ بہرحال جناح نے نئی سب کمیٹی کی حمایت کرتے ہوئے ایک وکیل کی طرح جواب دیا "قرارداد میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ خواتین کو لیگ کے جھنڈے تلے اس کی حمایت کے لئے خود کو منظم کرنے کا موقع دیا جائے"۔

گاندھی' بوس چپقلش

جس طرح لیگ پہلے سے زیادہ مضبوط و متحد ہو رہی تھی' اسی طرح کانگرس کے مختلف دھڑوں میں ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کے لئے پنجہ آزمائی جاری تھی۔ ایک گروپ کی قیادت کانگرس کے جھگڑالو نوجوان صدر سبھاش چندر بوس کر رہے تھے جبکہ رجعت پسند طبقہ مہاتما گاندھی کے ساتھ تھا۔ بوس کو' جناح کی طرح' ان کے حامیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد "نیتاجی" کے لقب سے پکارتی تھی' خصوصاً بنگال کے پرجوش طلبہ جو گاندھی کے فلسفہ عدم تشدد کے زبردست مخالف تھے۔ جب ۱۹۳۹ء میں مہاتما گاندھی نے فیصلہ کیا کہ بوس کی جگہ مولانا آزاد' پٹا بھائی' سیتا رامیہ یا نہرو میں سے کسی کو صدر بنا دیا جائے تو نیتاجی نے دوسری بار صدارت کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے مقابلہ کی ٹھان لی۔ یہ کانگرس کے اندر پہلی انتخابی معرکہ آرائی تھی جس میں بوس نے اپنے حریف سیتا رامیہ کے حاصل کردہ ۱۳۷۷ کے مقابلہ میں ۱۵۸۰ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کر لی۔ تاہم انہوں نے محسوس کیا کہ الیکشن جیتنے کے باوجود ورکنگ کمیٹی ان سے تعاون نہیں کر رہی اور ان کے لئے اپنا منصب بحال رکھنا محال ہو گیا ہے۔ اس اندرونی کشمکش نے ان کی صحت کو بری طرح متاثر کیا۔ مجبوراً بوس نے کانگرس سے استعفیٰ دے دیا اور "فارورڈ بلاک" کے نام سے اپنی الگ انقلابی پارٹی بنا لی۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوتے ہی انگریزوں نے انہیں قید کر دیا۔ وہ جیل سے فرار ہو کر جرمنی پہنچے' وہاں سے جاپان آ گئے۔ یہاں انہوں نے انڈین نیشنل آرمی بنائی اور انگریزی راج کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی۔ بہار سے گاندھی جی کے تابعدار شاگرد ڈاکٹر راجندر پرشاد کانگرس کے نئے صدر بنے۔

کانگرسی صوبوں میں مسلمانوں پر مظالم

جنوری ۳۹ء میں آغا خان نے گاندھی سے ملاقات کی اور ان سے اپیل کی کہ اگر ممکن ہو تو وہ کانگرس کو مسٹر جناح کے ساتھ مفاہمت پر آمادہ کریں۔ گاندھی لیگ کے ساتھ از سر نو مذاکرات کے لئے تیار تھے' انہوں نے نہرو سے کہا کہ وہ مسٹر جناح سے ملیں اور کانگرسی صوبوں میں مسلمانوں پر ہونے والے نام نہاد مظالم کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ جناح نے فضل الحق کو ہدایت کی کہ وہ "کانگرسی راج کے تحت مسلمانوں کے مصائب" کے عنوان سے ایک رپورٹ مرتب اور شائع کریں۔ یہ رپورٹ ۳۹ء کے اختتام سے پہلے منظر عام پر آئی۔ اس

میں بہار، یوپی اور سی پی کے مسلمانوں پر روا رکھے گئے ۱۰۰ سے زیادہ مظالم کی تفصیل درج تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ جولائی ۱۹۳۷ء سے اگست ۱۹۳۹ء کے درمیانی عرصہ میں مسلمانوں پر کہاں کہاں قاتلانہ حملے کئے گئے۔ انہیں تہ تیغ کیا گیا یا ان کی املاک لوٹی گئیں۔ ان سب واقعات میں سرکاری اہلکاروں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ہندوؤں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ ہندو مسلم فسادات کی نمایاں وجوہات وہی تھیں جو ہمیشہ سے چلی آرہی تھیں یعنی زمین پر تنازعہ، گاؤ کشی، عبادت کے طریقے جو ایک یا دوسرے مذہب کے عقائد کے خلاف تھے۔ اس دفعہ پولیس کا کنٹرول انگریزوں کی بجائے کانگرسی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ مثال کے طور پر یکم فروری ۱۹۳۹ء کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر بہار کے مقامات کروان، برارہ، کاٹما، نیا گاؤں، جسنولی، لورپنا اور مچھیل میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ہر ایک کی ابتداء ہندوؤں کی طرف سے گائے ذبح کرنے والے مسلمان گروہوں پر مساجد میں مسلح حملہ سے ہوئی۔ بعض جگہوں پر ہندوؤں نے مسلمانوں کو قربانی دینے سے جبراً روکا۔ دوسرے مقامات پر ان کے مکانوں اور فصلوں کو اس وقت آگ لگا دی گئی جب وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ کئی جگہ ان پر قربانی کے بعد حملہ کیا گیا اور "گاندھی کی جے" کے نعرے لگاتے ہوئے تہ تیغ کیا گیا۔ بہت سے دیہات میں قصائیوں کو ان کا پیشہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں پر بھی گائے نہ پالنے اور نہ رکھنے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔ بعض اوقات گاتی بجاتی بارات فساد کے لئے مہمیز کا کام دیتی اور کبھی کبھی نماز کے وقت گھنٹیوں کے زور سے بجانے پر ہنگامہ ہو جاتا، نیز عورتوں کا اغوا بھی اس کا اہم سبب بن جاتا۔ ہندوستان کے اکثر دیہات میں فرقہ وارانہ تصادم کی وجوہات ہمہ وقت موجود رہتی تھیں۔ بہرحال فضل الحق رپورٹ میں انتظامیہ پر الزام لگایا گیا تھا کہ ایسے ہنگاموں میں ایک خاص فریق کا ساتھ دیتی اور دوسرے کو دباتی تھی۔ گورداسپور میں ایک پولیس افسر نے ایک مسلمان سے اس معاہدہ پر انگوٹھا لگوایا کہ وہ آئندہ قربانی کرنے کا حق استعمال نہیں کرے گا۔ بعد میں اسے اور دوسرے لوگوں کو جھوٹے مقدمہ میں پھنسا دیا گیا۔

شریف رپورٹ

۱۹۳۹ء میں پیرپور اور فضل الحق کی رپورٹ کی طرز پر ایک اور رپورٹ بہار کی صوبائی مسلم لیگ نے پٹنہ کے ایس ایم شریف کی سرکردگی میں مرتب اور شائع کی، جو صرف بہار میں وقوع پذیر ہونے والے مظالم تک محدود تھی۔ اس لئے اس میں دوسری دونوں رپورٹوں کے مقابلہ میں واقعات زیادہ تفصیلات کے ساتھ جمع کئے گئے۔ قریباً ۹۰ المناک مثالوں سے کانگرسی راج کے تحت ہونے والے ظلم و ستم کو اجاگر کیا گیا تھا۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک سینئر وکیل خورشید حسنین نے مطالعہ کے بعد سفارش کی تھی کہ کانگرس کی ہائی کمان کو یہ رپورٹ ضرور پڑھنی چاہئے، تاکہ ان کے درست یا غلط ہونے کے بارے میں تحقیقات کرائی جا سکے۔

جب اقلیتوں پر ایذا رسانی اور اس کے ساتھ ساتھ انگریز افسروں کی سرد مہری حد سے بڑھنے لگی تو جناح اپنے نام نہاد انگریز اتحادیوں سے مایوسی کا اظہار کرنے لگے۔ ان کا قیاس تھا کہ شاید اوائل ۱۹۳۹ء میں لارڈ برابورن کی وفات کے بعد دہلی میں ان کا کوئی سرگرم حامی نہیں رہا۔ لارڈ لنلتھگو جس کی مدت کار میں ایک سال سے زیادہ عرصہ باقی تھا، جناح کے نقطہ نظر سے گاندھی کا طرفدار لگتا تھا اور ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ میں شامل فیڈریشن والے حصہ کو نافذ کرنے کا زبردست خواہاں تھا کیونکہ یہ فارمولا اس نے سخت محنت کر کے ذاتی طور پر مرتب کیا تھا، جسے صرف متحدہ ہندوستان میں اختیار کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی تقریروں میں متحدہ یونین پر بہت زیادہ

زور دیتا تھا۔

سر سکندر حیات کی یونینسٹ پارٹی جس میں پنجاب کے ہندو، مسلم اور سکھ سب شامل تھے، لنلتھگو کی نظر میں وفاقی اتحاد کی بہترین صوبائی مثال تھی جیسا کہ وہ مرکز میں قائم کرنا چاہتا تھا۔ جنگ میں پنجاب کو اولین اہمیت حاصل تھی اس لئے وائسرائے سر سکندر کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنا چاہتا تھا۔ جب اور جہاں موقع ملتا وہ سر سکندر کی تعریف اور تواضع کرتا۔ جواب میں اس امر کی یقین دہانی حاصل کرتا کہ "پنجاب ہمیشہ برطانیہ کا بازوئے شمشیر زن رہے گا"۔ برطانیہ پنجاب میں فوجیوں کی تنخواہ، پنشن اور دیگر مراعات پر دس کروڑ روپے سالانہ سے بھی زیادہ خرچ کرتا تھا۔ جناح نے محسوس کیا جیسے لنلتھگو کے ساتھ ساتھ سر سکندر نے بھی ان سے آنکھیں پھیرلی ہیں۔ انہیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ خالصتاً سیاسی وجوہات پر وہ دونوں انہیں بالکل نظرانداز نہ کردیں۔ ان دونوں کو یہ جتانے کے لئے کہ وہ ان کی کس قدر مدد کر رہے تھے، مارچ ۳۹ء میں ایک مجوزہ مالیاتی بل کے سلسلہ میں انہوں نے الٹی زقند لگائی اور بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا: "جناب والا، میرے لئے اس بجٹ کو منظور کرنا ممکن نہیں، جیسا کہ یہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا کیونکہ اس میں ہمارا کوئی حصہ یا شراکت نہیں۔ اس ایوان میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پوزیشن بڑی مخصوص قسم کی ہے۔ اسے خوش قسمتی سمجھئے یا بدقسمتی کہ توازن اقتدار ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم حکومت کی حمایت کریں تو وزیر خزانہ اس بل کو بہ آسانی ایوان میں پیش کر سکتے ہیں اور اپنے اطمینان کے مطابق ایک کوما تبدیل کئے بغیر منظور کرا سکتے ہیں۔ ماضی میں ہم اس اصول پر چلتے رہے ہیں کہ اگر حکومت کوئی ایسا قدم اٹھاتی ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو تو ہم اس کی حمایت کریں گے، لیکن جناب والا، میں محسوس کرتا ہوں کہ اب وہ پالیسی تبدیل کرنی چاہئے۔ حکومت کو ہم سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ ہم ان کے لئے خود کو تکلیف میں ڈالیں گے۔ آپ ہم سے یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ ہم ان ظاہری وجوہات کی بنا پر جو ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں، بدستور آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں؟"۔

مسٹر جناح کی طرف سے یہ اس پالیسی کا سب سے زیادہ واشگاف الفاظ میں اظہار تھا جو "باہمی مدد" کے لئے ان کے اور مرکزی حکومت ہند کے مابین ۱۹۳۸ء میں طے پائی تھی۔ بہرحال انہوں نے کانگرس کو بھی اعلانیہ خبردار کیا کہ وہ حکومت کے نام پیغام کا غلط مطلب اخذ نہ کرے۔ وہ کانگرس کو بدستور مسلم لیگ کا حریف اور اس کے لئے خطرناک قرار دیتے رہے۔ اس لئے ان کے نزدیک دونوں کے مابین تعاون کا کوئی امکان نہیں تھا۔ انہوں نے حکومت اور کانگرس دونوں کو خبردار کیا کہ آپ دونوں مل کر بھی ہمیں ختم نہیں کر سکتے۔ اس تہذیب کو تباہ نہیں کر سکتے جو ہمیں ورثہ میں ملی تھی۔ ہمارا اسلامی جذبہ ہر حال میں زندہ رہے گا۔ آپ ہمیں مغلوب کر سکتے ہیں، ہمیں دبا سکتے ہیں، اور ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھ سکتے ہیں، لیکن ہم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اگر دبانے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری قوت سے اس کی مزاحمت کریں گے۔

جناح کا وصیت نامہ

ایسا لگتا ہے کہ اس خطرناک موقع پر جناح نے اپنی خطرناک موت کو بھی محسوس کر لیا تھا کیونکہ ۳۰ مئی ۳۹ء کو انہوں نے اپنے آخری وصیت نامہ پر دستخط کر دیئے، جس کی رو سے فاطمہ جناح، لیاقت علی خاں اور بمبئی کے وکیل محمد علی چاولہ کو مشترکہ عملدرآمد کنندگان اور جائیداد کا متولی مقرر کیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا "ایسے تمام حصص اور ضمانتیں اور چالو کھاتے جو میری بہن فاطمہ جناح کے نام ہیں، وہ ان کی قطعی ملکیت ہیں۔ میں نے

یہ سب چیزیں انہیں ہدیتہً دی تھیں اور اب ان کی توثیق کرتا ہوں۔ وہ اپنی جائیداد کے طور پر جس طرح چاہیں ان املاک کا انتظام کر سکتی ہیں یا انہیں بیچ سکتی ہیں"۔ انہوں نے اپنے مکانات معہ ان کے مشمولات' اپنی کاریں' ان کے نام کر دیں نیز یہ لکھ دیا کہ ان کی دوسری املاک میں سے فاطمہ جناح کو زندگی بھر ۲۰۰۰ روپے ماہوار ادا کئے جائیں گے۔ اپنی تین دوسری بہنوں ... رحمت قاسم بھائی جمال' مریم عابدین بھائی پیر بھائی اور شیریں جناح کے لئے ۔ر۱۰۰ روپے ماہوار تاحیات گزارہ الاؤنس ادا کرنے کی وصیت کی۔ اپنے بھائی احمد کے لئے بھی اسی قدر رقم مقرر کی۔ اپنی صاحبزادی (جس کا نام وصیت نامہ میں درج نہیں تھا) کے لئے دو لاکھ روپے کی خطیر رقم الگ کر کے تاکید کی کہ اسے کسی بنک میں جمع کرا دیا جائے جس پر ۶ فی صد شرح سے ۔ر۱۰۰۰ روپے کی آمدنی ہو گی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم ۵ مالیاتی امور میں انہوں نے اسلام کی رو سے ممنوع سود لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔ بیٹی کی موت کے بعد دو لاکھ کی خطیر رقم اس کے بچوں (خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) میں مساوی تقسیم کر دی جائے اور اگر بچے نہ ہوں تو وہ رقم جناح کی مابقیہ جائیداد میں شامل کر لی جائے گی اور اسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پشاور کے اسلامیہ کالج اور سندھ مدرسہ کراچی میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ جناح نے بمبئی یونیورسٹی کے لئے پچاس ہزار روپے' انجمن اسلامیہ اسکول بمبئی کے لئے پچیس ہزار روپے نیز عربیک کالج آف دہلی کے لئے بھی اتنی ہی رقم وقف کی۔

حکومت کے ساتھ کانگرس کا تصادم

۳ر ستمبر ۳۹ء کو پولینڈ پر ہٹلر کے حملہ کے بارے میں لنلتھگو کی تقریر ریڈیو سے نشر کی گئی۔ اگلے روز اس نے گاندھی کے ساتھ قریباً دو گھنٹے تک ملاقات کی۔ اس کے بعد جناح کے ساتھ بات چیت کی۔ سکندر حیات نے اس بات سے چڑ کر کہ وائسرائے نے اسے نہیں بلایا' لنلتھگو کو ایک پیغام بھجوایا جس میں کہا گیا تھا "کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے جناح اور زیادہ مغرور ہو جائے یا اس کے ساتھ معاملہ کرنا مزید مشکل ہو جائے"۔ سکندر نے یہ بات پھر کہی کہ جنگ کے معاملہ میں پنجاب اور بنگال پوری طرح حکومت کے ساتھ ہیں۔ جناح اور ان کے ساتھیوں کو جو جی میں آئے کہنے دو۔ جناح نے سکندر کے اس طرز عمل پر افسوس کا اظہار کیا کہ وہ اس معاملے میں لیگ کے باقی دوستوں سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تعاون کا وعدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے وائسرائے کو خبردار کیا کہ اکیلے سکندر حیات اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے وائسرائے سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لئے کوئی "مثبت کام" کریں' تاکہ جنگ میں مسلمانوں کی مدد حاصل کی جا سکے۔ جب ان سے پوچھا گیا' کیا وہ چاہتے ہیں کہ کانگرس کی وزارتوں کو برطرف کر دیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا "بے شک' اس کے بغیر ان کا دماغ درست نہیں ہو گا۔ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہیں دیں گے"۔ ۴ر ستمبر ۳۹ء کو ہونے والی اس گفتگو کے دوران جناح نے وائسرائے کو بتایا "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے لئے واحد سیاسی حل اس کی تقسیم میں مضمر ہے"۔

گاندھی نے ابتدا میں وائسرائے کو اپنی ذاتی "مکمل اور غیر مشروط" امداد کا یقین دلایا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ کانگرس کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتے کیونکہ نہرو یا کانگرس کی ورکنگ کمیٹی ان کی پوزیشن کی تائید نہیں کرے گی۔ لنلتھگو نے ۱۱ر ستمبر کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ برطانیہ کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا تھا کہ موجودہ بین الاقوامی صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ فیڈریشن

کے بارے میں ساری تیاریاں معطل کر دی جائیں جبکہ اس نظریہ کو بطور "نصب العین" باقی رکھا جائے"۔ حقیقت میں والیان ریاست نے اس اسکیم کو منظور کرنے میں تامل سے کام لیا۔ ان میں سے ۵؍۲ سے بھی کم نے ۱۹۳۵ء کی اسکیم میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا جس کے تحت انہیں ایوان زیریں کی کل سیٹوں کا ایک تہائی اور ایوان بالا کی سیٹوں کا ۵؍۲ دیا گیا تھا۔ کانگرس نے ریاستوں کو سیاسی معاملات میں گھسیٹنے کی بہت زیادہ کوشش کی۔ اس چیز نے جناح کی لیگ کو آتش زیر پا کر دیا۔ وہ فیڈریشن اسکیم کو ہندو راج کی نئی چال سے تعبیر کرنے لگی۔

جنگ کا آغاز ہوا تو نہرو چین میں تھے' وہ فوراً واپس آ گئے' تاکہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہو سکیں۔ کانگرس نے اپنی تین رکنی "وار کمیٹی" تشکیل دی جس کی سربراہی نہرو کے حصہ میں آئی۔ دوسرے دو ارکان مولانا آزاد اور سردار پٹیل تھے۔ ۱۱ ستمبر کو نہرو واردھا پہنچے تاکہ کمیٹی کی طرف سے وائسرائے کے اعلان کا جواب تیار کر سکیں۔ ۱۴ ستمبر کو پریس میں کانگرس کی طرف سے ایک قرارداد شائع ہوئی جس میں کہا گیا تھا:

"کانگرس نے فاشزم اور نازی ازم' جنگ و جدل' ظلم و ستم اور انسانی روح کو کچلنے کے بارے میں ان کے عزائم سے بارہا بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ اگر یہ جنگ سامراجی تسلط' نو آبادیوں' متوضہ مفادات و مراعات کے لئے ہے

"اس جنگ کے بارے میں میرا ذاتی رد عمل ایسے عظیم خوف کا ہے جس سے پہلے واسطہ نہیں پڑا۔ میں پہلے کبھی اسقدر بے چین نہیں ہوا تھا کہ آج ہوں تاہم یہ عظیم خوف آج مجھے از خود ریکروٹنگ سارجنٹ بننے سے روکتا ہے جیسا کہ سابقہ جنگ کے دوران بن گیا تھا۔ اس کے باوجود یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ میری ہمدردیاں اتحادیوں کے ساتھ ہیں۔ لیکن یہ فرض کرتے ہوئے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مکمل اختیارات سے نوازا ہے (وہ ہرگز ایسا نہیں کرتا) میں انگریزوں سے فوراً کہوں گا کہ وہ جنگ سے باز آ جائیں' اپنے جملہ محکوموں کو آزاد کر دیں' خود کو شہنشاہیت کے مخالف (LittleEnglanders) کہلانے میں فخر محسوس کریں' اور دنیا بھر کے ہمہ گیریت پسندوں کو بدترین اقدام سے باز رکھیں۔ ایسی صورت میں انگریز کسی مزاحمت کے بغیر مریں گے اور تاریخ میں عدم تشدد کے ہیرو کے طور پر زندہ رہیں گے۔ میں ہندوستانیوں کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس مقدس شہادت میں انگریزوں سے تعاون کریں' یہ ایسی پائیدار شراکت ہو گی جو وہ اپنے خون سے حرفوں میں لکھیں گے' ان کے نام نہاد دشمنوں کے خون سے نہیں' خواہ میری بات کو غلط سمجھا جائے میں اپنی خاموش ننھی آواز کی متابعت میں کام کرتا رہوں گا"۔

گاندھی نے لنلتھگو کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں اپنی عمر کی بنا پر ورکنگ کمیٹی سے الگ تھلگ رہوں گا۔ اگر میں دس یا پندرہ سال چھوٹا ہوتا تو ممکن ہے حالات مختلف انداز میں پیش آتے۔ وائسرائے کو توقع تھی کہ وہ گاندھی کو کم از کم اپنی اس تجویز کی حمایت کرنے پر آمادہ کر لے گا کہ کانگریس اور لیگ کے سرکردہ سیاستدانوں نیز والیان ریاست پر مشتمل ایک ڈیفنس رابطہ کمیٹی بنائی جائے تاکہ وہ دوران جنگ حربی پالیسی مرتب کرنے میں مدد دے سکے۔ دراصل لنلتھگو نے اس موقع پر جناح سمیت اٹھے باون نمایاں ہندوستانیوں کو شملہ بلایا تھا۔ اسے امید تھی کہ جناح گاندھی کے ساتھ اجلاس میں شریک ہوں گے' لیکن جناح نے گول مول جواب دیکر لاچار کر دیا کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہیں اور یکم اکتوبر سے پہلے نہیں آ سکتے۔ وائسرائے نے گاندھی پر واضح کیا کہ میں مسلمانوں اور والیان ریاست کے جائز مطالبات کو نظرانداز نہیں کر سکتا' اگرچہ مجھے فرقہ وارانہ سوچ کی تلخی کا اعتراف بھی ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ کانگریس اور لیگ کی پالیسیوں میں زبردست تضاد پایا جاتا ہے گاندھی نے جواب دیا۔ انگریزوں کو چاہئے کہ حصول اتحاد کے مسئلہ کا حل ہندوستانیوں پر چھوڑ دیں۔ تین گھنٹے کی بے مقصد بحث کے آخر میں گاندھی نے وائسرائے

سے التماس کی کہ اس معاملہ میں لیگ سے کوئی بات نہ کی جائے۔

اس موقع پر نہرو نے اپنے دوست کرشنا مینن کو لکھا۔ "اس بات کا امکان ہے کہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ اور والیان ریاست کے خلاف کانگریس کو لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرے "۔ وائسرائے کے ساتھ گاندھی کی ملاقات کے اگلے روز سیکرٹری آف سٹیٹ زٹلینڈ نے ویسٹ منسٹر میں بیان دیا کہ کانگریسی لیڈروں نے اپنے مطالبات پر زور دینے کے لئے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔ نہرو نے ۲۹ ستمبر کو بڑی خفگی کے عالم میں اس کا جواب دیا۔ ایک بار پھر ان کا غصہ ان کے حق میں بدترین دشمن ثابت ہوا جس سے جناح کے کاز کو بڑی تقویت ملی۔ انہوں نے لندن میں اپنی حامی لیبر پارٹی کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا' جیسا کہ بہت پہلے جناح کی طاقت و متر سمجھا تھا۔ گاندھی نے لنلتھگو کو ڈپلومیسی کے ساتھ جنگی کوششوں میں ذاتی حمایت پر مبنی جو جواب دیا تھا' وہ دوران جنگ کانگریس کے لئے اس سے کہیں بہتر دانشمندانہ سیاسی چال ثابت ہوا۔

جناح ۵ اکتوبر کو ولنگڈن لاج پہنچے۔ انہوں نے بڑے "دوستانہ اور تعاون پذیر" لہجہ میں لنلتھگو کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو متحد رکھنے میں مدد دی ہے۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ مفاد عامہ کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کو پوری طرح اور صراحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ جناح نے مسلمانوں کو یہ تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کیا لنلتھگو نے جواب میں کہا کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں کی مشکلات کے الزامات کا مطالعہ کرنے پر انہیں ظلم و ستم کے مخصوص واقعات نہیں ملے۔ جناح کا استدلال تھا کہ ہندو مسلمانوں کی پوزیشن خراب کرنے کی ناپاک نیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمال مغربی سرحدی صوبہ میں ہندی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائے جانے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں۔ دریں اثناء لیبر لیڈر سر سٹیفورڈ کرپس نے اپنے ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے مکتوب میں نہرو پر زور دیا کہ "وہ فیصلہ کن کارروائی سے کم کوئی بات قبول نہ کریں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ کانگریس ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنے موقف پر ڈٹی رہے۔" اسی روز واردھا میں ورکنگ کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے نہرو نے کہا۔ "غلام ہندوستان برطانیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی حکومت کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں۔ جب ہم آزاد ہو نگے تو ہم جمہوری طاقتوں کی مدد کر سکیں گے۔" گاندھی نے نہرو کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اگلے روز بیان جاری کیا جس میں وائسرائے کے اعلان کو انتہائی مایوس کن قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اس طویل بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑاؤ اور حکومت کرو کی پرانی پالیسی کو جاری رکھا جا رہا ہے۔ جہاں تک میری فراست کام کرتی ہے کانگریس اس میں فریق نہیں بنے گی' نہ ہی کانگریسی ہندوستان ہٹلر کے خلاف برطانیہ کی لڑائی میں اس کا حصہ دار بن سکتا ہے۔

جناح نے کچھ نہیں کہا۔ وہ انتظار کرتے رہے (شک ہے کہ ترغیب دینے والے سانس کے ساتھ) تاکہ حریف جماعت کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو جائے۔ ان کے انقلابی لیڈر کے پیچھے پیچھے چلا جائے۔ وہ انقلابی لیڈر جس نے سراسیمگی میں اپنی صوبائی وزارتوں کو ان کے عہدوں سے الگ ہو جانے کا حکم دے دیا تھا۔ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۲ اکتوبر کو واردھا میں ہوا جس میں اس امر کی توثیق کی گئی کہ وہ برطانیہ کی کوئی ممکنہ حمایت نہیں کر سکتی کیونکہ ایسا کرنا اس سامراجی پالیسی کی تائید کرنے کے مترادف ہو گا جس کے خاتمہ کے لئے کانگریس نے ہمیشہ جدوجہد کی ہے۔ اس سمت میں پہلے قدم کے طور پر کانگریسی وزارتوں سے کہا گیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ کیا نہرو اور ان کے رفقائے کار کو یقین تھا کہ صوبائی حمایت واپس لینے سے برطانیہ کی ہندوستانی حکومت ختم ہو جائے گی؟ یا انہیں توقع تھی کہ ایسے ڈرامائی اقدام سے وہ لندن میں لیبر پارٹی کی قوت میں اضافہ کریں گے؟ یا اس اقدام کا مقصد ہندوستان کے عوام کو انقلابی جدوجہد کے لئے تیار کرنا تھا؟

تب جناح نے یکم نومبر ۱۹۳۹ء کو نئی دہلی میں تلنگمگو گاندھی اور راجندر پرشاد سے ملاقات کی۔ تینوں جناح کی نئی رہائش گاہ۔(۱۰۔ اورنگزیب روڈ) پر پہنچے اور پھر جناح کی کار میں وائسرائے ہاؤس گئے وہاں سے واپس آنے کے بعد جناح کے گھر پر ایک بار پھر سربراہی ملاقات ہوئی' جس میں نہرو شریک نہ تھے۔ تاہم فرقہ وارانہ مذاکرات کا یہ دور جلد ختم ہو گیا اور کوئی مقصد حاصل نہیں ہوا۔ گاندھی نے ملاقات کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "جناب جناح صاحب مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے انگریزی حکومت کی طرف دیکھتے ہیں۔ کانگریس جو کچھ کر سکتی ہے یا مان سکتی ہے' وہ اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے"۔

۵ر نومبر کو کانگریسی وزارتوں نے استعفے دیدیئے تو وائسرائے نے مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا' اس طرح انگریز گورنروں کو من مانے آرڈیننس کے ذریعے حکومت کرنے کے اختیارات مل گئے۔ دوسری طرف ایسے گمنام چلے کارڈز پھیلادیئے گئے جن میں لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ بجلی کی تاریں کاٹ دیں اور ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ ڈالیں"۔ گاندھی نے نہرو کو لکھا۔ "میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس وقت سول نافرمانی کے لئے ساز گار فضا موجود نہیں ہے۔ اگر لوگوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تو میں سول نافرمانی کی کمان سے دستبردار ہو جاؤں گا اگلے دن نہرو نے کرشنا مینن کو بذریعہ خط مطلع کیا۔ "ہماری پوزیشن عدم تعاون کی ہے' تاہم ابھی تک ہم نے اس سے زیادہ کے متعلق کچھ نہیں سوچا"۔ بعد ازاں گاندھی نے اپنے اخبار ہریجن میں بڑے مفاہمانہ انداز میں جناح سے اپیل کی۔ "انگریزوں کے مقاصد کے بارے میں مطلوبہ اعلان سے انکار ظاہر کرتا ہے کہ شاید ہندوستان انہیں ایک مخفی نعمت کے طور پر ملا ہے۔

اس نے کانگریس کو آٹھ صوبوں (آسام' بہار' بمبئی سی پی' مدراس' اڑیسہ یوپی اور سرحدی صوبہ) میں مسلم لیگ کے راستہ سے ہٹادیا ہے تاکہ وہ کانگریسی انتظامیہ کی مداخلت کے بغیر یہ فیصلہ کر سکے آیا وہ متحدہ ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا چاہتی ہے یا نہیں۔ مجھے امید ہے کہ لیگ ہندوستان کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہے گی۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ جناح صاحب اور مسٹر نہرو کے مابین بات چیت پھر سے شروع ہونی چاہئے۔ توقع ہے کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے دیرپا حل کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد تلاش کرلیں گے"۔

عظیم مذاکرات کنندہ

لیکن مسٹر جناح نے بہت پہلے مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ وطن حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے دو ٹوک اعلان کے لئے مناسب موقع کا انتظار تھا۔ وہ ایک عظیم مذاکرات کنندہ تھے اس لئے خوب جانتے تھے کہ سیاسی و قانونی معاملات میں وقت کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ نہرو کے برعکس وہ کبھی جذبات کے تحت قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اگر کوئی بات تھی تو وہ تلنگمگو اور زٹلینڈ سے زیادہ ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک تھے۔ اس بات سے انہیں یقیناً خوشی اور اطمینان حاصل ہوا ہو گا کہ وائسرائے گاندھی اور کانگریس کے صدر راجندر پرشاد تینوں ان کے گھر چل کر آئے اور ان کی کار میں بیٹھ کر وائسرائے ہاؤس گئے اگر انہوں نے مذاکرات کا دروازہ ہی بند کر دیا ہوتا تو سیاسی کھیل میں اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتے۔ پاکستان کے لئے کھل کر میدان میں آجانا اور اپنے مطالبات کے حق میں چھت پر چڑھ کر نعرے لگانا بہت آسان ہوتا جیسا کہ چوہدری رحمت علی نے لندن میں کیا۔ افسوس ہے کہ رحمت علی کو جنہوں نے پہلی بار پاکستان کے حق میں آواز اٹھائی اور اسے کتابی صورت میں شائع کیا انگلستان میں بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا۔ جہاں انہوں نے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں موت کو گلے لگایا۔ ان کی ہڈیاں اب بھی غیر ملکی حکومت کے زیر تسلط علاقہ میں دفن ہیں۔ جناح بھی ایسے ہی مقدر سے دوچار ہو سکتے تھے۔ لیکن وہ ہر سیاسی اختیار اور موقع سے بہترین فائدہ

انتھک منفرد صلاحیت کے بل پر اس سے بچ گئے جناح کا عید پیغام ریڈیو سے نشر ہوتا ہے ان دنوں انہوں نے اپنی توجہ سب سے زیادہ اسلام اور قرآن پر مرکوز رکھی تھی ماہ رمضان ختم ہونے پر یعنی عید کے دن جو ۱۹۳۹ء میں ۱۳ نومبر کو منائی گئی 'انہیں وائسرائے کی طرف سے اجازت دیدی گئی کہ وہ ریڈیو پر مسلمانوں کے نام اپنا پیغام نشر کرا سکیں۔ جس میں انہوں نے نوجوانوں کو بطور خاص مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ میں اس بات سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ میرا جسم کس قدر کمزور اور لاغر ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے آگے بڑھنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور میرے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے" انہوں نے نوجوان ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ وہ جان مورلے کی کتاب On Compromise کا مطالعہ کریں جس میں مصنف نے کسی کار مفروضہ کو انجام دینے کا بہترین طریقہ یہ بتایا ہے کہ "ہم راحتوں سے منہ موڑ لیں اور محنت مشقت کی زندگی گذاریں تو بہترین رائے اختیار کر سکتے ہیں"۔

پاکستانی سکیم پر غور

مارچ ۱۹۳۹ء سے جناح اپنی ورکنگ کمیٹی کی ایک سب کمیٹی کی صدارت کر رہے تھے جس کے ارکان میں سکندر حیات' لیاقت' ملیحاں اور فضل الحق شامل تھے یہ سب کمیٹی ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں مختلف اسکیموں پر غور کر رہی تھی جن میں پاکستان اسکیم بھی شامل تھی۔ سکندر حیات نے "آؤٹ لائن آف اے اسکیم آف انڈین فیڈریشن" کے عنوان سے ایک متبادل اسکیم پیش کی جس میں ہندوستان کو سات زونوں میں تقسیم کرنے کا تصور دیا گیا تھا۔ اس کے پہلے اور آخری زون مشرقی و مغربی پاکستان تھے۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں جناح نے مستقبل کے لائحہ عمل کے انتخاب پر پورے انہماک سے غور و خوض شروع کر دیا تھا۔ وہ جلد ہی کسی نتیجہ پر پہنچنے والے تھے تاہم جنگ کے دباؤ اور خرابی صحت کی بنا پر پارٹی کے سالانہ سیشن کو مارچ ۱۹۴۰ء تک ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بہر حال انہوں نے سال ختم ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر دنیا کو مسلم لیگ کی قوت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ ۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ایک ڈرامائی اعلان جاری کیا جس میں ۲۲ دسمبر کو "یوم نجات" کے طور پر منانے کی اپیل کی گئی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ:۔

"کانگریس راج نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ کانگریس کے اس دعوی میں کوئی صداقت نہیں کہ وہ سب کے مفادات کی منصفانہ اور دیانتدارانہ نمائندگی کرتی ہے۔ کانگریسی وزارتوں نے اپنے انتظامی اور قانون سازی کے فرائض کی ادائیگی میں مسلمانوں کی رائے کو ٹھکرائے ان کی تہذیب کو تباہ کرنے کی سر توڑ کوشش کی' ان کی مذہبی و معاشرتی زندگی میں مداخلت کی' ان کے معاشی و سیاسی حقوق کو پامال کیا۔ اختلاف اور تنازعہ کی صورت میں کانگریس نے ہمیشہ ہندوؤں کا ساتھ دیا' اور ان کی حمایت کی اور مسلمانوں کے مفادات کو یکسر پس پشت ڈال دیا۔ کانگریسی حکومتوں نے ضلعی افسران کے جائز اور روز مرہ کے فرائض میں دخل دیا۔ معمولی امور میں بھی مسلمانوں کے لئے نقصان دہ طرز عمل اختیار کیا۔ اس طرح ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس سے ہندوؤں نے یہ یقین کر لیا کہ ہندو راج قائم ہو گیا ہے۔ اس یقین نے ہندوؤں کو یہ جرات بخشی کہ وہ مسلمانوں سے بد سلوکی کریں اور ان کے بنیادی حقوق و آزادی میں رکاوٹ ڈالیں"۔

گاندھی کی نظر سے جونہی یہ قرارداد گزری انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہندو مسلم قضیہ کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ نہرو زیادہ متاثر نہیں ہوئے' اگلے روز انہوں نے جناح کے نام مراسلہ میں لکھا کل سے مجھے جس چیز نے مضطرب کر رکھا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ زندگی میں اقدار اور مقاصد نیز سیاست کے بارے میں ہمارا انداز فکر بہت زیادہ مختلف ہے پچھلے مذاکرات کے بعد مجھے توقع ہو گئی تھی کہ یہ اختلافات زیادہ

بڑے نہیں۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یہ خلیج پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہو گئی ہے"۔ جناح نے نہرو کے اخذ کردہ نتیجہ سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہندو مسلم مسئلہ کو سلجھانے کے لئے مذاکرات جاری رکھنا ممکن نہیں جب تک ہم اقلیتی مسئلہ کے بارے میں کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ جائیں۔ بہرحال اگر آپ اس معاملہ پر بحث کرنا چاہیں تو مجھے اس کے لئے تیار پائیں گے"۔

مالابار ہل کا ڈکٹیٹر

کانگرسی پریس نے اب مسٹر جناح کو "مالابار ہل کا ڈکٹیٹر" لکھنا شروع کر دیا اصفہانی سمیت جناح کے بعض انتہائی وفادار ماتحتوں کو بھی مذکورہ بالا قرارداد سے زبردست دھچکا لگا۔ اصفہانی نے ایک خط میں اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کیا۔

"مجھے آپ کی طرف سے ایسی ہدایت کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ کیونکہ آپ نے سیاست کو ہمیشہ بلند اور باوقار مقام دیا ہے۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ شاید کسی ٹھوس معقولیت نے آپ کو اس اقدام پر ابھارا ہے کہ آپ نے "یوم نجات" منانے کی ہدایت جاری کی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ کس چیز نے آپ کو اتنا سخت قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ جب آپ ہندوستان کے بدنصیب اور پیروں تلے کچلے ہوئے مسلمانوں کی لڑائی لڑنے پر کمربستہ ہوئے ہی ہیں تو لیگ میں ترقی پسند عناصر آپ کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر انتہائی دکھ اور مایوسی ہوتی ہے کہ آپ آہستہ آہستہ رجعت پسندوں اور جی حضوریوں کے حلقہ میں گھرتے جا رہے ہیں، پہلے جن سے ہم نفرت کرتے تھے اب وہ آپ کے حامیوں اور مشیروں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ لیگ کی عمومی پالیسی سر سکندر اور فضل الحق کے اشاروں پر چل رہی ہے۔ جناب والا! یہ وقت مناسب نہیں ہے کہ آپ ساری صورتحال کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیں اور مقابلے کے لئے مضبوطی سے ڈٹ جائیں"۔

ادھر بنگال اسمبلی کے ۲۹ ممبران نے عبدالرحمٰن صدیقی کی قیادت میں اعلانیہ مسلم لیگ کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ ان کے نزدیک "یوم نجات" کی قرارداد ہندوستان کے اتحاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والی تھی۔

جنوبی ہند کی طرف سے حمایت کا اعلان

"یوم نجات" کے سلسلہ میں جنوبی ہندوستان کی جسٹس پارٹی کے لیڈر ای۔ وی۔ رام سوامی نائیکر نے بھرپور حمایت کا اعلان کرتے ہوئے تمام ڈراوڑ باشندوں سے اپیل کی کہ وہ کانگرسی راج سے چھٹکارا ملنے کی کوشش میں ۲۲ ردسمبر کو وسیع پیمانہ پر یوم تشکر منائیں۔ اچھوت طبقوں کی ایسوسی ایشن اور اینگلو انڈین گروپ کی طرف سے بھی ایسے ہی بیانات جاری کئے گئے۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ کتنے لوگوں نے یوم نجات کے پروگرام سے اتفاق کیا تاہم جناح کی تجویز کردہ قرارداد سے ملتی جلتی بہت سی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اس سلسلے میں ٹائمز آف انڈیا میں ایک پورے صفحہ کا اشتہار شائع ہوا۔ تاہم اس کے بارے میں گاندھی کا اندازہ یہ تھا کہ کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ بمبئی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں لیگ کے سرگرم بھائی آر۔ ایم نے قرارداد پیش کی اور اچھوت رہنما ڈاکٹر امبیدکر نے اس کی تائید کی۔

کرپس کے مفید مشورے

اس موقع پر سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان میں تھا جو یہ دیکھنے آیا تھا کہ لیبر گورنمنٹ نے ہندوستان کو فوری طور پر درجہ نو آبادیات دینے کا جو منصوبہ تیار کیا ہے وہ کس حد تک قابل عمل ہے۔ کرپس نے اپنا منصوبہ نہرو اور گاندھی کو بتایا۔ پھر اس نے سکندر حیات 'لیاقت علیخاں اور آخر میں جناح سے ملاقات کی تو محسوس کیا کہ ملک میں کانگریس کے علاوہ بھی بااثر قوتیں موجود ہیں۔ جناح کا اصرار تھا کہ جب تک برطانیہ ہندوستان کو آزاد نہیں کرتا' محض قانون ساز اسمبلی قائم کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت کرپس نے لنلتھگو کو مشورہ دیا کہ وہ ہندو مسلم تنازعہ حل کرنے کی نئے سرے سے کوشش کرے اور دونوں فریقوں کو ایک ساتھ بٹھا کر مسئلہ کا حل تلاش کرے اور دونوں سے کہے کہ وہ اپنے مطالبات اور شرائط غیر مبہم الفاظ میں لکھ کر پیش کریں۔ کرپس نے تنازعہ کو حل کرنے کے لئے ثالثی بن کی ایسی ہی ترکیب آزمانے کا مشورہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دیا تھا' جب جنگ کے اختتام پر اس نے آخرالذکر سے ملاقات کی۔

کرپس نے برطانیہ پہنچ کر زٹلینڈ سے ملاقات کی اور تجویز کیا کہ وہ فوراً دستور ساز اسمبلی کے لئے انتخابات نیز وائسرائے کی انتظامی کابینہ میں قومی لیڈروں کے تقرر کا اعلان کرے' اسمبلی کے بارے میں وضاحت کی جائے کہ وہ اپنے فیصلے سادہ اکثریت کے اصول پر کرے گی۔ جناح کے لئے یہ شرط ناقابل قبول تھی۔ ان کا اصرار تھا کہ کسی "فرقہ وارانہ مسئلہ" کے حل کے لیے دو تہائی اکثریت لازمی قرار دی جائے اس کے بعد جنوری میں وائسرائے نے بمبئی کا دورہ کیا اور سینٹ کلب میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت برطانیہ ہندوسان کو مکمل درجہ نو آبادیات دینے پر رضامند ہے اور یہ کہ مرکزی کابینہ میں چند ہندوستانی سیاستدانوں کو جلد ہی شامل کر لیا جائے گا۔ یہ کرپس کے غیر سرکاری مشن اور مشوروں کا نتیجہ تھا جس میں دوران جنگ ہندوستان کے عدم تعاون پر لندن کا بڑھتا ہوا اضطراب صاف نظر آرہا تھا۔ کاش لنلتھگو نے ایسی تقریر گذشتہ اکتوبر میں کی ہوتی تو نہ کانگرسی وزارتیں مستعفی ہوتیں اور نہ یوم نجات منانے کی نوبت آتی۔

ٹرین میں سفر کے دوران بیماری کا حملہ

جناح اس وقت سے لیکر آخری دم تک اپنی بیماریوں اور ان کی تشخیص سے متعلق سوالات میں الجھے رہے۔ اس طرح وہ دوسری خرابیوں کو بھی بیماریوں کے مفہوم میں استعمال کرنے کے عادی ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹ جنوری ۱۹۴۰ء کو لندن کے "ٹائم اینڈ ٹائڈ" میں لکھا۔ "آئینی بیماریوں کو جن میں آجکل ہندوستان مبتلا ہے بہتر طور پر ایسی بیماری کی علامات قرار دیا جا سکتا ہے جو ہمارے جسد سیاست کو پہلے سے لاحق ہیں۔ بیماری کی تشخیص کے بغیر علامات کو سمجھنا ممکن نہیں' نہ ہی اس کا اعلان ہو سکتا ہے۔ اس لئے پہلے مرض کا پتہ لگائیں پھر علامات پر غور کریں اور آخر میں علاج کی طرف آئیں"۔ مارچ میں ان کی صحت خاصی خراب تھی۔ فاطمہ جناح کا بیان ہے۔ "جب ٹرین کے ذریعے بمبئی سے دہلی کو روانہ ہوئے تو انہیں ہلکا بخار تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ اپنے برتھ پر لیٹ گئے۔ اچانک درد سے ہانپنے اور بلند آہیں بھرنے لگے جو میں نے ریل کے شور میں سن لیں۔ میں اٹھی اور ان کے پاس پہنچی۔ درد کی شدت سے وہ بول نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے انگلی سے کمر کے وسط میں ریڑھ کی ہڈی کے دائیں جانب ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ درد سے ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ چونکہ ہم ٹرین میں سفر کر رہے تھے' اس لئے کسی ڈاکٹر کو بلانے کا سوال خارج

از مکان تھا۔ میں نے اس جگہ کی مالش کی جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا تھا' جس سے انہیں قدرے افاقہ محسوس ہوا۔ خدا خدا کر کے صبح سویرے ٹرین دہلی پہنچی اور ہم جلد ہی اپنے مکان (۱۰۔ اورنگزیب روڈ) پر آ گئے۔ میں نے فوراً فون کر کے ان کے ڈاکٹر کو بلایا۔ اس کی تشخیص یہ تھی کہ میرے بھائی کو "ذات الجنب" کی تکلیف ہے۔ انہیں کم از کم چودہ دن بستر میں آرام کرنا ہو گا۔ ڈاکٹر چلا گیا تو قائداعظم نے کہا۔ "کتنے افسوس کی بات ہے۔ یہ ایک اہم سیشن ہے جس میں میری شرکت لازمی ہے جبکہ میں بستر پر پڑا ہوں"۔ بے آرامی سے دو دن گزارنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھے اور کام میں لگ گئے۔ ۱۳ مارچ کو لنلتھگو سے ملے اور اسے یقین دلایا کہ اگر مسلمانوں کو یہ یقین دہانی کرا دی جائے کہ کانگریس کے ساتھ کوئی سیاسی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا جب تک پہلے مسلمانوں سے رضامندی حاصل نہ کر لی جائے تو مسلمان جنگی کوششوں میں اپنا تعاون جاری رکھیں گے' وائسرائے نے ہمدردانہ جواب دیا اور کہا کہ وہ ان کے خیالات سے جلد ہی لندن کو مطلع کر دیگا۔

خاکساروں کا قتل عام

وائسرائے سے ملاقات کے بعد جناح نے اگلے پانچ چھ روز مکمل آرام کیا تاکہ لاہور کے سفر پر روانہ ہو سکیں۔ مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے قبل ۱۹ مارچ کو ۱۹۴۰ کو ایک ناگہانی سانحہ کی طرح لاہور ایک خونیں ڈراما کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جس میں شیر دل سالار' آغا ضیغم سمیت سینکڑوں خاکساروں کو پنجاب پولیس نے ایس ایس پی مسٹر ڈی۔ گینسفورڈ کے حکم سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ خاک و خون میں تڑپا دیا تصادم کے دوران ایک خاکسار نے بیلچہ مار کر ایس ایس پی کی ناک اڑا دی تھی۔ نوائے وقت کے م۔ ش نے جو اس وقت ایک جونیئر رپورٹر تھے' لکھا ہے کہ "کرفیو کے نفاذ نے لاہور کے زندہ دل شہر کو سیاسی قبرستان میں تبدیل کر دیا"۔ نیم عسکری تنظیم خاکسار مسلم لیگ کی بھی اتنی ہی دشمن تھی جتنی کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں کی مخالف تھی۔

چونکہ خاکساروں کے قتل عام سے پھیلنے والے اضطراب نے مقررہ اجلاس کے موقع پر پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اس لئے سر سکندر نے جناح کو دہلی میں فون کر کے مشورہ دیا: "لیگ کے سیشن کو کسی مناسب تاریخ تک ملتوی کرنا بہتر ہو گا"۔ قائداعظم نے اصرار کے ساتھ نفی میں جواب دیا' تاہم انہوں نے وزیراعظم پنجاب کو ہدایت کی کہ خاکسار شہداء کے احترام میں انہیں جلوس کی شکل میں لیجانے سے متعلق تمام تیاریاں ختم کر دی جائیں۔ وہ ۲۲ مارچ کو بذریعہ فرنٹیئر میل خاموشی کے ساتھ لاہور پہنچے اور ریلوے سٹیشن سے کار میں بیٹھ کر سیدھے میو ہسپتال گئے جہاں انہوں نے جنرل وارڈ میں تمام زخمی خاکساروں کی عیادت کی۔ اس اقدام نے لاہوریوں کے زخمی دلوں کیلئے مرہم کا کام . تاہم خاکسار جناح کی قیادت قبول کرنے پر ہر گز آمادہ نہ ہوئے اور آئندہ برسوں میں قائداعظم کو قتل کرنے کی ایک سے زیادہ کوششیں کیں۔

یادگار خطاب

۲۲ مارچ کو لیگ کا سیشن بادشاہی مسجد کے سنگ مرمر کے بلند میناروں کے زیر سایہ منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ۶۰ ہزار سے زائد مسلمانوں کی شرکت سے شروع ہوا لاہور جو کہ گیارھویں صدی سے جنوبی ایشیا میں مسلم قوت کا ایک بڑا مرکز' پنجاب کا دارالخلافہ اور مغل ہندوستان کا ثقافتی سنٹر رہا ہے' آج لیگ کی "قرارداد پاکستان" منظور کرنے والا تھا۔ قائداعظم نے اچکن' چوڑی دار پاجامہ اور روایتی پنجابی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ دو جگہ پچیس

منٹ پر کھچا کھچ بھرے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے۔ اسٹیج کے وسط میں ایک شاہانہ مسند ان کی منتظر تھی۔ دائیں طرف قدرے ایک نیچی مسند مس فاطمہ جناح کے لئے رکھی گئی تھی۔ جو پیلے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ بمبئی مسلم لیگ کے نیشنل گارڈز کا ایک چاق و چوبند دستہ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ جن کی چمکتی تلواریں پورے سیشن کے دوران باہر نکلی رہیں جو پنڈال میں موجود خاکساروں کو یاد دلاتی رہیں کہ قائداعظم کی موجودگی میں وہ کسی غلط طرز عمل کا مظاہرہ نہ کریں۔

قائداعظم مائیکروفون کی طرف جانے کے لئے جونہی اٹھے "زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔ انہوں نے اپنی تقریر اردو میں شروع کی جیسا کہ استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین نواب ممدوٹ نے اردو میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا' لیکن قائداعظم زیادہ دیر اردو نہ بول سکے' انہوں نے عوام سے معذرت کرتے ہوئے انگریزی میں اظہار خیال کیا "ساری دنیا ہمیں دیکھ رہی ہے اسلئے آپ مجھے انگریزی میں تقریر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں"۔ یہ سن کر بعض پیشانیوں پر بل پڑ گئے اور لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے' لیکن قائداعظم خاموشی سے کھڑے رہے جب مجمع خاموش ہو گیا تو انہوں نے سگریٹ سلگایا' سامعین کی طرف گھور کر دیکھا' ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ "اس کے بعد انہوں نے پوری تقریر سکون سے سنی اور اور کسی نے ایک لفظ تک نہیں کہا۔" انہوں نے قریباً دو گھنٹے خطاب کیا۔ ٹائمز آف انڈیا کی رپورٹ کے مطابق "کبھی ان کی آواز مدھم ہو جاتی اور کبھی پر زور گاہ ہلکی اور طنزیہ آمیز ہو جاتی۔ ان کی شخصیت میں کچھ ایسا جادو تھا کہ ان کے سامعین کی بڑی تعداد انگریزی کو نہ سمجھنے کے باوجود قائداعظم نے سننے والوں کو باندھ کے رکھ دیا اور ان کے جذبات پر محسوس ہونیوالا اثر ڈالا یہ اب تک ان کے سامعین کی سب سے بڑی تعداد اور ان کی سب سے بڑی کارکردگی تھی' مسلم ہندوستان کے سب سے نمایاں قائدین اجتماع میں موجود تھے بے پناہ ہجوم پارک میں نہیں سما سکا اسلئے دائیں بائیں دور تک لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ پنجابیوں' سندھیوں' بنگالیوں پٹھانوں اور بلوچوں کی ایک لاکھ سے زائد حاضری نے بڑی صبر و سکون سے اپنے قائد کی تقریر سنی ایسا لگا تھا کہ قائداعظم نے کسی مغل شہنشاہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔ جناح نے لاہور میں جو پیغام دیا اے پی ای' رائٹر اور یو' پی' آئی کے بدولت تار کے ذریعے اسی شام دنیا بھر میں پھیل گیا۔ نیز اسی روز لندن کے دار المطالعہ میں شام کی چائے کے ساتھ اسے پڑھا گیا۔ وائٹ ہال اور ڈاؤننگ سٹریٹ میں مطالعہ کے بعد اس پر نشان لگائے گئے' شہر میں اس پر تبادلہ خیال کیا گیا اور ویسٹ منسٹر میں زیر بحث آیا۔

مسلم لیگ کا پچھلا سیشن دسمبر ۳۸ء میں پٹنہ کے مقام پر منعقد ہوا تھا۔ اس وقت سے اب تک بہت سے نئے واقعات رونما ہو چکے تھے اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے جناح نے کہا "آئندہ کے دستور کی بابت اب ہمارا موقف کیا ہے؟ وہ یہ کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ جنگ کے ختم ہونے پر مستقبل کے دستور کے سارے مسئلہ کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ ہم اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ حکومت برطانیہ سے نت نئے اعلان کرنے کا مطالبہ کرتے رہیں۔ حقیقت میں ایسے اعلانات کا کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

اس کے بعد انہوں نے کانگریس کے حالیہ سیشن پر روشنی ڈالی جو اسی ہفتے وسطی ہند کے شہر رام گڑھ میں نو منتخب صدر مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت ہو رہا تھا اور جس میں گاندھی بھی شریک تھے۔ ۲۰ مارچ کو مذکورہ اجلاس میں اظہار خیال کرتے ہوئے مہاتما گاندھی نے کہا ہے۔ "میرے نزدیک ہندو' مسلمان' پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں" "میں ایسی ہرزہ سرائی نہیں کر سکتا' تاہم میرے خیال میں گاندھی نے بڑی بے ہودہ بات کہی ہے۔ صرف اتنا فرق

ہے کہ گاندھی جی کے تین ووٹ ہیں اور میرا محض ایک ووٹ ہے"۔ جناح نے گاندھی کی تقریر پر تبصرہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے واقعتاً مسرت ہوگی اگر وہ مجھے اپنی جیب میں جگہ دے دیں۔ میں حقیقتاً نہیں جانتا کہ ان کی تازہ ترین پیشکش کے بارے میں کیا کہوں"۔ جناح نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ خود کو فخر کے ساتھ ایک ہندو لیڈر کے طور پر کیوں پیش نہیں کرتے جو ہندوؤں کی نمائندگی کرتا ہے اور مجھے مسرت کے ساتھ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے دیں۔ مجھے کانگریس کے بارے میں صرف اسی قدر عرض کرنا ہے"۔

مسلمان اقلیت میں نہیں

جناح نے ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے لئے یہ فارمولا خود کو ہر طرح محفوظ سمجھتے ہوئے پیش کیا تھا۔ وہ نہ صرف یہ بات جانتے تھے کہ کانگریس نے ایک سرکردہ مسلمان کو اپنی مسند صدارت پر بٹھا دیا ہے بلکہ یہ بھی کہ اگلے مہینے دہلی میں ایک آزاد مسلم کانفرنس ہونے والی ہے۔ جس میں تمام غیر لیگی مسلم جماعتوں کو مدعو کیا جا رہا ہے جہاں انہیں مسلم لیگ سے اپنی علیحدگی کا اعلان اور کانگریس کے عمومی مطالبہ کی تائید کرنی ہے۔ جیسا کہ نہرو نے کرشنا مینن کے نام اپنے خط میں وضاحت کی "یہ کانفرنس کانگریس کے زیر اہتمام منعقد نہیں ہو رہی ہے' اگرچہ کانگریسی مسلمان اس میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔" کانگریس نے اپنے ہندو تشخص کا اعتراف کرنے کی بجائے پہلے کی طرح اپنا قومی کیریکٹر ثابت کرنے کا تہیہ کر لیا' اور اس بات پر اصرار کیا کہ اس کے مذاکرات' پالیسیوں یا پروگرام میں مذہبی تعصب کا کوئی کردار نہیں ہوتا' اب جناح اور ان کی جماعت محض اقلیتی حیثیت پر شاکر رہنے کو تیار نہ تھے اور پنجاب کے صدر مقام کا انتخاب اس مقصد سے کیا گیا تھا تاکہ وہاں مسلم لیگ کے نو تخلیق کردہ اس نصب العین کا اعلان کیا جا سکے۔

"غلط فہمی کی بنا پر ہمیشہ یہ کہا جاتا رہا ہے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں بے شک ہمیں ایک طویل عرصہ سے ایسا سمجھا جا رہا ہے اب اس مسلمہ گمان کو دور کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مسلمان اقلیت نہیں ہیں وہ ہر تعریف کی رو سے ایک جداگانہ قوم ہیں۔ ہندوستان میں مختلف فرقوں کے مابین ٹکراؤ کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ واضح طور پر بین الاقوامی نوعیت کا سوال ہے اور اس سے اسی طرح نمٹنا چاہئے۔ جب تک اس بنیادی اور اٹل صداقت کا اعتراف نہیں کیا جاتا' جو بھی دستور بنایا جائے گا' وہ ناکامی و بربادی سے دوچار ہو گا' وہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہو گا بلکہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لئے بھی۔ اگر انگریز برصغیر کو لوگوں کو امن و شادمانی سے ہمکنار کرنے میں واقعی مخلص ہیں۔ تو ہم سب کے لئے صرف ایک راہ کھلی ہے وہ یہ کہ ہندوستان کو آزاد قومی ریاستوں میں تقسیم کر کے بڑی قوموں کے لئے الگ وطن قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔"

جناح نے اپنی پوری تقریر میں کہیں پاکستان کا لفظ استعمال نہیں کیا' نہ ہی قرارداد لاہور میں یہ لفظ شامل تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کے فوری حل اور تقسیم کے بین الاقوامی مضمرات پر اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا۔ جناح نے تقسیم کی معقولیت' قابل عمل ہونے یا اس کے مابعد اثرات کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ تاہم ۱۹۴۰ء کے موسم بہار میں انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر طے کر لیا تھا کہ ہندوستان کے اہم ترین مسئلہ کا واحد حل تقسیم ہے۔

لاہور میں جناح کے خطاب نے مستقبل میں متحدہ آزاد ہندوستان کے امکان کو قطعی طور پر مسترد کر دیا۔ جو لوگ قائداعظم کی اس عادت سے واقف تھے کہ وہ جس بات کا عزم کر لیں' پھر ہرگز اس سے پیچھے نہیں ہٹتے' انہوں نے جان لیا کہ انہوں نے کتنا اہم اعلان کیا ہے۔ باقی دنیا کو ان کے اس قول کو حقیقت کا

روپ دھارتے ہوئے دیکھنے کے لئے سات سال انتظار کرنا پڑا۔ وہ اپنے اعلان سے سرمو پیچھے نہیں ہٹے۔ ہندو مسلم اتحاد کے سفیر نے خود کو مکمل طور پر پاکستان کے عظیم قائد کی حیثیت میں بدل لیا تھا۔ اب صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ سب سے پہلے ان کی پارٹی' پھر تخلیق پذیر قوم اور آخر میں ان کے برطانوی اتحادی اس فارمولا کو تسلیم کرلیں جو انہوں نے پیش کیا۔ جہاں تک گاندھی' نہرو آزاد اور باقی رہنماؤں کا تعلق تھا' وہ سب ایک ہمسایہ ملک کے وکیل تھے اور ان کے ساتھ ڈپلومیسی کے قدیم اصولوں کے تحت معاملہ کیا جاتا تھا۔ جب وہ مائیکروفون سے ہٹ کر اپنی کرسی پر بیٹھنے لگے تو ہجوم خوشی سے پاگل ہوگیا۔ انہوں نے کسی ناکامی کے بغیر بلند ترین رکاوٹ کو پار کرلیا تھا۔ جب انہوں نے نیا سگریٹ سلگایا تو ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے' تاہم ان کے پھیپھڑے درست کام کر رہے تھے اور آواز صاف سنی گئی تھی۔ یہ صحیح معنوں میں ایک شاندار کارکردگی تھی۔ ان کے قائدانہ کردار کے شایان شان جو وہ اکیلے ادا کرسکتے تھے۔

تیرہواں باب سکندر حیات کے خواب پریشان ہوگئے

قائداعظم کی تقریر ختم ہونے کے بعد تاریخی قرارداد پاکستان کو قطعی شکل دینے پر توجہ دی گئی۔ لیگ کی سبجیکٹس کمیٹی نے ۲۳ مارچ کی ابتدائی ساعتوں میں اپنے مرتب کردہ مسودہ پر غور وخوض کیا اور سہ پہر کو اس پر اتفاق رائے ہوگیا۔ سر سکندر نے تقسیم کے تصور کو آخر تک ناقابل حمایت پایا' کیونکہ اس سے فوری طور پر ان کی یونی نسٹ پارٹی' اس میں ہندو' مسلم اور سکھ تینوں قومیں شامل تھیں' کی موجودگی کے بنیادی نظریہ کی نفی ہوتی تھی اور وہ لیگ کی قیادت کے بارے میں جو سہانے خواب دیکھ رہے تھے' وہ بری طرح پریشان ہوتے تھے۔ بہرحال یہ سننے کے بعد کہ جناح کی تقریر پر کیسے پرجوش ردعمل کا اظہار کیا گیا' سر سکندر نے یقیناً جان لیا کہ اب مسلمانوں کی اعلیٰ ترین قیادت کے متعلق ان کی خواہش کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ یہاں تک کہ خود لاہور میں جو ان کا مرکز اقتدار تھا' ۲۳ مارچ کو اس پنڈال کے گرد جہاں سبجیکٹس کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا' غصہ میں بپھرا ہوا ایک ہجوم "سکندر مردہ باد" کے نعرے لگا رہا تھا۔ مردہ باد کے ان نعروں نے سکندر حیات کو شش وپنج میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد جناح وہاں پہنچے تو ان نوجوانوں نے نعرے کے الفاظ بدل دیئے اور اب وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر قائداعظم زندہ باد' قائداعظم زندہ باد کہنے لگے۔ جس کسی نے بھی یہ آرکسٹرا ترتیب دیا اور نغموں کی دھن بنائی' اس نے کمال فنی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔

قرارداد پاکستان کی منظوری

مسلم لیگ کا دوسرا سیشن ۲۳ مارچ کو جناح کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ فضل الحق نے جو سبجیکٹس کمیٹی کے چیئرمین تھے' پہلی قرارداد پیش کی' جس کے معروف ترین تیسرے پیرا میں کہا گیا تھا:

"یہ کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سیشن کی یہ خوب سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں کوئی آئینی منصوبہ قابل عمل یا مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک وہ حسب ذیل بنیادی اصول کے مطابق وضع نہ کیا جائے۔ یعنی جغرافیائی لحاظ سے ملحق یونٹوں کی حد بندی کی جائے گی ان یونٹوں میں ردوبدل ممکن ہو' جہاں عددی لحاظ سے مسلمان اکثریت میں ہیں (مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مغربی خطے) انہیں علیحدہ آزاد گروپوں میں تشکیل دیا جائے۔ جن کے ریاستی اجزائے ترکیبی خود مختار اور مقتدر ہوں گے"

کانگرس کا شدید رد عمل

قرارداد میں پاکستان کا لفظ موجود نہیں تھا، نہ ہی اس کے الفاظ سے یہ بات واضح تھی کہ مسلمانوں کے ہر دو خطوں پر مشتمل ایک مسلم ریاست کا مطالبہ کیا گیا یا دو جداگانہ، خود مختار اور آزاد ریاستوں کا ایک شمال مغربی خطہ میں اور دوسری مشرقی علاقہ میں (جو آج کل بنگلہ دیش کہلاتا ہے)۔ ایسا لگتا ہے کہ کم از کم شیر بنگال مولوی فضل الحق کے ذہن میں آخر الذکر بات ہی تھی جب انہوں نے قرارداد مرتب کی اور پھر باآواز بلند پڑھی۔ تاہم ان کی قیادت مسٹر جناح کے ہاتھ میں تھی۔ جب اخباری نمائندوں نے سوال کیا "کہ آیا اس قرارداد سے ایک ریاست مراد ہے یا ایک سے زیادہ؟" تو ان کے واضح اور دو ٹوک جواب نے بنگال کی مسلم اکثریت کی تقدیر پر محرومی کی مہر ثبت کر دی۔ اگلے دن کے اخبارات نے لاہور ریزولیوشن کو "پاکستان ریزولیوشن" کی شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا اور پھر اسی مفہوم کے ساتھ باقی رہا۔ سکندر حیات نے ایک قسم کی وفاقی مرکزی حکومت کے ایسے تصور پر زور دیا جس میں وفاق کے خود مختار یونٹوں کو اکٹھا کیا جا سکے، وہ دسمبر ۴۲ء میں اپنی وفات تک اصرار کے ساتھ یہ بات کہتے رہے کہ قرارداد لاہور لیگ کے لئے محض سودا بازی کا نکتہ ہے۔ سکندر حیات کے نزدیک واقعی یہی بات تھی۔ لیکن جناح کے لئے نہیں۔ پنجاب کے گورنر سر ہنری کریک نے اس قرارداد کے بارے میں وائسرائے کو رپورٹ دی کہ "یہ کانگرس کے دعویٰ کا انتہائی موثر ترکی بہ ترکی جواب ہے جس نے کانگرس کے اس دعویٰ کو تارپیڈو کر دیا ہے کہ وہ تنہا پورے ہندوستان کی طرف سے بولنے کی مستحق ہے"۔

چند روز بعد گاندھی سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ نے تقسیم ہند کا جو مطالبہ کیا ہے، اس کے جواب میں آپ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے"؟ انہوں نے جواب دیا "میں تسلیم کرتا ہوں کہ لاہور میں لیگ نے جو قدم اٹھایا ہے، اس سے چکرا دینے والی صورت حال پیدا ہو گئی ہے، تاہم میں اسے اتنی چکرا دینے والی نہیں سمجھتا کہ سول نافرمانی کو ناممکن بنا دے۔ مسلمانوں کو ویسا ہی حق خود ارادیت ملنا چاہئے جیسا کہ باقی ہندوستان کو حاصل ہے۔ ہم اس وقت مشترکہ خاندان کی طرح ہیں۔ خاندان کا کوئی بھی ممبر تقسیم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

کانگرس کے دوسرے لیڈروں نے اس سے زیادہ سخت رد عمل ظاہر کیا۔ مدراس کے چکرورتی راج گوپال اچاریہ نے، جو بعد ازاں ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل بنے، اظہار رائے کرتے ہوئے کہا "میں اسے بیمار ذہنیت کی علامت سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح نے متحدہ ہندوستان کے نظریہ کو ایک غلط تصور اور ہماری زیادہ تر مشکلات کا موجب قرار دیا ہے"۔ نہرو نے قرارداد کی بابت لکھا "جناح کی پیش کردہ تجاویز خیالی اور عجیب و غریب ہیں"۔ انہوں نے اسے "برطانیہ کی دوغلی سامراجی پالیسی کا شاخسانہ قرار دیا۔ اسی ماہ رام گڑھ میں کانگرس نے قرارداد منظور کی کہ ہندوستان کا دستور آزادی، جمہوریت اور قومی اتحاد پر مبنی ہونا چاہئے جس میں ہندوستان کو تقسیم کرنے یا اس کی وطنیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی کوششوں کو مسترد کر دیا جائے۔

قرارداد لاہور نے مجھے نئی زندگی دی ہے

تیسرے روز لیاقت علی خاں نے قبل از دوپہر لیگ کا اجلاس بلایا اور شرکاء کو بتایا کہ قائد اعظم تھوڑی دیر بعد تشریف لا رہے ہیں گو شبانہ روز مصروفیات نے قائد اعظم کو نڈھال کر دیا تھا تاہم وہ اجلاس شروع ہونے کے کچھ دیر

بعد پنڈال میں پہنچ گئے۔ دراصل وہی اجلاس کی صدارت کر رہے تھے جب ڈاکٹر محمد عالم نے' جو کانگرس کو چھوڑ کر نئے نئے لیگ میں آئے تھے' گزشتہ روز پیش کئے گئے ریزولیوشن کی تائید کی۔ یہ قرارداد زبردست تالیوں کی گونج کے ساتھ منظور کی گئی۔ اگلی قرارداد فلسطین کے بارے میں تھی' جس میں عربوں کے مسئلہ کو کھٹائی میں ڈالنے پر برطانیہ کی مذمت کی گئی تھی۔ اس کے بعد سیشن ملتوی کر دیا گیا۔ رات کے ۹ بجے کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائد اعظم نے بذات خود خاکساروں کی طرف سے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کی اس عسکری تنظیم پر سے پابندی اٹھائی جائے۔ المیہ کی تحقیق کے لئے غیر جانبدار کمیٹی مقرر کی جائے۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ ایسی کمیٹی مقرر ہونے پر وہ زیادہ سے زیادہ شہادتیں پیش کریں۔ باقی ہم دیکھ لیں گے اور خدا ہماری مدد کرے گا۔ سیشن کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے اسے ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل سے تعبیر کیا اور کہا "آپ جتنا زیادہ خود کو منظم کریں گے' اسی قدر زیادہ اپنے حقوق حاصل کر سکیں گے"۔ یہ اجلاس نصف شب کے لگ بھگ "قائد اعظم زندہ باد" کی فلک شگاف صداؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اگلے روز لاہور سے روانگی کے موقع پر جناح نے رپورٹروں کو بتایا "میں لاہور میں اپنے قیام سے بہت لطف اندوز ہوا ہوں کیونکہ یہ دورہ بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا' ورنہ میں قریب المرگ ہو گیا تھا"۔

سکندر حیات پھر میدان عمل میں

اپریل میں لنلتھگو نے جناح کے نام مراسلہ میں انہیں ایک مرتبہ پھر یقین دلایا کہ "حکومت برطانیہ تمام مسلمان طاقتوں کے ساتھ دوستانہ اور ہمدردانہ تعلقات رکھتی ہے اور ان میں سے بعض کے ساتھ اتحاد کر رکھا ہے"۔ لارڈ زٹلینڈ نے ایک ماہ قبل لندن کے کیکسٹن ہال میں زخمی ہونے کے بعد قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ اس پر جنرل سر مائیکل اوڈائر کے نوجوان سکھ قاتل اودھم سنگھ نے بندوق سے فائر کیا تھا۔ اس کی جگہ ایل۔ ایس۔ آمرے کو نیا سیکرٹری آف سٹیٹ مقرر کیا گیا جو چرچل سے پہلے فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلٹی رہ چکا تھا۔ لندن میں چرچل اور آمرے کے اقتدار کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد دہلی اور شملہ میں جناح کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ روزنامہ "ہندو" (بنارس) کے تیز و طرار نمائندے پی۔ شیوا راؤ نے جون میں شملہ سے جناح کے حد سے زیادہ وہم میں مبتلا ہو جانے سے متعلق ایک رپورٹ میں لکھا "ایسا لگتا ہے کہ یہ وہم سرکار کے دل و دماغ پر بھی مسلط ہو گیا ہے۔ یہاں کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا' خواہ وہ کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو' مبادا جناح ناراض ہو جائیں"۔

اس نازک مرحلے پر سکندر حیات نے اس توقع سے کہ وہ جناح کو ایک طرف دھکیلنے میں کامیاب ہو جائیں گے' لنلتھگو کی خاموش حمایت سے کانگرس کے ساتھ فیڈرل اسکیم پر سمجھوتہ کے لئے مذاکرات کی سرتوڑ کوشش کی۔ وائسرائے نے چاہا کہ گاندھی اور جناح کے مابین مذاکرات کا ایک اور دور ہو' لیکن جناح کانگرس کے دور از کار دلائل سننے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے مذاکرات کی دعوت اس بنا پر مسترد کر دی کہ جب تک میں اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلا کر ان سے منظوری نہ لے لوں' ایسی بات چیت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ادھر گاندھی نے وائسرائے کو لکھا کہ وہ قیام امن کے سلسلہ میں مدد دینے کے لئے جرمنی یا جہاں کہیں ضرورت ہو' جانے کو تیار ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ "میں ہٹلر کو اتنا برا نہیں سمجھتا جتنا اسے ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ جرمنی ایک دوستانہ طاقت رہی ہو اور شاید اب بھی ہو"۔ تاہم لنلتھگو نے مہاتما جی کی وہ پیشکش قبول نہیں کی۔

جناح نے لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس وسط جون میں بمبئی میں طلب کیا۔ تین دن کی گرما گرم بحث کے بعد' جس میں سر سکندر حیات نے لیگ کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لینے کی انتہائی کوشش کی' سب سے پہلے انہوں نے قائداعظم کے اس موقف کی تائید کی' جو انہوں نے آخر مئی میں پیش کیا تھا۔ اور انگریزی حکومت کو یاد دلایا

"اس وقت تک ہم نے جنگ جاری رکھنے کے معاملہ میں نہ تو کوئی رکاوٹ ڈالی ہے نہ ہی حکومت برطانیہ کو ہراساں کیا ہے' لیگ کی ہائی کمان نازی جارحیت کی بڑھتی ہوئی دھمکی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے' جس نے یکے بعد دیگرے بہت سی قوموں کو ان کی آزادی اور حریت سے محروم کر دیا ہے اور ایسے موقع پر جبکہ فرانس بہت ہی شدید مشکلات سے نبرد آزما ہے اتحادیوں کے خلاف اٹلی کے بلا اشتعال حملہ کو انتہائی ناپسندیدہ اور غیر اخلاقی سمجھتی ہے"۔

جناح نے ۲۷ جون (۱۹۴۰ء) کو شملہ میں وائسرائے سے ایک تفصیلی ملاقات کی۔ بعد ازاں انہوں نے ایک غیر رسمی مراسلہ لکھا جس میں بتایا کہ "قرارداد پاکستان مسلم ہندوستان کا عمومی یقین بن گیا ہے اور یہ کہ وائسرائے نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ عبوری یا حتمی آئین کی کسی ایسی سکیم کو منظور نہیں کرے گی جسے مسلمانوں کی پیشگی منظوری حاصل نہ ہو۔ انہوں نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ جنگی مساعی کو تیز کرنے کے لئے ہر ممکنہ قدم اٹھایا جائے اور ہندوستان کے جملہ وسائل کو اس کی اندرونی حفاظت اور امن و آشتی برقرار رکھنے نیز بیرونی جارحیت کو دفع کرنے کے لئے اس کے دفاع کی خاطر حرکت میں لایا جائے۔ جناح کا اصرار تھا کہ یہ مقصد صرف اس صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جبکہ حکومت برطانیہ مسلم قیادت کو مرکز اور صوبوں میں دونوں جگہ مساوی حصہ دار کی حیثیت سے شریک اقتدار کرنے پر آمادہ اور راضی ہو۔ خصوصاً جنگ کے دوران وائسرائے کابینہ میں توسیع کر کے اس میں اتنے مسلمانوں کو شامل کیا جائے جتنے ہندو ہوں' بشرطیکہ کانگرس اس تجویز کو مان لے۔ بصورت دیگر مسلمان' جن کا انتخاب لیگ کرے گی' کابینہ کے اضافی ارکان میں اکثریت حاصل کر لیں گے۔

جنگ کے بارے میں گاندھی کی نئی منطق

وسط ۱۹۴۰ء میں برطانیہ جرمن یلغار سے دوچار تھا اور اس کے عوام بموں کی لامتناہی بارش سے بچنے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ جناح نے دانشمندانہ انداز میں سوچا کہ یہ وقت انگریزوں سے ٹکر لینے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے موزوں نہیں۔ اس موقع پر گاندھی نے برطانیہ کے ہر شہری کے نام "کھلے خط" میں اپیل کی کہ وہ فوری طور پر حالت جنگ کو ختم کر دے۔

"کوئی بھی مقصد' خواہ وہ کتنا ہی منصفانہ کیوں نہ ہو' اس بلا امتیاز قتل عام کی اجازت نہیں دے سکتا' جو لمحہ بہ لمحہ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ میں انگریزوں کی شکست نہیں چاہتا' نہ ہی میں انہیں حیوانی طاقت کے اس مقابلہ میں فتح مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ نازی ازم سے ہتھیاروں کے بغیر لڑیں' میں یہ پسند کروں گا کہ آپ وہ ہتھیار پھینک دیں جو آپ کے ہاتھوں میں ہیں کیونکہ وہ آپ کو یا انسانیت کو نہیں بچا سکتے۔ اس طرح آپ ہٹلر اور مسولینی کو دعوت دیں گے کہ وہ ان ملکوں سے' جنہیں آپ اپنے مقبوضات کہتے ہیں' جو کچھ چاہتے ہیں' لے لیں۔ انہیں اپنے خوبصورت جزیرہ پر قابض ہونے دیں' اپنی بہت سی خوبصورت عمارتیں بھی ان کے ہاتھ لگنے دیں۔ آپ یہ سب چیزیں ان کے سپرد کر دیں' لیکن اپنی روح اور دماغ نہیں۔ اگر وہ شریف آدمی آپ کے مکانات پر قبضہ کرنا پسند کریں تو مکان خالی کر دیں۔ اگر وہ آپ کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں دیتے تو انہیں اجازت دیں کہ وہ آپ سمیت' ہر مرد' عورت اور بچہ کو ذبح کر ڈالیں' لیکن آپ ان کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ ہز ایکسی لینسی وائسرائے سے میری گزارش

ہے کہ میری خدمات حکومت برطانیہ کے لئے حاضر ہیں۔ اگر وہ میری اپیل کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے انہیں کسی عملی کام کا سمجھے تو ان سے استفادہ کر سکتی ہے"۔

بہرحال وائسرائے نے گاندھی جی کی "خدمات" سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس کے برعکس انہوں نے قائداعظم کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی کابینہ میں توسیع کی اور اس سے جنگی کوششوں میں خوب مدد لی۔

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اگلا اجلاس اوائل ستمبر میں بمبئی میں ہوا۔ کمیٹی نے لیگ کے مطالبہ پاکستان کی توثیق کے ساتھ ساتھ وائسرائے کی اس یقین دہانی پر اطمینان کا اظہار کیا کہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر کوئی عبوری یا حتمی دستور نافذ نہیں کرے گی۔ تاہم کمیٹی نے وائسرائے کابینہ میں شرکت کی دعوت قبول نہیں کی۔ بعد ازاں اسی مہینے لنلتھگو سے درخواست کی کہ وہ اپنی تجویز پر نظرثانی کریں' جناح کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس سلسلے میں مزید معلومات اور وضاحتیں حاصل کریں۔ سکندر حیات نے کمیٹی میں موجود اپنے ساتھیوں کو ترغیب دی کہ وہ وائسرائے کی طرف سے اگست میں کی گئی پیشکش کو قبول کر لیں۔ انہوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر جناح اپنی ضد پر اڑے رہے تو وہ لیگ سے نکل جائیں گے۔ بہرحال جناح ایسی گیدڑ بھبکیوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوئے اور سر سکندر نے مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔ ورکنگ کمیٹی کی بھرپور حمایت کے بل پر جناح نے وائسرائے کو مطلع کیا کہ کابینہ یا جنگی مشاورتی کونسل میں شمولیت کی بابت لیگ کی پیشگی شرط کا مقصد یہ ہے کہ اگر کانگرس بعد میں شامل ہونے کا فیصلہ کرے تو اسے ان کے تحت ویسا کرنے کی اجازت دی جائے جو منظور کی جائیں اور مسلم لیگ ان سے متفق ہو۔ لنلتھگو نے جناح کے روز افزوں مطالبات کو جنگ کی کوششوں میں مزاحم قرار دیا اور محسوس کیا کہ جناح دراصل "وزیراعظم" بننے کے خواہشمند ہیں۔ یہ ایک ایسی منزل تھی جس کی طرف وائسرائے پیش قدمی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

کانگرس مخمصے میں پھنس گئی

کانگرس سول نافرمانی کی تحریک چلانے کے لئے بیقرار تھی۔ صرف یہ مسئلہ حل طلب تھا کہ یہ علامتی طور پر انفرادی ہو یا عوامی تحریک ہو' انفرادی طرز کی تحریک کو کنٹرول کرنا اور تشدد سے پاک رکھنا آسان تھا۔ گاندھی اپنی اے ویں سالگرہ کے موقع پر بڑی حد تک ایک اور مہم کی قیادت کرنے کے بارے میں متذبذب تھے مبادا اس سے وسیع پیمانہ پر تشدد پھیل جائے۔ چنانچہ اکتوبر کے وسط میں انفرادی ستیہ گرہ شروع کی گئی۔ گاندھی جی نے آشرم میں اپنے چیلے ونوبا بھاوے کو تیار کیا کہ سب سے پہلے وہ جنگی مساعی کے خلاف اعلانیہ تقریر کرتے ہوئے گرفتاری پیش کریں۔ ونوبا کی گرفتاری ۱۷ر اکتوبر کو عمل میں آئی اور انہیں تین ماہ قید کی سزا دی گئی۔ حکومت نے اخبارات پر سنسر لگا دیا کہ وہ جنگی کوششوں کے خلاف کسی قسم کے بیان شائع نہ کریں۔ گاندھی نے بطور احتجاج "ہریجن" کی اشاعت معطل کر دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے "مرن برت" رکھنے کے امکان پر بھی غور کیا اور اس امکان کی بابت وائسرائے کو بھی مطلع کر دیا۔ انہوں نے براہ راست ہٹلر سے جنگ بندی کی اپیل کرنے کی کوشش بھی کی۔ تاہم ان کے خط کو ہندوستان سے باہر بھیجنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نہرو نے مرن برت کی مخالفت کی' البتہ انفرادی گرفتاریوں کی تجویز سے اتفاق کیا۔ انہیں ۳۰ر اکتوبر کو حراست میں لے کر چار سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ الزام تھا کہ انہوں نے فوجی قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔ قید کا بڑا عرصہ انہوں نے ڈیرہ دون میں گزارا۔

جناح نے اس موقع پر انگریزوں کو بار بار یاد دلایا کہ جنگ کے معاملہ میں مسلمان کتنے وفادار رہے ہیں اور وہ حکومت میں شرکت کے کتنے اہل ہیں۔ انہوں نے اپنے مخالفین کے ان تینوں کیمپوں پر زبردست بمباری کی' ایک جو حکومت ہند میں شامل تھے' دوسرے ہندوؤں کی عسکری تنظیمیں اور تیسرے کانگرسی مسلمان۔ پہلے گروپ میں وہ لنلتھگو کو بھی شامل کر لیتے تھے' جس کے منہ پر انہیں یہ کہتے سنا گیا "آپ نے مجھے دوہری صلیب پر لٹکا رکھا ہے"۔ اس وقت جناح وائسرائے کو "کاٹھ کا الو" اور "دقیانوسی بڈھا" سمجھتے تھے' وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ لنلتھگو اور شملہ میں موجود اس کے درباری محض اس یقین دہانی پر ہماری مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ جنگ کے بعد ہمیں وفادار خادموں کے طور پر یاد رکھا جائے گا اور کچھ بخشش بھی عطا کی جائے گی۔ جبکہ مہا سبھائی ہندو مسلمانوں سے ویسا سلوک کرنا چاہتے ہیں جو یہودیوں کے ساتھ جرمنی میں کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک کانگرسی مسلمانوں کا تعلق تھا' جناح انہیں "شو بوائز" کہہ کر ان کی تحقیر کرتے تھے۔

پاکستان کیا ہوگا؟

اوائل فروری (۱۹۴۱ء) میں شاہنواز خاں نے جناح کے لئے "پاکستان کیا ہے؟" کے عنوان سے ایک خفیہ یادداشت تیار کی۔ یہ دستاویز شمال مغرب اور شمال مشرق میں واقع مسلم خطوں کے ہر صوبہ کی آبادی کے اعداد و شمار کے تجزیہ پر مبنی تھی نیز اس میں ہندوستانی ریاستوں سے متعلق بھی حکمت عملی پر کچھ مشورے شامل تھے۔ اس تاریخ سے کم از کم جناح کو یہ معلوم ہو گیا کہ پنجاب کی علاقائی حدود میں کچھ ردوبدل کرنا ناگزیر ہوگا۔ شاہنواز نے تجویز کیا' انبالہ ڈویژن کو خارج کر دیا جائے جس میں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت ہے۔ نیز مالیاتی لحاظ سے بھی وہ ایک بوجھ ہے' اثاثہ نہیں۔ مزید برآں شمال مشرقی خطہ کے بارے میں جناح کو آگاہ کیا گیا کہ

"آسام میں مسلم آبادی کا تناسب محض ۳۴٫۸ فیصد ہے' جبکہ بنگال کے بردوان ڈویژن میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہے اور بنگال میں مسلم آبادی کی مجموعی شرح ۵۴٫۸ فیصد ہے۔ اگر بردوان ڈویژن کو نکال کر آسام کے خوشحال علاقہ کو بنگال سے ملا دیا جائے تو یہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۷٫۹ فیصد ہو جائے گی"۔ اس یادداشت میں سر شفیع کے چالاک داماد (شاہنواز خاں) نے ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل تیسرے وفاق کی سفارش بھی کی تھی کیونکہ مسلمان نوابوں سمیت اکثریت والیان ریاست 'اپنی یکجہتی' سالمیت اور خود مختاری کے حقوق بحال رکھنا چاہتے تھے۔ حیدر آباد کے بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ یہ خاصی بڑی ریاست ہے' اس لئے نیپال کی طرح اسے مکمل آزاد و خود مختار ریاست کا درجہ ملنا چاہئے تاکہ وہ تاج برطانیہ کے ساتھ براہ راست تعلقات استوار کر سکے۔ مستقبل میں جناح کو جن مشقت طلب مذاکرات سے واسطہ پڑا' ان میں جناح نے بڑی حد تک اسی دستاویز پر انحصار کیا۔

مدراس کے سفر میں اعصابی دباؤ کا حملہ

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۲ اپریل (۱۹۴۱ء) سے مدراس کے پیپلز پارک میں منعقد ہوا۔ جس میں ایک لاکھ سے زیادہ پرجوش مسلمان اپنے قائد کے ارشادات سننے کے لئے جمع ہوئے۔ اس سلسلے میں فاطمہ جناح کا بیان ہے

"ہماری ٹرین کے مدراس پہنچنے میں چند گھنٹے باقی تھے۔ قائداعظم اٹھے اور دھڑام سے گر پڑے۔ میں تیزی سے ان کے پاس پہنچی' فرش پر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر پوچھا "جن کیا بات ہے؟" وہ میری طرف دیکھ کر فرسودہ سی ہنسی ہنسنے لگے۔ مجھے اچانک بہت زیادہ تھکاوٹ اور کمزوری محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا' آہستہ

آہستہ اٹھے اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے برتھ پر لیٹ گئے۔ اتنے میں کوئی سٹیشن آگیا اور گاڑی رک گئی۔ پلیٹ فارم پر ہزاروں سرگرم عقیدت مند مسلمان قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے' میں نے آہستہ سے اپنے ڈبہ کا دروازہ کھولا اور لوگوں سے کہا' شور نہ مچاؤ' قائداعظم آرام کر رہے ہیں' انہیں بخار ہے اور سخت مضمحل ہیں۔ ہو سکے تو کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ چند منٹ میں ڈاکٹر آگیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا۔ مسٹر جناح پر اعصابی دباؤ کا حملہ ہوا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ تاہم میرا مشورہ ہے کہ وہ اپنی نقل و حرکت بند کر دیں اور کم از کم ایک ہفتہ بستر میں آرام کریں۔ جلد ہی ہم مدراس پہنچ گئے۔ قائداعظم اتنے کمزور تھے کہ افتتاحی اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم اگلے دن اصرار کیا کہ میں اپنا صدارتی خطبہ ضرور پڑھوں گا۔ میں نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن جب محسوس کیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر قائم ہیں' تو میں نے استدعا کی کہ آپ تقریر کو مختصر کر لیں' انہوں نے یہ بات مان لی۔ تقریر کے نوٹس پہلے سے لکھے ہوئے نہیں تھے۔ ایک دفعہ بولنا شروع کیا تو دو گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک بولتے رہے۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

"خواتین و حضرات' سب سے پہلے میں ان ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری علالت سے پریشان ہو کر خیریت دریافت کی۔ مجھے اس قدر پیغامات اور ٹیلی فون کالیں موصول ہوئیں کہ ان سب کا ذاتی طور پر جواب دینا ممکن نہیں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ میرا دلی شکریہ قبول کر لیں گے"۔

ان کے پیچھے چمکدار ڈائس پر سبز بانات کی پوشاک میں ملبوس جناح کے دائیں بائیں مسلم لیگ گارڈز تعینات تھے' جنوبی ہندوستان کے موقر رہنما اور کانگرس کی مخالف غیر برہمن جسٹس پارٹی کے صدر ای وی رام سوامی نائیکر' ڈراویڈن تحریک کے عظیم مذہبی لیڈر نیز قائداعظم کے پرانے دوست مسٹر اے پی پیٹرو سمیت تامل علاقہ کی سربر آوردہ شخصیات بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا: "میرے خیال میں میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے اب تک مسلم ہندوستان پہلے کبھی اتنا منظم و متحد اور سیاسی طور پر سرگرم و باخبر نہیں تھا جتنا کہ آج کل ہے"۔

جب وہ تقریر کر رہے تھے تو ان کا ایک ہاتھ سفید لینن کی جیکٹ میں تھا اور دوسرا ہاتھ روسٹرم پر۔ انہوں نے جی میں ٹھان رکھی تھی کہ نہ تو سگریٹ پئیں گے' نہ ہی کمزوری سے لڑکھڑا کر گریں گے۔

"ہم نے اپنا جھنڈا' مسلم ہند کا قومی جھنڈا لہرا دیا ہے۔ ہم نے ایک شاندار پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے جو سارے مسلمانوں کے مکمل اتحاد کا مظاہرہ کرتا ہے"۔

انہوں نے فی البدیہہ تقریر کی اور ان کے انگریزی لہجہ میں کوئی خامی واقع نہیں ہوئی۔ ان کا چہرہ' اگرچہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا' آنکھوں کی چمک کے باعث خوشی سے چمکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"ہم نے سادہ و آسان ترین زبان میں اپنی اس منزل کا تعین کر دیا ہے جس کے متعلق مسلمان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے' وہ منزل پاکستان ہے۔ یہ ہمارا ماضی کا پانچ سالہ منصوبہ ہے۔ ہم مسلم لیگ کا وقار اور اس کی شہرت نہ صرف اندرون ملک بلکہ دنیا کے انتہائی دور دراز حصوں تک بلند کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور دنیا بھر کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی ہیں۔ اب اگلا قدم کیا ہو گا؟ کوئی قوم اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے لئے کام اور پوری دل جمعی سے کام نہ کرے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ ــــ آل انڈیا مسلم لیگ کے مندوبین جو پورے ملک کے کونے کونے سے یہاں جمع ہوئے ہیں' اس بات پر غور کریں اور ایک پانچ سالہ منصوبہ بنائیں۔ اس منصوبے کا ایک جزیہ ہونا چاہئے کہ مسلم ہندوستان کی قومی زندگی کے مختلف شعبوں کو کس طرح بھرتی

سے اور بہترین طریقہ سے ترقی دی جاسکتی ہے"۔
انہیں مزید دانشمند' نوجوان اور جری دماغوں' جسموں' پلاٹونوں اور بریگیڈز کی ضرورت اور طلب تھی جو ان کے احکام پر عمل کر سکیں' ان کی تشہیر کر سکیں اور انہیں پوری قوت سے نافذ کر سکیں۔ جہاں تک ان کی اپنی قوت کا تعلق تھا' ان کی توانائی تیزی سے ختم ہو رہی تھی اور قدم قدم پر ان کی راہ میں روڑے اٹکا رہی تھی۔ وہ اس رطوبت والے' کھچا کھچ بھرے ہوئے اور بہت زیادہ گرم پنڈال میں تقریر سے ہونے والے نفسیاتی دباؤ کو صاف محسوس کر رہے تھے۔ باایں ہمہ انہوں نے اپنے مشن سے پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا' ایسا لگتا تھا کہ لوگوں کی پوری توجہ' انہماک اور جذبہ ایثار سے انہیں غیر مرئی قوت حاصل ہو رہی ہے۔ بخار ان کے کمزور جسم کو طاعون بن کر چمٹا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے لوگوں کے اتنے بڑے ہجوم سے منہ موڑنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے جنگ شروع ہونے کے بعد سے تاریخ ہندوستان کے مختلف پیچ و خم پر روشنی ڈالی اور آخر میں اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔
کانگرس کیا چاہتی ہے؟ کانگرس نے ایک ایسی پوزیشن اختیار کر لی ہے' جس کے متعلق اب کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ میں ہر اس آدمی سے جو ذرا سی بھی عقل رکھتا ہے' پوچھتا ہوں۔ کیا آپ واقعی سمجھتے ہیں کہ گاندھی نے' جو کانگرس کے سپریم لیڈر' کمانڈر اور جنرل ہیں' یہ ستیہ گرہ محض آزادی اظہار رائے حاصل کرنے کے لئے شروع کی ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ انگریزوں پر دباؤ ڈالنے اور انہیں بلیک میل کرنے کا ہتھیار نہیں؟ جو اس وقت زرغہ میں آئے ہوئے ہیں' تاکہ وہ اپنی ہار مان لیں اور کانگرس کے مطالبات تسلیم کر لیں"۔
اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے انگریزی حکومت کو خبردار کیا' اس لئے کہ اس ملک پر تسلط اور حکومت بہرحال انہی کی ہے۔ جناح نے کہا "براہ کرام ان کی ناز برداری کا سلسلہ ختم کریں' جو آپ کی جنگی کوششوں کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے ہیں' جو جنگ کو جاری رکھنے کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ آپ ان سے وفاداری نہیں کر رہے۔ جو آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں' خلوص کے ساتھ آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ انہیں راضی کرنے کے خواہاں ہیں جو سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں سب سے بڑی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔"
فاطمہ جناح نے لکھا ہے کہ اس بڑے ہجوم کے جوش و خروش نے طاقت کے ٹانک کا کام دیا' تاہم میں جانتی تھی کہ یہ عارضی ہے۔ کمزوری' تھکاوٹ اور بخار ضرور اپنا کام دکھائیں گے۔

نیشنل ڈیفنس کونسل کی تشکیل

اپنے مدقوق پھیپھڑوں کو زیادہ بلندیوں کی خالص تر ہوا بہم پہنچانے کے لئے جناح نندی ہلز (ریاست میسور) اور اوٹا کمنڈ گئے' تاکہ مدراس میں صرف شدہ توانائی بحال ہو سکے۔ وہاں ان کی تکلیف میں عارضی طور پر افاقہ ہوا' کیونکہ اندرونی مرض جو ان کی توانائی کو زائل کر رہا تھا' اب ناقابل تسخیر شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس مرحلے پر وہ سگریٹ نوشی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ان ساری گرمیوں میں ان کی صحت خطرناک رہی۔ جولائی میں وہ اتنے کمزور تھے کہ گورنر بمبئی رراجر لملی کی دعوت پر پونا تک نہ جا سکے۔ گورنر انہیں ملک میں آئینی تبدیلیوں سے متعلق وائسرائے کے منصوبوں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ۲۰ جولائی کو خفیہ طور پر قائداعظم کو لکھا:
"وہ (وائسرائے) ہز میجسٹی کی حکومت کی اجازت سے ایک قومی ڈیفنس کونسل قائم کریں گے۔ یہ کونسل قریباً ۳۰ ممبران پر مشتمل ہو گی جن میں سے ۹ ریاستوں سے لئے جائیں گے۔ لنلتھگو اس بات کو لازمی سمجھتے ہیں

کہ کونسل میں عظیم مسلمان اقلیت کو نمائندگی دی جائے اور اعلیٰ ترین صلاحیت نیز شہرت کے حامل مسلمانوں کو شامل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آسام' بنگال' پنجاب اور سندھ کے وزرائے اعظم کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ وہ اس بارے میں غور کر رہے ہیں آیا آپ کو مدعو کیا جائے تاکہ اگر آپ ضروری سمجھیں تو کونسل میں شمولیت کے لائق اشخاص کے بارے میں تجاویز پیش کر سکیں۔ تاہم آپ کے عام رویہ سے آگاہی رکھتے ہوئے انہوں نے طے کیا ہے کہ یہ بات قابل ترجیح ہوگی کہ آپ کو تجاویز کے بارے میں بلا کر پریشان نہ کیا جائے"۔

سکندر فضل الحق اور سعد اللہ کی گوشمالی

اس خط کو پڑھ کر جناح پریشان ہونے کی بجائے آگ بگولا ہو گئے۔ انہوں نے سر سکندر حیات' فضل الحق اور آسام کے وزیر اعظم سر محمد سعد اللہ خاں کے نام وائسرائے کے براہ راست دعوت نامہ کو اپنی اتھارٹی' قوت اور صدر مسلم لیگ کے لئے چیلنج سمجھا۔ دراصل سکندر نے وائسرائے سے کونسل میں پنجاب کو نمائندگی دینے کی بابت ذاتی طور پر اپیل کی تھی۔ اور غالباً عرصہ سے محسوس کر رہے تھے کہ جناح کے مقابلہ میں اس کے ساتھ معاملہ کرنا کہیں آسان ہے۔ قائداعظم نے شملہ کی طرف سے دیئے گئے چیلنج سے نمٹنے کے لئے فوری طور پر بمبئی میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا۔ فضل الحق' سکندر حیات اور سعد اللہ خان نے یہ بیکار دلیل پیش کرنا چاہی کہ وہ ڈیفنس کونسل میں صوبائی وزراء کی حیثیت سے شامل ہوئے ہیں' مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر نہیں۔ جناح نے ان کا عذر مسترد کرتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ یا تو کونسل چھوڑ دیں یا مسلم لیگ سے نکل جائیں۔ سر سکندر نے بعد میں ان کے ساتھ ایک طویل نجی ملاقات کی اور کمیٹی کے فیصلہ کی تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بلا تاخیر کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔ سر سعد اللہ نے بھی ان کی پیروی کی۔ البتہ فضل الحق نے قدرے تذبذب سے کام لیا۔ انہوں نے کونسل سے مستعفی ہونے کا وعدہ تو کر لیا مگر اسے ایفا کرنے میں لیت و لعل کرنے لگے' زیادہ دباؤ ڈالا گیا تو کونسل کے ساتھ ساتھ صدر مسلم لیگ کے آمرانہ اختیارات کے خلاف احتجاج اور جناح کی قیادت کے خلاف سخت ترین آواز اٹھاتے ہوئے مستقبل کے بنگلہ دیش پر مغربی پاکستان کی بالادستی سے بغاوت کرتے ہوئے لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے بھی مستعفی ہو گئے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ حالیہ واقعات نے مجھے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ میں جمہوریت اور خود مختاری کے اصولوں کو فرد واحد کی من مانی خواہشات کے تابع کر دیا گیا ہے جو ہمہ مقتدر کی حیثیت سے صوبہ بنگال کے ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ مسلمانوں پر اپنا آمرانہ حکم چلانا چاہتا ہے' جبکہ اس صوبہ کو مسلم ہند کی سیاست میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

بیگم شاہنواز کا اخراج

سکندر حیات' فضل الحق اور سعد اللہ کے برعکس بیگم شاہنواز اور سر سلطان احمد نے ڈیفنس کونسل کی رکنیت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے انہیں پانچ سال کے لئے ورکنگ کمیٹی سے نکال دیا گیا۔ بیگم شاہنواز کے لئے اس کڑوی گولی کو نگلنا آسان نہ تھا' کیونکہ گول میز کانفرنسوں کے دوران انہیں جناح کی انتہائی قربت حاصل رہ چکی تھی۔ پانچ سال پورے ہونے کے بعد ان کے معاملہ میں نرمی برتی گئی اور پھر سے ورکنگ کمیٹی میں

شامل کر لیا گیا۔

اکتوبر میں عیدالفطر کے موقع پر قوم کے نام پیغام میں جناح نے شکوہ کیا کہ "حکومت نے ہماری مخالفت کرتے ہوئے ہمارے بعض ممبروں کو اس اسکیم کے ساتھ وابستہ کر کے ہم سے توڑنے کی سازش کی۔ ان تین صوبائی وزرائے اعظم میں سے دو ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے' آپ کو معلوم ہے آگے کیا ہوا؟ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی اور ہمیں اس پر فخر ہے کہ انگریزی حکومت کو ایک سبق سکھا دیا گیا ہے۔ شر میں سے خیر پیدا ہوتا ہے۔ مسلم ہندوستان نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ثابت کیا کہ وہ ثابت قدمی سے مسلم لیگ کے ساتھ ہے مجھے امید ہے کہ مستقبل میں ہمارے مخالفین کو یہ بات یاد رہے گی کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا عبث ہے۔ اب اس باب کو بند کر دیا گیا ہے"۔

جناح نے حکومت کے طرز عمل پر اپنے عدم اطمینان سے وائسرائے کو متاثر کرنے کے لئے مرکزی اسمبلی سے اپنے منتخب ارکان بھی واپس بلا لینے اور مسلم ممالک کی بابت انگریزی پالیسی کا واضح اعلان کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ برطانیہ کو مسلمانوں کے عالمی "اقتدار" اور "آزادی" کے بارے میں عدم مداخلت کی پالیسی پر قائم رہنا چاہئے۔ قائداعظم نے فضل الحق کی جگہ اصفہانی کو ورکنگ کمیٹی کا رکن مقرر کر دیا۔

کانگریس کے بارے میں اعلیٰ سطحی اختلاف

پرل ہاربر پر حملہ کے بعد جاپان کی ہیبت ناک فتوحات نے محوریوں کے لئے ہندوستان پر مشرقی جانب سے چڑھائی کا موقع پیدا کر دیا۔ اپنی انتظامی کابینہ میں توسیع کے بعد سے لنلتھگو چرچل کیبنٹ پر زور دے رہا تھا کہ نہرو اور دوسرے اہم کانگریسی لیڈروں کو جیل سے رہا کرنے کی اجازت دے دی جائے کیونکہ ان کے غیر سرکاری مشیروں کا مشورہ یہی تھا۔ وائسرائے نئے ممبران کو یہ دکھانے کے لئے بے چین تھا کہ واقعی ان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا ہے' جبکہ چرچل یہ قدم اٹھانے سے اس بنا پر متامل تھا کہ ان قیدیوں کی رہائی کو بلاشبہ گاندھی پارٹی کی فتح سے تعبیر کیا جائے گا۔ نہرو اور دیگر افراد نئے جرائم کا ارتکاب کریں گے جس کا تقاضا ہو گا کہ ان پر از سر نو مقدمات چلائے جائیں اور سزائیں دی جائیں۔ کسی حلقے کیطرف سے آپ کا شکریہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ پھر بھی وائسرائے کا اصرار جاری رہا۔ ایمرے (سیکرٹری آف سٹیٹ) اس کا ہمنوا بن گیا۔ کابینہ کے زیادہ تر ارکان بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ یہاں تک کہ جب اوائل دسمبر میں چرچل نے اس مسئلہ پر بحث کی غرض سے وار کیبنٹ کا اجلاس بلایا تو وہ ان کے رجحان کو فوراً سمجھ گیا اور قدرے افسوس کے ساتھ بولا:۔

"میں اپنی ہار تسلیم کرتا ہوں۔ تاہم یاد رکھیں' اگر ہندوستان آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے تو مجھے الزام مت دینا"۔

ناگپور میں طلباء سے خطاب

اپنی سالگرہ کے موقع پر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرنے کے لئے جناح ناگپور پہنچے۔ ۲۶ دسمبر (۱۹۴۱ء) کو نوجوانوں کے ایک پرجوش اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"میرے نوجوان دوستو! آج آپ اپنی حالت کا مقابلہ صرف تین سال پہلے کی پوزیشن سے کریں۔ پانچ سال پہلے ہماری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ دس برس پہلے آپ بالکل مردہ تھے۔ اب مسلم لیگ نے آپ کو ایک نصب العین دے دیا ہے۔ جو میری رائے میں آپ کی رہنمائی اس موعودہ وطن کی طرف کرے گا جہاں ہم اپنا پاکستان قائم کریں گے۔ لوگوں کو جیسے وہ چاہیں باتیں کرنے دیں۔ بلاشبہ جو سب سے آخر میں مسکراتا ہے سب سے اچھا مسکراتا ہے"۔

فضل الحق مہاسبھا کے جال میں

فضل الحق نے کلکتہ میں لیگ کی وزارت کا استعفیٰ پیش کر دیا اور نئی مخلوط حکومت بنائی جس میں ان کی پرجا پارٹی کے ساتھ ڈاکٹر شیام پرشاد کی ہندو مہاسبھا شامل تھی۔ انہوں نے نواب آف ڈھاکہ کو بھی ترغیب دے کر اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ اصفہانی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "نواب صاحب دشمنوں سے جا ملے ہیں"۔ اس خلاف توقع تبدیلی سے فضل الحق نے ایک بار پھر اپنی سیاسی مہارت اور استقامت کا لوہا منوا لیا۔ اصفہانی نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔ "بوڑھی لومڑی' جسے اب باریسال کی کالی بھیڑ کہا جاتا ہے' صرف ایک کھیل کھیل رہی ہے اور وہ ہے وقت حاصل کرنا"۔ ادھر ناگپور میں طلباء سے خطاب کے دوران جناح نے سوال کیا:

"بنگال میں کانگریس پارٹی کیا کر رہی ہے؟ وہاں کانگریس فضل الحق کی سربراہی میں بننے والی نئی مخلوط وزارت کا ساتھ دے رہی ہے اور اس کی حمایت کے بل پر مسٹر حق حکومت بنانے اور بطور وزیراعظم اپنے منصب پر فائز رہنے کے قابل ہو سکے ہیں۔ میں فضل الحق کو کرسمس تحفہ کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نواب آف ڈھاکہ کو نئے سال کے تحفہ کے طور پر گورنر بنگال کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں انتہائی خوش اور مسرور ہوں کہ مسلم ہندوستان کو ایسے لوگوں سے نجات مل گئی ہے جنہوں نے مسلمانوں سے سنگین ترین فریب اور غداری کا ارتکاب کیا ہے"۔

ہر دو بنگالی رہنماؤں سے جناح کے الفاظ میں "لیگ کو پاک کر دیا گیا"۔

جناح کو لنچ کی دعوت

وائسرائے نے گورنر بنگال سے کہا تھا کہ وہ جناح کو کھانے پر مدعو کرے۔ اس نے جنوری ۴۲ء میں اس وقت اس ہدایت کی تعمیل کی جب آکسفورڈ سے لارڈ کو پلینڈ اپنے غیر سرکاری دورہ پر کسی مثبت آئینی سمجھوتہ کی تلاش میں کلکتہ پہنچا۔ گورنر نے وائسرائے کو رپورٹ دیتے ہوئے لکھا۔

"میں نے جناح کو لنچ کی دعوت دی اور آج وہ میرے ساتھ کھانا کھانے آئے۔ وہ سارا وقت بڑے دوستانہ موڈ میں رہے اور اگر ان کے ساتھ اس مطلم شرتی رابطہ کا کوئی اثر پڑے گا تو وہ یقیناً موافق ہو گا۔ کھانے کے بعد میں نے ان کے ساتھ بات چیت کی' میرا ارادہ تھا کہ گفتگو مختصر ہو تاکہ وہ کوپ لینڈ سے نمٹ سکیں' لیکن بات چیت شروع ہوتے ہی وہ مجھے مسلم لیگ کی پوزیشن سے آگاہ کرنے لگے' جس میں ۴۵ منٹ گزر گئے۔ مسلم لیگ

کے نقطہ نظر سے وہ ساری گفتگو بڑی دوستانہ انتہائی منطقی اور مدلل تھی لیکن مجھے ان کی پوزیشن میں تبدیلی کا کوئی شائبہ دکھائی نہیں دیا۔ وہ ہمارے رویہ سے بالکل مطمئن لگتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے بعض خدشات ظاہر کئے کہ کانگریس اور دوسرے ہندو پروپیگنڈہ کرنے والے برطانوی پریس اور رائے عامہ پر اثر انداز ہوں گے"۔

گورنر جناح کے دلائل کی منطق سے خاصا متاثر ہوا تاہم مذاکرات کے اختتام پر اسے آئینی بحران کے حل کا کوئی امکان نظر نہیں آیا۔ "ہندوستان بڑی بے بسی کے ساتھ اور مجھے شک ہے کہ ناقابل تلافی انداز میں نسلی اور مذہبی گروہوں میں تقسیم ہو گیا ہے' جسے ہم پاٹ نہیں سکتے۔ ہماری طرف سے انتقال اقتدار کا حقیقی مرحلہ جوں جوں قریب آ رہا ہے' یہ تقسیم زیادہ سنگین اور پختہ ہوتی جا رہی ہے"۔ گورنر بنگال نے جنوری ۴۲ء کے اختتام سے کمل تلنگو کو بتایا۔

ایٹلی کو جب تلنگو کی اس شکست خوردہ حالت کا پتہ چلا تو اسے بڑی تشویش ہوئی۔ یہ رپورٹ پڑھنے کے بعد اس نے ایمرے کو مطلع کیا کہ وائسرائے کی قوت فیصلہ پر سے اس کا اعتماد بڑی حد تک اٹھ گیا ہے۔ اس نے تجویز کیا کہ اب یہاں سے کسی اور کو ہندوستان بھیجا جائے جس کے ذمہ یہ مشن لگایا جائے کہ وہ سیاسی لیڈروں میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اس کام کے لئے لیبر پارٹی کی طرف سے سرسٹیفورڈ کرپس امیدوار تھا جو حال ہی میں ماسکو سے لوٹا تھا جہاں اس نے برطانوی سفیر کے طور پر فرائض انجام دیئے۔

کلکتہ سیشن سے خطاب

جناح ۱۰ر فروری کو بمبئی سے روانہ ہوئے۔ اور پورے دن اور رات بھر کے سفر کے بعد کلکتہ پہنچے۔ ہاوڑہ اسٹیشن پر ایک مسرور و شادمان ہجوم ان کا منتظر تھا۔ وہاں سے انہیں ایک بڑے جلوس کی شکل میں محمد علی پارک لایا گیا جہاں ۱۳ر فروری کو انہوں نے مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا۔ "اس وقت تک مسلمان بالکل افسردہ و شکستہ دل تھے۔ ہمارا خون جم گیا تھا۔ ہمارا گوشت کام کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اور مسلمان قوم جملہ سیاسی مقاصد کے لئے مردہ ہو چکی تھی' آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے خون کی گردش بہتر ہو رہی ہے' ہمارا گوشت مضبوط تر ہو رہا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارا ذہن پہلے سے زیادہ صاف ہو گیا ہے۔" کلکتہ سے انہیں سراج گنج پہنچایا گیا تاکہ وہاں صوبائی لیگ کانفرنس کی صدارت کر سکیں۔ اس موقع پر انہوں نے لوگوں کو یاد دلایا "خواتین و حضرات! مسلم لیگ کے دشمن بہت ہیں' ہم زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہے ہیں ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اور اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا ہو گا۔ اگر ہمیں اس دنیا میں کچھ حاصل کرنا ہے"۔

سنگاپور جاپان کے قبضہ میں

۱۵ر فروری ۴۲ء کو غیر متوقع طور پر جاپان نے سنگاپور پر قبضہ کر لیا۔ قریباً ۶۰ ہزار انگریزی فوج نے ایک گولی چلائے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ جس سے نئی دہلی' شملہ اور وائٹ ہال (لندن) میں اضطراب کی نئی لہر دوڑ گئی۔ اصل حل طلب نکتہ یہ تھا کہ اس نکتہ چینی کے ساتھ اتفاق سے اپنے اقدار کی مطابقت کیسے پیدا کی جائے کہ ہم نے

اقلیتوں کی بلیک میل کرنوالی ویٹو پاور دے کر ساری پیش رفت بند کر رکھی ہے۔ ایمرے نے فروری کے آخر میں نلتھگو کو اعتماد کے ساتھ لکھا کہ "کرپس کی تجاویز لازماً اس نمونہ کی ہونی چاہئیں"۔

"اگر ایسے کافی صوبے ہوں جو متحد ہو کر ایک ڈومینن بنانا چاہیں تو دوسرے صوبوں کو اجازت ہوگی کہ وہ اس ڈومینین سے الگ رہیں اور حق انتخاب (Option) کی مدت کے بعد اس میں شامل ہو جائیں یا ان کی علیحدہ ڈومینین قائم کر دی جائے' جناح کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا' نہ ہی کانگریس کو محسوس ہوگا کہ جن علاقوں پر اس کا کنٹرول ہے' وہاں اسے مکمل آزادی کا موقع فراہم کرنے سے انکار کیا گیا ہے"۔

آزادی ہند کی بابت صلاح مشورہ

انڈیا آفس نے برطانیہ کی جنگی کابینہ کے لئے ایک نوٹ تیار کیا جس میں ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کے ہندوستانی فوج پر اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ انڈین آرمی آغاز جنگ سے اب تک سائز میں قریباً دگنی (۱۰ لاکھ سے زائد) ہو گئی تھی۔ جنگ سے پہلے ہندوستانی سپاہیوں نے ایسی صورت میں جبکہ برطانیہ کانگریسی مطالبات کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے' اپنے مستقبل کے بارے میں بے چینی کا اظہار کیا تھا' اب بھی ایسے ٹھوس خیالات موجود تھے کہ انگریز افسر کا موجود ہونا سپاہی کی دیانت کی یقینی ضمانت ہے"۔ وائٹ ہال نے اپنے نوٹ میں لکھا۔

"یہ کہنا مشکل ہے کہ فوجی عملہ کے بارے میں کانگریس کو کیسی مراعات دینی پڑیں گی تاکہ جنگی کوششوں میں مدد مل سکے۔ اس کے برعکس یہ اقدام ہندوستانی فوج' جیسا کہ وہ اس وقت ہے' کی تباہی پر منتج ہو سکتا ہے"۔

اس نوٹ کی روشنی میں ایمرے نے وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ "آئندہ کے لئے ہندوستانی پالیسی پر کسی اعلان میں واضح طور پر یہ بات شامل ہونی چاہئے کہ ہم نے ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں اور والیان ریاست سے جو وعدہ کیا تھا کہ ان پر کوئی ایسا نظام مسلط نہیں کیا جائے گا جسے وہ قبول نہ کرتے ہوں' ہم اب بھی اس پر قائم ہیں۔ یہ چیز موجودہ حالات میں اشد ضروری ہے تاکہ انڈین آرمی میں مسلمان عناصر پر خوشگوار اثرات مرتب ہو سکیں۔"

کرپس کو فروری میں وار کیبنٹ میں بحیثیت لارڈ آف پریوی سیل شامل کر لیا گیا اور دارالعوام کا قائد بنا دیا گیا اسے نائب وزیر اعظم اٹیلی کی جنگی کمیٹی میں کام کرنے اور اس مسودہ میں مدد دینے کے لئے بھی مقرر کیا گیا جس میں وعدہ کیا گیا کہ ہز میجسٹی کی حکومت ایک نئی انڈین یونین کی تشکیل کے لئے جو ایک آزاد اور برطانوی دولت مشترکہ کے اندر دوسری ڈومینینوں کے ہم مرتبہ ہوگی جلد اہم اقدامات کرے گی۔ بہرحال مجوزہ اعلان پر اتفاق رائے سے قبل رنگون جاپانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ جناح نے چرچل کو تار دیا جس میں کانگریس کے گشتی ایجنٹ سپرو کی بظاہر خوشنما' پر اسرار اور بعد ازاں زیادہ دھوکہ دینے والی تجاویز سے خبردار کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اگر برطانوی حکومت کانگریس کے دام میں پھنس گئی تو مسلم ہندوستان کو بہت سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے' خصوصاً جنگی کوششیں بہت بری طرح متاثر ہوں گی۔ ۲۲ فروری کو لیگ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں جناح نے اعلان کیا کہ اگر برطانیہ نے سپرو کی مجوزہ یکطرفہ آئینی اسکیم منظور کر لی تو ہم "راست اقدام" پر مجبور ہو جائیں گے۔

اس لئے چرچل نے سوچا کہ کوئی ایسا اعلان جو ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دینے کے آئینی طریق کار پر مبنی ہو' بہت ہی خطرناک ہوگا۔ اس کے بجائے اس نے کرپس کو انڈیا بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ موقع پر فریقین سے

مذاکرات کر کے کابینہ کی منظور کردہ تجویز کی بابت ان کے تاثرات جان سکے۔

"جس دستاویز پر ہم نے اتفاق کیا ہے وہ ہماری متحدہ پالیسی کو ظاہر کرتی ہے"۔ چرچل نے مارچ کے شروع میں لنلتھگو کو مطلع کیا۔ "اگر ہندوستانی پارٹیوں نے جن کے فائدہ کے لئے یہ اسکیم وضع کی گئی ہے' اسے نامنظور کردیا تو دنیا پر ہماری نیک نیتی ظاہر ہو جائے گی اور ہم متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے' اگر اس کی ضرورت پڑی"۔

کرپس کا مشن ناکام ہو گیا

وزیر اعظم چرچل نے ۱۱ مارچ ۴۲ء کو ہاؤس آف کامنز میں دوپہر کے وقت اپنے منفرد حوصلہ افزاء لہجہ میں ایک اہم اعلان کیا۔ "ہندوستانی معاملات سے متعلق بحران نے جو جاپان کی پیش قدمی کے باعث پیدا ہوا ہے' ہمیں یہ خواہش کرنے پر ابھارا ہے کہ ہندوستان کی جملہ طاقتوں کو اکٹھا کیا جائے اور انہیں جارح کی لعنت سے ملک کو بچانے کی خاطر بطور ڈھال استعمال کیا جائے"۔ اس کے بعد انہوں نے وار کیبنٹ کے ایک معزز رکن (کرپس) کو ہز میجسٹی کی حکومت کے مکمل اعتماد کے ساتھ ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا جو نہ صرف ہندو اکثریت سے بلکہ ان بڑی اقلیتوں سے بھی جن میں مسلمان سرفہرست رہے ہیں' رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔" اس طرح کرپس کو اس کی زندگی کے سب سے زیادہ مایوس کن مشن پر روانہ کردیا گیا۔

کرپس بذریعہ طیارہ ۲۲ مارچ کو کراچی اور وہاں سے اگلے روز یعنی ۲۳ مارچ (پاکستان ڈے) کو دہلی پہنچا۔ لیگ نے قرار داد لاہور کی دوسری سالگرہ کے موقع پر ایک میل لمبا جلوس نکالا اور ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا جس میں قائداعظم بھی شامل ہوئے۔ اردو پارک میں پچاس ہزار سے زائد سامعین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا "میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مسلم لیگ اس ملک کی آزادی و خودمختاری کے لئے کسی دوسری جماعت کے مقابلہ میں زیادہ ثابت قدمی سے جدوجہد کر رہی ہے۔ ہم انصاف اور منصفانہ کھیل کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہم اپنی جیسی اقلیتوں کے بارے میں کوئی برے عزائم نہیں رکھتے۔ ہم اس سرزمین میں ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں"۔ کرپس مشن کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا:۔

"یہاں یہ شبہ کیا جا رہا ہے کہ کرپس کانگریس کے دوست ہیں۔ وہ نہرو کے مہمان رہ چکے ہیں۔ یہ سب درست ہے لیکن ہمیں اس بات سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ہراساں نہ ہوں۔ اگر کوئی ایسی اسکیم یا حل ٹھونسا گیا جو مسلمانوں کے مفادات کے لئے ضرر رساں ہوا تو ہم اس کی مزاحمت کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ ہم اسے نامنظور کردیں گے اور ڈٹ کر مخالفت کریں گے۔ اگر ہمیں اس کوشش میں جان دینی پڑی تو ہم لڑتے ہوئے جان دیں گے"۔

کرپس نے ۲۵ مارچ کو سب سے پہلے مولانا آزاد سے ملاقات کی جو ان دنوں جیل سے باہر تھے۔ کرپس نے محسوس کیا کہ صدر کانگریس کی انگریزی اتنی اچھی نہیں جتنا کہ وہ عربی اور فارسی پر دسترس رکھتے ہیں۔ آزاد کا اصرار تھا کہ ہندوستان کو موثر طور پر جنگ کے لئے آمادہ و تیار کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ ملک کے دفاع کا

کنٹرول ان کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ کرپس نے واضح کیا کہ دفاعی نقطہ نظر سے ہندوستان کو عظیم جنگی تھیٹر کا ایک حصہ سمجھنا ضروری ہے۔ تاہم آزاد نے اس وضاحت سے اتفاق نہیں کیا۔ کرپس اس نتیجہ پر پہنچا کہ دراصل کانگریس کا منشا' یہ ہے کہ ہندوستان کا وزیر دفاع کوئی ہندوستانی ہو' چاہے افواج کی نقل و حرکت اور دوسرے فوجی انتظامات میں اس کا حقیقی دخل نہ ہو"۔

جناح وائسرائے پیلس میں عین اس وقت داخل ہوئے جب مولانا آزاد وہاں سے نکل رہے تھے۔ کرپس نے بتایا کہ میں نے اڑھائی سال پہلے اپنے دورے کے دوران مسلم لیگ یا پاکستان کے پروپیگنڈہ کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ تاہم اب اس نے اپنی رائے بدل لی ہے کیونکہ ہندوستان کی فرقہ وارانہ سوچ میں زبردست تبدیلی آئی ہے اور پاکستان کی تحریک کا ظہور ہوا ہے۔ پھر اس نے وہ دستاویز جناح کے حوالے کی جو وہ لندن سے لایا تھا۔ جس کے بارے میں اس نے کہا کہ پاکستان کیس کے معاملہ میں اس کے مختلف حصوں کے مابین پایا جانے والا فاصلہ بڑا تعجب خیز ہے۔ تاہم میں اس بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کرونگا۔ اگرچہ ہم نے اس کے اثرات پر جو خصوصاً بنگال اور پنجاب پر مرتب ہوں گے' طویل بحث کی تھی۔ اہم بات جو مجھے پریشان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آیا ان صوبوں کو یہ موثر حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ چاہیں تو وفاق سے الگ ہو جائیں"۔

جناح نے وعدہ کیا کہ وہ اس معاملہ کو دہلی میں اپنی ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھیں گے اور پھر جلد ہی دوسری ملاقات کرنے آئیں گے۔ وہ انتہائی پرجوش تھے جب ہم جدا ہوئے تو انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ پورے ہندوستان کو اپنے دفاع کے لئے صف آرا کیا جائے اور یہ کہ وہ ذاتی طور پر ایسی فضا پیدا کرنے کے لئے انتہائی بیتاب ہیں۔ کرپس کے ساتھ اپنی اولین ملاقات میں ایک ماہر مذاکرات کنندہ کی حیثیت سے جناح نے ضرر رساں نکتہ چینی سے اجتناب کیا۔

گاندھی کی نئی چال

۲۷ مارچ کو گاندھی کے ساتھ کرپس کی ملاقات خوشگوار فضا میں نہیں ہوئی۔ گاندھی نے سرکاری نوٹ کی اشاعت کو انتہائی نامناسب قرار دیا اور کرپس سے کہا کہ ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ جناح کی رائے کیا ہے؟

"میں نے گاندھی کو بتایا کہ ان کی تجویز یہ ہے کہ افشائے راز سے بچنے کے لئے اس کی اشاعت میں زیادہ تاخیر مناسب نہیں ہو گی۔ انہوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جناح میری اسکیم کو قبول کر لیں گے۔ پھر میں نے ان سے دریافت کیا۔ فرض کرو جناح اسکیم کو قبول کر لیتے ہیں اور کانگریس مسترد کر دیتی ہے' ایسی صورت میں آپ کا مشورہ کیا ہے' مجھے کیا کرنا چاہئے؟" وہ بولے "ایسی صورت میں آپ کے لئے صحیح راستہ یہ ہو گا کہ ذمہ داری جناح پر ڈال دیں اور انہیں بتا دیں کہ اب وہ کانگریس کو قائل کرنے کے لئے براہ راست ان سے مذاکرات کریں یا میری (کرپس) موجودگی میں ان سے بات چیت کریں" گاندھی کا خیال تھا جناح پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں ہندوستان میں کتنا بلند مقام حاصل ہو جائے گا۔ اس بات سے شاید وہ خیرسگالی مشن پر کمربستہ ہو جائیں اور ممکن ہے کامیابی ان کے قدم چومے"۔

یہ گاندھی کی سب سے زیادہ روشن تجاویز میں سے ایک تھی کہ اہم ترین ذمہ داری اور اختیار جناح کی طرف منتقل کردیا جائے۔ تاہم کسی انگریز وائسرائے یا کابینہ کے لیڈر میں اتنی ہمت و فراست نہیں تھی کہ وہ ان تجاویز کو آزما کے دیکھتا۔

نہرو نے ۲۹ مارچ کو کرپس کے ساتھ ناشتہ کیا پھر وہ دونوں گاندھی اور مولانا آزاد اور ورکنگ کمیٹی کے دیگر ارکان سے ملنے برلا ہاؤس پہنچے۔ کرپس نے ان کی باتیں سنیں اور کئی گھنٹے تک دلائل دیئے۔

اس نے بعد میں انکشاف کیا "نہرو کا عمومی رویہ' اس میں شک نہیں کہ وہ تھکے ہوئے تھے اور ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' نرم اور مصالحانہ تھا' انہوں نے مجھے پوری طرح شک میں مبتلا کردیا کہ پتہ نہیں کانگریس میری اسکیم کو منظور کرے گی یا نامنظور اور یہ کہ شاید ان کے خیال میں مجوزہ اسکیم اس قابل نہیں ہے کہ اس پر بحث کی جائے یا ردوبدل کے لئے دباؤ ڈالا جائے یا یہ کہ وہ اسکیم کے عام کیریکٹر نیز ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے سے متعلق تجویز کے پیش نظر اس کی بابت اپنے مخصوص اعتراضات پیش کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔"

ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کرپس کا تازگی بخش اعتماد ہندوستان کے حالات کی پیچیدگی کی سڑن' ابہام اور غیرواضح شک کی شکل میں تحلیل ہونے لگا۔

کرپس اس فرقہ وارانہ گتھی کو سلجھانے کے معاملہ میں نہرو اور کرشنا مینن کے ساتھ اپنی دوستی پر انحصار کئے ہوئے تھا' جس نے مورلے' مانٹیگو' ریمزے میکڈانلڈ' ارون' اور موتی لال نہرو جیسے تجربہ کار لوگوں کو مایوس اور دل شکستہ کردیا تھا۔

وہ صحیح معنوں میں یقین یا کم ازکم بیباکی سے یہ امید رکھتا تھا کہ دو ہفتوں کے اندر وہ کچھ حاصل کرے گا جس کے حصول میں گذشتہ ۲۵ سالہ سرتوڑ کوششوں اور بے شمار گھنٹوں پر مشتمل مذاکرات کے باوجود انگلستان' ہندوستان کے بہترین دماغ ناکام ہوگئے تھے۔ اس کے رازداروں میں سے ایک نے لکھا ہے "اگر اس نے مجوزہ سمجھوتہ کو کامیاب بنادیا تو کرپس یقیناً چرچل کی جگہ لے گا۔" بہرحال اس میں اہم خامی یہ تھی کہ وہ خود کو "عقل کل" سمجھتا تھا۔ کپلنگ نے اس کے نیک نیت اجداد کے بارے میں جو کچھ کہا تھا' اسے فراموش کردیا اور یہ آس لگا بیٹھا کہ "مشرق سے زبردستی اپنی رائے منوالے گا"۔

کرنل جانسن کی آمد

اس بحرانی مرحلے پر امریکی صدر روزویلٹ نے سابق نائب وزیر جنگ کرنل لوئی جانسن کو اپنے ذاتی نمائندہ کی حیثیت سے ہندوستان بھیجا اور لنلتھگو سے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔ "ایک ایسا شخص جو فوجی سپلائی سے تعلق رکھنے والے مسائل کا خاصا تجربہ رکھتا ہے"۔ اس کا انتخاب اس کی نمایاں قابلیت اور اعلیٰ کردار کی بنا پر کیا گیا تھا۔ چرچل' ایمرے اور لنلتھگو سب کے سب کرنل جانسن کے مشن کے بارے میں خفیہ سیاسی پروپیگنڈہ کے مضمرات کے متعلق سوچ رہے تھے' واشنگٹن سے لنلتھگو کے نمائندہ نے لکھا "لگتا ہے روزویلٹ یہ سمجھ رہے ہیں کہ فیڈریشن سے متعلق منصوبہ زیادہ نہیں چلا اس لئے صوبوں کو فوج کی تشکیل و تعمیر کے اختیار سمیت مکمل خود مختاری دینی ضروری ہے۔"

لنلتھگو' چرچل اور ایمرے کو جونہی پتہ چلا کہ جانسن اور روز و یلٹ عدم تعاون کرنیوالی (تذبذب کا شکار' جیسا کہ جانسن نے کہا) کانگریس مزید سے مطالبات منوا کر ہمارے لئے کچھ نہیں کریں گے تو کرپس مشن ختم ہو جائے گا صرف کرپس نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ اس کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ اس نے ہندوستانی لیڈروں سے ملنے' پریس کانفرنسوں سے خطاب کرنے' لندن کو طول طویل خفیہ تاریں بھیجنے اور اس گھوڑے کو جس پر وہ سوار تھا' فریب دہی سے دوڑانے کا سلسلہ جاری رکھا' کرپس جو اپنے سیاسی کیریر میں ایک روشن اور ابھرتا ہوا ستارہ تھا ہندوستان کے چندھیا دینے والے سورج کے نیچے گہن میں آگیا۔ ۲ اپریل کو مولانا آزاد اور نہرو نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کرپس کے حوالے کر دی' جس کی رو سے کرپس کی پیشکش ٹھکرا دی گئی تھی۔ ان کا شکریہ ادا کر کے گھر کی راہ لینے کے بجائے کرپس نے وہ پوری قرارداد بذریعہ تار چرچل کو بھیج دی اور مولانا آزاد' نہرو اور فیلڈ مارشل سرویول کے ساتھ اکٹھی ملاقات طے کر لی۔ کم گو کمانڈر انچیف جو اگلے سال لنلتھگو کا جانشین ہوا' ان دنوں ملایا اور برما میں ہارنے والی لڑائی شروع کر چکا تھا اور بزعم خویش یہ سمجھتا تھا کہ وہ جاپانیوں کو ہندوستانیوں کی مشرقی دیوار تک پہنچنے سے پہلے شکست دے دیگا۔ نہ تو اسے فرصت تھی نہ ہی سیاسی کھیل کھیلنے کی قابلیت۔ شیشے کی ایک آنکھ لگانے والے اور بہت کم مسکرانے والے ویول کی شخصیت نے نہرو' آزاد یا کرپس کو قطعاً متاثر نہیں کیا۔ نہ ہی وہ رضا کارانہ طور پر ان فوجیوں میں سے کسی کو رہا کرنے پر آمادہ تھا جو اس کے کنٹرول میں تھے' بایں ہمہ کرپس نے ویول اور نہرو کو ایک ساتھ جوت کر کام لینے کا ارادہ کر لیا۔

الہ آباد سیشن سے خطاب

جناح ۲ر اپریل کو رات کی ٹرین کے ذریعے بمبئی سے الہ آباد کو روانہ ہوئے جہاں ۳ اپریل (جمعہ) سے مسلم لیگ کا سالانہ سیشن شروع ہو رہا تھا۔ سنٹرل ریلوے سٹیشن الہ آباد پر لوگوں کا بھاری ہجوم قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے ان کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھا۔ وہاں سے انہیں ایک جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ (محمود آباد گارڈن) لایا گیا۔ راستہ میں انہیں سینکڑوں آرائشی محرابوں سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے سامعین کو کرپس تجاویز کے بارے میں اختصار سے بتایا اور کہا۔ اب جبکہ وہ اسکیم حقیقی معنوں میں ختم ہو چکی ہے' مسلمانوں کو یہ جان کر کتنا دکھ ہو رہا ہے کہ مسلمان قوم کے "وجود اور یک جہتی" کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی ایسی کوشش جس میں اصل تنقیحات کو نظر انداز کرنا اور صوبوں کے علاقائی وجود پر' جو محض انگریزی پالیسی کے نتیجہ میں بنائے گئے اور ان کی حیثیت انتظامی یونٹوں سے زیادہ نہیں' ضرورت سے زیادہ زور دینا غلط بات ہے۔ مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہیں ہو گا جب تک قومی خود ارادیت کے حق کو غیر مبہم الفاظ میں تسلیم نہ کیا جائے۔

قومی حکومت بنانے کی تجویز

اس سال ایسٹر کے روز (۲۸ر مارچ) کرنل جانسن نے وائسرائے ہاؤس میں دوپہر کے کھانے پر کرپس سے پہلی ملاقات کی اور ہر ایک نے دوسرے میں ایک طاقتور اتحادی کا وجود محسوس کیا۔ دونوں اعتدال پسند قانونی

ذہن کے مالک تھے انہوں نے خود کو وائسرائے اور اس کے کمانڈر انچیف سے ذہنی طور پر اتنا ہی دور پایا جتنا کہ وہ ثقافتی طور پر مولانا آزاد اور نہرو سے دور تھے۔ دونوں کو لندن اور واشنگٹن کے اعلیٰ مقامات پر جس اعتماد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا' نئی دہلی یا شملہ میں کہیں اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ دونوں میں سے ہر ایک 'اپنے ڈھب سے پنڈت نہرو کی وسیع المشرب دلکشی کا اسیر ہو چکا تھا۔ اس لئے ایسٹر سنڈے کے موقع پر اس امید پر کہ اس مشن کو جو دراصل گڈ فرائی ڈے (ایسٹر سے پہلے آنیوالا جمعہ) کو ختم ہو گیا تھا۔ از سر نو شروع کیا جائے' وہ ایک دوسرے کے حامی بن گئے۔

انہوں نے مولانا آزاد' نہرو اور دوسرے کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ پوری توانائی' خوش تدبیری اور انتہائی اخفا' سے کام لیتے ہوئے شب و روز ملاقاتیں شروع کر دیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے' کہ ہندوستان کی آئینی سرنگ کے آخری سرے پر روشنی موجود ہے۔ کانگریس جو کچھ چاہتی ہے وہ محض وزارت دفاع کا کنٹرول ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک جامع و مفصل انوکھا فارمولا وضع کیا جس کی رو سے مذکورہ وزارت کو برائے نام کسی ہندوستانی کے چارج میں دینا مقصود تھا' جبکہ اس کی جملہ فوجی ذمہ داریاں کمانڈر انچیف کے ہاتھ میں رہتیں جسے وزیر جنگ کے نام سے پکارا جاتا تھا' انہوں نے واقعی سمجھ لیا کہ اس طرح ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کرپس نے تو نئی قومی حکومت کے لئے کابینہ کے وزراء کی فہرست بھی بنالی تھی جو وہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے صدر کانگریس مولانا آزاد کو نئی کابینہ میں وزیر داخلہ (پولیس کا انچارج) کا قلمدان سونپنے کی تجویز رکھی تھی۔ وہی مولانا آزاد جن کے ساتھ جناح بات تک نہیں کرتے تھے اور انہیں کانگریس کا مسلم "شو بوائے" کہتے تھے۔ جانسن نے خیال کیا کہ میں نے نہرو کو حکومت سے تعاون کی مصلحت اور اس یقین کا قائل کر لیا ہے کہ وہ کانگریس کو اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں جیسا کہ کرپس کے بارے میں اس کی (جانسن) کی رائے تھی کہ وہ چرچل سے اپنی بات منوالیگا۔ یہ ایک سراب تھا جو ہندوستان کی شدید گرمی نے ان کی نگاہوں کے سامنے پیدا کر دیا تھا۔

آئندہ چند دنوں کے دوران لندن اور ہندوستان کے درمیان بہت سے تاروں کا تبادلہ ہوا' جن میں چرچل کا وہ تار بھی شامل تھا جس میں کرپس کو اطلاع دی گئی تھی کہ کرنل جانسن اس مخصوص مشن سے ہٹ کر جو ہندوستان کے ایمونیشن اور اس سے متعلقہ دیگر موضوعات کے بارے میں ہے' کسی دوسرے معاملہ میں صدر روزویلٹ کا نمائندہ نہیں ہے۔ یہ سب تاریں غیر ضروری تھیں۔ کانگریس نے ۱۰ اپریل کو نظر ثانی شدہ تجویز بھی مسترد کر دی' جیسا کہ گاندھی نے پہلی ملاقات میں پیش گوئی کی تھی نئے استرداد کے دفاع میں کانگریس کے صدر مولانا آزاد نے کرپس کو لکھا۔

"اس کے باوجود ہم ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ صحیح معنوں میں قومی حکومت بنائی جائے۔ موجودہ حالات میں قومی حکومت لازماً مکمل اختیارات سے لیس کیبنٹ حکومت ہونی چاہئے۔ اس کی حیثیت محض وائسرائے کی انتظامی کونسل جیسی نہیں ہونی چاہئے۔ ہم آپ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے جو تجاویز پیش کی ہیں' وہ صرف ہماری نہیں بلکہ اسے اہل ہندوستان کا متفقہ مطالبہ سمجھا جائے۔ ان امور پر مختلف گروپوں اور جماعتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں"۔ چند دن بعد جناح تک مولانا آزاد کی یہ لن ترانی پہنچی تو انہوں نے فوراً پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ مسلمانان ہند نے اس دعویٰ کو جھٹلا دیا ہے۔ ہم اس بات پر قائم ہیں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ بہت سے دوسرے مثلاً اچھوت حلقے، غیر برہمن ہندو اور دوسری اقلیتوں والے اسے اپنا نمائندہ نہیں مانتے"۔ کانگریس نے دوسری جماعتوں سے بالا بالا کرپس کے ساتھ جو مذاکرات کئے تھے، جناح نے ان کو غلط قرار دیا اور اپنے اسی بنیادی موقف کو دہرایا، جس پر وہ گذشتہ دو سال سے زور دے رہے تھے کہ "اگر تمام جماعتیں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان یا تقسیم ہند نیز مسلمانوں کے حق خود ارادیت پر متفق ہو جائیں تو ہم موجودہ صورتحال کے بارے میں کسی معقول فیصلہ کو قبول کرنے کو تیار ہیں"۔

کرپس کا اعتراف شکست

کرپس نے ۱۲ر اپریل کو چرچل کو لکھا۔ "یہاں واضح طور پر سمجھوتہ کی کوئی امید نہیں، میں اتوار کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا"۔ اس نے آزاد کو مطلع کیا۔ "آپ تجویز کرتے ہیں کہ صحیح معنوں میں ایک قومی حکومت تشکیل دی جائے جو لازماً پورے اختیارات کے ساتھ کیبنٹ گورنمنٹ ہو، جیسا کہ آپ جانتے ہیں انتہائی پیچیدہ قسم کی وسیع آئینی تبدیلیوں کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں ہو گا، ہز میجسٹی کی حکومت کی طرف سے پیش کردہ تجاویز میں جہاں تک گنجائش تھی، اس کا اہتمام کر دیا گیا ہے"۔

روزویلٹ نے چرچل پر زور دیا کہ کرپس کی روانگی ملتوی کرا دے کیونکہ امریکہ میں یہ خیال عام پایا جاتا تھا کہ ہندوستان میں موجودہ بحران ہندوستانیوں کو حق خود ارادیت دینے کے معاملہ میں برطانوی حکومت کی نارضامندی سے پیدا ہوا ہے۔ اگرچہ ہندوستانی مجاز انگریز حکام کا ٹیکنیکل، ملٹری اور نیول کنٹرول قائم رکھنے کے حق میں ہیں۔ امریکی عوام یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر برطانوی حکومت ہندوستان کے اجزائے ترکیبی کو برٹش ایمپائر سے علیحدگی کا حق دینے پر آمادہ ہے تو وہ دوران جنگ انہیں حکومت خود اختیار دینے کو کیوں تیار نہیں؟"۔ چرچل نے وہ تار اپنی کابینہ کو دکھانے کی بجائے اسے تلف کرنا مناسب سمجھا کیونکہ چرچل اس لئے وزیراعظم نہیں بنا تھا کہ اپنے زیر صدارت کابینہ کے اجلاس کو برٹش ایمپائر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا فیصلہ کرنے کی اجازت دے دیتا۔

کرپس تجاویز نامنظور

لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے کانگریس کی منظوری کے فوراً بعد کرپس پیشکش کے بارے میں اپنی قرارداد جاری کر دی جس میں کہا گیا تھا:

"کمیٹی اس بات پر اظہار تشکر کرتے ہوئے کہ پاکستان کے امکان کو تسلیم کیا گیا ہے اور ہندوستان میں دو یا زیادہ یونینوں کے قیام کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس بارے میں افسوس کا اظہار کرتی ہے کہ متبادل تجاویز نہیں مانی گئیں۔ بنیادی معاملات کی بابت برطانوی حکومت کے اس غیر لچکدار رویہ کے پیش نظر کہ ان معاملات میں ردوبدل کے لئے کوئی بحث نہیں ہو سکتی، کمیٹی کے لئے یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ تجاویز موجودہ صورت

میں ناقابل قبول ہیں۔ مسلمانوں کو اتنے اہم سوال کی بابت' جو ان کی آئندہ قسمت کو متاثر کرنے والا ہے' ایسے اعلان سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس موضوع پر ایک واضح اور قطعی اعلان چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے آئندہ مسئلہ کے حل کی کوئی کوشش جس میں اصل امور سے روگردانی کی گئی ہو' تباہ کن ثابت ہوگی"۔

جناح نے ایک مرتبہ پھر جدید تاریخ ہند کے سب سے اہم سیاسی سوال پر سمجھوتہ کے لئے مذاکرات کی سب سے کم شرائط پیش کر دیں۔ پاکستان کا مطالبہ کوئی "نازک" مسئلہ نہیں تھا۔

چودھواں باب ---- دہلی میں طلوع صبح (۴۳-۱۹۴۲ء)

جناح کی پوزیشن جنگ عظیم دوم کے بقیہ سالوں کے دوران خاصی مضبوط رہی۔ وہ مطالبہ کرتے رہے کہ لیگ کو گورنمنٹ کی ہر کونسل میں کانگریس کے برابر نمائندگی دی جائے اور مستقبل کے لئے سمجھوتہ کے فارمولا' میں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو تسلیم کیا جائے۔ چونکہ کانگریس نے پہلے سے زیادہ مخالفانہ اور عدم تعاون کا رویہ اپنا لیا تھا' اس لئے نہ صرف حکومت ہند بلکہ حکومت برطانیہ کو ہندوستان پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے مسلمان سپاہیوں اور مسلم لیگی لیڈروں پر پہلے سے زیادہ انحصار کرنا پڑا۔ اس طرح جناح کی عظمت لندن کے ساتھ ساتھ دہلی اور شملہ میں بھی نئی بلندیوں کو چھونے لگی۔

جناح اور انگریزوں کے درمیان ہم آہنگی

وائٹ ہال میں جناح کے سیاسی انداز و اطوار کو کبھی غلط نہیں سمجھا گیا۔ ایمرے نے ایک رپورٹ میں لنلتھگو کو لکھا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ جناح کانگریس سے کم قوم پرست نظر آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ موجودہ آئین کے تحت آنا پسند نہیں کریں گے"۔ ان دنوں کرپس ہندوستان میں آئندہ کے لئے ممکنہ اصلاحات پر کام کر رہا تھا۔ ایمرے نے مزید لکھا: "اگر وہ رضامند ہو تو میرا خیال ہے کہ آپ اسے بعض سیٹیں دے دیں تاکہ اس کے آدمی امبید کر کے برابر ہو جائیں اور ایک یا دو نئے ہندو شامل کر لیں۔ لیکن پھر بھی آپ کی موجودہ انتظامی کونسل میں اکثریت قائم رہنی چاہئے یا آپ دونوں جماعتوں میں سے سیاسی لیڈروں کو کونسل میں لینے کے خیال کو بالکل ترک کر دیں۔ میرے خیال میں مسلم لیگ پھر بھی سرکاری طور پر مخالف رہے گی تاہم عملی طور پر پاکستان کے امکان کی یقینی رعایت کے پیش نظر' جو ہم نے ممکن بنا دی ہے' پہلے سے زیادہ تعاون کرے گی"۔

سکھ میدان عمل میں

کرپس مشن کے دنوں میں پنجاب کے گورنر نے رپورٹ دی۔ "سکھ برادری وار کیبنٹ کی تجاویز کی نوعیت پر بہت زیادہ سیخ پا ہو رہی ہے"۔ سکھوں کو یہ خدشہ تھا کہ اگر پنجاب نے آل انڈیا فیڈریشن میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تو مسلم اکثریت کے اس خوشحال صوبہ کو' جس پر ماضی میں سکھوں کی حکومت رہ چکی ہے' پاکستان کی بیرونی تاریکی اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ وہ خوفزدہ ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو سکھ مسلمانوں کی غیر ہمدردانہ اور ظالمانہ

حکومت کے غلام بن کر رہ جائیں گے"۔ سکھ مسلم دشمنی کی جڑیں بڑی گہری ہیں' جو سترھویں صدی کے مغل راج تک پھیلی ہوئی ہیں۔ "صورتحال سے نمٹنے کے لئے جو کچھ ممکن ہے وہ ہم کر رہے ہیں۔" گورنر گلینسی نے وائسرائے کو یقین دلایا۔ اس موقع پر لنلتھگو نے وائٹ ہال کو ایک انتہائی اہم وارننگ دی کیونکہ جنگجو سکھ انڈین آرمی میں بلحاظ تعداد مسلمانوں کے بعد دوسرے نمبر پر تھے۔

پنڈت نہرو نے پیش گوئی کے طور پر کہا۔ "خون اور آنسو ہمارا مقدر بننے والے ہیں۔ خواہ ہم انہیں پسند کریں یا نہ کریں"۔ ان کی یہ پیش گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ کرپس کے چلے جانے کے بعد وسط اپریل میں اپنے آبائی شہر الہ آباد میں اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا۔ "ہمارا خون اور آنسو بہیں گے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہندوستان کی خشک سرزمین کو ان کی ضرورت ہے تاکہ آزادی کے عمدہ پھول دوبارہ اگ سکیں"۔

کرپس نے ۲۲ر اپریل کو لندن میں ایک پریس کانفرنس کی اور اس میں زور دیکر یہ بات کہی کہ "یہ مسئلہ اب محض سیاسی نہیں بلکہ ہندوستان کے دفاع کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے بہت سے لیڈروں نے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ سوال کیا گیا' کیا آپ نے نہرو اور جناح کو لندن آنے کی دعوت دی ہے' اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ موجودہ حالات میں' اگر دعوت دی جائے' تب بھی ان میں سے کوئی لندن نہیں آئے گا"۔

راجگوپال اچاری مطالبہ پاکستان کے حامی بن گئے

ادھر مدراس میں راجگوپال اچاری نے ڈرامائی انداز میں جنگی کوششوں میں حکومت سے اور سیاسی معاملات میں مسلم لیگ سے تعاون کی راہ اختیار کرلی۔ انہوں نے مدراس اسمبلی کے ۴۶ کانگریسی ممبران کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے دو قرار دادیں پیش کیں' جن پر اپریل کے آخر میں اتفاق رائے ہو گیا۔ پہلی قرار داد میں کہا گیا تھا۔ "چونکہ جنگ کے دوران لوگوں کے لئے غیر جانبداری یا خاموشی کے انداز میں سوچنا ناممکن ہوتا ہے اس لئے کانگریس کے لئے انتہائی اور فوری طور پر لازم ہے کہ وہ قومی انتظامیہ کی تشکیل میں ہر رکاوٹ کو دور کرے' اس لئے آل انڈیا کانگریس کو چاہئے کہ وہ مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم ہند کو قبول کرلے' اس سلسلے میں پائے جانے والے جملہ شکوک و شبہات رفع کرے اور لیگ کو ایسے سمجھوتہ کی بابت صلاح مشورہ کی دعوت دے جس کے تحت قومی حکومت تشکیل پا سکے' اور موجودہ ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کیا جا سکے"۔ دوسری قرار داد میں آل انڈیا کانگریس سے استدعا کی گئی تھی کہ مدراس کانگریس کو مسلم لیگ اور دیگر صوبائی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کی اجازت دی جائے تاکہ ایک مخلوط وزارت قائم کر کے مدراس میں جمہوری حکومت بحال کی جا سکے۔ یہ دونوں قرار دادیں بھاری اکثریت سے منظور کی گئیں۔ کانگریس کی تعاون نہ کرنے والی صفوں میں یہ پہلی دراڑ تھی جو جناح اور انگریزوں کی پالیسی کی زبردست فتح جو گاندھی اور نہرو کے لئے بہت بڑا چیلنج بن گئی۔

"ہندوستان چھوڑ دو" کی قرارداد

آل انڈیا کانگریس کا اجلاس اگلے ہفتے منعقد ہوا جس نے راجگوپال اچاری اور اس کی قرارداد کو مسترد کر

دیا۔ اچاریہ نے ۳۰ اپریل کو ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا۔ گاندھی جی ان دنوں واردھا میں تھے۔ انہوں نے اپنی پیاری شاگرد میرابہین کو ایک قرارداد کا مسودہ' جو انہوں نے خود مرتب کیا تھا' دیکر الہ آباد بھیجا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا:۔

"چونکہ سرسٹیفورڈ کرپس کی طرف سے برطانوی وار کابینہ کی پیش کردہ تجاویز سے برطانوی امپیرلزم اتنی عریاں شکل میں ظاہر ہوا ہے جتنا کہ پہلے نہیں ہوا تھا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی رائے میں برطانیہ ہندوستان کا دفاع نہیں کر سکتا۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اس کے اپنے دفاع کے لئے ہے۔ برطانیہ اور ہندوستان کے مفادات میں دائمی ٹکراؤ ہے۔ ابتک ہندوستانی فوج محض اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ ہندوستان کو غلام بنا کے رکھا جا سکے۔ اسے ملک کی عام آبادی سے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا ہے اس لئے وہ اسے کسی لحاظ سے اپنی فوج نہیں سمجھتے۔ جاپان کا ہندوستان کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔ وہ برٹش ایمپائر کے خلاف برسرپیکار ہے اس میں ہندوستان کی شراکت کو عوامی نمائندوں کی تائید وحمایت حاصل نہیں۔ یہ سراسر برطانوی کارروائی ہے۔ اگر ہندوستانی آزاد ہوتے تو ان کا پہلا قدم غالباً یہ ہوتا کہ جاپان کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں۔ اس لئے ورکنگ کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ برطانیہ ہندوسان سے نکل جائے"۔

نہرو کا استدلال یہ تھا کہ اگر کانگریس اتحادیوں کے کاز کے لئے زیادہ حمایت کنندہ بن جائے تو کرنل جانسن اور صدر روز ویلٹ ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ میں اس کی مدد کریں گے ورکنگ کمیٹی نے ایک مصالحانہ قرارداد منظور کی۔ گاندھی کا اپنا طریق کار تھا۔ اگرچہ یکم مئی کو منظور کردہ قرارداد میں انڈیا کی طرف سے نازی ازم اور فسطائیت سے نفرت کا اظہار موجود تھا۔ بہرحال گاندھی جی نے ۶ر جون کو لکھا۔

"مجھے فاشسٹ ونازی قوتوں اور اتحادیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ سب استحصال کرنیوالے ہیں۔ یہ سب اپنے مقصد کے حصول کی حد تک ظلم وتشدد کا سہارا لیتے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ بڑی عظیم قومیں ہیں۔ تاہم ان کی عظمت گونگی انسانیت' خواہ وہ افریقہ میں بستی ہو یا ایشیا میں' کی زنجیر کے آگے' بے وقعت سمجھی جائے گی۔ انہیں انسانی آزادی کے بارے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں' جب تک وہ اپنے ہاتھ ظالمانہ تسلط سے پاک نہیں کرلیتے"۔

اسی ہفتے دو امریکی صحافیوں نے واردھا میں گاندھی جی سے انٹرویو لیا اور ان سے پوچھا۔ "آزاد ہندوستان سے آپ کی کیا مراد ہے جبکہ بقول مسٹر جناح' مسلمان ہندو راج کو قبول نہیں کریں گے؟"۔ مہاتما نے جواب دیا۔ "میں انگریزوں سے یہ نہیں کہتا کہ وہ ہندوستان کو کانگریس یا ہندوؤں کے حوالے کردیں' وہ ہندوستان کو خدا کے سپرد کردیں یا جیسا کہ جدید زبان میں کہتے ہیں طوائف الملوکی کو سونپ دیں۔ اس صورت میں تمام پارٹیاں کتوں کی طرح باہم دست وگریباں ہونگی یا جب حقیقی ذمہ داری پڑے گی تو کوئی معقول سمجھوتہ کرلیں گی۔ میں توقع کرتا ہوں کہ اس بحران سے عدم تشدد جنم لے گا"۔

روزنامہ ہندو کے رپورٹر نے انہیں یاد دلایا کہ وہ اب تک یہ کہتے رہے ہیں کہ "ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں ملے گا"۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ "آپ آخر تک اس بات پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ جب تک ہندوستان کو آزادی نہ مل جائے' اتحاد نہیں ہو سکتا"۔ ۷۳ سالہ مہاتما بولے:

"وقت بے رحم دشمن ہے۔ میں نے خود اپنے آپ سے پوچھا کہ حصول اتحاد کی خلوص دل سے کی گئی ہر کوشش، جس کے کرنے والوں میں خود بھی شامل ہوں، ناکام کیوں ہو گئی اور اتنی بری طرح ناکام ہوئی کہ میرا وقار بالکل ختم ہو گیا ——— بعض مسلم اخبارات کہتے ہیں کہ میں ہندوستان میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہوں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ میں صرف اس حقیقت کو اس کا موجب گردانتا ہوں کہ تیسری طاقت چاہے وہ قصداً اس کی خواہشمند نہ ہو، حقیقی اتحاد برپا نہیں ہونے دے گی۔ اس لئے میں نے یہ مجموعی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دونوں قومیں ہندوستان سے برطانوی قوت کے قطعی خاتمہ کے بعد فوراً متحد ہو جائیں گی"۔

جناح نے اس کے جواب میں فوراً کہا۔ "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آخر کار مسٹر گاندھی نے سرعام اعلان کر دیا ہے کہ اتحاد اور ہندو مسلم سمجھوتہ صرف اس وقت معرض وجود میں آسکتا ہے جب ہندوستان آزادی حاصل کرلے اور انہوں نے وہ چولا اتار دیا ہے جو گذشتہ ۲۲ برس سے پہن رکھا تھا"۔

کانگریس کی طرف سے اعلان جنگ

آل انڈیا کانگریس کا اجلاس اگست میں پھر ہوا۔ اس موقع پر گاندھی نے اپنے پیروکاروں کو بتایا۔ "یہ بڑی نازک گھڑی ہے۔ ہمیں اپنی آزادی لڑ کر لینی ہوگی۔ یہ آسمانوں سے نہیں اترے گی۔ انگریز اس وقت ہمیں آزادی دینے پر مجبور ہو جائیں گے جب ہم کافی قربانیاں دیں گے اور اپنی طاقت ثابت کریں گے۔ ایسے وقت میں جب کہ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی لڑائی لڑنے والا ہوں، میرے دل میں انگریزوں کے خلاف کوئی نفرت نہیں۔ یہ خیال کہ چونکہ آجکل وہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، مجھے انہیں ایک دھکا دینا چاہئے۔ میرے نہاں خانہ دماغ سے قطعاً خارج ہے"۔

سردار پٹیل کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے دعویٰ سے یہ بات کہی کہ انگریزی فوج ہندوستان کو اسی طرح خالی کرنے پر آمادہ ہے، جس طرح اس نے برما خالی کیا تھا اور یہ کہ ستیہ گرہ تحریک ایک ہفتہ کے اندر فتح سے ہمکنار ہو جائے گی۔ "اگر یہ ایک ہفتہ میں ختم ہو جائے تو یہ ایک معجزہ ہوگا اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ انگریزوں کا دل پگھلنا شروع ہو گیا ہے"۔ گاندھی نے مزید کہا:

"ممکن ہے کہ دانائی انگریزوں پر کھل جائے اور وہ یہ بات سمجھ جائیں کہ ان لوگوں کو جیل میں ڈالنا غلط ہوگا جو ان کے لئے لڑنا چاہتے ہیں، ممکن ہے آخر کار مسٹر جناح کے ذہن میں تبدیلی آجائے۔ وہ یہ سوچنے لگیں کہ جو لوگ لڑ رہے ہیں وہ فرزند زمین ہیں، اور اگر وہ خاموش بیٹھے ہیں تو پاکستان ان کے کس کام کا ہوگا۔ خدا نے ہماری مدد کی ہے۔ جب میں نے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگایا تو ہندوستان کے وہ لوگ جو مایوسی کا شکار ہو گئے تھے، سوچنے لگے شاید میں نے ان کے سامنے کوئی نئی چیز رکھی ہے۔ اگر آپ حقیقی آزادی چاہتے ہیں تو آپ کو متحد ہونا پڑے گا اور اس طرح کے ملاپ سے سچی جمہوریت جنم لے گی"۔

مسلم لیگ کو اختیارات دینے کی پیشکش

وزارت جنگ نے لنلتھگو کو مکمل اختیار دے دیا کہ وہ گاندھی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کو جس وقت مناسب

سمجھیں گرفتار کر سکتے ہیں۔ لندن نے کانگریس کی تازہ ترین قرار دادوں کو حکومت کے خلاف "اعلانیہ بغاوت" قرار دیا۔ سر سکندر نے گورنر گلینسی کو اپنے اس شک سے آگاہ کیا کہ ممکن ہے گاندھی جناح کو پاکستان کی واضح پیش کش کر کے ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی کوشش کرے اور پھر حکومت کو ایک متحدہ محاذ کا سامنا کرنا پڑے۔

گاندھی جی نے ۸ر اگست کو اپنے اخبار میں لکھا:-

"بشرطیکہ مسلم لیگ کانگریس کے فوری مطالبہ آزادی سے پوری طرح کسی ہلکے سے ذہنی تحفظ کے بغیر' تعاون کرے 'کانگریس انگریزی حکومت پر قطعاً اعتراض نہیں کرے گی اگر وہ جملہ اختیارات جو اس وقت اسے حاصل ہیں' پورے ہندوستان کی طرف سے مسلم لیگ کو منتقل کر دے۔ کانگریس مسلم لیگ کی حکومت کی راہ میں' جو وہ عوام کی حمایت سے بنائے گی۔ کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی بلکہ آزاد ریاست کی مشینری چلانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائے گی۔ یہ پیشکش پوری سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ کی جا رہی ہے"۔

اگر جناح مہاتما گاندھی کی بات پر یقین رکھتے یا اعتبار کرتے ہوتے تو ایسی پیشکش انہیں ورغلا سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے صرف چند دن پہلے پریس کو بتایا تھا کہ آزاد ہندوستان کے بارے میں مسٹر گاندھی کا تصور ہمارے تصور سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ مسٹر گاندھی آزادی سے ہندو راج مراد لیتے ہیں۔ میں مسٹر گاندھی سے کہتا ہوں کہ وہ یہ تاثر دے کر مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کا کھیل ترک کر دیں کہ ہم اپنی منزل --- پاکستان --- کے حصول کے لئے انگریزوں پر انحصار کرتے ہیں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں"۔

۸ر اگست کو ہندوستان کی وسیع حکومتی مشینری پوری طرح تیار تھی۔ پونا میں واقع آغا خاں کا محل گاندھی جی' ان کے خاندان کے چند منتخب افراد اور سروجنی نائیڈو نیز ایڈمرل سلیڈ کی بیٹی میرا بہن سمیت بعض پیروکاروں کے لئے سب سے زیادہ محفوظ' آرام دہ اور موزوں "قید خانہ" سمجھ کر چن لیا گیا تھا۔ ورکنگ کمیٹی کے بقایا ممبران کو احمد نگر کے قلعہ میں قید کرنا تھا۔

۸ر اگست کی شام کو "ہندوستان خالی کر دو" ریزولیوشن کی منظوری کے بعد گاندھی نے اپنے کانگریسی ساتھیوں کو نصیحت کی۔

"آپ میں سے ہر ایک کو اس لمحہ کے بعد خود کو آزاد مرد یا آزاد خاتون سمجھنا چاہئے اور اس طرح کام کرنا چاہئے گویا آپ آزاد ہیں اور اس امپیریلزم کے پنجے تلے نہیں رہے' مجھے ایک منتر یاد آرہا ہے جو بڑا مختصر ہے' آپ چاہیں تو اسے اپنے دلوں پر نقش کر لیں اور ہر سانس کے ساتھ اس کا اظہار کریں' منتر یہ ہے۔ "کر دیا' مر جاؤ"۔ ہم یا تو ہندوستان کو آزاد کرائیں گے یا اس کوشش میں اپنی جان دے دیں گے"۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی گرفتار

لنلتھگو کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اس نے مزید انتظار کئے بغیر پوری ورکنگ کمیٹی کو صبح سویرے حراست میں لے لیا۔ ملک کے نام گاندھی جی کا آخری پیغام صبح ۵ بجے ان کی گرفتاری سے چند منٹ پہلے لکھا گیا۔

" ہر ایک کو آزادی ہے کہ وہ اہنسا کے تحت جہاں تک جا سکتا ہو جائے' ہڑتالوں اور تشدد سے پاک دیگر

ذرائع کے بل پر مکمل بحران پیدا کر دیجئے۔ ستیہ گرہ والوں کو مرنے کے لئے باہر آنا چاہئے۔ زندہ رہنے کے لئے نہیں۔ انہیں موت کی آرزو اور اس کا سامنا کرنا چاہئے۔ افراد جان دینے کے لئے باہر نکلیں' فقط اس صورت میں قوم زندہ رہے گی۔ کریں گے یا مریں گے"۔

کانگریس کی نئی مہم کی بابت اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے ایک بیان میں کہا۔ "میں پوری شدت سے اظہار افسوس کرتا ہوں کہ کانگریس نے آخر کار اعلان جنگ کر دیا ہے اور کئی افراد' پارٹیوں اور تنظیموں کی طرف سے متعدد تنبیہات کے باوجود انتہائی خطرناک عوامی تحریک شروع کر دی ہے"۔ گاندھی کے برعکس انہیں جنگ کے جلد ختم ہونے کی کوئی امید نہیں تھی' نہ ہی ان کا یہ خیال تھا کہ انگریزوں کو شکست ہو جائے گی۔ مزید برآں انہیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ ستیہ گرہ تشدد سے خالی رہ سکے گی۔ انہوں نے اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۱۶ ار اگست کو بمبئی میں طلب کیا تاکہ لیگ کی سٹرٹیجی کی منصوبہ بندی کی جا سکے کمیٹی کا اجلاس چار دن تک ان کے گھر میں منعقد ہوا اور ایک باضابطہ منظور کردہ قرارداد میں کانگریس کے اس فیصلہ پر افسوس ظاہر کیا گیا کہ اس نے ہندوستان میں ہندوؤں کا غلبہ قائم کرنے کے لئے اعلانیہ بغاوت کا آغاز کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ لاقانونیت اور جان و مال کی بے پناہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ لیگ "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک کو ایک ایسی کوشش سے تعبیر کرتی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو کانگریس کی شرائط اور ہدایات کے آگے سر جھکانے اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنا ہے۔

ملک ہنگاموں کی لپیٹ میں

گاندھی کی گرفتاری کے چند دن بعد بمبئی سے تشدد کی لہر اٹھی اور جلد ہی یوپی' دہلی اور بہار تک پھیل گئی۔ حکومت نے طلوع صبح سے پہلے جس برق رفتاری اور رازداری کے ساتھ کام دکھایا تھا' ابتدا' میں ہر جگہ اس کا بے حس کر دینے والا اثر ہوا۔ پریس کو ہنگاموں یا ہڑتالوں کی کوئی خبر شائع کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہرحال لنلتھگو نے ۱۲ اگست کو ایمرے کو لکھا۔ "دہلی میں خاصی گڑبڑ ہوئی ہے' جانی نقصان بھی بہت ہوا ہے اور املاک بھی تلف کی گئی ہیں۔ تاہم میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ ہڑتال پر ہلکا ہاتھ رکھنے کی وجہ سے ہوا۔ چیف کمشنر کو پورا یقین ہے کہ وہ صورتحال سے نمٹ لے گا"۔

لیکن وسط اگست تک بمبئی میں ۳۰ سے زائد افراد مارے گئے وہاں پولیس نے بطور سزا کوڑے مارنے کا سلسلہ از سر نو شروع کر دیا تھا۔ مشرقی ہندوستان میں پٹنہ کے ارد گرد تمام ریلوے لائنیں اکھاڑ دی گئیں۔ انگریزوں نے تیزی سے متاثرہ علاقوں میں ریگولر فوجی دستے بھیجے۔ لنلتھگو نے انہیں اجازت دے دی تھی کہ تخریب کاروں پر مشین گنوں سے فائرنگ کی جائے۔ بہار میں فوجی دستوں نے جو مظالم ڈھائے ان کی رپورٹ کسی اخبار میں شائع نہیں ہو سکی۔

انگریز ناظروں کو سخت ہدایات تھیں کہ وہ فوج کی نقل و حرکت اور آپریشنز کو انتہائی پوشیدہ رکھیں۔ وائسرائے نے ایک رپورٹ میں لکھا۔ "میں صورتحال سے مضطرب نہیں ہوں' بہت سے ہراساں کرنیوالے واقعات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ریلوے ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کی ترسیل مداخلت کی کوششوں میں

اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ صورتحال مزید سنگین ہو سکتی ہے اور ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اس سے موثر طور پر نمٹنا واقعی بہت مشکل ہے"۔

گاندھی کی گرفتاری کے ایک ہفتہ بعد لنلتھگو نے نوٹ لکھا کہ برطانوی کارروائی نے بمبئی کی صورتحال کو مشتعل کر دیا ہے۔ وہ اس بات سے مطمئن تھا کہ دہلی میں حالات نسبتاً پر سکون ہیں' کیونکہ کسی ملک کے مرکزی شہر میں سنگین اور طویل ہنگامہ آرائی ایک اچھا شگون نہیں ہوتا۔ "بعد میں وزیر اطلاعات و نشریات رام سرسی آئیار نے وائسرائے کو مطلع کیا کہ مسلم لیگ ڈر گئی ہے اور گاندھی کے ساتھ مذاکرات کی خواہش مند ہے جناح کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ حکومت کو پیش قدمی کر کے ان کی تدبیر کو ناکام بنا دینا چاہئے۔ میں ایک قدم اور بڑھا کر یہ کہنے کی جسارت کرونگا جیسا کہ ایک گورنر نے کہا ہے' کسی تسلیم کو کچلنا غلط طریقے کی پیروی کرنا ہے"۔ اس سے قبل آئیار نے وائسرائے سے عرض کی تھی کہ اسے گاندھی کے ساتھ سمجھوتہ کے لئے مذاکرات کی اجازت دی جائے۔ لنلتھگو نے اسے گاندھی سے ملاقات کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا' پھر اسے قائل کرنے کی فضول کوشش کی کہ وہ وزارت کی بگھی میں جتا رہے۔ آئیار جو کہ ماضی میں ریاست ٹراونکور کا دیوان (وزیر اعظم) رہ چکا تھا واپس اپنے مالا باری محل کو لوٹ گیا جس کے بارے میں اسے توقع تھی کہ وہ برطانیہ کی سب سے برتر طاقت کے زیر سایہ محفوظ رہے گا۔

جناح کی پوزیشن مضبوط ہو گئی

لنلتھگو نے ایمرے کو اطلاع دی کہ "جناح نے واقعات کے نئے موڑ سے ہمارے اور کانگریس کے خلاف اپنی شرائط بڑھانے کے لئے فائدہ اٹھایا ہے (اگرچہ ان سے زیادہ فرق نہیں پڑتا) یہ جناح کے پوکر گیم (تاش کا کھیل) میں ایک نیا اور انتہائی انوکھا قدم ہے۔ کیونکہ مجھے یہ بات ناقابل فہم لگتی ہے کہ گاندھی پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لے گا خواہ کوئی بھی اس کی پشت پناہی کرے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب تک جنگ جاری رہتی ہے کانگریس یا لیگ دونوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا"۔

مسلم لیگ کو مالی امداد دینے والے

سابق وائسرائے لارڈ ارون (حال برطانوی سفیر برائے امریکہ) نے اگست کے آخر میں واشنگٹن سے وزیر خارجہ انتھنی ایڈن کے نام ایک انتہائی خفیہ پیغام براہ راست بھیجا جس میں اسے مطلع کیا گیا تھا کہ نئی دہلی سے امریکہ کے قونصل جنرل' جارج آر میرل نے وزارت خارجہ کو حال ہی میں خبر دی ہے کہ مسلم لیگ اپنے لئے "مالی امداد" زیادہ تر ہندو اور مسلمان والیان ریاست' مسلمان جاگیرداروں اور انگریز تاجروں (خصوصاً کلکتہ والوں) سے وصول کرتی ہے۔ "اس رپورٹ میں وضاحت کی گئی کہ والیان ریاست اور انگریز تاجر برادری مسلم لیگ کی انہی مقاصد کے لئے مدد کرتی ہے' جس کے لئے حکومت اس کا ساتھ دیتی ہے یعنی ہندوستان کے نمائندوں کو حصول اقتدار سے باز رکھنا' ہندوستان کے مسئلہ کے واضح حل سے اجتناب کرنا' اور موجودہ بحران کو طول...

ایک ثانوی سبب جس کی بنا پر مسلمان جاگیردار مسلم لیگ کی مدد کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں' یہ ہے کہ وہ کانگریس کے اس پروگرام سے خائف ہیں کہ تمام قدرتی وسائل کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا"۔

اواخر اگست میں لنلتھگو نے بذریعہ تار چرچل کو امریکی مداخلت سے آگاہ کیا۔ وائسرائے نے ملک میں پائی جانے والی بے چینی کو ۱۸۵۷ء کے بعد انتہائی سنگین بغاوت قرار دیا۔ جس کی سنگینی اور وسعت کو ہم نے فوجی سیکورٹی کے نقطہ نظر سے دنیا سے پوشیدہ رکھا ہے۔ ہجوم پر تشدد کی وارداتیں دیہاتی علاقوں میں عام ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ شاید ستمبر میں بھی ہمیں ہماری جنگی کوشش کو سبوتاژ کرنے والی شدید کارروائی سے سابقہ پڑے گا۔ دور دراز کے مقامات پر رہنے والے یورپینوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ اگر ہم اناڑی پن سے اس کام کو خراب کردیں تو ہندوستان کو جو کہ مستقبل میں مشترکہ آپریشنز کی بیس بننے والا ہے اور چین کو امریکی امداد کے لئے شاہراہ کا کام دے گا' ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔ یہ ایسے حالات ہیں جن میں مجھے وینڈل وکی اور شروڈ اڈی کی طرف سے معائنہ کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ آخرالذکر نے دھمکی دی ہے کہ وہ ہندوستان اس امید میں آنا چاہتا ہے تاکہ مداخلت کر کے ہماری مدد کر سکے۔ امریکی مشائین' جن کا حلقہ وسیع ہو رہا ہے' کے بارے میں میرا تجربہ یہ ہے کہ ہمیں ہمارا کاروبار سکھانے میں ان کا جوش و خروش ہمیں درپیش مسائل کی بہت سی بالکل ابتدائی باتوں کے شعور میں نسبت معکوس رکھتا ہے"۔

ایمرے نے یکم ستمبر کو لنلتھگو کو لکھا:

"آج صبح کابینہ میں امریکی تخریب کاروں کے مسئلہ پر بحث کے دوران آپ کے ساتھ خاصی ہمدردی ظاہر کی گئی اور اس واضح یقین کا اظہار کیا گیا کہ آپ صاف صاف انکار کردیں کہ کسی کو نہیں چھوڑا جائے گا اور قیدیوں پر کڑی نظر رکھیں گے۔ اس کے برعکس ایڈن اور بعض دوسروں کا خیال تھا کہ یہ اقدام آپ کو اس امر کی مہلت فراہم کرے گا کہ آپ بہتر قسم کے امریکیوں سے بات چیت کر سکیں اور ہمارے معاملہ کو سلجھا سکیں۔ وکی کو خوب اچھی طرح رکھا جا رہا ہے اور ونسٹن اس کے لئے بہترین شراب کا اہتمام کرتے ہیں' قبل ازیں کابینہ کے اسی اجلاس میں چرچل نے موجودہ الجھن کے بارے میں کہا تھا کہ اس پر قطعی طور پر قابو پا لیا گیا ہے' جیسا کہ حقیقت سے ظاہر ہے' جس پر انہوں نے ہمیشہ اصرار کیا ہے اور کانگریس ماسوائے وکیلوں' ساہوکاروں اور برہمنوں کے کسی اور کی نمائندگی نہیں کرتی"۔

ہلاکت خونریزی کا طوفان

۵ر ستمبر کو ہندوستان کے محکمہ داخلہ نے ایک رپورٹ میں بتایا کہ ۱۱ اگست سے ابتک پولیس فائرنگ کے نتیجہ میں بہار کو چھوڑ کر' کم از کم ۳۴۰ ہندوستانی ہلاک اور ۶۳۰ زخمی ہو چکے ہیں۔ جبکہ صحیح تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی' پولیس کے ۲۸ اہلکار مارے گئے۔ فوجی دستے کم و بیش ساٹھ مقامات پر طلب کئے گئے۔ ان میں سے زیادہ تر مقامات پر اب بھی تعینات ہیں۔ اہل ہند کے خلاف دوسری جنگ عظیم کے دوران قریباً ۵۷ بٹالین فوج' جو تعداد میں ریگولر برٹش آرمی کے سپاہیوں کے برابر ہوگی' اس خونریز اور المناک تصادم کے دوران استعمال کی گئی۔ بہار میں ہلاک شدگان اور زخمیوں کی تعداد صحیح طور سے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ انگریزی طیاروں نے

سول آبادی پر بار ہا مشین گنوں سے فائرنگ کی تھی۔
جناح نے ۱۳ ستمبر کو اپنی رہائش گاہ پر غیر ملکی اخباری رپورٹروں کو بتایا۔ "مجھے ہمیشہ یہ خدشہ رہا کہ برطانوی حکومت اور کانگریس کے مابین ذلت آمیز سمجھوتہ نہ ہو جائے"۔ سوال کیا گیا آیا ان کی پارٹی نے پاکستان کا جو مطالبہ کیا ہے' اس میں کچھ ردوبدل ہو سکتا ہے؟ جناح نے جواب دیا۔ "اگر پورے سولہ آنے (ایک روپیہ) مانگنا شروع کریں تو اس میں سودا بازی کی گنجائش ہوتی ہے۔ مسلم لیگ نے ایسا کوئی مطالبہ ہرگز نہیں کیا جسے کوئی معقول آدمی غیر معقول قرار دے سکے۔ مسلم لیگ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی آزادی چاہتی ہے۔ ہندو انڈیا نے ملک کا تین چوتھائی اپنی جیب میں ڈال لیا ہے۔ اور یہ ہندو انڈیا ہے جو بقیہ ایک چوتھائی کو بھی ہڑپ کرنے کے لئے سودا بازی کرنا چاہتا ہے"۔

برطانیہ پر امریکی دباؤ

امریکی عوام کی طرف سے برطانیہ پر دباؤ بڑھ رہا تھا کہ وہ ہندوستان کے لئے کچھ کرے' جنگ کے وسیع ہونے سے امریکی ہتھیاروں' افراد اور سرمایہ نے اتحادی افواج کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کیا' یہاں تک کہ مغربی یورپ چین اور جنوب مشرقی ایشیا کو واپس لینے میں بھی اس نے زبردست مدد دی۔ ہالی فیکس نے ایڈن کو خبردار کیا۔ "ہاری ہوپ کنز نے گذشتہ رات اس ٹھوس دباؤ کے بارے میں مجھ سے بات کی جو صدر امریکہ پر ڈالا جا رہا ہے۔ کابینہ کو اس کا احساس کرنا چاہئے کہ ان خطوط پر رائے عامہ کتنی مضبوطی سے حرکت کر رہی ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے کہ اس کی تردید کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہئے' ورنہ مجھے ڈر ہے کہ امریکی پریس' جس نے ہندوستان کے حالیہ بحران میں ہمارا مکمل کر ساتھ دیا ہے' تیزی سے اور شاید مکمل طور پر اپنا رویہ بدل لے گا جو اینگلو۔ امریکن تعلقات کے لئے بہت زیادہ ضرر رساں ہو گا"۔
دریں اثناء ستمبر کی ایک شام کو ایک گارڈن پارٹی میں چرچل نے ایمرے سے پوچھا "حکومت ہندوستان میں کونسی بات ہے جس پر ہم شرمندہ ہوں؟ ہم معذرت خواہ کیوں ہوں یا یہ کیوں کہیں کہ ہم بعض ہندوؤں کے کہنے پر کچھ کرنے کو تیار ہیں؟ گذشتہ ۸۰ برس سے ہم نے ہندوستان کو امن و آشتی اور خوشحالی دے رکھی ہے جو اس ملک کو جیسا کہ اس کی تاریخ بتاتی ہے' پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ ہم نے سارے طبقات کا خیال رکھا ہے اور تمام گروہوں کے مفادات کی حفاظت کی ہے۔ میں وہاں سے دم دبا کر بھاگنے کی پالیسی میں فریق نہیں بنوں گا۔

برطانیہ ہندوستان کا مقروض

چرچل اور اس کی کابینہ اس روز افزوں قرضہ کے بارے میں بہت مضطرب تھے جو برطانیہ نے دوران جنگ پیداوار اور تمام محاذوں پر تیزی سے ہندوستانی سامان کی برآمد کے لئے ہندوستان سے لیا تھا۔ اس جنگ کے آغاز تک ہندوستان ریلوے' ٹیلیگراف' تعمیرات عامہ کی دوسری اسکیموں کے لئے ہمیشہ برطانیہ کا مقروض رہا جس پر کروڑوں روپے لاگت آئی تھی۔ پانچ لاکھ ہندوستانی افواج کے بیرون ملک مصروف جنگ ہونے اور ہندوستانی

صنعتوں کے جنگ کے لئے ہر قسم کی پیداوار دینے کے باعث توازن الٹا ہو گیا۔ برطانیہ عظمیٰ نے خود کو اپنی ہی ایک نو آبادی (ہندوستان) کا قریباً ۴۰۰ ملین ڈالر کا مقروض پایا۔ چرچل کا اصرار تھا کہ قرضہ اتارنے کے لئے کچھ نہ کچھ فوری طور پر کرنا چاہئے۔ اس کی دلیل یہ تھی' جیسا کہ آرتھر بالفور کہا کرتا تھا۔ "یہ انوکھے طریقہ کی بری سازش کرنے والی دنیا ہے۔ تاہم اس طرح کی بری سازش کرنے والی نہیں"۔ ایمرے اور لنلتھگو اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ معاملہ کو یونہی دبا رہنے دو' وہ یہ جانتے تھے کہ اس مرحلہ پر جبکہ توازن ہندوستان کے حق میں ہے' برطانیہ نے انڈو' برٹش ادائیگیوں کے فارمولا کو بدلنے کی کوئی کوشش کی تو تجارتی اور صنعتی حلقوں میں احتجاج کا شدید طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔

راج گوپال اچاری کا نیا منصوبہ

اکتوبر (۴۲ء) میں راج گوپال اچاری نے ہندوستان کے بحران کو حل کرنے کے لئے اپنا منصوبہ پیش کیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ وائسرائے کو اسی طرح کا قدم اٹھانا چاہئے جیسا کہ برطانیہ میں بحران کی وقوع پذیر ہونے کی صورت میں شاہ برطانیہ کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے۔ انہیں ہندوستان کے مقبول ترین اور معقول ترین رہنماؤں کا انتخاب کرنا چاہئے جو قومی حکومت چلانے میں ان کی مدد کریں۔ پہلے کانگریس سے پانچ اہم افراد (خواہ ان سے بعض جیل میں ہوں) چنے جائیں' پھر جناح کو چاہے اپنی مرضی سے نامزد کریں۔ کمتر اقلیتوں کی نمائندگی کے لئے تین دیگر افراد بھی کابینہ میں شامل کئے جائیں۔ اچاری کو یقین تھا کہ کانگریس یا لیگ ان کے منصوبہ کو اپنی قیادت سے محروم ہوئے بغیر' مسترد نہیں کر سکے گی۔ بہر حال جناح نے فوری طور پر اسے دوسری ہوائی اسکیموں کی طرح کی ایک اسکیم قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

جناح نے مسلم لیگ کونسل سے ۹ر نومبر کو دہلی میں خطاب کرتے ہوئے خبردار کیا کہ وہ اس پروپیگنڈہ سے ہوشیار رہیں' جو مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ کبھی انہیں ہندوستان میں برٹش امپیریلزم کا اتحادی قرار دیا جاتا ہے اور کبھی آزادی و حریت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے کہا جاتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل امریکہ میں اس قسم کی مہم بڑے زوروں پر ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایسے لوگوں کے بارے میں جو ملکی حالات کی لہر کی صحیح طور پر پیروی کر رہے ہیں' ایسا الزام نہ صرف توہین آمیز ہے بلکہ خلاف واقعہ بھی۔ آج کل پروپیگنڈہ کے ایسے مکروہ طریقے نکل آئے ہیں کہ اچھے بھلے سمجھدار آدمیوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ وہ تمام خطرات و مشکلات سے آگاہ تھے۔ ہر قسم کے دباؤ کو محسوس کر رہے تھے اور وقت کے گزرنے کا پوری طرح شعور رکھتے تھے۔ سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا "وقت ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے"۔ جناح اور راج گوپال اچاریہ کی ملاقات کے دو دن بعد لنلتھگو نے' جس کی بطور وائسرائے مدت تقرری اپریل ۴۳ء میں ختم ہو رہی تھی' ایک رپورٹ میں لندن کو مطلع کیا کہ جناح نے کوئی بات نہیں مانی بلکہ اچاریہ کو اس ملاقات نے سخت مایوس کیا ہے۔

کرپس کا استعفیٰ

کرپس نے اپنے مشن کی ناکامی کو بری طرح محسوس کیا۔ اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ چرچل کی وار کابینہ میں

سے نوجوان وزیراعظم اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ اور قائداعظم کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ حقیقت میں خضر کابینہ کے صرف ایک رکن شوکت حیات نے قائداعظم کے اس مطالبہ پر کان دھرا کہ کابینہ یونی نسٹ کی بجائے مسلم لیگ وزارت کہلانے کا اعلان کرے۔ اس پر خضر حیات نے گورنر گلانسی سے کہہ کر کسی "بدعنوانی" کی بنا پر شوکت حیات کو بڑی آسانی سے برطرف کرا دیا' گورنر کے اس اقدام سے یونی نسٹ پارٹی کو تقویت ملی۔ مسلم لیگ کی ایکشن کمیٹی نے مئی کے آخر میں خضر حیات کو لیگ سے نکالنے کی قرار داد منظور کر لی۔ چنانچہ جنگ کے باقی عرصہ کے دوران پنجاب کو لیگ کے صوبائی انتظامی اثاثہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ جناح۔ سکندر پیکٹ اپنی موت آپ مرگیا۔ گلانسی اور ویول پنجاب میں لیگ نیشنل گارڈز کی سرگرمیوں سے خاصے پریشان تھے اور وائسرائے نے لکھا کہ "ہمیں فرقہ وارانہ کشیدگی کو روکنے کے لئے جناح کے ساتھ انتہائی سخت رویہ اپنانا ہو گا"۔ جون میں خضرت حیات نے خبردار کیا کہ جناح یونی نسٹ حکومت کے خلاف مذہبی خطوط پر احتجاج کی غرض سے یوپی سے بہت سے مولویوں کو پنجاب بھیج رہے ہیں۔ خضر نے وائسرائے سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو باہر نکلوایا جائے نیز جناح اور مسلم لیگ کے نمایاں لیڈروں کو بھی پنجاب سے دور رکھا جائے۔ ویول خضر کو بہت پسند کرتا تھا تاہم یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کوئی مضبوط کردار نہیں۔ اسے یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ پنجاب کے ان بڑے جاگیرداروں پر جناح جیسا دور افتادہ مقام کا وکیل بالادستی حاصل کر لے۔ جناح کے متعلق اس مضحکہ خیز تشخیص سے صاف پتہ چل گیا کہ وائسرائے میں قائداعظم کی فطرت یا ان کی صحیح طاقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔

سی۔ آر فارمولا

یوپی کے گورنر سر مورس ہالیٹ نے جو گاندھی کو بندروں کی کھیپ کے برابر ہوشیار سمجھتا تھا۔ ویول کو خبردار کیا کہ وہ گاندھی سے ملاقات نہ کرے۔ وائسرائے کو گاندھی یا جناح سے ملاقات کرنے کی جلدی نہیں تھی۔ اسے محکمہ سول سپلائی کے سیکرٹری سر اکبر حیدری کی اس رائے کے درست ہونے میں شک تھا کہ "جب تک یہ دونوں برسرزمین ہیں کوئی پیشرفت ممکن نہیں" اگرچہ تار کے ذریعے اتنے سخت ریمارکس لندن بھیجے جا رہے تھے' تاہم گاندھی۔ جناح مذاکرات کے نئے دور کا اہتمام بھی ہو رہا تھا اسی دوران راجگوپال اچاری کا ایک سیاسی فارمولا منظر عام پر آیا' جس کے بارے میں اس نے اصرار کے ساتھ کہا کہ گاندھی جی اسے قبول کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ جناح بھی اس سے متفق ہوں۔ اس فارمولا میں تجویز کیا گیا تھا کہ "شمالی مغرب اور مشرق کے مسلم اکثریت پر مشتمل اضلاع میں ہندوستان سے علیحدگی کے سوال پر رائے شماری کرا لی جائے۔ اگر اکثریت نے ہندوستان سے الگ خود مختار ریاست کے حق میں فیصلہ دے دیا تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اس سے سرحد پر واقع اضلاع کا یہ حق متاثر نہیں ہو گا کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک ریاست میں شامل ہو جائیں" "پاکستان" کی طرح یہ فارمولا مہاتما کے نئے موقف پر خاصے غور وفکر کی دعوت دیتا تھا۔

گاندھی جناح مذاکرات

جناح اجاریہ کی اس یقین دہانی کو ماننے پر تیار نہیں تھے کہ اس فارمولا کو گاندھی جی کی منظوری

حاصل ہے۔ وہ اس بارے میں اپنے پرانے حریف سے براہ راست تحریری یقین دہانی چاہتے تھے۔ آخر کار ۱۷ر جولائی ۴۴ء کو مہاتما نے قائداعظم کے نام مراسلہ (اصل خط گجراتی میں تھا) میں لکھا :-

برادرم جناح !

ایک زمانہ وہ تھا جب میں آپ کو ترغیب دیتا تھا کہ اپنی مادری زبان میں بات چیت کریں۔ آج میں خود یہ جرات کر رہا ہوں کہ آپ کو اسی زبان میں خط لکھوں۔ میں نے جیل سے آپ کو ملاقات کی دعوت دی تھی۔ میں اپنی رہائی سے اب تک آپ کو خط نہیں لکھ سکا لیکن آج میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں آپ کو خط لکھوں۔ آپ جہاں پسند کریں ہماری ملاقات ہو سکتی ہے۔ مجھے اسلام یا اس ملک کے مسلمانوں کا دشمن نہ سمجھیں۔ میں نہ صرف آپ کا بلکہ پوری دنیا کا دوست اور خادم ہوں۔ براہ کرم مجھے مایوس نہ کیجئے۔

آپ کا مخلص

گاندھی

جناح نے سری نگر سے روانگی کے موقع پر جواب میں گاندھی جی کو مطلع کیا "میری بمبئی واپسی پر جو غالباً اگست کے وسط میں ہوگی' آپ میرے مکان پر تشریف لائیں تو میں بخوشی آپ کا خیر مقدم کرونگا۔" وار کابینہ کو گاندھی کے حالیہ اقدامات سے آگاہ کرنے کے لئے ایمرے نے ایک یادداشت ان میں تقسیم کی۔ چرچل اس بات پر آپے سے باہر ہو رہا تھا کہ گاندھی بڑی تیزی سے صحت یاب ہو رہے ہیں اور اس نحیف ونزار بوڑھے کے ساتھ شاید ایک اور وائسرائے کو مذاکرات کرنے پڑیں گے۔ ہندو مہاسبھا کا لیڈر اور گاندھی کے ہونیوالے قاتل کا گرو ویر ساور کر بھی گاندھی کے تازہ اقدام سے بیحد پریشان تھا۔ اس نے بذریعہ تار ایمرے کو خبردار کیا "ہندو مہاسبھائی اپنے آبائی اور مقدس وطن کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے"۔

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۳۰ر جولائی ۴۴ء کو لاہور میں ہوا جس میں قائداعظم کی زیر صدارت راجگوپال اچاریہ کے پیش کردہ فارمولا سمیت ملک کی تازہ ترین سیاسی صورتحال نیز گاندھی کے ساتھ مجوزہ ملاقات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا گیا۔ وہ اس بات کے لئے تیار تھے کہ اپنے پرانے حریف کے ساتھ ملاقات میں نہ اسے کوئی رعایت دیں گے نہ قبول کریں گے۔ لیگ کونسل نے ان کی رائے کی متفقہ حمایت کی قائداعظم نے مختصر سے اجلاس کے اختتام پر پیش گوئی کی کہ "انشاء اللہ پاکستان جلد آرہا ہے"۔

گاندھی۔ جناح مذاکرات کا آغاز ۹ر ستمبر کو ہوا۔ گاندھی جی مالا بار ہل پر قائداعظم کے بنگلہ میں پہنچے تو ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ دونوں رہنما سرجوڑ کر بیٹھے اور ساڑھے تین گھنٹے تک نجی اور خفیہ بات چیت کی۔ ایک محتاط وکیل کی حیثیت سے جناح نے اس خفیہ بات چیت کا مکمل ریکارڈ رکھا۔ گاندھی نے پہلے روز کی بات چیت کے بارے میں سی آر کو بتایا کہ "میرے صبر کے امتحان کے علاوہ کچھ نہیں ہوا۔ اپنے تحمل پر خود مجھے حیرت ہے۔ بہر حال وہ خوشگوار بات چیت تھی"۔ اس کے بعد انہوں نے سی۔ آر۔ کو ان کے پیش کردہ فارمولا کی بابت جناح کے حقارت آمیز رویہ اور خود سی آر کے بارے میں توہین پر مبنی خیالات سے آگاہ کیا' جسے گاندھی نے "چکرا دینے" سے تعبیر کیا۔ جناح کا کہنا

ہے کہ "آپ نے ان کا مطالبہ قبول کر لیا ہے اسی طرح میں بھی مان لوں" میں نے کہا۔ "میں راجہ جی کے فارمولا' کی توثیق کرتا ہوں اور آپ چاہیں تو اسے پاکستان کا نام دے سکتے ہیں۔ اس پر وہ قرار داد لاہور کے بارے میں باتیں کرنے لگے"۔ گاندھی نے یہ بھی بتایا کہ "جناح نے مجھ سے کہا ہے۔ اگر میں نے پاکستان مان لیا تو مجھے جیل جانے یا گولیاں کھانے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ وہ فوری پاکستان چاہتے ہیں۔ آزادی کے بعد نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم آزادی پاکستان اور ہندوستان کے لئے حاصل کریں گے۔ پہلے آپس میں سمجھوتہ کر لیں پھر حکومت سے کہیں کہ وہ اسے قبول کر لے بلکہ اپنا حل منوانے کے لئے اسے مجبور کریں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ـــــ لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے اور وہ علیحدگی کی خواہاں ہے"۔

ان کے مابین دوسری ملاقات بھی پہلی کی طرح نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ گاندھی نے سی۔ آر کو مطلع کیا کہ جناح نے ان کے سامنے حکومت پاکستان کی بڑی دلکش تصویر پیش کی۔ ان کے خیال میں وہ ایک مکمل جمہوری حکومت ہوگی۔ "گاندھی نے قائداعظم کو فوراً یاد دلایا وہ اکثر کہتے رہے ہیں کہ "جمہوریت ہندوستان کو راس نہیں"۔ لیکن جناح کا اصرار تھا کہ میری وہ رائے مسلط کردہ جمہوریت کے بارے میں تھی۔ اخباری نمائندے گاندھی اور جناح کا انتظار کر رہے تھے صبح کے سیشن کے بعد جونہی دونوں باہر نکلے' رپورٹروں نے پوچھا۔ "ہمارے لئے کوئی خبر ہے؟" گاندھی نے جواب دیا' "میرے پاس کچھ نہیں۔ کل آپ لوگوں نے ہمارے چہروں کے بعض تاثرات پڑھ لئے تھے۔ میں چاہتا ہوں آپ ہمارے چہروں سے امید کے علاوہ کچھ اور اخذ نہ کریں"۔ پھر وہ جناح کی طرف پلٹے۔ "کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ کیا آپ نے آج صبح اخبارات دیکھے ہیں؟" جناح کا جواب تھا۔ "آپ کیوں فکر کرتے ہیں"۔

جناح نے مذاکرات کے بے نتیجہ ہونے کا احساس کر لیا تھا۔ وہ مہاتما کے کھیل کو خوب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ ۱۳ ستمبر کو روکھے پن کے ساتھ انہوں نے گاندھی کو لکھا۔

"ڈیئر مسٹر گاندھی!

جب آپ ۱۲ ستمبر کو مذاکرات دوبارہ شروع کرنے کے لئے یہاں آئے تو آپ نے بہت اچھا کیا مجھے یہ بتلا دیا کہ آپ کے پاس میرے ۱۱ ستمبر والے خط پر توجہ دینے کے لئے وقت نہیں۔ ہم آج آپ کی طرف سے کسی جواب کی وصولی کے بغیر دوبارہ ملے۔ میں اب بھی جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس لئے براہ کرم جتنی جلدی ممکن ہو' مجھے ان نکات کے بارے میں جن کا میں نے اپنے مذکورہ بالا خط میں ذکر کیا ہے' اپنے جواب سے مطلع فرمائیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح"

گاندھی نے ۱۴ ر ستمبر کو جواب دیا۔ اپنے اس خط میں انہوں نے پہلی بار لفظ پاکستان واویں کی علامت کے بغیر لکھا۔ شاید اس کا مفہوم دھچکا لگانے یا تمسخر اڑانے کے سوا کچھ اور تھا۔ ممکن ہے اس سے جناح کی حوصلہ افزائی ہوئی ہو کہ وہ مہاتما کے ذہن پر مثبت اثر ڈال رہے ہیں۔ بہرحال جناح نے

اسی روز فوری طور پر بعد دوپہر ایک طویل بلکہ پرتپاک مراسلہ لکھا۔ جس میں کہا گیا تھا۔

"میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ دیسی عبوری حکومت تمام پارٹیوں کی نمائندگی کرے گی۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ جب وہ لمحہ آئے گا تو بعض واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ تاہم زیر بحث فارمولا پر تسلی بخش طریقے سے گفتگو کرنے سے پہلے میں یہ بات دہرانا چاہتا ہوں چونکہ یہ آپ کا فارمولا ہے اس لئے آپ کو چاہئے کہ میرے سامنے اس عبوری حکومت کا سرسری خاکہ پیش کریں جو آپ کے زیر غور ہے نیز اپنے تصور کا خاکہ بھی"۔

اگلے روز گاندھی نے جو خط لکھا۔ اس کی ابتداء "ڈیئر قائداعظم" سے کی گئی۔ اس میں لکھا تھا:

"میں نے وقتی طور پر راجہ جی فارمولا' کو ایک طرف رکھ دیا ہے اور آپ کی مدد سے اپنا ذہن سنجیدگی کے ساتھ لاہور کی مشہور قرار داد پر مرکوز کر رہا ہوں"۔ اس کے بعد انہوں نے واضح کیا کہ اس قرار داد میں بجائے خود دو قومی نظریہ کا کوئی حوالہ نہیں ملتا' جو کہ بہر حال کلیتہ "غیر حقیقی ہے مجھے تاریخ میں اس کے متوازی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مذہب تبدیل کرنیوالوں کی کسی جماعت اور ان کی اولاد نے آباو اجداد سے الگ قوم ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اس کے فرزندوں کی ایک بڑی تعداد کی تبدیلی مذہب کے باوجود اسے ایک قوم ہی رہنا چاہئے"۔ اس تصور کی موجودگی میں مہاتما کی پاکستان کو تسلیم کر لینے کے لئے آمادگی صرف ایک دن قائم رہی۔ اس مضحکہ خیز تصور کی بابت گاندھی کے صحیح احساسات کھل کر سامنے آگئے۔ سمجھوتہ پر پہنچنے سے متعلق جناح کی وقتی توقعات پر اس کے تلخ اثرات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جناح نے دو روز بعد جواب میں لکھا۔ "میرا فرض ہے کہ آج آپ پر لاہور ریزولیشن کی وضاحت کردوں اور آپ کو اسے قبول کر لینے کی ترغیب دوں۔ میں نے غیر مسلم ہندوستانیوں کی خاصی بڑی تعداد کو نیز غیر ملکیوں کی بڑی جماعت کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے' اور اگر آپ کو اپنا ہم خیال بنالوں' کیونکہ آپ ہندو انڈیا پر بہت زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہو گی"۔ بہر حال جناح نے نوٹ کیا کہ گاندھی کے خط میں اصل وضاحت طلب کرنے کی بجائے زیر بحث موضوع پر طویل بحث کی گئی تھی۔ انہوں نے گاندھی کے لئے بہت سی کتابوں کے نام تجویز کئے' ان میں ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیدکر کی بھی ایک کتاب شامل تھی۔ انہوں نے قرار داد لاہور والے فقرے دہراتے ہوئے کہا۔ "ہم اس امر کا دعویٰ کرتے اور اس بات کے قائل ہیں کہ قوم کی ہر تعریف اور معیار کی رو سے مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں"۔ آخر میں انہوں نے لکھا۔ "بین الاقوامی قانون کے اصولوں کے مطابق ہم ایک الگ قوم ہیں۔ جہاں تک آپ کے آخری پیراگراف کا تعلق ہے۔ یہ واضح ہے کہ آپ ہندوؤں کے سوا کسی اور کی نمائندگی نہیں کرتے۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کی بھی اصل بھلائی ہندوستان کی تقسیم میں مضمر ہے جیسا کہ قرار داد لاہور میں تجویز کیا گیا ہے۔ یہ غور کرنا آپ کا کام ہے آیا یہ آپ کی پالیسی اور پروگرام ہے یا نہیں جس پر آپ ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور جو پورے ہندوستان کی تباہی نیز لوگوں کی تکلیف ومشقت اور ذلت وخواری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے اور جس پر کف افسوس ملنے میں میں کسی سے

پیچھے نہیں ہوں۔

مذاکرات کی ناکامی کا ذمہ دار کون؟

اگلے روز وہ دوبارہ ملے تاہم ' بہت زیادہ محتاط گفتگو انہیں ایک دوسرے کے قریب نہیں لا سکی۔ کوئی بات طے نہیں ہو پائی اور کوئی فارمولا ان کے مابین وسیع ہوتی ہوئی خلیج کو نہیں پاٹ سکا۔ گاندھی جی نے اپنے "پیارے قائداعظم" کو لکھا" میں دو قومی نظریہ پر جتنا غور کرتا ہوں۔ یہ مجھے اسی قدر وحشت ناک لگتا ہے۔ اگر ایک بار یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کو متعدد حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کرنےوالوں کی کوئی حد نہیں رہے گی جو ہندوستان کی تباہی پر منتج ہو گی" چوہدری رحمت علی جنہوں نے سب سے پہلے لفظ پاکستان متعارف کرایا ' اب ہندوستان کے اندر دس علیحدہ "قوموں" کا پرچار کر رہے تھے۔ رحمت علی کا آخری پمفلٹ ان کے "آل دینیہ ملی موومنٹ ہیڈ کوارٹرز" (۴۶ مونٹیگو روڈ آکسفورڈ) سے ۱۰ر جون ۴۴ء کو شائع ہوا اور دوبارہ ۱۲ر مارچ ۴۶ء کو منظر عام پر آیا۔ رحمت علی کے بے چین دماغ نے ان قوموں کے نام صدیقستان ' فاروقستان ' حیدرستان ' معینستان اور ماپلستان وغیرہ تجویز کئے جن سے وہ بالترتیب سی پی ' بہار واڑیسہ ' ہندوستان ' راجستھان اور جنوبی ہندوستان مراد لیتے تھے۔

جناح کو رحمت علی یا "پاکیشیاء" کے لئے ان کے عجیب وغریب منصوبوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تاہم گاندھی کے علاوہ کانگریس کے بہت سے نیتا ڈرتے تھے اگر دو قومی نظریہ کو مان لیا جائے تو شاید پھر ویسی دس قوموں کا وجود تسلیم پڑے گا۔ ۱۹۴۴ء میں عیدالفطر ۲۳ر ستمبر کو منائی گئی اور اس کی مناسبت سے "سربراہی مذاکرات" ختم کر دیئے گئے۔ عید کے دن جناح نے گاندھی کو لکھا۔" آپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے میں نے ان دنوں طویل مذاکرات کے دوران نیز خط وکتابت کے ذریعے آپ کی رائے بدلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا لگتا ہے کہ میں ناکام ہو گیا ہوں"۔ گاندھی نے اس تجزیہ سے اتفاق کیا ' پھر بھی انہوں نے جناح سے کہا۔" آپ مجھ سے جو کچھ چاہتے ہیں واضح الفاظ میں لکھ کر دے دیں ' میں اس پر دستخط کر دونگا۔" جناح نے اسی دن جواب دیا۔

" یہ آپ سے کسی کی نمائندگی کرتے ہوئے دستخطوں کے لئے کہنے کا معاملہ نہیں جب تک آپ خود کو اپنی نمائندہ حیثیت نہ دیں ' اور آپ کو اختیار حاصل نہ ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہم ان بنیادی صولوں پر قائم ہیں جو قرار داد لاہور میں شامل ہیں۔ میں آپ سے ایک بار پھر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے پروگرام اور پالیسی کو بدلیں کیونکہ اس برصغیر کا مستقبل ور عوام کی بھلائی تقاضا کرتی ہے کہ آپ حقائق کا سامنا کریں"۔

گاندھی نے اس کے جواب میں جناح کی طرف بہت لمبی جست لگائی ' جس سے مہاتما کے دل میں تبدیلی کا اظہار ہوتا تھا' لیکن جناح نے اگلے ہی روز اس جذبہ خیر سگالی کو توہین آمیز انداز میں یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ " آپ نے پہلے قرار داد لاہور کی بنیاد اور بنیادی اصولوں کو مسترد کر دیا ہے۔ آپ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ مسلمانان ہندوستان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ آپ یہ بھی نہیں مانتے کہ

مسلمان موروثی طور پر حق خود ارادیت کے مالک ہیں۔ آپ کو اس سے بھی اتفاق نہیں کہ پاکستان شمال مغرب اور شمال مشرق کے چھ صوبوں اور دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ ہمارے درمیان ہونیوالی بحث اور مراسلت سے میں نے محسوس کیا ہے کہ انڈیا کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنے کا مسئلہ صرف آپ کی زبان پر ہے ' اپ کا دل اسے نہیں مانتا۔ پھر عین موقع پر اچانک آپ نے یہ تجویز پیش کر دی کہ " اگر تقسیم ناگزیر ہے تو یہ جدائی دو بھائیوں کے درمیان ہونی چاہئے"۔ بہر حال آخر الذکر نکتہ جناح نے خود یہ وضاحت کرتے ہوئے حال ہی میں استعمال کیا تھا کہ پاکستان سے کیا مراد ہے ۔ جب گاندھی پاکستان کو قبول کرنے پر آمادہ نظر آرہے تھے ' جناح کی طرف سے غصہ کے ساتھ ان کی تجویز کو مسترد کرنے سے ظاہر ہوا کہ وہ کانگریس کے ساتھ کسی باقاعدہ سمجھوتہ کے لئے مذاکرات میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے اور گاندھی نے آخری مرحلہ پر تیزی سے جس طرح اپنی پوزیشن بدلی ' اس سے وہ عین موقع پر پکڑے گئے۔ اس مرحلہ پر کانگریس ۔ لیگ سمجھوتہ کی خبر بہرصورت لیگ کے انتہائی کامیاب منظم حلقہ اثر سے نکل گئی ' جس کا بڑا حصہ ہندو کانگریس اور ہندو راج کے خلاف مسلمانوں کی شکایات کے لئے اس کی درد بھری عوامی اپیلوں پر بھروسہ کرتا تھا۔

جناح نے بہر حال غیر نمائندہ گاندھی کے ننگے پاؤں کے لئے اپنا دروازہ قطعی طور پر بند نہیں کیا۔ اس لئے اپنے ۲۵ ستمبر کے غضب آلود مراسلہ کے آخر میں انہوں نے دلیل پیش کی ۔ " لیکن اب آپ نے ایک نئی تجویز پیش کر دی ہے ' جو آپ کی اپنی ہے اور ذاتی حیثیت میں پیش کی گئی ہے ' جس پر مزید بحث کرنا مشکل ہے ۔ جب تک آپ اسے اپنی نمائندہ حیثیت میں پیش نہ کریں ' پھر آپ قرار داد لاہور کے بنیادی اصول کیوں تسلیم نہیں کر لیتے تاکہ ہم تفصیلات کی طرف بڑھ سکیں"۔ گاندھی نے جواب میں جناح سے کہا ایسی پیشکش کو ٹھکرانے سے پہلے پچاس مرتبہ سوچیں جو فرقہ ورانہ ہم آہنگی کی خاطر سراسر خدمت کے جذبہ کے تحت پیش کی گئی ہے"۔

جناح نے گاندھی کی تمام اپیلوں کو مسترد کر دیا۔ ان میں یہ درخواست بھی شامل تھی کہ انہیں مسلم لیگ کونسل یا لیگ کے عام اجلاس سے خطاب کرنے کا موقع دیا جائے جناح نے سرد مہری کے ساتھ اس کی یہ توجیہہ پیش کی کہ "صرف رکن یا مندوب کونسل کے اجلاس یا عام اجلاس میں ہونیوالی بحث میں حصہ لینے کا مجاز ہوتا ہے ۔ علاوہ ازیں یہ تجویز انتہائی غیر معمولی اور عدیم المثال نوعیت کی ہے۔ بہر حال میں آپ کے مشورہ کا ممنون ہوں اور اس بات پر معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کو قائل کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں ناکام رہا' حالانکہ مجھے اپنی کامیابی کی بڑی امید تھی"۔

گاندھی نے اپنے ۲۶ ر ستمبر کے آخری خط میں اصرار کے ساتھ کہا۔ " میں اعتراف کرتا ہوں میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ نے اس حقیقت کو ماننے سے انکار کیوں کیا کہ میں نے اپنے ۲۴ تاریخ کے خط میں آپ کو جو فارمولا پیش کیا نیز راجہ جی کی طرف سے جو فارمولا پیش کیا گیا ' آپ کو وہ سب کچھ دیتا ہے جو قرار داد لاہور میں شامل ہے ۔ آپ یہ کہتے رہے کہ میں بعض نظریات کو قبول کر لوں جبکہ میں یہ حجت کرتا رہا چونکہ مسئلہ کی بابت ہمارا انداز فکر مختلف ہے ' بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم مطالبہ کے اصل کو ' جیسا کہ وہ قرار داد لاہور میں موجود ہے ' مان لیں اور باہمی اطمینان کے مطابق

اسے حل کرلیں"۔

ویول نے ایمرے کو مطلع کیا کہ " گاندھی - جناح مذاکرت بڑی دیر سے جاری تھے - تازہ ترین افواہ یہ ہے کہ ان میں تعطل پیدا ہو گیا ہے - گاندھی اپنی سالگرہ کے لئے واردھا جا رہا ہے تاکہ وہ فنڈ وصول کر سکے جو اس کی اہلیہ کی یاد میں جمع کیا گیا ہے - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جناح کے ساتھ بحث کے بارے میں بیان واردھا سے جاری کیا جائے گا"۔ جناح نے پریس کو بتایا " مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں گاندھی کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش میں ناکام ہو گیا ہوں۔ اس کے باوجود ہمیں توقع ہے کہ لوگ تلخی محسوس نہیں کریں گے ' ہمیں یقین ہے کہ یہ ہماری کوششوں کا قطعی اختتام ثابت نہیں ہوگا"۔

گاندھی نے برلا ہاؤس میں اخباری نمائندوں کی بھاری تعداد سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

" یہ تعطل برائے نام ہے - یہ غیر متعین التواء ہے اب ہم میں سے ہر ایک کو لوگوں سے مل کر اپنا اپنا نقطہ نظر ان کے سامنے رکھنا چاہئے میرا گذشتہ تین ہفتوں کا تجربہ میرے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ تیسری طاقت کی موجودگی مسئلہ کے حل میں رکاوٹ ہے - جس ذہن پر غلامی کے پہرے ہوں وہ آزادانہ طور پر کام نہیں کر سکتا۔ پریس اور پبلک کے لئے اہم بات یہ ہے کہ وہ پارٹی بازی اور کشیدگی پیدا کرنے سے اجتناب کریں"۔ جب ان سے آئندہ کے منصوبوں کی بابت پوچھا گیا تو مہاتما نے وعدہ کیا کہ " میں اپنی اندرونی آواز کے مطابق کام کرونگا۔" اگلے روز نیو کرانیکل " بمبئی کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ " جناح مخلص ہیں۔ تاہم میرے خیال میں وہ فریب نظر کا شکار ہو جاتے ہیں جب وہ یہ بات سوچتے ہیں کہ ہندوستان کی غیر فطری تقسیم متعلقہ لوگوں کے لئے شادمانی یا خوشحالی لا سکتی ہے" ویول نے اپنے روزنامچہ میں لکھا۔

" دو عظیم پہاڑ ملے ہیں اور ایک بہت ہی مضحکہ خیز چوہیا برآمد ہوئی ہے۔ یہ ناکامی لیڈر کی حیثیت سے گاندھی کی شہرت کو لے ڈوبے گی - جناح کا کام آسان تھا - اسے گاندھی سے یہ کہتے رہنا تھا کہ وہ (مہاتما) مہمل باتیں کر رہے ہیں - جو کہ درست تھا اور جناح نے اپنی پوزیشن کی کوئی کمزوری ظاہر کئے بغیر یا کسی طریقہ سے پاکستان کی تعریف کئے بغیر قدرے بدتمیزی سے یہی کیا - میرا خیال ہے کہ اس سے اپنے پیروکاروں میں تو جناح کا وقار بڑھ جائے گا تاہم معقول آدمیوں کے نزدیک اس کی شہرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا"۔

سولہواں باب ــــ شملہ (۱۹۴۴-۴۵)

جناح ــــ ویول اختلافات کی ابتدا

اواخرِ اکتوبر ۴۴ء تک ویول کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوگیا کہ جناح اپنی تمام خامیوں کے باوجود' انتہائی ذہین و فطین شخص اور دو قومی نظریہ کے بارے میں پوری طرح مخلص ہیں۔ اسے پاکستان کی تجویز اتنی مبہم' ناقابلِ عمل لگنے لگی کہ وائسرائے کو گاندھی کی طرح اس کے بارے میں جناح کے

دلائل کو سنجیدگی سے لینے میں بڑی دقت پیش آئی۔ ویول نے ایمرے کے نام ایک خط میں لکھا "صرف ایک مثال لے لیں۔ کلکتہ کے بغیر شمال مشرق میں اسلامی ریاست بہت چھوٹی رہ جائے گی۔ لیکن کلکتہ بڑی حد تک ایک ہندو شہر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جناح کسی ایسی چیز کی وکالت کررہے ہیں جس پر انہوں نے پوری طرح غوروخوض نہیں کیا"۔ ایمرے نے چرچل کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا کہ "یہ پرانی دلدل میں ہاتھ پاؤں مارنے کی نئی کوشش لگتی ہے"۔

سرفرانسس موڈی (وزیر داخلہ) نے وائسرائے کی اجازت سے ۲۴ نومبر ۴۴ء کو نئی دہلی میں جناح سے ملاقات کی اور انہیں "دوستی کا خواہاں اور باتونی" پایا۔ جناح نے اسے بتایا کہ مسلمان نئے آئین کی تدوین کے لئے کرپس کے طریق کار کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ انہوں نے نمائندہ کانفرنس کی، جو حکومت کے زیر اہتمام ہونے والی تھی، کوئی خاص مخالفت نہیں کی اور کہا کہ ۱۹۴۰ء کی طرح وہ اب بھی مرکز کی مخلوط حکومت میں حصہ لینے پر آمادہ ہیں۔ انہوں نے ہندو اور مسلمانوں کی متناسب آبادی کی تفصیلات نہیں بتائیں تاہم واضح کیا کہ ان کے نزدیک مہاسبھا اور کانگریس ایک جیسی ہیں۔ وہ تعاون کرنے پر پوری طرح رضامند ہیں خواہ کانگریس ایسا کرنے سے انکار کردے"۔ ویول نے بجا طور پر شک ظاہر کیا کہ جناح نے موڈی سے زیادہ حاصل کرلیا ہوگا اور اپنی طرف سے بہت کم دیا ہوگا"۔

جناح نے ۶ دسمبر کو ویول سے ملاقات کی۔ وائسرائے نے انہیں "بہت زیادہ قریب آنے والا اور دوستی پر آمادہ" پایا۔ جناح نے وائسرائے کو بتایا کہ "ہندوستان کبھی بھی ایک قوم نہیں رہا اور نہ رہ سکتا ہے۔ ہندوستان کا اتحاد محض انگریزوں کا پیدا کردہ ہے اور ایک قومی حکومت کے تحت ہندوستانی کے اتحاد کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ عملی نقطہ نظر سے یہ بالکل ناممکن ہے۔ گزشتہ ۳۰ سال سے اس کی کوشش کی جارہی ہے جو بری طرح ناکام ہوگئی ہے"۔ وائسرائے کا استدلال تھا کہ عملی نقطہ نظر سے ہندوستان کے اتحاد کو، جو کہ انگریزی راج کے دوران پیدا کیا گیا ہے، کم از کم سلامتی اور اقتصادی مقاصد کے لئے قائم رکھنا چاہئے۔

وسط دسمبر ۴۴ء تک بنگال کا نیا گورنر رچرڈ جی کیسی کلکتہ میں بہت سے لیڈروں کے ساتھ اس موضوع پر بات چیت کرچکا تھا کہ پاکستان "عملی حقیقت سے زیادہ سیاسی خوش فہمی کا معاملہ" ہے۔ کیسی کو توقع تھی کہ مسٹر جناح کانگریس سے مفاہمت کرلیں گے اس سے پیشتر کہ پاکستان، جس پر وہ سواری کررہے ہیں، ایک خوفناک شیر کی شکل اختیار کرلے۔ اسے یقین تھا کہ بہت سے بنگالی مسلمانوں کو پاکستان کے خیال سے ورغلانا آسان ہے تاہم اس بارے میں احساس تھا کہ انگریزوں میں سے کوئی بھی ایسا کرکے اپنے اوپر جانبداری کا الزام لگوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ چنانچہ اس نے ویول کو اپنا ہمنوا بنانے کی غرض سے لکھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کو یہ احساس دلا دیا جائے کہ عظیم تر کلکتہ کا پاکستان میں شامل ہونا قطعی ناممکن ہے تو مشرقی پاکستان کے تصور کو ایک زبردست دھچکا لگے گا۔ مشرقی پاکستان کے بارے میں خواجہ ناظم الدین کا تصور بڑی حد تک ایک آزاد و خودمختار ریاست کے تصور سے قریب تر تھا جیسا کہ ۱۹۷۱ء کے بعد بنگلہ دیش کا ظہور ہوا۔ کیسی نے اپنے نوٹ میں مزید

لکھا۔" ناظم الدین، سہروردی اور فضل الحق سمیت اکثر بنگالی لیڈروں کے خیال میں مشرقی پاکستان کی بنگالی ریاست ایسی ہوگی جہاں ہندو اور مسلمان مل جل کر رہیں گے اور کاروبار حکومت کی ذمہ داری میں آبادی کے تناسب سے حصہ دار ہونگے"۔ ویول نے جواب دیا۔"پاکستان یا فرقہ وارانہ شبہات جو اس سے پیدا ہورہے ہیں، تعمیری سوچ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ میں یہ بات نہیں مانتا کہ پاکستان قائم رہ سکے گا۔ اس سے اقلیتوں کے بارے میں اتنے ہی بڑے مسائل پیدا ہونگے جن سے ہم آج کل دوچار ہیں۔ نیز پاکستان کی ریاست یا ریاستیں اقتصادی لحاظ سے خراب حالت میں ہوں گی۔ اس کے برعکس ایسے تمام جذبات ونظریات کی طرح جن پر اچھی طرح غور نہ کیا گیا ہو، یہ مخالفت میں پروان چڑھ رہا ہے۔ بعض زیادہ قابل مسلمان شائد اسے ایک سوداباز‌ی سمجھتے ہوں، تاہم مسلم لیگ کی بھاری اکثریت کے لئے اس کا حقیقی امکان ہے اور وہ اس نظریہ سے بڑی جذباتی وابستگی رکھتے ہیں۔ ہم اس وقت تک پاکستان کی اعلانیہ مخالفت نہیں کرسکتے جب تک ہمارے پاس اس کے بدلہ میں پیش کرنے کے لئے کوئی زیادہ پرکشش چیز نہ ہو"۔

جناح وسط دسمبر تک دہلی میں رہے۔ پھر وہ بمبئی لوٹ گئے، جہاں انہوں نے اپنی ۶۸ ویں سالگرہ سادگی سے منائی اور وہاں سے کراچی چلے گئے۔ ۲۷ دسمبر کو مقامی ایوان صنعت و تجارت نے ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مسلم تاجر برادری پر زور دیا کہ وہ اٹھیں اور کچھ کریں۔ انہوں نے سامعین کو یاد دلایا کہ معاشی پوزیشن کسی قوم کے مضبوط ترین ستونوں میں سے ایک ستون ہوتی ہے۔ پاکستانی علاقوں میں آپ اس پر نگاہ رکھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ دراصل وہ سندھ کے لیگی وزیر اعظم غلام حسین ہدایت اللہ اور مسٹر جی ایم سید کے مابین اختلافات ختم کرانے کے لئے وہاں گئے تھے۔ ان اختلافات کے نتیجہ میں مسلم لیگی وزارت تقریباً ختم ہونے والی تھی۔ یہ تنازعہ نظریاتی اختلاف سے زیادہ شخصی اقتدار کی رسہ کشی کا شاخسانہ تھا۔ تاہم وزارتوں پر تقرریوں اور ضمنی انتخابات کے لئے امیدواروں کا چناؤ کرنے کے لئے جناح کی موجودگی لازمی تھی۔ سندھ کے دورہ کے دوران مسلسل ملاقاتوں نے انہیں بری طرح نڈھال کردیا۔ جنوری کے شروع میں بمبئی واپس پہنچنے پر انہوں نے سندھ کی بابت ایک بیان جاری کیا جس کے آخر میں کہا گیا تھا "اب یہ اہل سندھ کا فرض ہے کہ وہ ہماری تنظیم کو اتحاد، تعاون اور منظم طریقے سے تعمیر کریں۔ وسط جنوری میں وہ احمد آباد گئے جہاں گجرات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سے خطاب کیا۔ اس میں شمال مغربی ہندوستان کے ہزاروں طلباء شریک ہوئے۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے طلباء کو بتایا "مجھے طاعون کی بیماری (موجب زحمت) کہا جاتا تھااور لوگ مجھ سے دور بھاگتے تھے۔ تاہم میں نے زبردستی اپنی جگہ بنائی اور بن بلائے اور پسند کئے بغیر جگہ جگہ کا دورہ کیا۔ اور صورتحال کو بدل ڈالا۔ مسلم لیگ کے تن مردہ میں جان پڑگئی۔ صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے مجھے بہت سے فرائض انجام دینے ہوتے ہیں اور شائد ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہے جب مجھے دعوت نامے قبول نہ کرنے پڑیں۔ ہم ایک ایسے مرحلہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہمیں ایک تعمیری اسکیم کے لئے، اپنے عوام کی تعلیمی، معاشرتی اور

سماجی بہبود کے لئے اپنی قوتوں کی راہ نمائی کرنی اور ان سے کام لینا ہے"۔ اسی دن ایک نیا اسکول کھولا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ "تعلیم ہماری قوم کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے"۔

ہندوستان کے بہترین موسم میں بھی ایک ماہ کے دورہ کے باعث وہ بے جان' نڈھال اور اتنے کمزور ہوگئے کہ فروری کے آخر میں دہلی میں ہونے والے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے قابل نہ رہے۔ مجبوراً انہوں نے فروری و مارچ کے دوران اپنی تمام مصروفیات منسوخ کردیں۔ جن میں ویول کے ساتھ ملاقات بھی شامل تھی۔ یہ عرصہ انہوں نے مالا بار ہل پر اس طرح گذارا کہ نہ کسی کو ملاقات کا وقت دیا نہ ہی ٹیلیفون سنا۔ وائسرائے کو بتایا گیا کہ "انہیں ذات الجنب کا عارضہ لاحق ہے اور کچھ عرصہ بستر پر رہنا پڑے گا"۔ مارچ کے آخر تک وہ انتہائی مختصر خطوط لکھوانے لگے۔ جیسا کہ یہ خط ہے :" میں افسوس کے ساتھ آپ کو مطلع کررہا ہوں کہ کچھ عرصہ کے لئے یہ بالکل ممکن نہیں کہ میں کسی عوامی مصروفیت میں حصہ لے سکوں کیونکہ مجھے مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بیماری کا یہ حملہ میرے لئے ایک سنگین تنبیہہ ہے اور ڈاکٹر کا مشورہ یہ ہے کہ میں مکمل آرام کرنے کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں"۔

ڈیسائی ـــ لیاقت فارمولا

جنوری ۴۵ء میں گاندھی پر بھی بیماری کا حملہ ہوا۔ ان دونوں عمر رسیدہ شخصیات کے پس پشت کانگریس اور لیگ کے نوجوان لیڈروں میں ایک نیا سیاسی فارمولا وضع کرنے کی امید انگڑائیاں لینے لگی۔ مرکزی اسمبلی میں کانگریس کے جہاں دیدہ لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی اور نوابزادہ لیاقت علی خان' جیسا کہ قیاس کیا جاتا ہے' مرکز میں عبوری حکومت کی بابت فارمولا پر متفق ہوگئے۔ جس کی رو سے طے پایا کہ کانگریس اور لیگ کو کابینہ میں ۴۰' ۴۰ فیصد نمائندگی حاصل ہوگی۔ جبکہ باقی ماندہ ۲۰ فیصد نیابت میں سکھ اور اچھوت حصہ دار ہونگے۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف بدستور انگریز رہیں گے۔ ڈیسائی نے ویول اور اس کے سیکرٹری سرایون جنکنز کو یقین دلایا کہ جناح اور گاندھی نے اس فارمولے کی منظوری دے دی ہے۔ تاہم یہ بات اب تک واضح نہیں ہوسکی کہ آیا لیاقت علی خان نے اس فارمولے کی بابت واقعی جناح کے ساتھ کبھی بات چیت کی تھی یا نہیں۔

بہرحال برطانیہ کی وار کابینہ نے ڈیسائی' لیاقت فارمولا کو "خاصا اہم اور فرسودہ دلائل کا منہ بند کرنے والا" قرار دیا۔ ویول کو حکم دیا گیا کہ وہ خود کو کسی نئے سیاسی فارمولا سے وابستہ نہ کرے جب تک اس کی طاقت اور ماہیت کی محتاط طریقے سے آزمائش نہ ہوجائے۔ ویول کو لندن طلب کیا گیا تاکہ کابینہ کے ساتھ براہ راست صلاح مشورہ کرسکے۔ جناح سے یہ بیان منسوب کیا گیا کہ "مجھے ڈیسائی اسکیم کے بارے میں کچھ علم نہیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ جنوری کے آخر میں ہی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس

کو مطلع کردیا تھا کہ "میرے نام کو ان مذاکرات کے ساتھ جوڑنا سراسر بے بنیاد ہے جو شائد نواب زادہ لیاقت علی خان اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے مابین ہوئے ہوں"۔ اس کے باوجود ڈیسائی نجی طور پر اصرار کے ساتھ کہتے رہے کہ اگر حکومت میری اسکیم کو مان لے تو میں جناح کی منظوری کی ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ وہ اس موقع پر ایک گجراتی ضرب المثل بھی سناتے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ "جناح شائد غذا کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں تاہم اسے کھالیں گے"۔

انتظامیہ کی نااہلی

ایک طرف ویول' ایمرے اور کابینہ بانسری بجانے میں مصروف تھی' دوسری طرف بنگال اور ہندوستان قحط' جنگ اور نوکر شاہی کی نااہلیت کے ہاتھوں طرح طرح کے آلام و مصائب کا شکار ہو رہا تھا۔ گورنر کیسی نے اپنے یکم مارچ ۱۹۴۵ء کے مراسلہ میں برطانوی انتظامیہ کی ممل ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا۔ "بنگال میں کم از کم ڈیڑھ سو سالہ انگریزی راج کے بعد بھی ہم کسی میدان میں کسی نمایاں کامیابی کی نشاندہی نہیں کرسکتے۔ انگریز انتظامیہ کو اس پالیسی کے تحت چلایا گیا کہ سرکاری خزانہ سے ممکنہ حد تک کم سے کم خرچ کیا جائے۔ ٹیکس بہت کم لگائے جائیں اور ترقیاتی مقاصد کے لئے قرضوں کی رقوم خرچ نہ کی جائیں۔ نتیجتاً" یہ ایک بناوٹی پالیسی ثابت ہوئی جس کے تحت بنگال کے وسائل اور توانائیوں کو ترقی نہیں ملی۔ سرخ فیتہ کے گلا گھونٹنے والے نظام نے ساری اسکیم کو تلپٹ کردیا ہے اور خدمت گاروں کے ذہنوں میں (جن سے نئے منصوبوں کی توقع تھی) مایوسی اور اپنے دعوی کی خود تردید کرنے کا احساس پیدا ہوگیا ہے"۔

بنگال اور سرحد میں حکومتوں کا خاتمہ

کیسی کی تنقید میں کارفرما فوری اقدام کے مطالبہ اور حکمت و دانائی کے باوجود کچھ نہیں کیا گیا۔ ویول نے اس کے خط کا جواب تک نہیں دیا۔ مارچ کے اختتام سے پہلے خواجہ ناظم الدین کی وزارت اعتماد کا ووٹ کھو بیٹھی۔ یوں دفعہ ۹۳ کے تحت صوبہ کا انتظام کیسی نے خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا

مارچ کے وسط میں سرحد میں اورنگزیب خان کی وزارت بھی عدم اعتماد کا شکار ہوگئی۔ گورنر سر جارج کننگھم نے کانگریسی لیڈر ڈاکٹر خان صاحب کو دعوت دی کہ وہ حکومت تشکیل دیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مرحلہ پر ڈاکٹر خان صاحب کو گاندھی جی کا ایک "سربمہر" لفافہ موصول ہوا' جس میں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ گورنر کی دعوت قبول کرلیں۔ اس طرح ۱۹۳۹ء میں وزارتوں کے مستعفی ہونے کے پانچ سال بعد پہلی بار کانگریس اس قابل ہوگئی کہ پشاور میں صوبائی حکومت بنا سکے۔ کانگریس کی اس کامیابی نے جناح کو آگ بگولا کردیا۔ تاہم جسمانی کمزوری کے باعث وہ سرحد کا سفر کرنے کے قابل نہ

تھے۔ اگرچہ انہیں کئی مہینے پہلے دعوت دی گئی تھی کہ وہ پشاور آکر لیگ کی صفوں میں پائے جانے والے اختلافات ختم کرائیں۔ جیسا کہ انہوں نے سندھ میں کیا تھا۔ انہوں نے لیگ کے صوبائی صدر تاج علی کو دسمبر ۴۴ء میں ہی لکھ بھیجا تھا۔ "اپنے صوبہ کے معاملات کو درست رکھنا آپ کی اپنی ذمہ داری ہے۔ مدد دینے اور راہنمائی فراہم کرنے میں مرکز اپنی سی کوشش کررہا ہے' تاہم اس کی جڑ خود صوبے میں ہے۔ اس لئے آپ سب کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کے نصب العین کے لئے بے لوث کام کریں اور سمجھدار لوگوں کے مابین یک جہتی پیدا کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں مکمل اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی ضرورت بھی ہے"۔ بلاشبہ یہ نصیحتیں بڑی مفید تھیں' تاہم ان خطرات کو نہ ٹال سکیں جو سرحد کابینہ کو درپیش تھے۔ جناح نے ۲۳ مارچ کو "پاکستان ڈے" کے موقع پر ایک اخباری پیغام میں کہا "کانگریسی مسلمانوں نے واردھا سے موصولہ حکم کے تحت جملہ بنیادی اصولوں کو پس پشت ڈال کر وزارتی منصب سنبھال لئے ہیں۔ یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان جس میں ذرا سی خود داری اور وقار کی رمق باقی ہو' مسلم اکثریت کے صوبہ میں ایسی وزارت کو برداشت کرسکتا ہے جو مسٹر گاندھی یا کانگریس سے احکام لیتی ہے اور اس کے زیر کنٹرول ہے جو مسلمانوں کی جملہ امنگوں اور مطالبات کا ازلی دشمن ہے"۔ جناح کے اس پیغام میں اپنی بیماری سے متعلق اشارات اور "سازشی قوتوں" نیز پوشیدہ جوڑ توڑ سے خبردار کرنے والی تنبیہ بھی شامل تھی۔ ان سب پر مسلمانوں کے اتحاد اور اللہ پر مکمل اعتماد کے ذریعے قابو پایا جاسکتا تھا۔ پیغام کے آخر میں کہا گیا تھا۔

"میں اپنے اردگرد مصروف کار طاقتوں کو دیکھ رہا ہوں' ہمارے دشمن پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ ہمیں بھی جرات کے ساتھ کسی خوف و ہراس کے بغیر آگے بڑھنا چاہئے۔ میری انگلی مسلم ہندوستان کی نبض پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی نازک لمحہ آیا تو دس کروڑ مسلمان جسد واحد کی شکل میں متحد ہونگے۔ اگر برسراقتدار گروہ نے ہمیں دبانے' نظرانداز کرنے یا پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تو مسلمان کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ پاکستان اب ہماری گرفت میں ہے۔ انشاء اللہ ہم کامیاب ہونگے"۔

ویول نے ۲۰ مارچ کو دہلی سے پرواز کی اور تین دن بعد لندن پہنچا۔ ایمرے نے تجویز کیا تھا کہ وائسرائے کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایک چھوٹی سی پارٹی دی جائے' تاہم چرچل نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ "بہتر ہوگا کہ اس کے ساتھ میری ملاقات سراسر سرکاری نوعیت کی ہو"۔ اٹیلی کی سربراہی میں کام کرنے والی وارکابینہ کی انڈیا کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے ویول نے استدعا کی کہ اسے اپنی انتظامی کونسل ہندوستان کی سیاسی قیادت میں سے چننے کا اختیار دیا جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں سیاسی و انتظامی طور پر صورتحال خراب سے خراب تر ہوتی جائے گی۔ اس نے کابینہ کو بتایا کہ ۷۵ سالہ گاندھی خاصا بیمار ہے جو بعض رپورٹوں کے مطابق بمشکل چند منٹ تک مسلسل سوچ سکتا ہے۔ مسلم لیگ پر جناح کے کنٹرول کی بابت اس کی رائے یہ تھی کہ اب پہلے سے زیادہ غیر یقینی ہوتا جارہا ہے' اس نے صوبہ سرحد میں لیگی وزارت کے خاتمہ نیز سندھ' آسام اور پنجاب میں لیگ کے باہمی

تنازعات کا بطور خاص ذکر کیا۔ اور کابینہ کو آگاہ کیا کہ "جناح پوری طرح چوکس اور مستعد نہیں، اگرچہ اس کا دماغ اب بھی پہلے کی طرح فعال ہے۔ چونکہ نہرو ابھی جیل میں ہے اس لئے اس کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا دماغ کیسے کام کرتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ ابھی تک تند مزاجی پر قائم ہے۔ کانگریس کے بائیں ونگ پر اب بھی اس کی مضبوط گرفت ہے۔ تاہم صنعت کاروں پر نہیں جن سے کانگریس کو مالی امداد ملتی ہے"۔

اس سے پہلے کہ کابینہ ویول اور ہندوستان کے متعلق کوئی فیصلہ کرتی یورپ میں جنگ ختم ہوگئی اور چرچل حکومت نے استعفیٰ دے دیا۔ ویول نے اپنے روزنامچہ میں نوٹ کیا۔ "وہ جان جوکھم سفر کے لئے عجیب طرح کے ناخدا ہیں"۔ بہرحال ویول کو اجازت مل گئی کہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی کانفرنس بلائے جو نئی انتظامی کونسل کی تشکیل میں مدد دے سکے۔ وہ کونسل بڑی بڑی قوموں کی نمائندہ ہو اور اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی برابر برابر ہونی چاہئے۔ ویول ۷ جون ۴۵ء کو واپس دہلی آیا اور اس نے اپنی کابینہ کو متوقع تبدیلیوں سے مطلع کیا۔ کونسل کے قریباً سارے ہندوستانی ممبروں نے زور دیا کہ وہ فوری طور پر ہندوستان کو مکمل درجہ نو آبادیات دینے کا اعلان کردے، تاہم ایسا کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

۱۴ جون کو اپنی نشری تقریر میں وائسرائے نے اعلان کیا:" یہ آئینی سمجھوتہ حاصل یا مسلط کرنے کی کوشش نہیں ہے۔ ہز میجسٹی کی حکومت کو توقع تھی کہ ہندوستانی پارٹیوں کے قائدین فرقہ وارانہ مسئلہ پر آپس میں کوئی سمجھوتہ کرلیں گے جو کہ ہمارے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن وہ امید پوری نہیں ہوئی"۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے جملہ ممبران کو جیل سے رہا کردیا گیا۔ مجوزہ کانفرنس سے متعلق ایک اخباری بیان میں گاندھی جی نے "کاسٹ ہندو" (Caste Hindu) کی اصطلاح کو "جارحانہ، غلط اور ہندو ازم کے جدید رجحان کے خلاف" قرار دیا۔ جناح کا ابتدائی ردعمل "ڈان" کے اس تبصرہ میں سامنے آیا کہ "لیگ کسی ایسی انتظامی کونسل میں شامل نہیں ہوسکتی جس میں غیر لیگی مسلمانوں کو شامل کیا گیا ہو"۔

شملہ کانفرنس

ویول نے جناح کے لئے شملہ کے سیسل ہوٹل میں ایک کمرہ مخصوص کرا دیا۔ اور انہیں ۲۴ جون کی شام کو وائسریگل لاج میں نجی ملاقات کی دعوت دی جبکہ کانفرنس ۲۵ جون کی صبح کو شروع ہونے والی تھی۔ جناح نے دعوت قبول کرلی تاہم تجویز کیا کہ کانفرنس دو ہفتے کے لئے ملتوی کردی جائے تاکہ نجی ملاقات میں وائسرائے کی طرف سے انہیں جن "وضاحتوں" کے ملنے کی توقع ہے ان پر اپنی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کرسکیں۔ ویول نے ایسے مذاکرات کرنے سے انکار کردیا اور شیڈول کے مطابق کانفرنس کے انعقاد پر اصرار کیا۔

وسط جون میں ویول نے اپنے روزنامچہ میں نوٹ کیا "گاندھی اور جناح اوپرا کی انتہائی متلون

مزاج بہترین گلوکاروں کے سے طرز عمل کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اور آخرالذکر اپنے تاروں کو مجھے موصول ہونے سے پہلے ہی پریس میں شائع کرا رہے ہیں۔ گاندھی کم از کم اتنی مروت سے کام لیتے ہیں کہ ویسے تاروں کو اجازت لے کر شائع کراتے ہیں۔" اب وائسرائے نے تسلیم کرنا شروع کردیا کہ سمجھوتہ کے بارے میں اس کی سادہ سی توقعات اتنی حقیقت پسندانہ نہیں ہیں جتنا کہ اس نے برطانوی کابینہ کو یقین دہانی کرائی تھی۔ ۲۴ جون کو ویول نے لنچ سے پہلے صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد سے اور لنچ کے بعد گاندھی سے ملاقات کی۔ مہاتما کے ساتھ اس کی بات چیت کا یہ پہلا موقع تھا۔ گاندھی کسی قدر کھوئے ہوئے (پراگندہ دماغ) لگ رہے تھے۔ انہوں نے گفتگو میں گول مول باتوں سے کام لیا۔ تاہم مجموعی طور پر تجاویز پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ جونہی گاندھی جی وائسرایگل لاج سے نکلے' جناح وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے وائسرائے کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ گذارا۔ ویول نے انہیں "گاندھی سے زیادہ کھرا اور راست باز پایا تاہم ان کے طور طریقے بہت زیادہ ناگوار محسوس ہوئے"۔

لارڈ ویول نے شملہ کانفرنس کا باضابطہ افتتاح ۲۵ جون کو ۱۱٫۳۰ بجے قبل از دوپہر کیا۔ ہندوستان کے سرکردہ ۲۲ سیاسی رہنما وائسریگل لاج کے بال روم میں جمع ہوے۔ مولانا آزاد نے کانگریس کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے غیر فرقہ وارانہ کردار پر اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد جناح نے لیگ کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے مولانا آزاد کے نکات کو زیر بحث تجاویز سے غیر متعلق قرار دیا اور وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ خود صرف ان تجاویز کے بارے میں خطاب کریں۔ ویول نے ایمرے کو مطلع کیا کہ "کانگریس کی نوعیت کے متعلق میں نے واضح کیا کہ تجاویز میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی بنا پر اسے فرقہ وارانہ تنظیم قرار دیا جاسکے"۔ یہاں جناح سے نہ رہاگیا اور وہ بیچ میں بول پڑے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس ریمارک پر ڈاکٹر خان صاحب نے شدید اعتراض کیا۔ میں نے کہا کہ کانگریس اپنے ممبران کی نمائندگی کرتی ہے۔ کانگریس اور جناح دونوں نے میری بات سے اتفاق کیا۔ جناح نے پہلا سیشن ختم ہونے سے پہلے ایک بار بولنے کی اجازت مانگی اور اس بات پر اصرار کیا کہ لیگ کسی ایسے دستور کو منظور نہیں کرے گی جو پاکستان کے بنیادی اصول پر مبنی نہ ہو۔ انہوں نے مزید کہا لیگ تعاون کے لئے پاکستان کو قبول کرنے کی پیشگی شرط عائد کرسکتی تھی' تاہم وہ وائسرائے کے خلوص پر اعتماد اور اس یقین کی بدولت کانفرنس میں شریک ہونے پر آمادہ ہے کہ برطانوی حکومت اور عوام ہندوستان کے ساتھ واقعی منصفانہ سلوک کرنا چاہتے ہیں"۔ ویول نے اس رات بڑی راحت محسوس کی اور سمجھا کہ کانفرنس کا آغاز بہت اچھا ہے۔

۲۹ جون کو کانفرنس پھر شروع ہوئی۔ وائسرائے نے تمام پارٹی لیڈروں سے کہا کہ نئی کونسل کے لئے امیدواروں کے ناموں کی فہرست پیش کریں۔ مولانا آزاد فوراً رضامند ہوگئے جبکہ جناح نے اس بنا پر انکار کردیا کہ وہ اپنی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کئے بغیر کوئی فہرست پیش نہیں کرسکتے۔ اس طرح کانفرنس ۱۴ جولائی تک ملتوی کردی گئی۔

ویول نے ۸ جولائی کی شام کو ڈیڑھ گھنٹہ تک جناح کے ساتھ بحث کی جس نے ویول کے بقول

ہمیں وہاں لاکھڑا کیا جہاں سے ابتدا ہوئی تھی۔ "وہ بظاہر انتہائی اعصابی کھنچاؤ کی حالت میں تھا اس نے ایک سے زیادہ بار مجھے بتایا کہ اس سے آگے اس کا بس نہیں چلتا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں لیگ کو تباہ نہ کروں۔ بظاہر وہ بڑی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے' جو زیادہ تر اس کی ہٹ دھرمی اور انتہا پسندی کی پیدا کردہ ہیں۔ وہ ڈرتا ہے کہ اسے کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویٰ سے سرمو پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں"۔ وائسرائے نے ایمرے کو رپورٹ دی۔ ملاقات کے اختتام پر جناح نے ویول کو مسلم لیگ کے امیدواروں کی فہرست دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ وائسرائے اس سلسلے میں انہیں ایک خط بھیجیں جس میں واضح طور پر بتایا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن مراسلہ موصول ہوگیا اور ۹ جولائی کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس پر غور کیا۔ خط میں کہا گیا تھا:۔

"مجھے آپ کی مشکلات کا مکمل احساس ہے' تاہم افسوس سے کہنا پڑتا ہے میں آپ کو یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ مجوزہ کونسل کے جملہ مسلم ممبران لازماً مسلم لیگ سے ہونگے۔ میں ایک ایسی کونسل کی تشکیل کے لئے کوشاں ہوں جو سب کی نمائندہ' باصلاحیت' اور عام طور پر قابل قبول ہو۔ اگر آپ مجھے نام دے دیں تو اس سے بڑی مدد ملے گی۔ میں نے آٹھ نام مانگے ہیں۔ تاہم ان میں پانچ یقیناً قبول کرلئے جائیں گے"۔ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ختم ہونے پر جناح نے اسی دن جواب میں لکھا۔"کمیٹی نے معاملے کا بڑی احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا ہے کہ میں نے بڑے افسوس کے ساتھ دیکھا ہے کہ آپ یہ ضمانت نہیں دے سکتے کہ مجوزہ انتظامی کونسل کے مسلم ممبران کا انتخاب مسلم لیگ میں سے کیا جائے گا۔ کمیٹی اسے اپنے بنیادی اصولوں میں سے ایک سمجھتی ہے۔ اندریں حالات مجھے افسوس ہے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ آپ کو نام بھیج سکوں۔ہمارے لئے اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنا ممکن نہیں"۔

کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار کون؟

وائسرائے بھی اپنی اس بات پر ڈٹا رہا کہ وہ اس اصول کو نہیں مانتا اور اسی رات ایمرے کو بذریعہ تار مجوزہ کونسل کے لئے اپنی طرف سے تجویز کردہ ناموں سے آگاہ کردیا۔ ان میں سے چار (لیاقت علی خان' خلیق الزمان' ناظم الدین اور اسحاق سیٹھ) کا تعلق مسلم لیگ سے تھا اور پانچویں (سر محمد نواز خان) ایک پنجابی جاگیردار تھے۔ ہندوؤں میں سے نہرو' پٹیل' راجندر پرشاد' ڈاکٹر ایم ایس اینے اور سر بی این راؤ کے نام تجویز کئے گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ کو سکھوں کی اور ڈاکٹر امبیدکر نیز منی سوامی پلائی کو اچھوتوں کو نمائندگی کرنی تھی۔ مدراس یونیورسٹی کے ڈاکٹر جان متھائی (جو بعد میں نہرو کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے) کو انڈین کرسچن کی نمائندگی کے لئے چنا گیا۔ یوں وائسرائے اور کمانڈر انچیف کو ملا کر کونسل کی مجموعی تعداد سولہ تک پہنچتی تھی"۔

برطانوی کابینہ نے حد سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ ویول پہلے جناح سے ملاقات کرے اور اسے ان ناموں سے آگاہ کرے جو وہ تجویز کرنا چاہتا ہے اور جناح کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے کہ وہ ان ناموں کو اپنی پارٹی کی تیار کردہ فہرست کے طور پر قبول کرلے۔ ایک اچھے سپاہی کی طرح حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ویول نے ۱۱ جولائی کو جناح سے ملاقات کی اور انہیں اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کی ترغیب دی۔ "انہوں نے ان ناموں پر اس وقت تک غور کرنے سے انکار کردیا جب تک انہیں تمام مسلم ممبران کے انتخاب کا کلی اختیار نہ دیا جائے نیز اس بات کی ضمانت دینے سے معذرت چاہی کہ کوئی ایسا فیصلہ جس کی مخالفت کونسل کے مسلم ممبران کریں صرف دو تہائی اکثریت کی رضامندی سے منظور کیا جاسکے گا۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا فرقہ وارانہ ویٹو تھا۔ میں نے کہا کہ یہ شرائط سراسر ناقابل قبول ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہوگئی"۔ویول نے اپنی ڈائری میں ریکارڈ کیا۔وائسرائے ایک گھنٹہ بعد گاندھی جی سے ملا اور انہیں کانفرنس میں پیدا ہونے والے تعطل سے آگاہ کیا۔ گاندھی نے وہ افسوسناک خبر بڑے سکون سے سنی اور کہا کہ "حکومت برطانیہ کو جلد یا بدیر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ہندو نقطہ نظر کو قبول کرتی ہے یا مسلمانوں کے موقف کو کیونکہ دونوں میں مفاہمت کا کوئی امکان نہیں"۔

شملہ کانفرنس کی قطعی ناکامی نے فرقہ وارانہ بداعتمادی کی سنگینی کو' جو کہ ہندوستان کا کلیدی سیاسی مسئلہ تھا مزید گہرا کردیا۔ بہت سے انگریز حکام کو توقع تھی کہ اس ناکامی سے لیگ پر جناح کی گرفت کمزور پڑ جائے گی۔ اس کے برعکس ان کی صدارتی حیثیت مزید مضبوط ہوگئی کیونکہ پاکستان کے مطالبہ کو ملک بھر کے مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ پذیرائی حاصل ہونے لگی۔ ۱۵ر جولائی کو کانفرنس کے اختتامی سیشن میں کو جناح نے اعلان کیا کہ "پاکستان اور متحدہ ہندوستان ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کا پختہ عزم کرلیا ہے"۔

صورتحال سے اکتائے ہوئے ویول نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ "پارٹیوں کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کی متعدد کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلافات کی خلیج کتنی وسیع ہے۔ آیا میں نے ایسی کوشش کرکے زیادہ کیا ہے یا برا؟ اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ جناح نے معاملہ کو زیر بحث نہ لاکر جوڑ توڑ کی بہت بڑی غلطی کی ہے"۔ قائد اعظم کے متعلق ویول کی قطعی رائے یہ تھی کہ "وہ تنگ نظر اور ہٹ دھرم ہیں۔ انہیں زیادہ تر کانگریس سے خوف اور بداعتمادی نے تحریک دی ہے۔ آئینی لحاظ سے وہ دوسری پارٹی کے ساتھ دوستانہ تعاون کرنے کے قابل نہیں"۔

ایمرے نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ویول کو یاد دلایا کہ شملہ کانفرنس کی بدولت' کانگرسی لیڈروں کو ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کا احساس ہوگیا ہے کہ ان کی تمناؤں کی راہ میں دراصل مسلم لیگ حائل ہے' میں یا آپ حائل نہیں ہیں۔ اب انہیں لازماً یا تو چپ چاپ پاکستان قبول کرنا ہوگا یا سوچنا پڑے گا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جناح کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حمایت حاصل کریں اور یہ کہ محض نمائشی بے اثر کانگرسی مسلمانوں سے کام نہیں چلے گا"۔ سیکرٹری اف سٹیٹ نے اس سال سردیوں

میں انتخابات کرانے کی تجویز پیش کی لہٰذہ دعویٰ سے کہا کہ "اس سے بلاشبہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم صوبوں میں جناح ساری سیٹیں جیت لیں گے۔ اگر واقعی وہ ایسا کر گذرتے ہیں تو پھر ان کے اس مطالبہ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکے گا کہ سارے مسلم ممبران لیگ سے ہونے چاہئیں"۔ ایمرے نے خود بھی حال ہی میں انتخاب لڑا اور شکست کھائی تھی۔ جنگ کے بعد لیبر پارٹی کو جو غیر معمولی فتح حاصل ہوئی' اس کے نتیجہ میں ایٹلی اور اس کی جماعت برسراقتدار آگئی۔ جب وائسرائے کو پتہ چلا کہ وائٹ ہال میں اس کا نیا باس لارڈ پیتھک لارنس کو بنایا گیا ہے' تو اس کا ابتدائی ردعمل یہ تھا "ممکن ہے اس نے پرانی طرز کے خیالات کانگریس کے ساتھ تعلقات کے نتیجہ میں اخذ کئے ہوں"۔ بہرحال اگست ۴۵ء کی ۵ ر تاریخ کو ہیروشیما پر ایٹم بم کے ہولناک دھماکہ سے ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس نے تاریخ کی رفتار بہت تیز کردی۔ طویل دوسری جنگ عظیم ایک ہفتہ کے اندر اندر ختم ہوگئی اور برطانوی راج کو بیوروکریسی کی فرسودہ گرفت سے آزادی مل گئی۔

سترھواں باب ---- کوئٹہ اور پشاور (۴۶-۱۹۴۵ء)

شملہ کانفرنس کی قطعی ناکامی کے بعد نئی دہلی میں گورنروں کا اجلاس ہوا تاکہ ویول اور وائٹ ہال کو ان کے اگلے سیاسی اقدام کا فیصلہ کرنے میں مدد دی جاسکے۔ سردیوں کے انتخابات پر زیادہ تر اتفاق رائے پایا گیا' تاہم پنجاب کے گورنر گلانسی نے شدید مخالفت کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ جب تک پاکستان کے وسائل میں پوشیدہ خامیوں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک اقتصادی منصوبہ بندی کانفرنس نہ بلائی جائے' ایسے انتخابات بے معنی ہوں گے۔ اس نے زور دے کر یہ بات کی کہ اگر مسلم لیگ کو پاکستان کی خام خیالی سے نکالا نہ گیا تو پنجاب میں خانہ جنگی کا زبردست خطرہ ہے اور مرکز میں فوری انتخابات سے مسلم لیگ کی پوزیشن مضبوط ہونے کا امکان ہے۔ گلانسی کو خوف تھا کہ پنجاب کے مسلمان محض ایک "مذہبی مسئلہ" کو سامنے رکھ کر ووٹ دیں گے' اس کے خدشات نے خضر حیات کے عمیق ترین اندیشوں کی توثیق کر دی۔ بنگال کے گورنر نے اس بات سے اتفاق کیا کہ" بنگال کا کوئی بھی سرکردہ رہنما میرے سامنے یہ وضاحت نہیں کر سکا کہ پاکستان سے ان کی کیا مراد ہے۔ آخر کار وہ جناح کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے۔ یعنی انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ جناح اس بارے میں مطمئن ہیں کہ اقتصادی لحاظ سے پاکستان بڑا مضبوط ہو گا' پس ہم بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی ہو گا"۔ کیسی کے خیال میں وقت ایک اہم عامل تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ جناح کا کوئی حقیقی جانشین نہیں' اس کا استدلال یہ تھا کہ جناح کے بغیر نظریہ پاکستان کے پرزے اڑ جائیں گے۔

گاندھی کا اصلی چہرہ

جناح نے شملہ کانفرنس کے بعد بمبئی میں اپنے پہلے عوامی بیان میں نہرو کے ۱۹۳۷ء کے مشہور فارمولا' کو ہدف تنقید بناتے ہوئے دعویٰ سے کہا کہ "ملک میں صرف دو بڑی جماعتیں ہیں۔ گاندھی کو اور مجھے جو دعوت نامے بھیجے گئے ان کا پس منظر یہ تھا کہ گاندھی ایک جماعت کے مسلمہ رہنما ہیں اور

ہیں۔ کبھی ان کے ظلم کی دہائی دینے لگتے ہیں۔ گاہ گالیاں بکتے ہیں اور انگریز' حکومت کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہم کسی ایسے انتظام سے متفق نہیں ہو سکتے جس کا مقصد ہندوؤں کی آزادی' ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی و محکومی ہو۔" سامعین نے ایک ہی دن تین لاکھ روپے کی خطیر رقم ان کی نذر کی۔ جناح نے ان روپوں کو "مسلم لیگ کی چاندی کی گولیاں" قرار دیا۔

پیتھک لارنس نے اپنے پہلے ہفتہ واری مراسلہ میں ویول کو لکھا کہ "لیبر پارٹی بلاشبہ اپنے کامل اعتقادات اور پبلک میں اعلانات دونوں کی رو سے اپنے اس وعدہ کی پابند ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوشش بروئے کار لائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ میرے رفقائے کار انتخابات کرانے کے بارے میں آپ کی تجویز کا خیرمقدم کریں گے۔ میں ایک دستاویز میں جس پر آئندہ چند دنوں میں غور کیا جائے گا' ان انتخابات کی حمایت کر رہا ہوں"۔ نیا سیکرٹری آف سٹیٹ ہندوستانی فکر اور تہذیب سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ ۲۷ - ۱۹۲۶ء میں حق رائے دہی کی حامی اپنی بیگم کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کر چکا تھا۔ پھر ۱۹۳۱ء میں اس نے گول میز کانفرنس میں خدمات انجام دیں۔ وہ انڈیا آفس میں مونٹیگو یا اور مارلے کے وقت سے ہندوستان کی قومی خواہشات کو سب سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھتا تھا۔

تقسیم پنجاب کے مضمرات

گلانسی نے ان انتخابات کو ملتوی کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ "شملہ کانفرنس کے بعد پنجاب کے مسلم اضلاع میں جناح کی مقبولیت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے کہیں پاکستان کے مسئلہ کو تقویت نہ پہنچ جائے۔ جناح کے' اسلام کے ہیرو کے طور پر' گن گائے جا رہے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس صورتحال نے مجھے پریشان کر رکھا ہے کیونکہ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ مسلمان ایک انتہائی بے سروپا مسئلہ کی بنیاد پر انتخاب لڑیں گے۔ بے خبر مسلمان کو بتایا جائے گا کہ انتخاب میں اس سے جو سوال پوچھا جانے والا ہے وہ یہ ہے کہ آیا وہ سچا مسلمان ہے' کافر ہے یا غدار؟ اگر پاکستان نے ایک واضح حقیقت کا روپ دھار لیا تو ہم وسیع پیمانہ پر خونریزی کو دعوت دیں گے۔ غیر مسلم خصوصاً سکھ محض خالی دھمکیاں نہیں دے رہے ہیں کہ وہ آرام کے ساتھ ایسی حکومت کی اطاعت قبول نہیں کریں گے جس پر مسلمانوں کی حکومت کا لیبل لگا ہو"۔ کسی بھی انگریز نے پنجاب کی تقسیم کے مضمرات کی بابت ایسی صاف دوربینی سے کام نہیں لیا تھا۔ تاہم گلانسی کی آواز وائٹ ہال کے ایوانوں میں صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

۲۰ اگست ۴۵ء کو ویول کو نئی کابینہ سے مشورہ اور یہ اعلان کرنے کا اختیار دینے کے لئے لندن بلایا گیا کہ پورے ہندوستان میں انتخابات موسم سرما میں ہوں گے۔ ہندوستان سے روانگی سے قبل وائسرائے نے پیتھک لارنس کو ایک سمری بھیجی جس میں مسئلہ پاکستان کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ان باتوں کی وضاحت کی گئی تھی جو گلانسی نے پنجاب کی تقسیم کے بارے میں لکھی تھیں اور ان کا اطلاق اسی طرح بنگال پر بھی ہوتا تھا۔ "تاہم پنجابی بنگالیوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہیں اور سکھ' جو پنجاب کے الحاق سے پہلے یہاں حکمران رہ چکے ہیں' اپنی مقدس سرزمین کو مسلمانوں کے قبضہ میں جاتا دیکھ کر

ہیں۔ کبھی ان کے ظلم کی دہائی دینے لگتے ہیں۔ گاہ گالیاں بکتے ہیں اور انگریز' حکومت کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہم کسی ایسے انتظام سے متفق نہیں ہو سکتے جس کا مقصد ہندوؤں کی آزادی' ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی و محکومی ہو"۔ سامعین نے ایک ہی دن تین لاکھ روپے کی خطیر رقم ان کی نذر کی۔ جناح نے ان روپوں کو "مسلم لیگ کی چاندی کی گولیاں" قرار دیا۔

پیتھک لارنس نے اپنے پہلے ہفتہ واری مراسلہ میں ویول کو لکھا کہ "لیبر پارٹی بلاشبہ اپنے کامل اعتقادات اور پبلک میں اعلانات دونوں کی رو سے اپنے اس وعدہ کی پابند ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوشش بروئے کار لائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ میرے رفقائے کار انتخابات کرانے کے بارے میں آپ کی تجویز کا خیرمقدم کریں گے۔ میں ایک دستاویز میں جس پر آئندہ چند دنوں میں غور کیا جائے گا' ان انتخابات کی حمایت کر رہا ہوں"۔ نیا سیکرٹری آف سٹیٹ ہندوستانی فکر اور تہذیب سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ ۲۷ - ۱۹۲۶ء میں حق رائے دہی کی حامی اپنی بیگم کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کر چکا تھا۔ پھر ۱۹۳۱ء میں اس نے گول میز کانفرنس میں خدمات انجام دیں۔ وہ انڈیا آفس میں مونٹیگو یا اور مارلے کے وقت سے ہندوستان کی قومی خواہشات کو سب سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھتا تھا۔

تقسیم پنجاب کے مضمرات

گلانسی نے ان انتخابات کو ملتوی کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ "شملہ کانفرنس کے بعد پنجاب کے مسلم اضلاع میں جناح کی مقبولیت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے کہیں پاکستان کے مسئلہ کو تقویت نہ پہنچ جائے۔ جناح کے' اسلام کے ہیرو کے طور پر' گن گائے جا رہے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس صورتحال نے مجھے پریشان کر رکھا ہے کیونکہ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ مسلمان ایک انتہائی بے سروپا مسئلہ کی بنیاد پر انتخاب لڑیں گے۔ بے خبر مسلمان کو بتایا جائے گا کہ انتخاب میں اس سے جو سوال پوچھا جانے والا ہے وہ یہ ہے کہ آیا وہ سچا مسلمان ہے' کافر ہے یا غدار؟ اگر پاکستان نے ایک واضح حقیقت کا روپ دھار لیا تو ہم وسیع پیانہ پر خونریزی کو دعوت دیں گے۔ غیر مسلم خصوصاً سکھ محض خالی دھمکیاں نہیں دے رہے ہیں کہ وہ آرام کے ساتھ ایسی حکومت کی اطاعت قبول نہیں کریں گے جس پر مسلمانوں کی حکومت کا لیبل لگا ہو"۔ کسی بھی انگریز نے پنجاب کی تقسیم کے مضمرات کی بابت ایسی صاف دوربینی سے کام نہیں لیا تھا۔ تاہم گلانسی کی آواز وائٹ ہال کے ایوانوں میں صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

۲۰ اگست ۴۵ء کو ویول کو نئی کابینہ سے مشورہ اور یہ اعلان کرنے کا اختیار دینے کے لئے لندن بلایا گیا کہ پورے ہندوستان میں انتخابات موسم سرما میں ہوں گے۔ ہندوستان سے روانگی سے قبل وائسرائے نے پیتھک لارنس کو ایک سمری بھیجی جس میں مسئلہ پاکستان کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ان باتوں کی وضاحت کی گئی تھی جو گلانسی نے پنجاب کی تقسیم کے بارے میں لکھی تھیں اور ان کا اطلاق اسی طرح بنگال پر بھی ہوتا تھا۔ "تاہم پنجابی بنگالیوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہیں اور سکھ' جو پنجاب کے الحاق سے پہلے یہاں حکمران رہ چکے ہیں' اپنی مقدس سرزمین کو مسلمانوں کے قبضہ میں جاتا دیکھ کر

یقیناً لڑائی کریں گے۔" اس کے بعد اس نے یہ بظاہر مہمل بات لکھی کہ "پاکستان کے تصور کو پاکستانی صوبوں کے مقابلہ میں مسلم اقلیتی صوبوں میں زیادہ حمایت و تائید حاصل ہے۔" ویول نے خیال ظاہر کیا کہ اس نے ہمیشہ پاکستان کے قابل عمل ہونے اور اس کے مضمرات کی بابت وسیع پیمانے پر عمومی تحقیق کرانے سے گریز کیا ہے کیونکہ اس کی قبل از وقت رائے یہ تھی کہ جناح ایسی کانفرنس یا کمیشن کا بائیکاٹ کریں گے اور ایسے اقدام سے محض فرقہ وارانہ سوچ کو فروغ ملے گا۔ بہرحال اس نے محسوس کیا کہ قیام پاکستان کے امکان کو مسلسل نظرانداز کرنے سے پاکستان ختم نہیں ہوگا۔

ویول اگست کے ختم ہونے سے پہلے لندن پہنچا اور پیتھک لارنس کو، جو کہ بوڑھا لگ رہا تھا، خوش و خرم اور مہربانی سے پیش آنے والا پایا جو اسے موٹر میں کیبرج لے گیا۔ اگلے دن دونوں نے وائٹ ہال میں ڈیڑھ گھنٹہ تک تبادلہ خیال کیا۔ دو دن بعد ویول نے ایٹلی کی زیرقیادت کابینہ کی انڈیا کمیٹی سے ملاقات کی۔ سر سٹیفورڈ کرپس، جو اس وقت بورڈ آف ٹریڈ کا صدر تھا، کابینہ کا سب سے سخت ممبر محسوس ہوا۔ وائسرائے نے کمیٹی کو بتایا کہ اس نے اس امر کو سب سے زیادہ غیر قرین قیاس سمجھا کہ جناح پاکستان کی ضمانت، کم از کم اصولی طور پر ہی سہی قبول کئے بغیر مذاکرات میں شریک ہو جائیں گے۔ ویول کا اندازہ یہ تھا کہ ہندوستان کی مسلم آبادی کو ہندوؤں کے تسلط کا اندیشہ لاحق ہے اور جناح اس آبادی کے ۹۹ فیصد لوگوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جناح کی اصل قوت کا راز ہندوستانی مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر پھیلے ہوئے اس حقیقی خوف میں مضمر ہے کہ ہندو انہیں زیر کرکے ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وائسرائے نے دعویٰ سے کہا کہ "۱۹۴۲ء سے ہندوستانی پارٹیوں کی پوزیشن بہت زیادہ سخت ہو گئی ہے اس لئے اس وقت کوئی بھی پارٹی کرپس کی پیش کش قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ جہاں تک دستور ساز اسمبلی کا تعلق ہے۔ اگر پاکستان کا مطالبہ منظور نہ کیا گیا تو مسلمان لازماً اس کا بائیکاٹ کر دیں گے اور اگر اسے منظور کیا گیا تو ہندوؤں کی طرف سے ویسی ہی کارروائی خارج از امکان نہیں۔"

ایٹلی کے ماسوا جو بحیثیت وزیراعظم ہندوستان کے لئے بہت کم وقت دے سکتا تھا، کابینہ کے اراکین میں سے کرپس اور پیتھک لارنس نے خود کو ہندوستانی معاملات میں بہت زیادہ الجھا لیا تھا۔ کرپس اپنے دوستوں برلا اور نہرو کو جناح کی طاقت اور توانائی کو تنزل کی طرف دھکیلنے میں حق بجانب سمجھتا تھا۔ وہ ویول کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا۔ اس کے برعکس ویول نہرو اور پٹیل کی تقاریر سے متعلق رپورٹوں سے خوفزدہ ہو کر کہ کانگرس ایک دفعہ پھر حکومت سے پنجہ آزمائی کی تیاریاں کر رہی تھی۔ جناح اور مسلم لیگ کی طرف اور زیادہ ملتفت ہونے لگا شاید وہ متوقع محاذ آرائی میں اس کے حلیف ثابت ہوں۔ چنانچہ لیبر پارٹی کی ہندوستان کے ساتھ تمام تر ہمدردی اور سیاسی مسئلہ کے حل میں مدد دینے کے اعلانیہ وعدوں کے باوجود، اپنی پیشرو کابینہ کی طرح یہ کابینہ بھی ۱۹۴۲ء کی کرپس پیش کش سے زیادہ کچھ نہیں دے سکی اور درمیانی تین سالوں میں رونما ہونیوالی تبدیلیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے بزعم خویش اس موقف پر ڈٹ گئی کہ "اگر ہندوستانی پارٹیاں یا ان میں سے کوئی ایک تعاون کرنے پر آمادہ ہوئی تو یہ ذمہ داری ان پر ہوگی۔ ویول اور پیتھک لارنس نے ہندوستان کو یہ بات ذرا بہتر طریقے سے بتا دی تھی کہ برطانیہ کی نئی مابعد جنگ پالیسی وہی ہے جو ماضی میں کرپس نے پیش کی تھی۔ وائسرائے نے

چرچل سے اس کی لیگ کومو کو روانگی کے موقع پر ملاقات کی۔ وہ یہ جان کر ہکا بکا رہ گیا کہ چرچل نے پہلی شملہ کانفرنس سے صرف اس بنا پر اتفاق کیا تھا کہ انڈیا کمیٹی نے اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ وہ کانفرنس لازماً ناکام ہو گی۔

کوئٹہ کا دورہ

جناح الیکشن سے قبل فنڈز جمع کرنے کے دورہ پر کراچی کے بعد کوئٹہ پہنچے ' وہاں کی خشک ٹھنڈی آب وہوا ان کے پھیپھڑوں کے لئے بہترین سمجھی جاتی تھی انہوں نے جہاں کہیں بھی تقریر کی ان کا پیغام سادہ اور ایک ہی تھا کہ مسلم لیگ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور بااختیار جماعت ہے اور لیگ کا واحد پلیٹ فارم پاکستان ہے۔ جناح نے ایک علیحدہ قوم کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس موقع پر انہوں نے اٹلی کو تار دیا جس میں یہودی تارکین وطن کے فلسطین میں داخلہ پر پابندی نرم کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا۔ انہوں نے وزیراعظم کو خبردار کیا۔

" آپ کو اس سے مطلع کرنا میرا فرض ہے کہ عربوں کی قربانی پر یہودیوں کو خوش کرنے کی کوشش کا زبردست برا منایا جائے گا ۔ عالم اسلام سختی سے اس کی مزاحمت کرے گا اور اس کے نتائج بڑے تباہ کن ہونگے"۔

۱۹۴۵ء کی انتخابی مہم کے دوران جناح کو بلوچستان میں قیام کرنا پڑا کیونکہ وہ سفر کرنے کے قابل نہ تھے ' ان کی غیر حاضری میں لیاقت علی خاں ' ورکنگ کمیٹی ' سنٹرل پارلیمانی بورڈ اور الیکشن کمیٹی کے ممبران نے دہلی کے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھ کر مسلم لیگ کے معاملات کو چلایا اور امیدواروں کو ٹکٹ دیئے صوبوں خصوصاً بنگال ' سندھ اور سرحد میں معمولی باتوں پر تکرار اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے واقعات شروع ہو گئے وسط ستمبر میں سرفیروز خان نون نے وائسرائے کی کابینہ سے بطور وزیر دفاع استعفیٰ دیدیا اور پنجاب لوٹ آئے تاکہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کا انتخاب لڑ سکیں۔ تاہم ایک ماہ بعد ویول نے پیتھک لارنس کو اطلاع دی کہ " سرفیروز خان کو عمومی طور پر خوش آمدید نہیں کہا گیا اور مجھے شک ہے کہ وہاں پارٹی اتنی متحد اور سرگرم نہیں جتنا کہ اسے ہونا چاہئے۔ مسلم لیگ کی تنظیم کانگریس کے مقابلہ میں ہمیشہ خراب رہی ہے ۔ اور اگر انہوں نے یہ وقت ذاتی جھگڑوں میں کھو دیا تو اس کے نتائج انتخابات میں بھگتنے ہونگے"۔

اکتوبر کے آخری ہفتہ میں کوئٹہ سے بمبئی جاتے ہوئے جناح نے احمد آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا اور لوگوں کو بتایا کہ " پاکستان ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے ۔ میں نے الیکشن لڑنے کے لئے چاندی کی گولیوں (سرمایہ) کی اپیل کی تھی اور احمد آباد ' بمبئی کے بعد دوسرے نمبر پر رہا ہے جہاں سے مجھے دو لاکھ روپے کا چیک دیا گیا ہے ۔ تمام مسلمان ایک خدا کے ماننے والے ہیں اور ایک قوم ہیں ۔ وہ پاکستان چاہتے ہیں اور اسے حاصل کر کے رہیں گے ۔ یہ ایسا تعویذ اور جادو ہے جس سے ان کی طاقت اور عظمت بڑھے گی ۔ پاکستان کا بدر کامل درخشاں ہے اور ہم اس تک پہنچ کر دم لیں گے"۔ ان کی اس دلپذیر تقریر پر ہجوم نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

یکم نومبر کو جناح نے پیشگوئی کی کہ مسلم لیگ انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیت جائے گی۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے رپورٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میں پاکستان کے ان نکتہ چینوں سے اتفاق نہیں کر سکتا جن کا استدلال یہ ہے کہ یہ منصوبہ قابل عمل نہیں ہمارا اگلا قدم یہ ہو گا کہ برطانیہ سے پاکستان کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کریں"۔

کانگریس ایک ایسی حکومت کے تحت جو کانگریس ہائی کمان کی منتخب کردہ ہو پورے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ویول نے اپنے حکام کو چوکس کر دیا اور مارشل لاء کا اعلان کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ سیاستدان پیتھک لارنس نے ویول کی رپورٹوں میں سے کوئی بھی نہ پڑھی جن میں کانگریس کی مہم پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا تھا اس کے برعکس اس نے وائسرائے کو تار دیکر دریافت کیا۔ "کیا جناح کو پاکستان کی ترمیم شدہ شکل قبول کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جسے منظور کرنا ممکن ہو۔

کرپس نے کابینہ کی کمیٹی کو مشورہ دیا کہ ایک پارلیمانی وفد ہندوستان بھیجا جائے اور وائسرائے سے کہا کہ وہ گاندھی سے ملاقات کر کے اس امر کی رپورٹ دے کہ آیا اس کے خیال میں گاندھی ہندوستانی رائے عامہ کو اعتدال پسندی کی طرف مائل کرنے کے لئے تیار اور آمادہ ہے۔ اگر انتخابات کے بعد جیسا کہ پیشگی کہا جا رہا ہے کانگریس اکثریتی پارٹی ثابت ہوئی تو اس کے ساتھ غیر ذمہ دارانہ سلوک کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اس طرح لیبر پارٹی کے پیتھک لارنس اور کرپس نے یہ طے کر لیا کہ وائسرائے کو ہندوستان کے آزاد راج کی طرف وہاں کی سنگلاخ سیاسی سڑک پر دوڑنے کا پورا موقع دیا جائے بجائے اس کے کہ وہ کوئی فوجی ہموار تر راستہ اپنائے۔

بہر حال مذاکرات کے لئے ہندوستان کی بڑھتی ہوئی سیاسی پیچیدگی اور میلان خاطر کی بابت ویول کا پیمانہ صبر لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی خاموشیاں زیادہ تنبیہہ کرنیوالی پر جوش تقریروں میں بدل گئیں۔ تھکاوٹ اور بددلی بوڑھے فوجی کے اعصاب پر سوار ہو گئی جیسا کہ وسطِ نومبر ۱۹۴۵ء میں اس نے روزنامچہ میں نقل کیا تھا:

"آج شام یو پی سے واپسی ہوئی۔ یہ سب سے بے لطف دورہ تھا جو میں نے کیا ' تھکانے والا ' افسردہ کرنیوالا اور بہت ہی گرم دورہ۔" لارنس کے جواب میں ویول نے وائٹ ہال کو فوری انتہائی خفیہ تار دیا "میں اس بات کو پسندیدہ نہیں سمجھتا کہ میں گاندھی کو ملاقات کی دعوت دوں"۔

فوجیوں کے خلاف مقدمۂ بغاوت

ویول ' اس کا کمانڈر انچیف جنرل آکنلک نیز بہت سے فوجی وسول انگریز حکام جس بددلی کا شکار تھے ' نومبر میں اس وقت عام ہو گئی جب سوبھاش چندر بوس کی قائم کردہ آزاد ہند فوج کے اولین لیڈروں کے خلاف دہلی کے لال قلعہ میں مقدمہ بغاوت کی کارروائی شروع کی گئی اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لئے ہر طرف سے چیخ پکار ہونے لگی۔ بوس خود تو فارموسا کے ایک فضائی حادثہ میں ہلاک ہو گئے تھے ' لیکن ان کے تین نائبین ایک ہندو ' ایک مسلمان اور ایک سکھ جو سنگاپور میں متعین انگریزی فوج میں اس کے ہتھیار ڈالنے تک شامل تھے اور بعد میں بغاوت کر کے بوس آرمی سے جا

ملے تھے ' اب قومی ہیروز بن گئے۔ نہرو ' بھولا بھائی ڈیسائی اور تیج بہادر سپرو جیسے نامور وکلاء نے ان افسروں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کر دیں ' جنہیں زنجیروں میں جکڑ کر محض اس لئے ہندوستان لایا گیا تھا کہ محب وطن کے طور پر ان کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا جا سکے۔

بوس کے وطن کلکتہ میں احتجاجی مظاہروں اور ہنگاموں میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ تیس سے زیادہ افراد مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوگئے ' لاکھوں روپے کی املاک نذر آتش کر دی گئیں اور لوٹ لی گئیں۔ مقدمہ کی سماعت جونہی شروع ہوئی اکثر انگریز حکام کو محسوس ہوا کہ انہوں نے آزاد ہند فوج کی اتنی پبلسٹی کر کے اور اتنا نمایاں پلیٹ فارم مہیا کر کے زبردست غلطی کی ہے۔

جنرل سرکلاڈ آکنلک نے ویول کے نام ایک انتہائی خفیہ مراسلہ میں ۲۴ر نومبر ۴۵ء کو لکھا :-

" ہمیں جو شہادتیں ملی ہیں اور ان میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے ' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوج میں عمومی رائے (بعض یونٹوں میں افراد کی رائے کے برعکس جو تلخی کی مخصوص وجوہ رکھتے ہیں) نرمی اختیار کرنے کے حق میں ہے۔ اگر آپ موجودہ مقدمات کے معاملہ میں اتفاق کریں تو سزاؤں میں تخفیف کر دی جائے گویا مقدمات کے اختتام پر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ ملزمان نے جو کچھ کیا' اس یقین کے ساتھ کیا کہ وہی کچھ ان کا فرض تھا"

آکنلک کے اس خط نے وائٹ ہال سے موصول ہونے والے کسی پیغام سے زیادہ اس حقیقت کا قائل بنا دیا کہ انگریزی راج کے دن گنے جا چکے ہیں ۔ برطانیہ نے عالمی جنگ تو جیت لی ' لیکن ہندوستان کو کھو دیا' جناح نے انڈین نیشنل آرمی کے ان تاریخی مقدمات میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ اگرچہ مسلم لیگ نے خود کو صفائی سے وابستہ رکھا ۔ جیسا کہ برٹش انٹیلی جنس نے ایک رپورٹ میں رائے ظاہر کی۔ " مسلمانوں کے خلاف مقدمات کے اثر کو مسلمانوں اور لیگ میں یکساں بری طرح محسوس کیا جارہا ہے۔"

مسلمانوں کے لئے لیگ کی قربانیاں

جناح ۱۹۳۶ء کے بعد پہلی مرتبہ ایک ہفتہ کے انتخابی مہم پر سرحد پہنچے۔ ۲۴ نومبر ۴۵ء کو پشاور میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا : " ہمارا کوئی دوست نہیں' نہ انگریز ہمارے دوست ہیں نہ ہی ہندو۔ ہمارے ذہن صاف ہیں کہ ہمیں ان دونوں سے لڑنا ہے۔ اگر یہ دونوں بنیا ہونے کے ناطے ہمارے خلاف متحد ہو جائیں ہم پھر بھی خوفزدہ نہیں ہونگے۔ ہم ان دونوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کریں گے اور انشاء اللہ آخر میں فتح ہماری ہو گی"۔ جب جناح نے ہجوم سے پوچھا ۔ آیا وہ پاکستان چاہتے ہیں یا نہیں؟ تو لوگوں نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے جواب دیا۔ جناح نے انہیں یقین دلایا ۔ پاکستان حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں۔ آخر میں وہ مدافعت پر اتر آئے ۔ طنز و تعریض کے تیر برسانے لگے اور غصے میں بھر گئے۔ " ہندو پوچھتے ہیں کہ جناح اور مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لئے کونسی قربانیاں دی ہیں ؟۔ یہ درست ہے کہ میں جیل نہیں گیا ' کوئی پرواہ نہیں ' میں ایک برا آدمی ہوں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں ۔ ۲۱ ۔ ۱۹۲۰ء میں کس نے

قربانیاں دیں ؟ مسٹر گاندھی ہماری کھوپریوں پر بچھی ہوئی قیادت کی گدی پر چڑھ بیٹھے ہیں"۔ تقریر کے اس آخری حصہ نے جناح کی اس عمیق ترین رنجش کا انکشاف کر دیا جس سے ان کی سیاسی زندگی میں لگنے والا وہ بدترین زخم ہرا ہو گیا جب انہوں نے واقعتاً" محسوس کیا تھا کہ گاندھی نے کانگریس کی قومی قیادت کے تخت پر چڑھنے کے لئے ان کی کھوپری پر پاؤں رکھ دیا ہے۔

آزادی کی راہ میں کون حائل ہے؟

ادھر کلکتہ میں آزاد ہند فوج کی حمایت میں ہونیوالے ہنگاموں نے، جن میں ۳۳ افراد ہلاک، سینکڑوں زخمی اور پورا شہر تباہ ہو کے رہ گیا تھا گورنر کیسی کو مایوسی اور تشویش و اضطراب سے نڈھال کر دیا۔ اس نے اوائل دسمبر میں گاندھی سے ملاقات کی اور ویول کو رپورٹ دی کہ "اس کے سیاسی استدلال میں حقیقت پسندی اور توازن کا فقدان تھا۔ بہر حال اس میں سٹھیانے کی کوئی علامت نہ تھی"۔ دوسری ملاقات میں کیسی نے گاندھی کو بتایا کہ "ہندوستان کو حق خود ارادیت دینے کی راہ میں انگریز حائل نہیں ہیں بلکہ وہ مسلم لیگ ہے جو ہندو تسلط کے وہم میں مبتلا ہے"۔ اس نے گاندھی سے کہا کہ کانگریس کو چاہئے کہ اختلافات کی خلیج پر کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لئے ان تحفظات پر مشتمل بنیادی فہرست کا اعلان کر دے جو وہ نئے آئین میں شامل کرنے پر رضا مند ہے"۔ گاندھی نے جواب دیا "میں نے جناح کی طرف سے مانگے گئے ایک تحفظ کے بعد دوسرا تحفظ تسلیم کیا، جو مسلسل اپنی قیمت بڑھاتے گئے، یہاں تک کہ وہ پاکستان کے مطالبہ تک پہنچ گئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس سے کم کوئی چیز انہیں مطمئن نہیں کر سکے گی۔ گاندھی نے کیسی کو یہ بھی بتایا کہ جناح بڑے جاہ طلب ہیں اور ان کی نگاہیں اس بات پر جمی ہوئی ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا رابطہ مشرق وسطیٰ نیز دوسری جگہ کے مسلمانوں سے قائم کیا جائے اور یہ کہ انہیں یقین نہیں کہ جناح کو ایسے خوابوں سے باز رکھا جا سکتا ہے"۔

مرکزی انتخابات میں لیگ کی شاندار کامیابی

لیگ نے دسمبر کے انتخابات میں مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے مخصوص جملہ تیس نشستیں جیت لیں (جن میں جناح کی سیٹ بھی شامل تھی) اس شاندار کامیابی سے جناح کی پیش گوئی درست ثابت ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے لئے عمومی کشش رکھتا ہے۔ کانگریس نے اگرچہ ۵۵ کی بالادستی بحال رکھی تاہم وہ چار سیٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ جناح نے اپنے مسرور و محظوظ حامیوں کو یقین دلایا۔ "وہ دن دور نہیں جب پاکستان تمہارے قدموں میں ہو گا۔" انہوں نے نہرو پر بڑھ چڑھ کر تنقید کی اور اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے اسے تند خو پنڈت سے تعبیر کیا جو کسی بات کو ہرگز نہیں بھلاتا اور کبھی بوڑھا نہیں ہوتا وہ پیٹرس کے نعرے کے سوا کچھ نہیں"۔

پیتھک لارنس نے مولانا آزاد اور جناح کو پارلیمانی وفد کے آئندہ دورہ سے مطلع کرتے ہوئے دریافت کیا آیا وہ وفد سے ہندوستان کے مسائل پر بحث کرنے کے لئے ملاقات کریں گے۔ جناح نے لیبر پارٹی کے پروفیسر آر۔ رچرڈز کی قیادت میں آنیوالے ۱۰۔ رکنی وفد سے ۱۰ر جنوری ۱۹۴۶ء کو دہلی میں ملاقات کی اس سے پانچ روز قبل انہوں نے ویول کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بات چیت کی۔ تاہم

انہوں نے لیاقت علی خاں کو ویول سے ملاقات کی اجازت نہیں دی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے ساتھ ٹھوس مذاکرات کے معاملہ میں وہ اپنے نائبین پر بہت کم اعتماد کرتے تھے۔ پاکستان کی جدوجہد انہوں نے کسی کو کچھ دئے بغیر تن تنہا لڑی۔

کیبنٹ مشن کی آمد

جوں جوں صوبائی انتخابی مہم میں گرماگرمی پیدا ہوئی۔ ہندو مسلم فسادات اور زہریلے پروپیگنڈہ کی بابت 'خصوصاً پنجاب میں' رپورٹوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ علاوہ ازیں پیتھک لارنس اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ مذاکرات کے دوسرے دور کو اکیلے وائسرائے پر چھوڑنا مفید نہیں اور یہ کہ کابینہ مشن سے کم کوئی چیز ہندو' مسلم تعطل کو دور نہیں کرسکے گی' چنانچہ طے پایا کہ صوبائی انتخابات کے ختم ہونے سے ذرا پہلے مارچ میں کسی وقت' سیکرٹری آف سٹیٹ کی قیادت میں تین وزراء کا مکمل اختیارات سے لیس وفد ہندوستان بھیجا جائیگا۔ کابینہ نے محسوس کرلیا تھا کہ شاید یہ مشن برطانوی ہند کے کھیل میں اس کا آخری کارڈ ہو گا جو بڑی تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر مذاکرات ناکام ہو گئے تو سول نافرمانی شروع ہو جائے گی اور حالات زیادہ دیر تک تشدد سے پاک نہیں رہیں گے۔ ممکن ہے فوج بھی حکم نہ ماننے کا فیصلہ کرلے۔ آزاد ہند فوج کے افسروں کی سزاؤں میں کمی نے صورت حال کو بڑی تیزی سے بدل دیا اور باغیوں کو قومی ہیرو سمجھا جانے لگا۔ سرکاری ملازمتوں میں یورپینوں کی تعداد تیزی سے گھٹ گئی کیونکہ بہت سے بوڑھے اشخاص نے پنشن لیکر گھر جانے کے حق اختیار کو استعمال کیا۔ قیمتی وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔

کابینہ نے فروری میں فیصلہ کیا کہ کرپس' اے' وی' الیگزینڈر (فرسٹ لارڈ آف ایڈمرلٹی) اور پیتھک لارنس جیسے تجربہ کار وزراء' کو ہندوستان بھیجا جائے۔ ویول کو ڈر تھا کہ ان تین "بزرجمہروں" میں کرپس کو کلیدی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کا خیال تھا کہ کرپس کانگریس کے نقطہ نظر کا کٹڑ حامی ہے اور معاملہ کرنے میں پوری طرح دیانتدار نہیں۔ کابینہ مشن کی ہندوستان کی روانگی سے ایک ماہ پیشتر پارلیمانی وفد نے واپس پہنچ کر اپنے دورہ کی رپورٹ وزیراعظم کو پیش کر دی۔ وفد کے زیادہ تر ممبر اس حق میں تھے کہ پاکستان کی کوئی نہ کوئی صورت منظور کرنی پڑے گی اور جتنی جلدی تسلیم کرلی جائے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ مسز مورنیل نکول نے اعتراف کیا کہ اس نے ہندوستان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کی شدید ضرورت کے تاثر کے ساتھ دورہ شروع کیا تھا لیکن اس نے پنجاب کو "دھماکہ خیز" پایا وہاں کی ساری مسلمان آبادی کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا جا چکا ہے' اس لئے اسے لازماً منظور کرنا پڑے گا۔ اس نے اس یقین کا اظہار کیا کہ جناح اپنے مطالبہ میں ترمیم کرلیں گے لیکن صرف اس صورت میں کہ پاکستان کے اصول کو ابتدائی مرحلہ پر مان لیا جائے۔ بریگیڈیئر آسٹن لو کی رائے تھی۔ یہ بات ناپسندیدہ ہو گی کہ حکومت برطانیہ پاکستان کے حق میں کوئی اعلان جاری کرے۔ اسے اس بات سے اتفاق تھا کہ شاید ایسا کرنا ضروری ہو' تاہم اسے خدشہ تھا کہ پاکستان کوئی باقی رہنے والا مسئلہ نہیں۔ پارلیمنٹ کے رکن ریجنالڈ سورنسن نے پاکستان کو سراسر نامعقولیت پر مبنی قرار دیا۔ اس کے نزدیک جناح کو معقول

شخص سمجھنا مشکل تھا۔ تاہم اسے نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ مسٹر آرتھر باٹملے کو پاکستان کا تصور پسند نہیں آیا تاہم اس نے درج ذیل امور کو ضروری خیال کیا۔ (الف) وسیع قتل وغارتگری کی روک تھام (ب) اپنے تجارتی مفادات کا تحفظ کیونکہ جہاں کانگریس کے اکثریتی صوبوں میں برطانیہ کے ساتھ تجارتی بائیکاٹ کا رجحان پایا جاتا ہے وہاں مسلمان ہمارے ساتھ لین دین جاری رکھنے کے خواہشمند ہیں۔

پاکستان کی بقا کی ضمانت

انہی دنوں پیتھک لارنس کے ذہین اور لائق پرائیویٹ سیکرٹری فرانسس ٹرن بل نے "پاکستان کے باقی رہنے کی صلاحیت" پر ایک نوٹ تیار کیا' جس نے کابینہ مشن کو مذاکرات شروع کرنے سے پہلے اس مسئلہ کی بابت بریف کرنے میں مدد دی۔ مسٹر ٹرن بل کی تیار کردہ اس گرانقدر دستاویز میں ابتداء میں تنبیہہ کی گئی تھی کہ "سیاسی آزادی کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے بھاری اقتصادی قیمت ادا کرنی پڑے گی "۔ نوٹ میں مزید کہا گیا تھا: "ہندوستان کی تقسیم شدید دشمنی میں جنم لے گی اور یہ فرض کرنا یقیناً ناعاقبت اندیشی ہو گی کہ پاکستان کی ریاستوں اور بقیہ ہندوستان کے مابین مواصلات اور اقتصادی میل جول کی مشینری کو مربوط بنانے کی کوششوں پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ اس نتیجہ کو رد کرنا محال ہے کہ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جہاں تک لوگوں کے ذریعہ معاش کا تعلق ہے ہندوستان کی تقسیم مفاد کے برعکس ہو گی"۔

ہندوستان کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے خشک سالی کے باعث برصغیر کے اکثر صوبے قحط کی لپیٹ میں آگئے اور غلہ کی نایابی بنگال سے شروع ہو کر سرحدی علاقوں تک پہنچ گئی۔ ویول نے گاندھی اور جناح سے اپیل کی کہ لندن اور امریکہ جانے والے سرکاری خوراک وفد میں شامل کرنے کے لے اپنے اپنے نائبین نامزد کریں' جناح نے اثبات میں جوابدیا جبکہ گاندھی نے کہا کہ مولانا آزاد کو بلا کر ان سے بات کریں خوردنی اجناس راشن بندی کے تحت فی کس بارہ اونس یومیہ کی شرح سے ملنے لگیں۔ اس پر شدید احتجاجی مظاہرے ہونے لگے جن کا آغاز تو احمد آباد سے ہوا لیکن جلد ہی بہت سے شہروں میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگوں کی بگڑتی ہوئی صحت کے مناظر عام نظر آنے لگے۔ راشن کی صورت میں جو خوراک ملتی تھی وہ ۱۲۰۰ حراروں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی جو کہ روز مرہ کی نارمل سرگرمی کے لئے مطلوب کم ازکم مقدار کے نصف سے بھی قدرے کم تھی۔

بمبئی میں نیوی کی ہڑتال

۱۸ فروری ۴۶ء کو بمبئی کی بندرگاہ میں مقیم بحری فوج نے تنخواہوں میں اضافہ کے مطالبہ پر ہڑتال کر دی۔ اگلے دن قریباً ۳۰۰۰ "باغیوں" نے بمبئی شہر میں مارچ کیا اور ہزاروں حامیوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر ابھارا۔ ایچ ایم آئی ایس "تلوار" اور ایچ ایم آئی ایس "لاہور" نامی جہازوں پر کانگریس کے جھنڈے لہرا دئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے سرفروش سیلروں نے اپنے ہیلٹوں پر' جو خود کو سوبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کی طرز پر انڈین نیشنل نیوی کے اراکین کہتے تھے'

کانگریس کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے آویزاں کر لئے۔ ۲۲ر فروری کو باغیوں سے کہا گیا کہ ان کی طرف سے صرف " غیر مشروط اطاعت " قبول کی جائے گی ۔ بمبئی کے کمانڈر سر آر ' ایم ۔ لوکہارٹ کے پاس خاصی فورس تھی ۔ تاکہ اگر جہازوں کی طرف سے فائر کھولا جائے تو انہیں ڈبویا جا سکے ۔ اس موقع پر ولبھ بھائی پٹیل میدان میں آئے۔ انہوں نے جہازوں پر جا کر ملاحوں کو غیر مشروط سرنڈر پر آمادہ کر لیا ۔ کراچی میں متعین نیوی والوں نے بھی ہڑتال میں حصہ لیا ۔ دونوں شہروں میں جو احتجاجی ہنگامے ہوئے' ان میں دو سو سے زائد سول افراد مارے گئے۔

صوبائی انتخابات کے نتائج

فروری کے آخر میں صوبائی انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو پنجاب میں ۸۸ میں سے ۷۵ سیٹیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ یہ گویا صوبہ کے مسلمانوں کی طرف سے پاکستان کے حق میں واضح مینڈیٹ تھا ' اگرچہ مسلم لیگ کو اتنی اکثریت حاصل نہ ہوئی کہ وہ سکھوں یا کانگریس کی مدد کے بغیر وزارت بنا سکے۔ سندھ میں لیگ کی حالت حسب سابق پتلی رہی اسے ۳۴ میں سے ۲۸ سیٹیں ملیں۔ آسام میں اگرچہ اس کے ۳۴ میں سے ۳۱ امیدوار کامیاب ہوئے تاہم کانگریس نے لیگ کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے سے انکار کر دیا ۔ البتہ بنگال میں جناح کی پارٹی کو منفرد نوعیت کی فتح حاصل ہوئی جہاں ۱۱۹ میں سے ۱۱۳ سیٹیں اس کے حصہ میں آئیں تاہم صوبہ سرحد میں مسلم لیگ ۳۸ میں سے محض ۱۷ نشستیں جیت سکی۔ گویا مجموعی طور پر صوبائی الیکشن میں لیگ کو مسلمانوں کے ۸۸ فیصد سے زائد ووٹ ملے جو دنیا کی نظروں میں پاکستان کے مطالبہ کو جائز ٹھہرانے کے لئے کافی تھے۔

پیتھک لارنس اور کابینہ میں اس کے دوسرے رفقائے کار ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہندوستان پہنچے۔ انہوں نے اپنے پہلے بیان میں واضح طور سے کہا کہ حکومت برطانیہ اور برطانوی عوام کسی ذہنی تحفظ کے بغیر ' ان وعدوں اور عہد و پیمان کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان کے ساتھ کئے گئے تھے"۔ میجر وڈرو واٹ کابینہ مشن کے ساتھ کرپس کے معاون کی حیثیت میں ہندوستان آیا تھا' وہ اراکین وفد میں سے سب سے پہلے ۲۷ ر مارچ کو جناح سے ان کی رہائش گاہ پر ملا۔ میجر واٹ کی ایک پرانی شناسا' ایک خوبصورت دوشیزہ جو کہ سر محمد شفیع کی پوتی ممتاز (عرف نازی) تھی ' وہ جناح کے بہت قریب تھی جو میجر واٹ کو جناح کی مصروفیات ' ان کی سوچ اور لیگ کی اندرونی کشمکش سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ واٹ نے ۲۸ ر مارچ کو کرپس کو رپورٹ دی کہ " مسلم لیگ ثابت قدمی سے جناح کے پیچھے ہے"۔ کرپس نے ۳۰ ر مارچ کی صبح کو جناح سے ملاقات کی ۔ اس کا پہلا تاثر یہ تھا ۔ " وہ پرسکون ا. معقول نظر آئے البتہ پاکستان کے مسئلہ پر پوری طرح ڈٹے ہوئے تھے"۔ اس گفتگو کے نتیجہ میں جناح گاندھی کو مذاکرات کی دعوت دینے پر آمادہ ہو گئے۔ جیسا کہ گذشتہ مذاکرات کے شروع میں ہو تا رہا' ابتداء میں جناح کا رویہ حیران کن حد تک خوشگوار اور بدگمانی دور کرنیوالا تھا۔

جناح کو حکومت بنانے کی پیش کش

گاندھی نے ۳ ر اپریل کو مشن سے ملاقات کی ۔ " ان کے تن پر ایک دھوتی کے سوا کچھ نہ تھا۔

وہ حیرت انگیز طور پر صحت مند لگ رہے تھے"۔ ویول نے اپنی رپورٹ میں لکھا ۔

" مسٹر گاندھی نے انکشاف کیا میں نے مسٹر جناح کے ساتھ ۱۸ دن گزارے ۔ گاندھی مسلمانوں کے مخلص دوست ہونے کے دعویدار ہیں۔ تاہم پاکستان کو سمجھنے سے قاصر ہیں جس کے بارے میں مسٹر جناح کہتے ہیں کہ پاکستان سے ان کی مراد .... ان کا پاکستان ایک گناہ ہے جس کا ارتکاب وہ (مسٹر گاندھی) کسی صورت میں نہیں کریں گے۔ پاکستان کا خلاصہ جو وہ سمجھے ہیں۔ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن کے فروغ اور جائز آرزوؤں کے اظہار کی آزادی حاصل ہو۔ دو قومی نظریہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ مسلم آبادی مذہب تبدیل کرنیوالوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب ہندوستان میں پیدا ہونیوالوں کی اولاد ہیں جناح مخلص آدمی ہیں تاہم ان کی منطق سراسر غلط ہے ' خصوصاً اس لئے کہ وہ ایک قسم کے خبط (مالی خولیا) میں مبتلا ہیں۔ انہیں خود بھی سودائی کہا جاتا تھا اس لئے انہوں نے جناح کو سودائی قرار دے دیا انہوں نے جناح سے دریافت کیا آیا ان کے بیٹے (ہیرا لال گاندھی) کے مسلمان ہو جانے سے اس کی قومیت بھی بدل گئی ہے؟ گاندھی نے پیشکش کی کہ جناح کو پہلی حکومت بنانے کا موقع دیا جائے جس کے ارکان کا انتخاب وہ ملک کے نمائندہ افراد میں سے کریں۔ وائسرائے ان کا تقرر رسمی طور پر کریں گے ' حقیقت میں ان کا انتخاب جناح خود کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو حکومت بنانے کی ویسی ہی پیش کش کانگریس کو کی جائے ۔ عبوری حکومت لازمی طور پر قومی ہونی چاہئے۔ مسٹر جناح آزاد ہیں اپنی حکومت کے لئے جسے چاہیں چن لیں ۔ وہ اس اسمبلی کے ووٹ کے تابع ہونے چاہئیں جہاں سے ان کا انتخاب کیا جائے"۔

اس نکتہ پر پیتھک لارنس نے گاندھی کو ٹوکتے ہوئے کہا ۔ "یہ بات قابل غور ہے کہ جناح کی پارٹی کو اسمبلی میں اکثریت حاصل نہیں ہے اس لئے ان سے ایسی حکومت کی سربراہی کرنے کو نہیں کہا جائے گا جس کے وزراء ' کی اکثریت دوسری پارٹیوں سے تعلق رکھتی ہو"۔ گاندھی جی بولے ۔ "یہ ناگزیر ہے ' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے وضاحت کی کہ اس صورت میں جناح کی حکومت پر ہندوؤں کا غلبہ ہو گا۔ مہاتما نے کہا ۔ " میں ان مشکلات کی سنگینی کم نہیں کر رہا جن سے وفد کو سابقہ پڑے گا۔ اگر میں غیر ذمہ دار رجائیت پسند نہ ہوتا تو کسی بھی حل سے مایوس ہو چکا ہوتا"۔

ہندو مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے

جناح مشن سے انٹرویو کے لئے اگلی صبح دس بجے آئے اور مشن کے ساتھ تین گھنٹے تک بات چیت کی ـــــــــ جو ویول کے بقول بالکل ضیاع وقت کے مترادف تھے۔ جناح نے اپنی بات ہندوستان کے تاریخی سروے سے شروع کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ اپنے طویل ماضی میں یہ ملک شاذ ہی متحد رہا ہے ۔ انہوں نے دلیل پیش کی کہ " ہندو مسلمان سے ہاتھ ملانے کے بعد فوراً اپنے ہاتھ دھوتا ہے "۔ اگرچہ وہ ذاتی طور پر اس مخصوص عادت میں غالباً کسی ہندو سے زیادہ احتیاط پسند تھے۔ مزید برآں انہوں نے یہ بات کہی کہ " کوئی ہندو مسٹر جناح کو اپنی عمارت میں ایک کمرہ کرایہ پر نہیں دے گا"۔ تو ایسا لگا کہ وہ

بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہیں۔ "ہندو معاشرہ اور فلسفہ دنیا میں سب سے زیادہ الگ تھلگ رہنے کا حامی ہے۔ آپ دس کروڑ مسلمانوں کو ۲۵ کروڑ ہندوؤں کے ساتھ کیسے اکٹھا رکھیں گے جن کا طرز زندگی اتنا مختلف ہے"۔ اس پر کرپس نے جناح سے سوال کیا۔ آیا ان کے خیال میں بنگال کے ہندو اور مسلمانوں کے مابین تفاوت سندھ کے پٹھانوں اور مسلمانوں کے درمیان پائے جانیوالے فرق سے زیادہ ہے؟ جناح نے جواب دیا۔" بنیادی باتیں تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں۔ میں ہر جگہ گیا ہوں جہاں کہیں مسلمانوں سے ملا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ آدمیوں اور انسانی برادری میں مساوات پر یقین رکھتے ہیں۔ ہندو ان اصولوں میں سے کسی ایک پر اعتقاد نہیں رکھتے"۔

پیتھک لارنس اور کرپس دونوں نے جناح کے ساتھ دفاع خصوصاً شمال مغرب سے پاکستان کے حملہ کی زد میں ہونے کے باعث اس کی کمزوری پر بحث کی۔ انہوں نے جناح سے یہ بات منوانے کی بھرپور کوشش کی کہ تمام متعلقہ پارٹیوں کے لئے کسی قسم کا متحدہ دفاعی ڈھانچہ بہترین ہو گا لیکن جناح ہر لحاظ سے آزاد وبااختیار پاکستان کے مطالبہ پر ڈٹے رہے۔ اور اپنی وکالت کی منفرد تختی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

نہرو کی ماؤنٹ بیٹن سے پہلی ملاقات

نہرو ان دنوں جنوب مشرقی ایشیا کے دورے پر تھے۔ ملایا کی سیاحت ان کے لئے بڑی کامیابی کا سبب بنی۔ وہاں لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی۔ میاں بیوی دونوں انتہائی گرم جوشی سے ملے اس دورہ کی بابت ایک انگریز اہلکار نے انڈیا آفس کو جو رپورٹ بھیجی' اس میں کہا گیا تھا کہ نہرو نے اس دورہ میں جتنی بھی عوامی تقریریں کیں ' ان کا مرکزی نقطہ ایشیائی اتحاد تھا۔ انہوں نے جناح کا ذکر قدرے تحقیر آمیز لہجہ میں کیا اور اس بات پر بہت زیادہ شک وشبہ کا اظہار کیا کہ یا تو جناح کی نیت یہی ہے یا ان کے پاس اتنی طاقت ہے کہ اگر انہیں پاکستان نہ ملا تو ہندوستان میں بغاوت پھیلا دیں گے۔جناح کی باتوں پر غور کرنے سے مجھے وہ شخص یاد آتا ہے جسے اس کے ماں اور باپ کے قتل کا ملزم ٹھہرایا گیا ہو اور وہ عدالت سے اس بنا پر معافی کی درخواست کرے کہ وہ ایک یتیم ہے"۔

اس وقت کرپس نے کانگریس اور مسلم لیگ کے لئے غور وخوض کی خاطر اپنا انتہائی خفیہ دو حصوں پر مشتمل حل پیش کیا۔ حصہ الف میں تجویز کیا گیا تھا کہ آل انڈیا یونین ' ہندو اکثریتی صوبوں ' مسلم اکثریتی صوبوں اور راجگان کی ریاستوں پر مشتمل ہوگی یہ تینوں برائے نام مرکزی حکومت کے کنٹرول میں ہونگے مرکز کے پاس صرف دفاع ' خارجی امور اور مواصلات کے محکمے ہونگے جبکہ حصہ ب میں کہا گیا تھا کہ برٹش انڈیا کو ہندوستان اور پاکستان دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ریاستوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لیں۔ پاکستان کی قطعی حدود کا تعین شمال مغربی اور شمال مشرقی خطوں کے جملہ اضلاع میں بسنے والی آبادیوں کی مذہبی شناخت سے کیا جائے گا۔ چونکہ پاکستان کا وجود مذہب پر مبنی دو قومی نظریہ کا مرہون منت ہو گا اس لئے یہ چیز اس نظریہ کے بالکل منافی ہو گی کہ بعض غیر مسلم علاقے پاکستان میں شامل کر دیئے جائیں تاکہ اس کی اقتصادی اساس مستحکم ہو سکے۔ نہ ہی اسے حقیقی استحکام نصیب ہو گا اگر بڑی اقلیتوں کو ان کی منشاء کے خلاف پاکستان میں شامل کیا گیا ان دو خود مختار اور آزاد ریاستوں کے مابین لازمی اقتصادی معاملات نیز دفاع خارجہ پالیسی مواصلات

کے مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک قسم کا معاہدہ کرنا پڑے گا جو دونوں قوموں کے لئے انتہائی اہم ہو گا۔
چونکہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ کرپس نے جملہ بڑی پارٹیوں کے قائدین کے سامنے ان دونوں اسکیموں کی تفصیلات پیش کرنے کے بعد واضح کیا کہ وہ چند دن کے اندر اندر پلان الف یا ب کو منظور کرنے کے بارے میں اپنی رضا مندی سے مشن کو آگاہ کر دیں۔ اگر ان منصوبوں میں سے کسی کو بھی عمومی منظوری حاصل نہ ہوئی تو ہم سفارش کریں گے کہ اس اسکیم کو فوراً نافذ کر دیا جائے جس کی پشت پر سب سے زیادہ حمایت ہو۔ عمومی منظوری نہ ملنے کی صورت میں ہم اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا پورا اثر ورسوخ استعمال کریں گے جسے سب سے زیادہ حمایت حاصل ہو گی۔

انگریزی دماغ شکست کھا گئے

اگلے ہفتے جو ملاقاتیں کی گئیں ان سے مشن کی معلومات میں بہت تھوڑا اضافہ ہوا۔ البتہ ان متبادل اسکیموں کو بہتر بنانے میں مدد ملی جو سب سے پہلے ۱۶ ر اپریل ۴۶ء کو جناح کے سامنے رکھی گئی تھیں۔ ویول نے اپنی رپورٹ میں بتایا ۔ " جناح کے ساتھ انٹرویو سے قبل ۲۰ منٹ پریس فوٹو گرافی کی نذر ہو گئے جبکہ ہم ایک گول میز کے ارد گرد بیٹھے رہے اور کوئی کام نہیں کر سکے۔ میں پبلسٹی کے لئے اس جدید خبط کو پسند نہیں کرتا"۔ ٹرن بل ویول اور کرپس تینوں نے اس بارے میں اپنے اپنے "بریفس" تیار کر رکھے تھے کہ جناح سے بہتر طور پر کیسے نمٹا جائے۔ یہ گویا ان کی بحث کرنے کی صلاحیتوں کو منفرد خراج تحسین تھا۔ پیتھک لارنس نے میٹنگ کا افتتاح کرتے ہوئے جناح کو بتایا کہ ان کے مطالبہ پاکستان کے مکمل اور پورے طور پر منظور ہونے کا کوئی امکان نہیں اور یہ کہ انہیں معقول طور پر اس بات کی امید نہیں کرنی چاہئے کہ مشرق ومغرب میں دونوں خطے پورے کے پورے مل جائیں گے کیونکہ ان کے زیادہ حصے میں غیر مسلم آباد ہیں۔ اس لئے پلان الف ہو یا پلان ب' دونوں آپ کے مطالبہ سے مطابقت رکھتے ہیں' آپ کونسے کو ترجیح دیں گے؟
مسٹر جناح نے پوچھا ' پاکستان مجوزہ آل انڈیا یونین کے تحت کیسے آتا ہے؟" انٹرویو کے خفیہ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سوال کے جواب میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا ۔ "مختصر طور پر دو مفروضے ہیں۔ ایک چھوٹا پاکستان جسے اقتدار اعلیٰ کے حقوق اور معاہدات کرنے کے اختیارات حاصل ہونگے اور دوسرا بڑا پاکستان۔آخرالذکر آل انڈیا یونین میں برابری کی بنیاد پر ہندوستان کے ساتھ شامل ہو گا۔
کرپس نے بتایا کہ دوسرے متبادل کے تحت دو فیڈریشنز تشکیل دی جائیں گی جو ایک یونین مرکز سے وابستہ ہونگی۔ مرکز میں فرقہ ورانہ توازن بعض اقدامات کے ذریعے بحال رکھا جائے گا خواہ ریاستیں بھی اس میں مل جائیں ۔ مسٹر جناح نے سوال کیا۔ یونین کی انتظامیہ کیسے بنائی جائے گی؟ کرپس نے جواب دیا کہ یونین ایگزیکٹو کے ممبران کا انتخاب دونوں فیڈریشنز کریں گی۔ مسٹر جناح نے پھر پوچھا۔ اگر دونوں فیڈریشنز کی نمائندگی مساوی ہوئی تو فیصلے کیسے کئے جائیں گے؟ کرپس نے کہا۔ اگر اتفاق رائے نہ ہو سکا تو ذمہ داری دونوں فیڈریشنز کی طرف عود کر جائے گی۔ مسٹر جناح نے شک کا اظہار کیا کہ شاید یہ انتظام عملی طور پر کام نہ کر سکے۔ ڈیفینس کے بارے میں امور کو روزانہ طے کرنا ہو گا۔ اب تک جو

کچھ کہا گیا ہے اس سے ان کے پلے کوئی ایسی بات نہیں پڑی جس کی بنا پر وہ یہ کہہ سکیں کہ یونین کا تصور غور و فکر کے لائق ہے انہوں نے مزید کہا کہ کاغذ پر دی گئی مساوات کی کوئی بھی مقدار کام نہیں آئے گی۔ مثال کے طور پر کیا ملازمتوں میں ہر قوم کا مساوی حصہ ہو گا سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا۔ ایسا لگتا ہے مسٹر جناح دوسرے متبادل کی طرف جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے مسٹر جناح سے اس کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ مسٹر جناح بولے : ایک دفعہ پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو پاکستان کے رقبہ سے متعلق سوال پر بحث ہو سکتی ہے ۔ وہ چھ صوبوں کے لئے دعویٰ کر رہے ہیں ۔ تاہم رقبہ کی بابت بحث کرنے پر آمادہ ہیں۔ ممکنہ طور پر وہ یہ بات قبول نہیں کریں گے کہ کلکتہ کو محض پانچ یا چھ لاکھ ہندوؤں کی بناء پر بنگال سے نکال دیا جائے ۔ جو کہ زیادہ تر پست طبقات سے نہیں اور پاکستان میں شمولیت کو ترجیح دیں گے۔ ان میں سے اکثر درآمد کردہ مزدور ہیں ۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے زور دیکر یہ بات کہی۔ وفد نہیں سمجھتا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی پلان کانگریس کے لئے فوری طور پر قابل قبول ہو گا ۔ مسٹر جناح نے کہا ۔ میں ادب کے ساتھ عرض کرونگا کہ کانگریس کو کچھ نہ کھونے کا پورا یقین ہے ۔ ہندوستان کا اتحاد محض افسانہ ہے۔

جناح کی قانونی مستعدی وچالاکی اس سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی کہ پیتھک لارنس ، کرپس یا الیگزینڈر انہیں عیاری میں مات نہ دے سکے اگرچہ تینوں دانشمند دماغوں نے اپنی پوری کوشش کی۔

آخر کار سیکرٹری آف سٹیٹ نے تجویز کیا کہ جناح اس معاملے پر مزید سوچ بچار کر لیں ۔ امید ہے کہ وفد کی کشمیر سے واپسی پر وہ اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ پہلا دور ختم ہو گیا۔ اگرچہ جناح نے کسی کو چاروں شانے چت نہیں گرایا تاہم وہ گھنٹی بجنے سے پہلے پوائنٹس پر جیت گئے اور انہیں مزید آرام کا موقع مل گیا جس کی انہیں ضرورت تھی۔

اٹھارہواں باب --- شملہ کا دوسرا دورہ (۱۹۴۶ء)

لیگ کا دہلی کنونشن ۱۹۴۶ء

جناح نے ایک تحکم پسند لیڈر کی حیثیت سے کابینہ مشن کے ساتھ پورے مذاکرات کے دوران اپنی قوتوں کی خوب صف بندی کی اور اپنی نومولود قوم کے بازوئے شمشیر زن پر اپنی گرفت خوب مضبوط کر لی۔ مسلم لیگ کے جملہ نومنتخب اراکین اسمبلی اوائل اپریل ۴۶ء میں دہلی میں جمع ہوئے اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر مقدس حلف اٹھایا، ایک اقرار پر دستخط کئے اور اس امر کا اعلان کیا کہ "برصغیر میں آباد مسلمان قوم کی سلامتی، حفاظت، نجات اور قسمت صرف حصول پاکستان میں مضمر ہے۔ اور اپنے مقصد کی صداقت اور سچائی پر یقین رکھتے ہوئے میں عہد کرتا ہوں کہ میں ہر خطرہ یا آزمائش کا مقابلہ کروں گا اور ہر قسم کی قربانی، جو مجھ سے طلب کی جائے گی، دوں گا"۔ مسلم لیگ کے ہر منتخب نمائندہ نے تالیوں کی گونج میں مذکورہ بالا میثاق کی توثیق کی۔ ہر مسلم لیگی لیڈر کی طرف سے دستخط کردہ ایسی دستاویزات سے لیس ہو کر قائد اعظم نے اپنے پیروکاروں کو یاد دلایا:

"ہم نے اس مبارک اور تاریخی کنونشن میں ایک مقدس عہد کیا ہے، یہ کہ جہاں ہم بہترین کی توقع رکھتے

ہیں وہیں ہم بدترین کا سامنا کرنے کو تیار ہیں"۔

رات کو بنگال کے سہروردی نے میثاق کی قرارداد پیش کرتے ہوئے سوال کیا: "اس کے بعد کیا ہو گا؟ ہم امن سے رہنا چاہتے ہیں، ہم خانہ جنگی شروع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہم ایسا وطن چاہتے ہیں جہاں امن سے رہ سکیں۔ میں نے بہت زیادہ غور کیا ہے، آیا مسلمان لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ بنگال کا ہر مسلمان پوری طرح تیار اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہے"۔ قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا، میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہمیں آزمائیں"۔ قحط کی لپیٹ میں آیا ہوا بنگال جلد ہی خون میں نہانے والا تھا۔ خلیق الزمان نے اردو میں خطاب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ "مسلمان اب اپنی تقدیر کا فیصلہ آپ کریں گے"۔ اپنے عظیم قائد کی طرف جو اینگلو عربک ہال میں کریم رنگ کی شیروانی، سفید شلوار اور پوستین کی ٹوپی پہنے ایک بلند پلیٹ فارم پر تشریف فرما تھے، رخ کرتے ہوئے انہوں نے اس عزم کو دہرایا کہ "ہم پاکستان کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے"۔

پنجاب کے نواب ممدوٹ نے اپنا طاقتور دایاں بازو لہراتے ہوئے اعلان کیا "ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ ہم اپنے پاکستان کا دفاع کیسے کریں گے؟ میں کہتا ہوں کہ پنجاب کے بہادر سپاہی جنہوں نے نازی جارحیت کے خلاف برطانیہ کا دفاع کیا، وہ اپنے مادر وطن کی حفاظت بخوبی کر سکتے ہیں"۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ سے پٹھان لیڈر خان عبدالقیوم خاں نے پرزور تالیوں کی گونج میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "خدا کے فضل سے لڑنے کے لئے ہمارا ایک جھنڈا، ایک لیڈر، ایک پلیٹ فارم اور ایک مثالی تصور، پاکستان ہے۔ ہم صرف قطعی حکم سننے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آیا حصول پاکستان کے لئے ایسا حکم دینا ضروری ہے یا نہیں"۔ نوجوان سردار شوکت حیات خاں نے اپنے عظیم رہنما کو یقین دلایا "میں پنجابی سپاہیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے بخوشی اعلان کرتا ہوں کہ پنجاب کے ساڑھے سات لاکھ ریٹائرڈ فوجیوں نے عہد کر رکھا ہے کہ پاکستان حاصل کر کے دم لیں گے۔ جناب والا آپ ہمیں روک رہے ہیں۔ ہم آپ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں موقع دیں تاکہ شک کرنے والوں پر ثابت کر سکیں کہ ہم پاکستان کی حفاظت کیسے کریں گے اور تحفظ پاکستان سے ہماری کیا مراد ہے"۔ سر فیروز خاں نون نے، شاید بوڑھا ہونے کی بنا پر، دھیمے لہجہ میں کہا "ابھی تک نہ تو انگریزوں کو علم ہے نہ ہندوؤں کو کہ ہم حصول پاکستان کے لئے کس حد تک جانے کو تیار ہیں۔ ہم ایک بڑے المیہ کی چوکھٹ پر پہنچ چکے ہیں"۔

اپنے وفادار و جاں نثار ساتھیوں کی تقریریں سننے کے بعد جناح نے صدارتی خطبہ میں کہا "ہم کس چیز کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؟ اللہ کے فضل سے ہم مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے، دماغ ہیں، ذہانت ہے، صلاحیت ہے، جرأت ہے اور وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی قوم میں ہونا لازمی ہیں۔ تاہم ہمارے پاس دو چیزوں کی کمی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی ساری توجہ ان چیزوں کے حصول پر مرکوز کر دیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ خارجی تسلط اور ہندوؤں کا غلبہ، بطور خاص، ہماری معاشی زندگی میں ان اوصاف کے زوال کا سبب بنا ہوا ہے۔ ہم اپنا شریفانہ کردار پوری طرح کھو چکے ہیں۔ اور، کردار کیا ہے؟ وقار، ایمانداری و راست بازی، عقیدہ، کامل دیانت داری اور قوم کی مجموعی بھلائی کے لئے ذاتی مفاد سے دست برداری کے لئے ہمہ وقت مستعد رہنا۔ اس کے باوجود ہم نے بڑے محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں، پانچ سالوں میں ہماری نشاۃ ثانیہ کامیابی کا معجزہ ثابت ہوتی ہے۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں"۔

کابینہ مشن سری نگر میں چھٹیاں گزار کر ۲۴ اپریل کو واپس آیا۔ کرپس سے کہا گیا کہ وہ شام کو جناح کے ساتھ "غیر رسمی" ملاقات کرے اور انہیں اپنے تازہ ترین پلان سے مطلع کرے۔ نہرو اور گاندھی اس منصوبہ کو کشمیر میں پہلے ہی دیکھ چکے تھے اور انہوں نے اس سہ رخی فیڈریشن کو مسترد کر دیا تھا جس میں صوبوں کی گروپ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ مسلم لیگ پاکستان کے لئے جن علاقوں کا مطالبہ کر رہی تھی' انہیں اس میں سمو دیا گیا۔ بقیہ برٹش انڈیا کو ہندوستان کا نام دے دیا گیا اور ریاستوں کو اختیار ہو گا کہ دونوں میں سے کسی ایک فیڈریشن سے الحاق کر لیں۔ فیڈریشن کے اوپر آل انڈیا یونین کو صرف ڈیفنس' امور خارجہ' مواصلات اور اقلیتی امور میں کنٹرول حاصل ہو گا۔

ہندو پاکستان کی وفاقی اکائیوں کے لئے اپنے اپنے جھنڈے' اپنی اپنی فوجیں ہوں گی' دونوں ملک مرکزی مجالس دستور ساز کے تابع ہوں گے۔ ہر ملک آل انڈیا یونین کے لئے مساوی تعداد میں نمائندے منتخب کرے گا۔ اقلیتی مسائل و شکایات تصفیہ کے لئے یونین کورٹ کو بھیجی جائیں گی جس میں بڑی بڑی قوموں کو نمائندگی حاصل ہوگی۔ مسلم لیگ اور کانگرس الگ الگ کمیٹیاں قائم کریں گی جنہیں گروپ کانسٹی ٹیوشن کی تدوین کا کام سونپا جائے گا۔ کانگرسی قیادت نے اعتراض کیا کہ اس منصوبہ کی رو سے پاکستان کی تخلیق واقعتاً عمل میں آگئی' حالانکہ کسی نے ابھی اس نئی ریاست کے متعلق لوگوں' یہاں تک کہ مسلم نمائندوں میں پائی جانے والی خواہش کی وسعت کا صحیح طور سے جائزہ نہیں لیا۔ اس کے بعد مشن نے ایک خصوصی کمیشن کے انتخاب کی تجویز پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ یہ کمیشن ۱۵۰ سے ۲۰۰ تک ممبران پر مشتمل ہو گا جن کا چناؤ تمام نو منتخب اسمبلیوں کے نمائندگان میں سے کیا جائے گا۔ پاکستان کے مسئلہ پر اس کمیشن میں رائے شماری کرائی جائے گی۔ اگر کل ارکان کی کم از کم ۲۰ فیصد تعداد نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تو پنجاب' سندھ' سرحد' بنگال اور صوبہ آسام کے ضلع سلہٹ سے تعلق رکھنے والے ایم ایل اے حضرات کا علیحدہ اجلاس ہو گا۔ وہ رائے دہی کے ذریعے اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ انڈین یونین سے علیحدگی چاہتے ہیں۔ اگر کم از کم ۷۵ فیصد نے ایسی خواہش کا اظہار کیا تو ان صوبوں کو انڈین یونین سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر سندھ' پنجاب' سرحد نے علیحدگی کے حق میں ووٹ دیا تو بلوچستان بھی پاکستان کا حصہ بن جائے گا' نیز بنگال اور ضلع سلہٹ بھی۔ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں واقع غیر مسلم اکثریت کے اضلاع یہ رائے دے سکیں گے کہ وہ انڈین یونین میں رہنا چاہتے ہیں اور اگر ان کے نمائندگان کی ۷۵ فیصد تعداد نے اس بات کو ترجیح دی تو ان سرحدی صوبوں کو اس کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

کرپس نے جناح کو غیر تاثر پذیر موڈ میں پایا۔ تاہم جناح نے کرپس کے تجویز کردہ نکات قلم بند کر لئے اور کہا کہ اگر کانگرس نے یہ تجاویز منظور کر لیں تو وہ بھی اپنی ورکنگ کمیٹی سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔ اس بات کو جانتے ہوئے کہ اگر جناح کو کوئی تجویز پسند نہ ہو تو وہ بڑے محتاط ہوتے ہیں' اور پھرتی سے منفی رویہ اپنا سکتے ہیں۔ ویول کو یقین تھا کہ کسی پلان کو اپنے پیروکاروں کے سامنے رکھنے پر آمادگی کا مطلب ان کی وقتی' بالکل وقتی منظوری ہے۔ اس لئے کرپس کو اختیار دیا گیا کہ وہ غیر رسمی طور پر نہرو سے ملے اور انہیں مشن کی تجاویز کے حق میں ہموار کرے' لیکن نہرو نے نئی تجاویز یکسر مسترد کر دیں' وہ پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور نیا منصوبہ مرتب کیا۔ شام کو

کرپس جناح کے گھر گیا اور ان کے سامنے الف اور ب دو حصوں پر مشتمل پرانا پلان پیش کیا۔ جناح نے حصہ ب میں شامل پاکستان ماننے سے انکار کر دیا تاہم حصہ الف اپنی ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھنے پر رضامندی ظاہر کی بشرطیکہ کانگرس بھی اسے مان لے۔ اگلے روز کرپس نے مولانا آزاد سے ملاقات کی۔ مولانا نے تجویز کیا کہ اس حل کی تفصیلات طے کرنے کے لئے کانگرس اور لیگ کے چار چار اعلیٰ نمائندوں کا اجلاس بلایا جائے۔ کرپس یہ خوش خبری لے کر فوراً جناح کے پاس پہنچا۔ جناح نے اسے یاد دلایا کہ انہوں نے پہلے جو کچھ کہا تھا' وہ محض ان کی ذاتی رائے تھی' ضروری نہیں کہ لیگ کی رائے بھی وہی ہو' اگرچہ وہ اس تجویز کو اپنی ورکنگ کمیٹی میں پیش کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے بعد مشن اور ویول نے جناح اور آزاد کے نام مراسلہ کا مسودہ مرتب کیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ شملہ میں ایک سربراہی کانفرنس ہوگی۔ دہلی میں اس وقت شدید گرمی پڑ رہی تھی اس لئے ہر ایک نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ہمالیاتی پہاڑی مقام پر معاملہ حل ہو جانے کے روشن امکانات ہیں۔

دوسری شملہ کانفرنس

۵ر مئی ۱۹۴۶ء کو (ویول کی ۶۳ ویں سالگرہ کے روز) دوبارہ شملہ میں جمع ہوئے۔ جناح کے ہمراہ لیاقت علی خاں' سردار عبدالرب نشتر' اور نواب محمد اسمٰعیل خاں تھے جبکہ کانگرس کی طرف سے آزاد' نہرو' پٹیل' اور عبدالغفار خاں آئے تھے۔ گویا کانگرس کی ٹیم آدھے مسلمانوں اور آدھے ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ جناح نے مولانا آزاد کے ساتھ ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا جسے سب نے محسوس کیا۔ تاہم ویول کے خیال میں اجلاس کا آغاز "زیادہ برا" نہیں تھا۔ پہلا اختلافی نکتہ یونین کے مالیات کی بابت پیدا ہوا۔ کانگرس چاہتی تھی کہ مرکز کے پاس براہ راست محصول لگانے کا اختیار ہو اور وہ بیرونی مدد کے بغیر اپنی آمدنی سے کام چلا سکے جبکہ جناح کا موقف یہ تھا کہ اسے یکمشت ایک رقم دے دی جائے اور بوقت ضرورت وہ دونوں گروپوں سے مزید طلب کر سکے۔ پھر مرکزی مقننہ پر بھی اختلاف ہوا۔ کانگرس ایک مقننہ کے حق میں تھی' لیکن ویول کے بقول جناح کا رویہ منفی' ان کے دلائل کمزور اور غیر معقول تھے۔ جناح کا قدرتی طور پر اپنے دوسرے گروپ (پاکستان) کی سطح پر مقننہ کی تشکیل چاہتے تھے اور کانگرس پارلیمنٹ کی کسی بھی شکل کے قیام کی مخالف تھی۔ شملہ میں ہر اختلاف اور حجت کے پس پردہ لیگ کے دو قومی نظریہ اور کانگرس کے وحدانی نظام حکومت کے مابین پائے جانے والے بنیادی اختلافات کارفرما تھے۔

۶ر مئی کی صبح کو جناح اور نہرو کے مابین زبردست محاذ آرائی ہوئی جس نے بڑھ کر ہندوستانی تاریخ کی سب سے شدید لڑائی کی شکل اختیار کر لی۔ نہرو کا اصرار تھا کہ یونین آف انڈیا' خواہ اختیارات کی فہرست مختصر کیوں نہ ہو' مضبوط اور توانا ہونی چاہئے۔ صوبوں کو تعلیم اور صحت جیسے امور میں باہم تعاون کرنے سے نہیں روکا جائے گا' تاہم انہیں کسی گروپ ایگزیکٹو کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انہوں نے لیگ سے اپیل کی کہ وہ اس یقین دہانی پر دستور وضع کرنے والی جماعت میں شامل ہو جائے کہ وہاں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ مسٹر جناح کا کہنا تھا کہ وہ ایسی دعوت کو قبول نہیں کر سکتے۔ تاہم اگر کانگرس نے گروپوں کو قبول کر لیا تو لیگ یونین کو مان لے گی۔ نہرو نے واضح

کیا کہ مسٹر جناح یونین کے خدوخال کو نہیں مانتے کیونکہ مقننہ کے بغیر یونین کا وجود بیکار اور سراسر ناقابل قبول ہو گا۔

جس وقت نہرو اور جناح جھگڑ رہے تھے' وائسرائے نے دیکھا کہ پٹیل کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ دوپہر بعد نہرو نے ایک بیان میں کہا کہ گروپ بنانے کا سوال دستور کی تدوین کے بعد پیدا ہو گا۔ انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ پہلا سوال یونین کے کردار کا ہے۔ اس کے بعد صوبے مجاز ہوں گے کہ یونین کے دستور کے تابع رہتے ہوئے اپنی خود مختاری کو بروئے کار لا سکیں اور صوبائی نمائندوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ آل انڈیا مجلس دستور ساز میں گروپ سازی کے لئے تجاویز پیش کریں۔

بعض نئی تجاویز

کرپس نے "اتفاقی نکات" کے عنوان سے ایک نئی دستاویز مرتب کی جسے وہ شام کے وقت گاندھی کو دکھانا چاہتا تھا۔ اس نے ویول سے کہا کہ جناح سے وہ خود نمٹ لے۔ مہاتما جی شملہ میں پٹیل اور عبدالغفار خاں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے' اگرچہ وہ مشن سے ملاقات کرنے کے ارادہ سے نہیں آئے تھے۔ کرپس کو امید تھی کہ وہ مہاتما کی حمایت حاصل کر لے گا' لیکن وہاں کوئی دال نہیں گلی۔ گاندھی نے جواب دیا کہ "مجوزہ حل" پاکستان اسکیم سے بھی بدتر ہے اس لئے وہ کانگرس سے اس کی منظوری کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ خانہ جنگی کے امکان سے وہ بالکل متاثر نہ ہوئے جس سے ویول نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ گاندھی' پٹیل کے اس خیال سے متفق لگتے ہیں کہ اگر یہ (ہندو) اپنے پاؤں پر ڈٹ جائیں تو مسلمان ہرگز نہیں لڑیں گے۔ اگلی شام کو ویول نے جناح سے ایک گھنٹہ تک ملاقات کی۔ اگرچہ ان کا رویہ دوستانہ تھا تاہم انہوں نے کانگرس کی بابت اپنی گہری اور شدید بے یقینی ظاہر کی۔ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ وہ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہندوؤں کا تسلط قائم کرنے کے عزائم رکھتی ہے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ انگریز جو کچھ درست اور انصاف پر مبنی سمجھتے ہیں' وہی کریں لیکن مجھ پر حد سے زیادہ دباؤ نہ ڈالیں۔ دریں اثناء کرپس نے گاندھی سے ایک اور ملاقات کی۔ خلاف توقع اس دفعہ مہاتما جی نے اس تجویز کی مکمل منظوری کا یقین دلایا جو تین حصوں پر مشتمل تھی۔ ویول' جو کرپس پر قطعاً اعتبار نہیں کرتا تھا اور گاندھی کے بارے میں کوئی حسن ظن نہیں رکھتا تھا' یہ بات ماننے پر بالکل آمادہ نہیں ہوا کہ کرپس کی راہنمائی میں گاندھی جی قربان گاہ تک پہنچ گئے' اس کے برعکس اس کی رائے یہ تھی کہ گاندھی جی کرپس کو اپنے پیچھے لگا کر باغ کی پگڈنڈی پر لے آئے ہیں۔

۸ر مئی ۱۹۴۶ء کو پیتھک لارنس نے مسٹر جناح اور مولانا آزاد کو نو نکاتی متفقہ فارمولا کی نقول ارسال کیں' جس کی ابتداء اس طرح ہوتی تھی "آل انڈیا یونین کی ایک حکومت اور مقننہ ہو گی جس کے پاس امور خارجہ' دفاع' مواصلات اور بنیادی حقوق کے محکمے ہوں گے اور اسے ان محکموں کے اخراجات کے لئے حسب ضرورت فنڈز حاصل کرنے کا اختیار ہو گا۔ بقیہ جملہ اختیارات صوبوں کے پاس ہوں گے اور جیسا کہ نکتہ نمبر ۳ میں کہا گیا ہے' صوبوں کے گروپ بنائے جائیں گے اور وہ گروپ ان صوبائی امور کا تعین کریں گے جو وہ مشترکہ طور پر لینا چاہیں گے"۔ جناح نے اسی دن اپنی قیام گاہ "یارروز" سے جواب بھجوایا "ہماری رائے یہ ہے کہ اتفاق رائے کے

لئے جو نئے نکات تجویز کئے گئے ہیں' وہ اس ابتدائی فارمولا کی صریح خلاف ورزی ہے جو آپ کے ۲۷ر اپریل کے مراسلہ میں شامل تھا اور جسے کانگرس نے مسترد کر دیا تھا۔ اندریں حالات ہمارے خیال میں اس دستاویز پر بحث کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو گا"۔

گاندھی نے بھی اتفاق رائے کے لئے تحریر کردہ نکات کو دوسری وجوہات کے علاوہ بنیادی طور پر اس لئے مسترد کر دیا کہ ۹ کروڑ مسلمانوں کو ۲۰ کروڑ سے زائد ہندوؤں کے مساوی حیثیت دینا پاکستان کی اسکیم کو منظور کرنے سے بھی بدتر ہے۔

نہرو' جناح جھڑپ

وہ اصل خاکہ کی طرف پھر لوٹ آئے۔ کرپس مولانا آزاد سے ملنے گیا تو نہرو بھی وہاں موجود تھے۔ ویول نے جناح سے ملاقات کی۔ کرپس نے اول الذکر دونوں کو معقول اور معتدل پایا' تاہم وہ اپنے رفقائے کار' ان کا اشارہ غالباً پٹیل کی طرف تھا' کے ہاتھوں بڑے تنگ تھے۔ جناح نے ویول کو یقین دلایا کہ وہ معقولیت سے کام لینے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ان کے حامی پہلے ہی انہیں نشانہ تنقید بنا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک قسم کی یونین منظور کر کے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جو ان کی طرف سے کانگرس کے لئے بڑی "رعایت" ہے۔ انہوں نے پاکستانی گروپوں کے اجلاس پر اصرار کیا تاکہ اپنا علیحدہ دستور وضع کر سکیں۔ ۹ر مئی کی شام کو نہرو نے تجویز کیا کہ کانگرس اور لیگ کو ایک "ایمپائر" کی موجودگی میں اجلاس کرنا چاہئے تاکہ وہ ان کے متنازعہ فیہ نکات کو حل کر سکے۔ جناح نے جواب دیا کہ وہ کانگرس کے کسی بھی ہندو نمائندہ سے ملنے کو بخوشی تیار ہیں۔ ایک منٹ یا اس سے زیادہ عرصہ کے لئے معنی خیز خاموشی چھائی رہی۔ پھر نہرو نے تجویز پیش کی کہ وہ اور جناح اسی وقت اور اسی جگہ ملاقات کریں اور دیکھیں آیا وہ باہمی رضامندی سے کوئی ثالث مقرر کرنے پر متفق ہو سکتے ہیں۔ اس پر ان دونوں کے سوا سب باہر چلے گئے اور ۴۰ منٹ تک باہر ٹہلتے رہے۔ اس دوران نہرو اور جناح کے درمیان زبردست جھڑپ ہوئی۔ بالآخر ان کے مابین صرف اس بات پر اتفاق ہو سکا کہ اجلاس دو دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور ۱۱ر مئی کو ۳ بجے بعد دوپہر پھر ملیں۔

نہرو نے جناح کو مطلع کیا کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے موزوں ثالث کے انتخاب پر بہت غور کرنے کے بعد طے کیا ہے کہ اس مقصد کے لئے غالباً انگریزوں' ہندوؤں' مسلمانوں اور سکھوں کو خارج کرنا مناسب ہو گا۔ اس طرح میدان بہت ہی محدود ہو گیا تاہم کانگرس نے ایک خاصی فہرست تیار کر لی جس میں امریکی بھی شامل تھے۔ جواب میں جناح نے لکھا کہ ایمپائر کا تعین کرنے کے علاوہ بہت سے نکات حل طلب ہیں۔ انہوں نے نہرو کو مطلع کیا کہ وہ ۱۱ر مئی کو صبح ۱۰ بجے کے بعد کسی وقت بھی ان سے مل سکتے ہیں۔ نہرو کی طرف سے جواب آیا 'میرا تاثر یہ تھا کہ ایمپائر مقرر کرنے کی تجویز پر اتفاق رائے ہو گیا ہے اور ہمارا اگلا قدم نام تجویز کرنا ہو گا"۔

بہرحال ان دونوں کی صبح ۳۰-۱۰ بجے جناح کی قیام گاہ پر پھر ملاقات ہوئی۔ وہ شام کے ۶ بجے تک الجھتے رہے' یہاں تک کہ پیتھک لارنس نے مداخلت کی اور مسٹر جناح سے کہا کہ وہ اتوار کی شام کو شروع ہونے والے اگلے دور کے لئے اپنی قطعی شرائط تحریری شکل میں پیش کر دیں۔ جناح نے دوسرے دن ۱۰ اصولوں پر مشتمل ایک

تحریری بیان اسے بھجوا دیا' جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستانی اور ہندوستانی گروپوں کے لئے الگ الگ مجالس دستور ساز ہوں گی اور کسی یونین ایگزیکٹو یا مقننہ میں نمائندوں کی تعداد مساوی ہوگی۔ یونین میں کوئی متنازعہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا بجز تین چوتھائی اکثریت کی رضامندی سے۔ مولانا آزاد نے بھی کانگرس کی طرف سے سمجھوتہ کے مجوزہ نکات پر مبنی ایک تحریری تجویز پیش کی۔ اس میں واحد مجلس دستور ساز کی تشکیل پر اصرار کیا گیا تھا جو تمام صوبوں اور ریاستوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہونی تھی۔ پیتھک لارنس نے اس شام دونوں پارٹیوں سے پوچھا' آیا ان کی اختیار کردہ پوزیشن کے پیش نظر سمجھوتہ ہونے کا کوئی امکان ہے؟ ایمانداری سے کوئی فریق بھی ہاں نہیں کہہ سکا۔ اس لئے سیکرٹری آف سٹیٹ نے محسوس کیا کہ کانفرنس ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیبنٹ مشن اور وائسرائے نے جمعرات کو دہلی چلے جانے کا پروگرام بنا لیا۔

۱۳ مئی بروز سوموار ویول نے جناح سے بات چیت کی جو تھکے ماندے اور بیمار لگتے تھے۔ انہوں نے نئی انتظامی کونسل کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ ویول نے لیگ کو کانگرس کے ساتھ "پیریٹی" (مساوی حیثیت) کی پیشکش کی اور بتایا کہ مجوزہ کابینہ میں ان کے علاوہ ایک سکھ' ایک اچھوت اور ایک دوسری اقلیتوں کے نمائندہ کو شامل کیا جائے گا۔ اس نے جناح پر زور دیا کہ وہ اس موافق تناسب کو قبول کر لیں۔ جناح نے اس کی بات بڑی توجہ سے سنی لیکن اس پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ آخر میں انہوں نے کہا' "مسلم لیگ عبوری حکومت میں آئے گی یا نہیں' اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ آیا میرے بیان سے طویل المیعاد مسئلہ کے حل کی کوئی امید پیدا ہوتی نظر آتی ہے"۔ انہیں خوف تھا کہ کانگرس کا پلان یہ ہے کہ پہلے مرکزی حکومت پر کنٹرول حاصل کیا جائے اور پھر صوبوں میں کنٹرول حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے۔ جناح نے پروگرام بنا لیا کہ بحالی صحت کے لئے وہ کم از کم تین ہفتے شملہ میں قیام کریں گے۔

مشن کا نیا پلان

اب مشن مجبور ہو گیا کہ وہ اپنا حل تجویز کرے جو اس فرسودہ کھیل میں آخری اقدام تھا۔ وہ تمام دلائل سن چکا' جملہ دستاویزات کا مطالعہ کر چکا اور گواہوں پر اپنی جرح مکمل کر چکا تھا۔ فیصلہ کو مزید موخر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وزیراعظم نے مشن کی کارکردگی رپورٹ طلب کر لی تھی۔ لندن اور شملہ کے درمیان ٹیلی فونوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ لیبر گورنمنٹ کانگرس اور لیگ کی لڑائی میں' اگر اقتدار سے محروم ہونے پر نہیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر بالکل تیار بیٹھی تھی۔

کیبنٹ مشن نے اپنا پلان جمعرات ۱۶ مئی (۱۹۴۶ء) کی رات کو نئی دہلی ریڈیو سے نشر کیا۔ برطانوی راج کی کوکھ سے پرامن طور پر ایک انڈین یونین کے ظہور پذیر ہونے کی یہ آخری امید تھی۔ اس بیان میں "مکمل طور پر آزاد اور با اختیار ریاست پاکستان" کے تصور کو متعدد وجوہ کی بنا پر مسترد کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ایسا کرنے سے فرقہ وارانہ اقلیتی مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ایسے مزید مسائل کھڑے ہو جائیں گے خصوصاً سکھوں کے لئے یہ حل کسی طرح قابل قبول نہیں ہوگا جبکہ اس اقدام سے ملک کی اقتصادی' فوجی اور انتظامی وحدت کو'

جو گزشتہ ایک صدی کے دوران بڑی مشکل سے قائم کی گئی ہے' زبردست دھچکا لگے گا اور یہ قدم برطانوی راج کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ دستور کی جس بنیادی شکل کی سفارش کی گئی وہ تین حصوں پر مشتمل اسکیم تھی جس میں مرکزی حکومت کو محض امور خارجہ' دفاع' مواصلات کے محکموں پر برائے نام کنٹرول حاصل ہوگا۔ اس کے نیچے صوبوں کو انتظامی حکومتوں اور مجالس دستور ساز کے ساتھ گروپ اے بنانے کا پورا حق ہوگا۔ ہر گروپ کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسے صوبائی امور کا تعین کرے جو مشترک طور پر اختیار کرنے ہوں۔ ہر دس سال بعد کوئی صوبہ سادہ اکثریت کے ووٹوں سے دستور کی میعاد پر نظرثانی کا مطالبہ کر سکے گا۔ نئے دستور کی تفصیلات ایک ایسی اسمبلی وضع کرے گی جو ہندوستان کی زیادہ سے زیادہ آبادی کی نمائندہ اور وسیع البنیاد ہوگی۔ ساری قوموں کو مناسب نمائندگی کا یقین دلانے کے لئے ایک جامع طریق کار بنایا گیا جس میں ریاستوں اور صوبوں کی نمائندگی پر مناسب توجہ دی گئی تھی۔

بیان کے اختتامی پیرا میں کہا گیا تھا کہ:

"ہمیں' ہماری حکومت اور ہمارے عوام کو توقع تھی کہ خود اہل ہندوستان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ نئے دستور کی تدوین' جس کے تحت انہیں آئندہ زندگی بسر کرنی ہے' کے طریق کار پر متفق ہو جائیں گے۔ ان کوششوں کے باوجود جن میں ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ ہم بھی شریک رہے' ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لئے اب ہم آپ کے سامنے تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان تجاویز کی بدولت آپ اپنی آزادی مختصر عرصہ میں حاصل کر سکیں گے اور اندرونی خلفشار اور تصادم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ بلاشبہ یہ تجاویز سب پارٹیوں کو پورے طور پر مطمئن نہیں کر سکتیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان تجاویز کی منظوری کیلئے متبادل طریق کار پر غور کریں تاکہ ظلم و تشدد' بحران بلکہ خانہ جنگی کے سنگین خطرہ سے بچا جا سکے۔ وہ گڑبڑ کتنے دن تک رہے گی اور اس کے نتائج کیا ہوں گے' اس بارے میں سردست کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں' عورتوں اور بچوں کی وہ تباہی بڑی ہی ہولناک ہوگی۔ ہم ان تمام لوگوں سے' جو ہندوستان کی بھلائی کے خواہاں ہیں' اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ میں وسعت پیدا کریں اور اپنی قوم یا مفاد سے بالاتر ہو کر پورے چالیس کروڑ ہندوستانیوں کے مفادات کی بابت سوچیں' ہم دنیا کی بڑی قوموں کے ساتھ آپ کی روز افزوں خوشحالی اور ایسے مستقبل کے خواہش مند ہیں جو آپ کے ماضی سے بھی زیادہ شاندار ہو"۔

گاندھی نے اگلے روز ان تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "انگریزی راج نے ہندوستان میں جو بھی غلطی کی اگر مشن کا بیان درست ہے' جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ ہے' تو وہ ان کے اعلان کردہ اس فرض کی ادائیگی میں سرزد ہوئی جو ہندوستان کی طرف سے ان پر عائد ہوتا تھا یعنی ہندوستان کی حمایت سے پیچھا چھڑانا۔ اس بیان میں اس سرزمین رنج والم کو مسرتوں کے گہوارہ میں بدلنے کی تجاویز شامل ہیں"۔ پیتھک لارنس اور کرپس نے اگلی صبح قریباً تین گھنٹے تک گاندھی سے ملاقات کی اور ویول کو بتایا کہ "شروع میں مسٹر گاندھی اس بیان سے بڑے مطمئن نظر آئے' لیکن بعد میں انہوں نے ایک ایسا اعتراض کیا جس نے سیکرٹری آف سٹیٹ کو الجھن میں ڈال دیا۔ وہ سوال یہ تھا کہ مجلس دستور ساز کے لئے جو طریق کار وضع کیا گیا ہے' آیا اس میں تبدیلی کی جا سکے گی' آیا کانگرس کے ارکان اسمبلی کو یہ اجازت ہوگی کہ ابتدائی اجلاس میں اس طریق کار کی بابت یہ سوال کر سکیں کہ آیا اسمبلی کو

تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے یا نہیں یا پہلے اسے یونین کے دستور کا تصفیہ کرنا چاہئے۔ مسٹر گاندھی نے واضح کیا کہ مشن کے بیان کے لئے ان کی حمایت کا انحصار ان نکات پر ہے"۔ وائسرائے پر واضح نہیں تھا کہ اس سوال کے پس پشت گاندھی کے ذہن میں کیا ہے۔ جناح نے اس کے بارے میں کہا "میں اس بات پر مکمل یقین رکھتا ہوں کہ کانگرس کا بنیادی مقصد عبوری حکومت کے مرکز میں اقتدار پر قبضہ کرنا ہے تاکہ وہ بعد میں کسی بھی وقت کوئی نازک فرقہ وارانہ مسئلہ اٹھا کر دستور ساز اسمبلی کو تارپیڈو کر سکے"۔

جناح نے ۱۸ مئی کو فون پر سری نگر سے اطلاع دی کہ "مشن کے بیان پر مسلمانوں کا رد عمل بڑا شدید ہے۔ مجھے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے ایک ماہ کی مہلت دی جائے تاکہ میں اپنی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ صلاح مشورہ کر سکوں"۔ بظاہر وہ دو وجوہات کے لئے وقت مانگ رہے تھے' ایک تو ان کی صحت خراب تھی' دوسرے ان کی پارٹی کے بعض انتہاپسندوں نے جو رویہ اختیار کیا اس پر انہیں سخت تشویش تھی۔ ان کی طرف سے کسی تاخیر کے بغیر جہاد کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ انہوں نے ویول کے پرائیویٹ سیکرٹری کو فون پر بتایا "اگر ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا"۔ مشن نے اگلی صبح لیاقت علی خاں سے ملاقات کی اور انہیں مطلع کیا کہ "جناح کے جواب کے لئے چار ہفتے تک انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر جناح سے کہیں یا تو وہ خود فوراً دہلی پہنچیں یا آپ کو بات چیت کرنے کا اختیار دے دیں"۔ لیاقت علی خاں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور مسٹر جناح کے ساتھ فون پر بات کرنے کے بعد مشن کو آگاہ کیا کہ مسٹر جناح ۳ اور ۴ جون کو ورکنگ کمیٹی کا جبکہ ۵ جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کر رہے ہیں۔ انہوں نے مشن سے استدعا کی کہ جلدبازی سے کام نہ لیا جائے کیونکہ لوگوں کو نئی تجاویز کی منظوری پر آمادہ کرنے میں وقت لگے گا۔ مشن نے قدرے تامل کے ساتھ ان کی بات مان لی۔ جناح نے اپنے آرام کی مدت میں ایک ہفتہ کی کمی کر کے ۲ جون کو دہلی پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔

ادھر مہاتما گاندھی نے اسی روز (جس دن لیاقت علی خاں مشن سے ملے) والمیکی مندر (نئی دہلی) سے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے' پیتھک لارنس کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اسی سوال کی بابت جو انہوں نے اپنی گفتگو میں پہلے اٹھایا تھا' بعض مزید نکات کی وضاحت طلب کی گئی تھی۔ ان میں سے ایک نکتہ یہ تھا "کیا آپ کے خیال میں کسی سفارش پر عمل کرنا دستور ساز اسمبلی کے کسی رکن کے لئے لازمی ہے؟ میں اس کی قانونی پوزیشن جاننا ہوں۔ میرا یہ سوال گروپنگ کی مخالفت کے احترام سے متعلق ہے"۔ ویول نے اس خط کو صوبائی گروپوں کو تباہ کرنے کے سلسلہ میں کانگرس کی پہلی کوشش سے تعبیر کیا۔ کرپس نے گاندھی کو جواب دیا "ہم نے اعلانیہ کہا ہے کہ ہم ان تجاویز پر مزید مذاکرات نہیں کر سکتے جو ہمارے خیال میں قطعی صورت میں ہیں"۔ ۲۰ مئی کو گاندھی نے ایک اور خط لکھا جو قدرے مفصل تھا۔ "میں اپنے پورے یقین کے ساتھ یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ اگر برطانوی افواج ہندوستان میں موجود رہیں' خواہ وہ اندرون ملک امن و امان کے لئے ہوں یا ان کی عدم موجودگی کے باعث پیدا ہونے والے خطرہ کے باعث' ہندوستان کی آزادی حقیقتاً ایک ڈھونگ ہوگی۔ اگر افواج کی یہی پوزیشن برقرار رہتی ہے تو آزادی یا تو ریاکاری ہوگی یا بے مقصد چیخ و پکار۔ انگریزوں کو "ہندوستان چھوڑ دو" کا مطالبہ غیر مشروط طور پر قبول کرنا ہوگا خواہ دستور ساز اسمبلی کامیاب ہو یا ناکام۔ رویہ میں سخت تبدیلی ضروری ہے۔ عبوری حکومت کے متعلق میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ایک مناسب قومی

حکومت کا قیام جو حقیقت میں مرکزی مجلس دستور ساز کے ممبران کو جوابدہ ہو' خواہ از روئے قانون ویسا نہ ہو' مجلس دستور ساز کے ممبران کے انتخاب سے پہلے عمل میں آنا چاہئے۔ اس کے بغیر وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی گہری بدعنوانی ختم نہیں ہو سکتی۔ ایسا کئے بغیر نفسیاتی اثر پیدا نہیں ہو گا۔ ایسی حکومت کی تشکیل میں ہونے والی ہر روز کی تاخیر ہندوستان کے کروڑوں فاقہ زدہ عوام کے لئے موجب اذیت ہے"۔

گاندھی کے اصل مقاصد

لارڈ الیگزینڈر کو یقین ہو گیا کہ گاندھی کے پیش نظر دو مقاصد ہیں۔ ایک انگریزی حکومت کو نیچا دکھانا' ذلیل و رسوا کرنا' اور دم دبا کر بھاگنے کی پالیسی کو فروغ دینا' دوسرے دستور کی تدوین کے بغیر اقتدار حاصل کرنا اور اس طرح مسلم لیگ کے منصفانہ مطالبات کو پس پشت ڈالنا۔

مشن نے ایٹلی کو تار دیا کہ صورت حال نے خرابی کی طرف کروٹ لی ہے۔ کانگرس نے عندیہ ظاہر کیا ہے کہ "گروپنگ تجویز پر حملہ کیا جائے۔ وہ عبوری حکومت میں اصول مساوات پر اعتراض کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے میں یہ دو نکات الجھن کا سبب بن سکتے ہیں' اس لئے ہم بہت جلد کانگرس کی طرف سے راست اقدام کی دھمکی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ان کے مطالبات منظور نہ کئے۔ ہم سوچ رہے ہیں اس صورت میں ہماری پالیسی کیا ہونی چاہئے"۔ جن دنوں مشن مسلم لیگ کے اجلاس کا انتظار کر رہا تھا' پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے موافقانہ ردعمل کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ تاہم فرقہ وارانہ کشیدگی اور تناؤ میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔ "خصوصاً بڑے شہروں' مثال کے طور پر کراچی میں جہاں برآمدہ میں کھڑے ایک بچہ کے ہاتھ سے اتفاقاً پیاز کے گر جانے سے فرقہ وارانہ فساد ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وائسرائے نے رپورٹ دی "اگر مسلم لیگ نے اسکیم کو نامنظور کر دیا تو وسیع پیمانہ پر فرقہ وارانہ ہنگاموں کے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں"۔

بنگال کے گورنر سر فریڈرک بوروز نے ۲۴ مئی کو مشن کو بتایا کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس بات پر خاصے مطمئن ہیں کہ اگر منصوبہ منظور ہو گیا تو ان کا صوبہ تقسیم نہیں ہو گا۔ بہرحال اس نے خبردار کیا کہ جناح کی طرف سے منصوبہ کے استرداد کی صورت میں لیگی وزارت مستعفی ہو جائے گی اور یہ بات جہاد کے لئے سگنل کا کام دے گی۔ چٹاگانگ میں صورت حال پہلے ہی سنگین تھی' جس کی ابتدا طلبہ کے ان مظاہروں سے ہوئی جو پاکستان اسکیم کی نامنظوری پر احتجاج کے لئے شروع کئے گئے۔ ان مظاہروں کو وقتی طور پر رکوانے کے لئے مسلمان وزیروں کو ذاتی طور پر چٹاگانگ جانا پڑا تھا۔

انگریز کو مزید ۱۵ سال رہنا چاہئے

وڈرو واٹ نے ۲۴ مئی کو جناح سے بات چیت کی تو قائداعظم نے اسے بتایا کہ "ہندوستان کو سرجیکل آپریشن کی ضرورت ہے"۔ جناح کو اس وقت تک لازماً پتہ چل گیا ہو گا کہ ان کے ہیمبرٹے سادہ علاج سے ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے میجر واٹ کی معرفت مشن کو کچھ مشورہ دینے کی پیشکش کی کہ وہ اپنا کام کیسے آگے

بڑھائے بشرطیکہ واٹ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ واٹ نے رازداری کے نکتہ پر دوبارہ یقین دہانی کرائی اور اس یقین کا اظہار کیا کہ جناح مشن سے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' وہ یہ ہے کہ "انگریزوں کو ہندوستانی مرکز میں متحد رکھنے والی قوت کے طور پر اندازاً پندرہ سال اور رہنا چاہئے اور پاکستان و ہندوستان کے امور خارجہ اور دفاع سے ہر ریاست کے وزیر اعظم کے مشورہ سے نمٹنا چاہئے"۔ جناح کے خیال میں یہ ایک معقول حل تھا کیونکہ اس صورت میں کم سے کم تباہی ہوگی اور تمام ہندوستانیوں خصوصاً اقلیتوں کو سب سے زیادہ تحفظ اور استحکام میسر آئے گا۔ بلاشبہ وہ یہ بات کھلے بندوں کہنے کی جرات نہیں رکھتے اور انہیں کرپس پر یقین نہیں کہ وہ مذکورہ رائے کو نہرو سے خفیہ رکھ سکے گا۔ انہیں یہ یقین بھی نہیں تھا کہ پیتھک لارنس گاندھی کو ویسی بات بتانے سے باز رہے گا۔ اس کے باوجود چونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ان کی توانائی کم سے کم تر ہوتی جا رہی تھی' اس لئے وہ اپنا مشورہ بلا تاخیر مشن تک پہنچانے سے مایوس ہوگئے۔ واٹ نے نوٹ کیا کہ وہ مشن کے بیان پر مسلم ردعمل کے بارے میں بہت مضطرب تھے اور اعلانیہ اس کی حمایت کرنے میں بہت ہی زیادہ متذبذب تھے۔

واٹ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ جناح سے یہ سوال کر کے اپنی بات ختم کر دی: "آپ نے جو کچھ کہا اس کے پیش نظر' نیز آپ کے موڈ اور انداز گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مسلم لیگ کمیٹی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ درج ذیل خطوط پر قرارداد منظور کرے۔ انگریز اپنی بحث میں پاکستان کی حقیقی خوبیوں اور خرابیوں پر اظہار خیال کرتے وقت حد سے بڑھ گئے تھے۔ انہیں اس چیز کے مسترد کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جو کروڑوں لوگوں کی مانگ ہے۔ پاکستان کے بارے میں ان کا تجزیہ حد سے زیادہ سخت تھا۔ تاہم مسلمانوں نے انگریزوں سے کبھی یہ توقع وابستہ نہیں کی کہ وہ انہیں پاکستان دے دیں گے۔ انہوں نے کسی سے بھی یہ امید نہیں رکھی کہ وہ پاکستان دے دے گا۔ انہوں نے جان لیا ہے کہ انہیں پاکستان بازو کے زور سے لینا ہوگا۔ کابینہ مشن کے بیان میں جس اسکیم کا خاکہ پیش کیا گیا' وہ ناقابل عمل ہے اور چل نہیں سکتی۔ اس کے باوجود ثابت کرنے کے لئے کہ وہ اسے آزمانا چاہتے ہیں' اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح مشینری کام نہیں کر سکے گی' وہ بیان کو منظور کرتے ہیں اور وہ طریق کار کو ناکام بنانے کے لئے پرامن راستہ نہیں چھوڑیں گے۔ تاہم وہ اس بیان کو پاکستان کو جانے والی شاہراہ پر پہلے قدم کے طور پر قبول کرتے ہیں"۔

یہ مفروضہ قرارداد سن کر وہ ہنسنے لگے اور کہا "اچھا یہ بات ہے' آپ معاملہ کو سمجھ گئے ہیں۔ میں مکمل یقین رکھتا ہوں کہ مسلم لیگ یہی کچھ کرے گی"۔ واٹ نے بالکل بجا اور ٹھیک پیش گوئی کی تھی۔

پیتھک لارنس نے ۲۶ مئی کو ایٹلی کو لکھا:

"کرپس ابھی ہسپتال میں ہے' اگرچہ اس کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ الیگزینڈر بحری فلیٹ کا معائنہ کرنے سری لنکا گیا ہوا ہے۔ کیا ہونے والا ہے' میں نہیں جانتا۔ گاندھی اشتعال انگیز طور پر ایک معمہ بنے ہوئے ہیں۔ سرد و گرم باتیں کر رہے ہیں' میرے خیال میں آزاد' نہرو اور جناح سب سمجھوتہ کے خواہش مند ہیں لیکن ہم پہلے ہی دوسری رکاوٹ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آزاد' نہرو اور کانگرس عام طور سے عبوری دستور میں کوئی بھی باضابطہ یا قانونی تبدیلی کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن وہ حقیقت میں قریباً کلی اقتدار کے خواہاں ہیں اور وہ اس بارے میں کوئی ایسی یقین دہانی چاہتے ہیں جو لوگوں کو بتا سکیں۔ جناح یہ نہیں چاہتے کہ وائسرائے اپنے اقتدار سے سبکدوش ہو

جائے' اس کے برعکس ان کی خواہش ہے کہ ان کی حاکمانہ حیثیت قائم رہے۔ میرے خیال میں اب وائسرائے کو یقین ہو گیا ہے کہ اسے کانگرس کو مطمئن کرنے کے لئے ممکنہ حد تک جانا پڑے گا۔ میں نے ابھی اس امید کا دامن نہیں چھوڑا کہ ہم اس الجھن پر قابو پا سکتے ہیں اور یہ کہ کانگرس اور لیگ دونوں ہمارے پیش کردہ منصوبہ کی بابت بے دلی سے اظہار منظوری کر سکتی ہیں جس کی بدولت ہم ۱۵ر جون کو یا اس سے پہلے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو مثبت انداز میں ہماری پیش رفت کا خیر مقدم کریں گے"۔

کم از کم پیتھک لارنس خود ان میں شامل نہیں تھا۔

جناح ۲ر جون کو واپس نئی دہلی پہنچ گئے۔ ویول نے اگلی صبح ان سے ملاقات کی اور انہیں خوش و خرم پایا۔ جناح نے وائسرائے کو آگاہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل سے مشورہ کئے بغیر عبوری حکومت کے لئے نام نہیں دے سکتے۔ تاہم ویول کا تاثر یہ تھا کہ بالآخر مسلم لیگ حکومت میں شامل ہو جائے گی۔ اس کے بعد جناح نے شکایت کی کہ مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی میں مساوی حیثیت نہیں دی گئی۔ اور یہ بات تکرار کے ساتھ کہی کہ انہوں نے یونین سے اتفاق کر کے بہت بڑی رعایت دی تھی۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ اگر مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت قبول کر لی اور کانگرس نے انکار کر دیا تو پھر حکومت کیا کرے گی۔ وائسرائے نے جواب دیا ایسی صورت میں ہم اس پارٹی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں گے جو اس اسکیم پر عملدرآمد کے لئے آمادہ ہو گی۔ جناح نے وائسرائے کو بتایا کہ آج شام ۶ بجے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اگر اس سے انہیں کوئی زیادہ واضح یقین دہانی کرا دی جائے تو بہتر ہو گا۔ ویول نے کہا "میں مشن سے مشورہ کئے بغیر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا"۔ جناح نے زور دیا آپ مشن سے مشورہ کر لیں۔ چنانچہ ویول نے مشن سے اجازت حاصل کر لی کہ وہ جناح کو زبانی یقین دہانی کرا دے۔

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ۵ر جون کو منعقد ہوا۔ انٹیلی جنس کے ایک انگریز اہلکار کی رپورٹ میں درج تھا "مسٹر جناح نے کہا' میں اور ورکنگ کمیٹی کے دیگر ممبران اس بارے میں پریشان ہیں کہ اگر لیگ نے تجاویز منظور کر لیں اور کانگرس نے مسترد کر دیں تو پھر کیا ہو گا؟ وائسرائے کا کہنا ہے کہ وہ کانگرس کی طرف سے کوئی انکار برداشت نہیں کرے گا۔ اگر انہوں نے منظوری کے خلاف فیصلہ دیا تو وہ عبوری حکومت مسلم لیگ کو سونپ دے گا اور ہر طرح ان کی مدد کرے گا۔ یہ نکتہ کونسل کے اجلاس میں بعض ممبران نے خصوصی طور سے اٹھایا۔ جناح نے انہیں اعتماد میں لیا اور وہی جواب دہرایا جو ویول نے دیا تھا۔ اگلے روز جناح نے کونسل سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اب مسلمان قوم کا اسمبلی کی حیثیت سے فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ میں پھر یہ بات کہتا ہوں کہ تاخیر نہ برطانوی حکومت کے حق میں بہتر ہو گی نہ ہندوؤں کے حق میں۔ اگر وہ آزادی سے محبت کرتے ہیں' اگر وہ ہندوستان کی حریت کے پرستار ہیں' اگر وہ آزاد ہونا چاہتے ہیں تو جتنی جلد اس امر کا احساس کر لیں' اتنا ہی بہتر ہو گا کہ مختصر ترین راستہ پاکستان سے اتفاق کرنا ہے"۔ پھر انہوں نے اندرونی و بیرونی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے عربوں پر زور دیا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک اور وطن قائم نہ ہونے پائے۔ انہوں نے انڈونیشیا پر ہالینڈ کے سامراجی تسلط کی مذمت کی اور اپنی تقریر اس بات پر ختم کی کہ "ہندوستان

میں اکثر ہندوؤں کے دماغ میں خرابی ہے۔ اس قسم کی بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ اگر کوئی شخص وہم میں مبتلا ہو تو اس کے لئے صرف ایک ہی جگہ ہے کہ وہ پاگل خانہ میں داخل ہو جائے۔ اس خام خیالی کے باعث ہندوؤں کا رویہ متکبرانہ، ظالمانہ اور جارحانہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ اگر وہ خود راہ اعتدال پر نہ آئے تو انہیں اعتدال پر لانے کے لئے ہمیں کچھ کرنا ہو گا"۔

مسلم لیگ کابینہ پلان منظور کرتی ہے

۶ جون کے ختم ہونے سے پہلے مسلم لیگ کونسل نے بھاری اکثریت سے کابینہ مشن کی منظوری دے دی۔ ویول نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا: "اب اصل لڑائی شروع ہو گی اور اہم سوال یہ ہے کہ آیا مشن کانگرس کا دلیری سے مقابلہ کرتا ہے یا نہیں؟ عبوری حکومت میں مساوات اہم ترین مسئلہ بن سکتا ہے"۔ فرانسس ٹرن بل نے ۶ جون کو برلا کے ساتھ لنچ کھایا اور محسوس کیا کہ وہ مسلم لیگ کی طرف سے عبوری حکومت میں برابری کے مطالبہ پر بڑا برافروختہ ہوا۔ ٹرن بل نے خیال ظاہر کیا کہ گزشتہ سال شملہ کانفرنس میں کانگرس مساوات قبول کرنے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ برلا نے زور دے کر کہا کہ اس وقت صورت حال یکسر مختلف ہو گئی تھی، جو عرصہ جنگ کے لئے ہنگامی حکومت کا تقاضا کر رہی تھی۔ لیکن اب انتخابات میں کانگرس نے زیادہ تر عمومی سیٹیں جیت لی ہیں، اس لئے لیگ کے ساتھ مساوات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناح، وزارت دفاع کے امیدوار تھے

جناح نے ۷ جون کو وائسرائے کے ساتھ ایک گھنٹہ گزارا اور ویول کو مطلع کیا کہ عبوری حکومت میں وزارت دفاع کا قلمدان وہ خود لینا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ امور خارجہ اور منصوبہ بندی کے محکمے ان کے دو ساتھیوں کو ملنے چاہئیں۔ یہ عبوری حکومت کل بارہ افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جس میں پانچ مسلم لیگی، پانچ کانگرسی اور صرف دو دیگر افراد ہوں۔ کسی عبوری حکومت میں حصول منصب کے لئے جناح کی طرف سے ذاتی دلچسپی کا یہ پہلا اظہار تھا جو بدقسمتی سے آخری ثابت ہوا۔ جناح نے وائسرائے سے دریافت کیا۔ "اگر میں عبوری کابینہ میں شامل ہو گیا تو اسمبلی میں میری نشست کا کیا بنے گا؟"۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ اگر وہ عبوری حکومت میں آ گئے تو ان کے مسلم لیگ کا صدر رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔

نہرو اور مولانا آزاد نے ۱۰ جون کو مشن سے ملاقات کی اور اصولی مساوات کے خلاف زوردار بحث کی۔ ویول، الیگزینڈر اور پیتھک لارنس نے لیگ کے ساتھ زیادہ رواداری اور زیادہ تعاون کرنے پر زور دیا، تاہم نہرو کا اصرار تھا کہ مساوات کے اصول سے اتفاق کرنا کانگرس کے اختیار سے باہر ہے۔ اس کے بعد گاندھی نے درمیانی رابطوں کے ذریعے پیتھک لارنس اور کرپس کو پیغام بھجوایا کہ وہ ان سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ ویول کی طرح الیگزینڈر کو بھی اب گاندھی اور اس کے سارے طور طریقوں پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ کرپس نے تجویز کیا کہ وائسرائے جناح اور نہرو سے نمٹے۔ پیتھک لارنس گاندھی سے ملنے کے لئے جانا چاہتا

تھا، لیکن الیگزینڈر نے اس کی سخت مخالفت کی۔ صحت سنبھلنے پر کرپس نے ایک نیا تخیل پیش کیا کہ عبوری حکومت کی کابینہ میں دو نائب صدر ہوں، ہر پارٹی سے ایک۔ جناح اور نہرو باری باری اپنے منصب پر فائز ہوتے رہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جناح اور نہرو کو وزیر بے محکمہ کے طور پر حکومت میں شامل کر لیا جائے۔ طے پایا کہ وائسرائے نہرو اور جناح کو شام کے کھانے کی دعوت دے اور ان کے ساتھ عبوری حکومت کے متعلق تبادلہ خیال کرے۔ ہر ایک کی یہی رائے تھی کہ پارٹیوں کا نقطہ نظر سامنے آنے سے پہلے ان دونوں لیڈروں کا آپس میں بات چیت کرنا بہت ضروری ہے۔

اس رات کرپس جناح کو نہرو سے ملاقات پر آمادہ کرنے کے لئے خود گیا، اگلی شام کو ویول بھی ان کے پاس پہنچا۔ کرپس نے جناح کے ساتھ ان کے گھر پر کئی گھنٹے گزارے اور باہمی گفتگو کا ایک نوٹ تیار کیا، جس پر کسی نے دستخط نہیں کئے جسے غلطی سے "میجر واٹ کا تیار کردہ نوٹ" کا عنوان دے دیا گیا، حالانکہ وہ واضح طور پر جناح، کرپس مذاکرات کی روداد ہے، جو ناکام ہو گئے۔ اس ریکارڈ کا یہ پیراگراف قابل ذکر ہے:

"مسٹر جناح نے کہا کہ وہ پیریٹی کے بارے میں کسی سے بحث کرنے کو تیار نہیں۔ مشن کی تجاویز قبول کرنے پر انہیں اپنی پارٹی میں زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے خیال میں اس مخالفت کا پوری طرح جائزہ نہیں لیا گیا نہ ہی اس بات کا کہ وہ کتنی مشکل صورت حال سے گزر رہے ہیں۔ وہ واحد راستہ جس کی بدولت انہوں نے مسلم لیگ کونسل اور ورکنگ کمیٹی کو مشن کا بیان قبول کرنے پر آمادہ کیا، وہ یہ وعدہ تھا کہ وہ عبوری حکومت میں شامل نہیں ہوں گے جب تک مسلم لیگ کو کانگرس کے مساوی حصہ نہ دیا جائے۔ اب وہ اپنے قول پر قائم ہیں۔ اس سے پھر نہیں سکتے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں"۔

جناح کے لئے ایک اور منفرد اعتراف، جس کی بابت وہ جانتے تھے کہ کرپس اس سے متاثر ہو گا:

"وہ نہرو یا کانگرس کے کسی اور لیڈر کے ساتھ عبوری حکومت کے بارے میں اس وقت تک بات کرنے کو تیار نہ ہوں گے جب تک کانگرس مشن کی تجاویز کو قبول نہ کر لے۔ اس وقت بات چیت برابری کی بنیاد پر ہوگی۔ جونہی کانگرس تجاویز منظور کر لے گی وہ بلاشبہ نہرو اور وائسرائے کے ساتھ ملاقات کرنے اور اپنے نامزد کردہ افراد کی فہرست معہ ان کے محکمہ جات کے، پیش کرنے پر رضامند ہوں گے"۔ یہ جناح کی بنیادی تدابیر میں سے ایک تھی کہ وہ خود کو بچا لیتے اور ضروری کام نمٹانے کے لئے اپنی توانائی مجتمع کرتے رہتے، اور ہمیشہ یہ اصرار کرتے کہ کسی اصول کو، جو ان کی نظر میں مذاکرات کے لئے بہت اہم ہوتا، دوسرے فریق کے ساتھ بالمشافہ ملاقات سے پہلے تسلیم کیا جائے۔ خصوصاً ایسے معاملات میں جہاں وہ سمجھتے کہ نتیجہ مشکوک ہو گا یا جب انہیں فریق ثانی کے مدمقابل پر یقین نہ ہوتا۔

جناح نے اس بنیادی مسئلہ پر سخت موقف اختیار کر کے کرپس کو ایک بار پھر باور کرا دیا کہ وہ واقعی بڑے معاملہ فہم اور معقول انسان ہیں۔ انہوں نے یہ تاثر اخذ کرنے پر زبردست صدمہ کا اظہار کیا کہ یہ بات کہی جا رہی ہے کہ عبوری حکومت کے لئے لیگ کے نامزد افراد ورکنگ کمیٹی کے بوڑھے ممبران میں سے ہوں گے۔ جناح نے اس بات پر اصرار کیا کہ انہیں بہترین افراد درکار ہیں۔ یہ بڑا اہم معاملہ ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو اپنے نامزد کردہ افراد کے طور پر پیش نہیں کر سکتے جو کام نہ کر سکیں، خواہ وہ مسلم لیگ میں مقبول و

معروف کیوں نہ ہوں۔ ان کے پاس سول ملازمت میں بہت سے لائق و فائق آدمی موجود ہیں' وہ ان میں سے بعض کے نام پیش کر دیں گے۔ خواہ ان کے بارے میں کسی کو کچھ بھی علم نہ ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ کام کے مطابق صحیح آدمی کا انتخاب کیا جائے۔ وہ محکموں کی بابت نہرو سے بات چیت کرنے اور ردوبدل کرنے کو تیار تھے تاکہ کام کرنے والی اچھی ٹیم ہاتھ آ سکے کیونکہ یہی وقت کی ضرورت تھی۔ کیا اس سے زیادہ معقول بات بھی کوئی ہو سکتی ہے؟ اب اس بیرسٹر (جناح) نے انتظامی معاملات میں اپنی فراست و دوربینی کا لوہا ایک بار پھر منوا لیا۔ وہ چاہتے تو اصول مساوات کے مطالبہ کی طرف جا سکتے تھے' لیکن اس مرتبہ انہوں نے فراموش کردہ مساوات کا بوجھ کانگرس پر ڈال دیا۔

گاندھی جی اصل روپ میں سامنے آگئے

ایسا محسوس ہوا کہ وہ مساوات کی بنیاد پر تشکیل پانے والی کابینہ کے تصور میں' جو ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا' تھوڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ کرپس کا نوٹ خود ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے مداخلت کے مترادف تھا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ایسے "روشن" حل پیش کرتا رہتا تھا جن کی بابت ہر کسی کا خیال ہوتا کہ یہ ناقابل حل مسائل ہیں۔ کرپس نے اس نوٹ کے آخر میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ وہ جناح کی منفرد وکالت سے ذاتی طور پر بڑا متاثر اور متوجہ ہوا اور انہوں نے جو معلومات فراہم کیں' ان کی طرف اس کا ذہن پوری طرح کھلا رہا۔ "میں نے (جناح کے علاوہ) مختلف ذرائع سے سنا ہے کہ جناح نے فی الواقع مسلم لیگ کونسل اور ورکنگ کمیٹی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ عبوری حکومت میں مساوات کے بغیر شامل نہیں ہوں گے"۔ اس آخری تبصرہ سے جناح کی پوزیشن اور وہ جس دباؤ کے تحت کام کر رہے تھے' اس کی بابت مثبت طور پر ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے موقف سے ایک انچ ہٹے بغیر کرپس کو نہرو کے شکنجے سے بڑی حد تک آزاد کر کے اپنا ہم خیال بنا لیا۔

عین اس موقع پر جب جناح نے مشن کے سب سے ذہین ممبر کے ساتھ خلوت کی گفتگو میں ایک اہم کامیابی حاصل کی' نہرو' پٹیل اور گاندھی نے کابینہ مشن کے ساتھ ساتھ وائسرائے پر بھی منفی تاثر چھوڑا۔ مشن نے ان کے متعلق رائے ظاہر کی کہ وہ تنگ مزاج' مکار اور جھگڑالو ہیں۔ نہرو عبوری کابینہ کے لئے پندرہ افراد کی فہرست لائے تھے جس میں لیگ سے صرف چار' کانگرس سے پانچ ہندو' ایک کانگرسی اچھوت اور ایک کانگرسی خاتون اور ایک غیر کانگرسی ہندو کا نام تجویز کیا گیا تھا۔ ویول نے نہرو کو بجا طور پر مطلع کیا کہ

یہ فہرست مسٹر جناح کے لئے قابل قبول نہیں ہوگی۔ اگلی صبح جناح آئے اور انہوں نے وائسرائے کو بعض ناموں پر مشتمل فہرست دی۔ نہرو دوپہر بعد پھر ویول سے ملے' وہ کسی قدر افسردہ لگ رہے تھے۔ انہوں نے مولانا آزاد کے ساتھ جناح کی طرف سے ملاقات کے انکار پر زبردست خفگی کا اظہار کیا اور جناح کو سیو تاژ کنندہ قرار دیا۔ شام کو پٹیل آئے اور کوئی دلیل سنے بغیر بڑی تیزی اور روانی سے بولتے رہے اور جناح نیز لیگ کے خلاف نفرت بھرا راگ الاپتے رہے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ وائسرائے کی بنائی ہوئی کوئی حکومت

قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی روز گاندھی نے وائسرائے پر ایک مراسلہ میں زور دیا کہ وہ کانگرس اور لیگ کی فراہم کردہ فہرست نامزدگان میں سے صحیح آدمیوں کا انتخاب کرنے کے لئے جرات سے کام لیں۔ انہوں نے ویول کو مشورہ دیا کہ "آپ کو اپنی پسند کے ایک گھوڑے کا انتخاب کرنا ہوگا۔ جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں آپ بیک وقت دو گھوڑوں پر سواری نہیں کر سکتے۔ یا تو کانگرس کے پیش کردہ ناموں کا انتخاب کرلیں یا مسلم لیگ کے دیئے ہوئے ناموں میں سے چن لیں۔ خدا کے واسطے چوں چوں کا مربہ نہ بنائیں اور ایسا کرتے وقت کوئی خوفناک دھماکہ نہ ہونے دیں۔ بہرحال آپ مقررہ وقت کی حد متعین کر دیں اور ہم سب کو بتا دیں کہ مقررہ مدت ختم ہونے پر انگریز یہاں سے چلے جائیں گے۔ امید ہے کہ میں نے اپنی بات آپ پر واضح کر دی ہے"۔ گاندھی کے متعلق ویول کی ساری خام خیالی دور ہوگئی۔ گاندھی کے بارے میں اس نے رائے قائم کی کہ "وہ انتہائی چالاک' ہٹ دھرم' جبرپسند' دو رخی بات کرنے والا' یک سو طبیعت کا مالک سیاستدان ہے جس میں تقدس نام کو نہیں"۔

ادھر لندن میں کابینہ نے ہندوستانی مذاکرات میں متوقع بحران کے "قومی مضمرات" پر غور کیا۔ اس نے یہ تجویز مسترد کر دی کہ اگر کانگرس مشن پلان کو قبول نہ کرے تو مرکزی اور جنوبی ہندوستان کو آزادی دے دی جائے اور پاکستان قائم کرنے کے لئے شمال مغرب اور شمال مشرق کی طرف واپس آ جائیں۔ وزیر اعظم نے یورپینوں کے انخلاء کے لئے منصوبہ تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ تاہم اس بات پر زور دیا کہ یہ راز کسی پر منکشف نہ ہونے پائے۔ اصولی طور پر یہ بھی طے کر لیا گیا کہ آئندہ عورتوں اور بچوں کو ہندوستان نہیں بھیجا جائے گا۔

کابینہ نے برطانوی حکومت کی کسی ایسی کارروائی کے خارجی حکمت عملی پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ بھی لیا' جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ہندوستان میں اپنی پوزیشن سے دستبردار ہو رہے ہیں۔ وزیر خارجہ ارنسٹ بیون نے خبردار کیا کہ:

"جہاں تک امریکی رائے عامہ کا تعلق ہے' ہم ان سے جس ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں' وہ کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہوگی۔ بین الاقوامی آزاد خیال حلقوں میں ہماری دستبرداری کی پالیسی کو بڑی وقعت ملے گی جو ہمارے لئے فائدہ مند نہیں ہوگی کیونکہ اس سے وسیع حلقوں میں اس بات کی توثیق ہو جائے گی کہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے ہمارے پاس وسائل اور عزم و حوصلہ نہیں رہا' مختصر یہ کہ ہندوستان میں کسی حل کے بغیر اپنی پوزیشن سے دستبرداری کا پتہ چل گیا تو اس سے ہماری عالمی پوزیشن خراب ہوگی"۔

نئی دہلی میں کابینہ مشن نے ایک نئی عبوری حکومت کی تشکیل کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ ۲۹؍ جون کو ویول نے اپنی ڈائری میں لکھا "وفد کی طرف سے بچوں کو اکٹھا کھیلنے کی ترغیب دینے کی آخری کوشش شروع کر دی گئی ہے۔ کانگرس کی ساری سودا بازی اور معاملہ طے کرنے میں حجت بازی نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کوئی صاف یا مدبرانہ انداز فکر اپنانے کے قابل نہیں۔ ان کے مقابلے میں جناح نے اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا ہے"۔

جناح کا ساتھ چھوڑ دیا گیا

مولانا آزاد مشن کو لمبے چوڑے اور تفصیل طلب کن مراسلے بھیجتے رہے' گاندھی نے پیتھک لارنس کے ساتھ' نہرو نے کرپس سے اور ویول نے جناح سے ملاقاتیں جاری رکھیں۔ وہ اس عبوری کابینہ کے لئے ایک یا دو ناموں پر جھگڑ رہے تھے جو ۴۰ کروڑوں انسانوں کی سرزمین کو خون اور افلاس کے سمندر میں غرق ہونے سے بچانے کی خاطر بننے والی تھی لیکن اس کا قیام عمل میں نہیں آ سکا۔ کیا یہ معاملہ تھا کہ وہ سب اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ اگر وہ اقتدار سنبھالنے پر متفق ہو گئے تو ایک انتہائی ناامید کر دینے والا کام ان کے گلے پڑ جائے گا؟ ویول ان سب سے بیزار ہو چکا تھا۔ ان میں جناح بھی شامل تھے جن کے ساتھ اس نے ۱۸ر جون کو ملاقات کی جو "زیادہ خوشگوار" نہیں تھی اور آخر میں یہ تبصرہ کیا "میں ان ہندوستانی سیاست دانوں سے جتنا زیادہ ملتا ہوں' اتنا ہی زیادہ ہندوستان کے بارے میں مایوس ہوتا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس آج رات ہو رہا ہے۔ تاہم اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ کانگرس کے مقابلہ میں ہماری پوزیشن ہر طرح کمزور جا رہی ہے۔ ہم ہر نکتہ پر اسے موقع دے رہے ہیں اور یہ کہ انہیں خود بھی ناقابل برداشت حد تک نیچا دکھایا جا رہا ہے۔ جناح نے مجھے قدرے افسردہ دلی اور مایوسی کا تاثر دیا۔ ایسا لگا وہ محسوس کر رہے ہیں کہ وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا گیا ہے"۔

کرپس اس بات پر آمادہ تھا کہ اگر کانگرس مشن کے پلان کو مسترد کر دیتی ہے تو جناح سے کہا جائے کہ وہ پوری عبوری حکومت کے لئے ناموں کی فہرست دے دیں۔ تاہم ویول جناح کو پوری حکومت کی تشکیل کی ذمہ داری سونپنے میں بہت متامل تھا۔ وہ جناح سے یہ کہنے کو ترجیح دے گا کہ اس بنیاد پر حکومت میں شامل ہو جائیں کہ انہیں اسی قدر حصہ ملے گا جتنا اب تجویز کیا گیا تھا۔ ویول نے کسی قدر برہمی سے کہا "اس عبوری حکومت کے لئے ذمہ داری وائسرائے کے کندھوں پر ہو گی اور جناح وزیر اعظم نہیں ہوں گے"۔ یوں گویا اس نے اپنی یہ قابلیت ثابت کر دی کہ وہ "بچوں" کے ساتھ کامیابی سے کھیل کھیل سکتا ہے۔ کرپس نے جواب دیا' میرے خیال میں یہ مناسب ہو گا کہ جناح کو حکومت کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ اگر جناح نے مناسب الفاظ میں ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا تو پھر ہمیں کانگرس کو تشکیل حکومت کی ذمہ داری دے دینی چاہئے۔ وائسرائے نے کہا مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ میں اس کی بجائے سرکاری حکام کی حکومت بنا لوں گا۔ الیگزینڈر نے ویول سے اتفاق کیا۔ پیتھک لارنس نے کرپس کے ساتھ کسی قدر ہمدردی ظاہر کی۔ تاہم وہ اس حق میں نہیں تھا کہ وائسرائے پر اپنا حکم چلایا جائے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر جناح کے انتخاب کا موقع آیا تو وہ واپس وطن جا کر اٹیلی اور اپنے رفقائے کار سے مشورہ کرے گا۔

مشن نے ۲۳ر جون کو نہرو' مولانا آزاد' پٹیل اور راجندر پرشاد کے ساتھ ملاقات کی۔ پیتھک لارنس نے واضح کیا کہ وہ اور اس کے ساتھی اس بات سے خوب آگاہ ہیں کہ کانگرس قومی کردار کے اعتراف کو کتنی اہمیت دیتی ہے' تاہم انہیں پوری توقع ہے کہ اس خصوصی معاملہ میں کانگرس یہ خیال رکھے گی کہ

عبوری حکومت میں ایک کانگرسی مسلمان کی شمولیت کا مطالبہ نہ کیا جائے' اگرچہ ایسا کرنے سے نہ کوئی نظیر قائم ہوگی نہ ہی کوئی اصول وضع ہوگا۔ نہرو نے احتجاج کرتے ہوئے کہا ایسا لگتا ہے وفد نے اس مفروضہ پر گفتگو کا آغاز کیا ہے کہ بات چیت صرف مسلم لیگ کے تعاون سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ کانگرس نے عدم اتفاق ظاہر کیا۔ کرپس نے یہ دلیل پیش کر کے انہیں مطمئن کرنا چاہا کہ کانگرسی مسلمانوں کی صوبائی حکومتوں میں شرکت سے کانگرس کے قومی کردار کا اظہار بخوبی ہو جائے گا۔ لیکن نہرو' آزاد یا پٹیل ٹس سے مس نہ ہوئے۔ پیتھک لارنس نے بڑی معقولیت سے کہا:

"ہندوستان کے آزادی کی طرف بڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ کام شروع کرنے کی نا اہلیت تھی۔ فرض کیجئے کانگرسی نمائندے وفد سے یہ بات منوا لیتے ہیں کہ ایک کانگرسی مسلمان کو عبوری حکومت میں شامل کر لیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے یقین نہیں کہ مسٹر جناح اسے قبول کر لیں گے' اس طرح کوئی مخلوط حکومت نہیں بن پائے گی۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ یہ بات واقعتاً کانگرس اور ہندوستان کے بہترین مفاد میں ہے کہ وہ جرات سے کام لیں اور ان شرائط کی منظوری سے آغاز کریں جن کے تحت مخلوط حکومت کی تشکیل ممکن ہوگی۔ ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ڈھونڈنا ہوگا۔ پارٹیوں پر لازم ہے کہ وہ عملی مسائل میں مل جل کر کام کریں"۔

کانگرس نے مشن پلان کی منظوری دے دی

بہرحال پیتھک لارنس کی دانائی کے آخری استدلال کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوا۔ نہرو نے جواب دیا کہ کانگرس کے لیڈر گزشتہ ۳۰ برسوں سے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ڈھونڈ رہے ہیں' لیکن لیگ کے اس انکار نے اس کی کوششوں پر ہمیشہ پانی پھیر دیا کہ وہ ایسے مسلمانوں کو' جو قومی تصور کے حامی ہوں' تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور کانگرس ان مسلمانوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ پٹیل نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس نکتہ پر سر تسلیم خم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے مسلمانوں کو کانگرس سے نکال دیا جائے۔ تاہم ۲۵ر جون کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے بالآخر مشن پلان کی منظوری کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ البتہ مرکزی اقتدار کی حدود کے بارے میں' جیسا کہ وہ مشن تجاویز میں شامل تھیں' نیز صوبوں کی گروپ بندی کے متعلق بھی گہرے تحفظات کا اظہار کیا۔

ویول نے کانگرس کا جواب وصول کرنے کے بعد مشن کے لئے انتہائی خفیہ "یادداشت" میں لکھا:

"اب ہمارے لئے مسلم لیگ کی شراکت کے ساتھ عبوری حکومت کی تشکیل کی کوشش کرنا ممکن نہیں رہا۔ اور کانگرس دعویٰ کرے گی کہ کسی نئی کوشش میں مسٹر جناح کو ابتداء میں جو یقین دہانیاں کرائی گئی تھیں' وہ ختم ہوگئی ہیں۔ حقیقت میں کانگرس داؤ گھات میں ہم پر سبقت لے گئی ہے اور کانگرس کی یہ قابلیت کہ وہ الفاظ اور فقروں کو توڑ مروڑ لیتی ہے اور الفاظ کی ترتیب میں کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس سے فائدہ اٹھاتی ہے' یہی وہ علت ہے جس سے مسٹر جناح ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں اور یہی چیز ان کے سخت رویہ کا سبب

بنی رہی ہے۔ کانگرس کی کامیابی کا، جسے وہ (مسٹر جناح) محسوس کریں گے اہم سبب یہ ہے کہ اس نے مشن کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا۔ یہی بات کانگرس، مشن اور وائسرائے کے بارے میں ان کی بداعتمادی کو بڑھانے کا موجب بنے گی۔ لوگ تنگ مزاج ہوگئے ہیں۔ مسلم لیگ محسوس کرتی ہے کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے اور کانگرس سمجھتی ہے اس نے ایک سبقت حاصل کرلی ہے، اب اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی سستی نہیں کرے گی"۔ ویول کو جلد ہی کہہ دیا گیا کہ وہ متبادل کے طور پر سرکاری افسروں پر مشتمل ایک نگران حکومت بنالے جو اس کی فطرت اور تجربہ سے کہیں زیادہ ہم آہنگ ہو، بجائے اس کے کہ وہ مخلوط کابینہ کی صدارت کرتا پھرے۔

عبوری حکومت کی تشکیل میں تعطل

اسی شام کو مشن نے ویول کی معیت میں جناح سے ملاقات کی اور انہیں کانگرس کی قرارداد دکھائی۔ یہ آخری ملاقات رات کے آٹھ بجے تک قریباً پانچ گھنٹے جاری رہی۔ ویول نے جناح کو بتایا کہ وہ مختصری مدت کے لئے ایک نگران حکومت بنا رہا ہے جو دستور ساز اسمبلی اور دستور کی تدوین کے کام کو آگے بڑھائے گی کیونکہ مشن واپس جا رہا ہے۔ جناح کو یہ سن کر زبردست صدمہ پہنچا۔ انہوں نے پوچھا "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وفد عبوری حکومت نہیں بنانا چاہتا؟ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اگر ایک جماعت نے ۱۶ر جون کی پیشکش ٹھکرا دی تو دوسری کو وہی پیشکش کی جائے گی۔ مسلم لیگ نے اسے منظور کرلیا تھا"۔ انہوں نے کہا "مجھے عبوری حکومت کی تشکیل کے مسئلہ کو ملتوی کرنے کی تجویز پسند نہیں۔ میرے خیال میں یہ بات وفد کے وقار اور خود ان کے وقار کے لئے بری ہے۔ اس سے دونوں ختم ہو جائیں گے"۔ صداقت کے اس لمحہ نے ان کی انا کو کس طرح پاش پاش کیا، یہ تمام سال، یہ سارے عشرے ان کے لئے بڑے مایوس کن رہے تھے۔ انہیں ایک مرتبہ پھر بتایا گیا "ابھی نہیں سر، آپ کے لئے ابھی بالکل تیار نہیں، شاید اگلے مہینے یا اگلے برس؟"۔ کیا وہ اگلے سال تک زندہ رہیں گے؟ یہ ایک افسوسناک ملاقات تھی۔ ویول نے اپنی رپورٹ میں لکھا: "جب ہم اصل کام کی طرف آئے، مسٹر جناح کا موڈ بہت ہی خراب تھا، انہوں نے ہم پر بے یقینی اور کانگرس کی حمایت کا الزام لگایا۔ اور کہا کہ انہیں حکومت میں شامل ہونے کا موقع دیا جائے"۔

اگلے دن الیگزینڈر جناح کو ملنے اور یہ بتانے گیا کہ اسے برے احساسات کے ساتھ جدا ہونے پر بڑا دکھ ہے۔ لیکن اس مہلک دل شکنی کے بعد دوستی، ہمدردی، اور انگریزوں پر اعتماد کا احساس، جو لندن کے پہلے دورہ کے وقت سے قائم تھا، جناح کے دل میں پھر کبھی پیدا نہیں ہوا۔

انیسواں باب ـــ بمبئی سے لندن (۱۹۴۶ء)

جناح کے اعتماد کو ٹھیس لگتی ہے!

جناح نے جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل سے بمبئی میں خطاب کرتے ہوئے ہدایت کی۔ "اگر آپ

کے پاس کافی قوت نہیں تو وہ قوت پیدا کریں۔ مسلم لیگ کی طرف سے مساوی برتاؤ' انصاف بلکہ التجا اور نیک خواہشات کا پورا اظہار کیا گیا۔ کانگرس نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کابینہ مشن کانگرس کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا ہے۔ اس نے اپنا کھیل کھیلا ہے"۔ کانگرس پر سے ان کا اعتماد ۱۹۲۰ء میں ہی اٹھ گیا تھا۔ قریباً پچیس سال بعد انہیں انگریزوں پر بھی کوئی بھروسہ نہ رہا' نہ ان سے بھلائی کی کوئی امید باقی رہی۔ جنگ کے بعد پیدا ہونے والے مسائل اور دباؤ نے انہیں کانگرس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا۔

پنڈت نہرو کی قلابازی

جناح نے ملکی و غیر ملکی اخبار نویسوں اور اپنے ۴۵۰ پیروکاروں سے جو انتہائی گرم ہال میں جمع تھے' خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ "ان مذاکرات کے دوران کابینہ مشن اور وائسرائے شروع سے آخر تک کانگرس کی دھمکیوں اور خوف میں مبتلا رہے۔ کابینہ مشن اور وائسرائے اپنے قول سے پھر گئے ہیں اور اعلان کردہ آخری تجاویز کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگرس نے طویل المیعاد منصوبہ کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کی مشروط منظوری سے کانگرس کے صدر نے ۲۵ر جون کو مشن کو آگاہ کیا۔ مشن نے جو ایک ڈوبتے ہوئے آدمی کی طرح تنکے کا سہارا لینے کو تیار تھا' اس مشروط منظوری کو حقیقی منظوری سمجھ لیا۔ کانگرس کے نومنتخب صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۰ر جولائی (۴۶ء) کو بمبئی میں اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے طویل المیعاد منصوبہ کی بابت کانگرس کی پالیسی اور اس کے طرز عمل کو واضح کیا اور کہا کہ "کانگرس کسی چیز کی پابند نہیں۔ فرضی باتیں کرنے اور خواب دیکھنے سے کیا فائدہ؟"۔

جناح کا احتجاج

جناح نے انگریزوں کی وعدہ خلافی اور کانگرس کی طرف سے لیگ کو مقابلہ کی دعوت اور مشن پلان کی نامنظوری سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے حامیوں کو بتایا "میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مذاکرات کے دوران تینوں فریقوں میں سے لیگ نے ایک باوقار تنظیم کے طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ ہم نے نیک نیتی سے کام کیا۔ مسلم لیگ ہی وہ واحد فریق ہے جو ان مذاکرات سے وقار اور صاف ہاتھوں کے ساتھ سامنے آیا ہے"۔ ہاتھوں کا صاف ہونا ان کے نزدیک ہمیشہ ایک بنیادی خوبی رہی۔ وہ ایک ایسے سیاسی سرجن کے آپریشن روم میں داخل ہونے سے پہلے قطعی تیاری کی علامت لگتے تھے' جہاں ناقابل علاج مریض جراحت کے انتظار میں لیٹا ہوا ہو۔ "انقلابی چیر پھاڑ سے کم کوئی چیز کام نہیں دے گی جبکہ برطانیہ عظمیٰ کا وفد بھی اپنے عہد سے مکر گیا' اس کانگرس کے سامنے جھک گیا اور بے بسی کا اظہار کیا جس میں نہ تو شائستگی ہے نہ ہی عزت کا احساس اور جرات ہے"۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے مزید کہا: "یہ تمام حقائق معمولی شک و شبہ کے بغیر واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مسائل کا واحد حل --- پاکستان --- ہے۔ جب تک کانگرس اور

گاندھی یہ دعویٰ کرتے رہیں گے کہ وہ سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں' جب تک وہ ان سچے حقائق اور قطعی صداقت کا انکار کرتے رہیں گے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد با اختیار تنظیم ہے اور جب تک وہ اس شیطانی حلقہ میں اسیر رہیں گے' نہ مفاہمت ہو سکتی ہے' نہ آزادی مل سکتی ہے۔ اب مسٹر گاندھی ایک عالمگیر مشیر کی حیثیت سے بولتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ کانگرس اہل ہند کے لئے ٹرسٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمیں ایک ایسے ٹرسٹی کا خاصا تجربہ ہے جو گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے یہاں موجود ہے۔ ہم کانگرس کو اپنا امین (ٹرسٹی) نہیں بنانا چاہتے۔ اب ہم بالغ ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی واحد ٹرسٹی مسلمان قوم ہے"۔

اس کے بعد جناح نے کرپس پر الزام لگایا کہ اس نے دارالعوام میں بحث کے دوران مشن کے متعلق سادہ تعریفات سے صاف بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے الفاظ کی جادوگری کا سہارا لیا اور ایوان کو گمراہ کیا۔ اس پر اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اس چرکے کا ذکر کیا جو شاید ان کے نزدیک سب زخموں سے گہرا تھا۔ "مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس نے اپنی قانونی صلاحیت کی قدرو منزلت کم کر لی ہے"۔ پیتھک لارنس کے متعلق' جس نے دارالامراء کو مطلع کیا تھا کہ جناح کو مسلمانوں کی نمائندگی کی اجارہ داری نہیں دی جا سکتی' انہوں نے بہ آواز بلند کہا "میں کوئی بنیا نہیں ہوں۔ میں تیل کے لئے مراعات کا مطالبہ نہیں کر رہا' نہ ہی میں بنئے کی طرح چیزوں کی قیمت کے بارے میں حجت اور مول تول کر رہا ہوں"۔ اپنے آباؤ اجداد اور تاجر قوم کے کاروبار کو انہوں نے جس شدت سے مسترد کیا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذاکرات کے خاتمے کے بعد وہ خود کو کس قدر فریب خوردہ سمجھ رہے تھے۔ کٹر مسلمانوں کے سامنے' جن کے لئے تجارت' بیوپار اور سود اسی طرح قابل نفرت تھے' جیسے سور کا گوشت اور شراب۔ انہوں نے فخر کے ساتھ خود کو مول تول کرنے والے بنیا کا اسی طرح مخالف ظاہر کیا' جیسے متشدد سنی ملا کرتے ہیں۔ برطانیہ کے قانون عامہ پر ان کا یقین' جس نے اب تک کرپس' لارنس' رامزے میکڈانلڈ' مورلے اور گلیڈسٹون سے ان کا تعلق قائم کر رکھا تھا' وہ پارہ پارہ ہو گیا۔ ذاتی مفاد کا سیل رواں جو شملہ کی ہمالیاتی بلندیوں سے بہتا ہوا آیا' ان کے اعتماد کو بہا کر لے گیا اور وہ ان سب سے بری طرح بدظن ہو گئے۔

لیگ جہاد کی راہ پر

اس سے اگلے دن مسلم لیگ کونسل نے اپنے اجلاس میں ممبران کی طرف سے پیش کی گئی ایک درجن سے زائد قراردادوں پر غوروخوض کیا' جن میں یہ فیصلہ کرنے کی استدعا کی گئی تھی کہ "کیبنٹ مشن کی وعدہ خلافی کے پیش نظر مسلم لیگ کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟" لیاقت علی خان نے ہر قرارداد پڑھ کر سنائی' پھر اس پر عمومی بحث شروع ہو گئی جو پورے دو دن جاری رہی۔ ملک فیروز خاں نے کہا "ہمارے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ ہم بخوشی یہ اعتراف کر لیں کہ ہم نے اس اسکیم میں تجویز کردہ ایک قسم کی یونین کو قبول کر لیا اور اپنے تصور پاکستان سے پیچھے ہٹ گئے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ آئینی تجاویز کو مجموعی طور پر مسترد کر دیا جائے۔ ہمارے سامنے صرف ایک راہ دکھانے والی روشنی ہے --- ایک مکمل با اختیار اور مقتدر ریاست پاکستان"۔ مولانا حسرت موہانی پرجوش تالیوں کی گونج میں ڈائس پر آئے اور بولے "اگر قائد اعظم

حکم دیں گے تو مسلم ہندوستان ایک منٹ کے نوٹس پر بغاوت کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا"۔ دوسرے علماء خان صاحبان اور ملاؤں نے بھی وہی راگ الاپا۔ راجہ غضنفر علی خاں نے وعدہ کیا "اگر مسٹر جناح نے حکم دے دیا تو ہر شعبہ زندگی سے مسلمان حصول پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے نکل آئیں گے"۔

۲۹ر جولائی کو ورکنگ کمیٹی میں دو قراردادیں پیش کی گئیں جو کونسل کی آراء پر غور و فکر کرنے کے بعد مرتب کی گئی تھیں۔ پہلی کے ذریعے کابینہ مشن کی منظوری واپس لینے کو کہا گیا تھا جبکہ دوسری کے ذریعے لیگ کے لئے مستقبل کا راستہ راست اقدام تجویز کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا تھا:

"چونکہ کسی کامیابی کے بغیر مسلم ہندوستان کی قوت سلب ہو چکی ہے۔ ہندوستانی مسئلہ کو مفاہمت اور آئینی ذرائع سے پرامن طور پر حل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور چونکہ کانگرس ــــ انگریزوں کے ساتھ سازباز کر کے ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے اور چونکہ حالیہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستانی معاملات میں انصاف اور مساوی برتاؤ نہیں بلکہ طاقت کی سیاست فیصلہ کن عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، چونکہ یہ پورے طور پر واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانان ہند پاکستان کی آزاد و خودمختار ریاست کے فوری قیام سے کم کسی بات سے مطمئن نہیں ہوں گے، مسلمان قوم کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ پاکستان کے حصول، اپنے حقوق کے تحفظ، اپنی خودداری کی حفاظت اور برطانوی غلامی نیز مستقبل کے ہندو تسلط سے نجات پانے کے لئے راست اقدام کا سہارا لے"۔

دونوں قراردادوں کی پورے جوش کے ساتھ منظوری کے بعد جناح نے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم نے سب سے اہم تاریخی فیصلہ کیا ہے۔ مسلم لیگ کی پوری تاریخ میں ہم نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا، ہمیشہ آئینی ذرائع اور مذاکرات پر عمل کرتے آئے ہیں۔ آج ہمیں یہ پوزیشن اختیار کرنے پر اس اقدام نے مجبور کر دیا ہے جس میں کانگرس اور انگریز شریک ہیں۔ ہم پر دو محاذوں سے حملہ کیا گیا ہے۔ آج ہم نے آئین اور آئینی طریقوں کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔ دردناک مذاکرات میں شروع سے آخر تک ان دونوں فریقوں نے، جن کے ساتھ ہمیں سودا بازی کرنی پڑی، ہم پر خنجر اٹھائے رکھا۔ ایک کے پاس طاقت اور اس کے پیچھے مشین گنیں تھیں، دوسرے کے پاس عدم تعاون اور سول نافرمانی شروع کرنے کی دھمکی، ہمیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمارے پاس بھی پستول موجود ہے"۔

پیتھک لارنس نے ویول پر زور دیا کہ وہ جناح سے جلد از جلد ملاقات کرے اور ان پر دباؤ ڈالے کہ وہ لیگ کے ممبران کو اب بھی کانگرس کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہونے کی اجازت دے دیں۔ ویول نے جناح کے غم و غصہ اور مسلم لیگ کی شدید کارروائی کا درست اندازہ نہیں لگایا۔ اس نے یکم اگست کو بذریعہ تار لندن کو مطلع کیا کہ عوامی تحریک کے فوری طور پر شروع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس نے پیتھک لارنس سے کہا "وہ کابینہ کو بتا دے کہ جناح کو فوری طور پر بلانا مناسب نہیں ہوگا۔ اگر میں جناح کو فوراً بلاتا ہوں تو اسے دھمکی کا دہشت زدہ ردعمل سمجھا جائے گا اور اس سے جناح کی اہمیت مزید بڑھ جائے گی۔ میں تجویز کروں گا کہ جناح کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے"۔ چنانچہ میکیاولی والا کھیل جاری رہا۔

لیگ کا راست اقدام

لیگ کونسل کے اجلاس کے بعد روزنامہ "ٹیلیگراف" کے نمائندہ نے جناح سے انٹرویو کیا اور پوچھا کہ "راست اقدام" سے ان کی کیا مراد ہے؟ جناح نے پہلے تو کہا کہ غیر قانونی عوامی تحریک چلائی جائے گی۔ لیکن جب اس نمائندہ نے اپنے مضمون کا متن انہیں دکھایا تو انہوں نے لفظ غیر قانونی کو "غیر آئینی" سے بدل دیا۔ جناح کے سیکرٹری نے انکشاف کیا کہ ورکنگ کمیٹی نے ۱۶ر اگست ۴۶ء (بروز جمعہ) مسلمانوں کی طرف سے عام ہڑتال کی تاریخ مقرر کی ہے۔ وائسرائے کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری کو ایک دھچکا سا لگا۔ اس امر کے امکانات تھے کہ عام ہیجانی کیفیت طاری ہو جائے۔ تاہم ویول زیادہ پریشان نہیں ہوا۔ اس نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جناح کو حقیقی معنوں میں پتہ نہیں کہ اس دن کیا کرنا ہے۔

۶ر اگست کو پیتھک لارنس کی رضامندی سے کانگرس کے صدر نہرو کو دعوت دی کہ "آپ عبوری حکومت کی تشکیل کے لئے اپنی تجاویز پیش کریں۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ اس بارے میں آپ پہلے مسٹر جناح سے تبادلہ خیال کریں۔ مجھے یقین ہے آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس نازک مرحلے پر ایک مخلوط حکومت زیادہ موثر انداز میں ہندوستان کی منزل کی طرف بہترین رہنمائی کر سکتی ہے"۔ نہرو نے ۱۰ر اگست کو گاندھی کے آشرم (واردھا) سے جواب میں اس پیشکش کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ۱۳ر اگست کو نہرو نے وہیں سے جناح کو لکھا: "مجھے عبوری مخلوط حکومت کی تشکیل کے لئے آپ کا تعاون مطلوب ہے"۔

جناح کا جواب بڑا ہی حیران کن تھا۔ "آپ کے اور وائسرائے کے مابین کیا بات چیت ہوئی ہے' مجھے اس کی بابت کچھ علم نہیں۔ نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ آپ دونوں کے مابین کیا طے پایا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وائسرائے نے آپ کو انتظامی کونسل کی تشکیل کا حکم دیا ہے اور آپ کے مشورہ کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر پہلے ہی آمادگی ظاہر کر دی ہے تو میرے لئے اس پوزیشن کو قبول کرنا ممکن نہیں۔ تاہم اگر آپ کانگرس کی طرف سے میرے ساتھ ملاقات کر کے ہندو مسلم قضیہ طے کرنے اور سنگین بحران حل کرنے کے خواہاں ہیں تو آج شام ۶ر بجے میں آپ سے ملاقات کرنے کو تیار ہوں"۔ یہ ۱۵ر اگست ۴۶ء کی تاریخ تھی' پاکستان و ہندوستان کے قیام سے ٹھیک ایک سال پہلے۔ نہرو نے بعد دوپہر مطلع کیا کہ "میں آج شام ۶ر بجے آپ کے ہاں آ رہا ہوں"۔

ملاقات کے بعد نہرو نے ویول کو بتایا کہ "میں نے مسٹر جناح کو یقین دہانی کرائی ہے کہ مجلس دستور ساز میں کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ پر عمل نہیں کیا جائے گا تاوقتیکہ دونوں پارٹیوں کی اکثریت اس کے حق میں ووٹ نہ دے۔ یہ کہ اختلافی نکات تصفیہ کے لئے فیڈرل کورٹ کو بھیجے جائیں گے' یہ کہ چونکہ کانگرس گروپ سازی کے تصور کو پسند نہیں کرتی' اور مرکز کے ماتحت خود مختار صوبوں کو ترجیح دیتی ہے' اس لئے اگر صوبوں نے گروپ سازی کو پسند کیا تو وہ مخالفت نہیں کرے گی"۔ نہرو نے جناح کو چودہ افراد کی کابینہ میں مسلم لیگ کے لئے پانچ نشستیں پیش کیں۔ تاہم وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اگر کانگرس اپنے پانچ کے کوٹہ میں ایک نیشنلسٹ مسلمان کو شامل کرتی ہے تو مسلم لیگ کو اس پر کیوں اعتراض ہے۔ جناح نے ایسی

شمولیت پر نہ صرف سخت اعتراض کیا بلکہ اس صورت میں عبوری حکومت میں شریک نہ ہونے کی دھمکی بھی دی۔ نہرو کی رپورٹ کے مطابق ان کی واحد تجویز یہ تھی کہ اس ساری کارروائی کو چھ ماہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ ہندوستان کی خانہ جنگی کے بدترین سال کے موقع پر غروب آفتاب کے وقت مالابار ہل پر واقع جناح کے بنگلہ سے نکلتے ہوئے نہرو نے مزید انتظار کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔

کلکتہ میں عظیم خونریزی

میجر ایل اے لیورمور نے فورٹ ولیم کی چوٹی پر واقع اپنی چوکی سے رپورٹ دی کہ ۱۶ اگست کو جونہی کپلنگ کے خوفناک رات والے شہر میں صبح ہوئی' ہاوڑہ کی جیوٹ ملوں سے مسلمان کارکنوں نے شہر میں آنا شروع کر دیا۔ ان کا رخ آکٹرمونی کی اس یادگار کی طرف تھا جہاں یوم راست اقدام منانے کے سلسلہ میں لیگ کا بھاری جلسہ عام ہونے والا تھا۔ اس سے بنگال کے وزیر اعلیٰ سہروردی اور دوسرے لیڈروں کو خطاب کرنا تھا۔ اس دن کلکتہ کی فضا میں عجیب قسم کی خاموشی تھی۔ صبح کے ۳۰۔۷ بجے اس قسم کی اطلاعات قلعہ کے برطانوی صدر دفتر میں پہنچیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے تالا اور بیلگاچھ کے پلوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ تاہم کلکتہ کے بریگیڈیر ان کمانڈ جے۔ پی۔ سی میکنلے نے اس دن فوجی دستوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ بیرکوں سے باہر نہ نکلیں۔ گویا ۱۶ اگست کے دن ہندوستان کے سب سے بڑے' سب سے زیادہ گنجان آباد اور فرقہ واریت میں سب سے زیادہ مبتلا شہر کو یکسر نہتا چھوڑ دیا گیا تھا۔ سہروردی نے سرکاری ملازمین کے لئے تین دن کی غیر معمولی چھٹیاں دے دی تھیں۔

گورنر بنگال بروز نے اس رات ویول کو تار دیا "فرقہ وارانہ جھگڑا کلکتہ کے شمال مشرقی علاقہ مانک ٹولا میں صبح ۷ بجے ہی شروع ہو گیا اور پھر دن بھر جاری رہا اور پھیلتا گیا۔ شام کے ۶ بجے تک کی صورت حال یہ ہے کہ وسیع پیمانہ پر متعدد بار فرقہ وارانہ تصادم ہوا جس میں بعض دکانیں بھی لوٹی گئیں۔ ہتھیار جن سے کام لیا گیا' وہ روڑے اور پتھر تھے۔ تاہم بہت سی صورتوں میں دونوں قوموں کے افراد نے شاٹ گنیں بھی استعمال کیں اور چاقو زنی کی بعض وارداتوں کی اطلاع بھی ملی ہے۔ شمالی کلکتہ کے ہندو تاجروں میں خوف و ہراس کا احساس صبح سے ہی عیاں تھا جو اصل حالات سے کہیں زیادہ وحشیانہ رپورٹوں کی زیادتی کا سبب بنا۔ اب تک جو ہنگامے ہوئے ہیں' وہ واضح طور پر فرقہ وارانہ ہیں' انگریزوں کے خلاف نہیں"۔

لیفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر' انچارج ایسٹرن کمانڈ' کو خفیہ رپورٹیں موصول ہوئیں کہ سہروردی نے اس روز بعد دوپہر منعقد ہونے والے بھاری جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"کیبنٹ مشن محض ایک فریب تھا۔ میں دیکھوں گا پنڈت نہرو بنگال پر کس طرح حکومت کرتے ہیں۔ یوم راست اقدام حصول آزادی کے لئے جدوجہد کی طرف پہلا قدم ثابت ہو گا۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ جلد اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ میں نے پولیس اور فوج سے مل کر پورا بندوبست کر لیا ہے' وہ آپ سے کوئی تعارض نہیں کریں گے"۔ انٹیلی جنس والوں کا کہنا ہے کہ ہجوم میں بہت سے مسلمان غنڈے بھی شامل تھے اور یہ کہ جونہی جلسہ ختم ہوا' ان کی صفیں بکھر گئیں۔ انہوں نے تجارتی مراکز کا رخ کیا اور وہاں

پہنچتے ہی ہندوؤں کی دکانوں اور مکانات کو لوٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔ چار بج کر پندرہ منٹ پر فوجی ہیڈ کوارٹرز نے "ریڈ" کا کوڈ ورڈ بھیجا جس سے ظاہر ہوا کہ پورے کلکتہ میں غیر معمولی واقعات ہو رہے ہیں۔

فساد زدہ علاقوں میں شام کے ۶ بجے کرفیو لگا دیا گیا لیکن جب ۸ بجے' ایریا کمانڈر نے ساتویں ور سینٹرز اور گرین ہوارڈز کو طلب کیا تو انہوں نے کالج سٹریٹ مارکیٹ کو شعلوں کی لپیٹ میں پایا۔ جو چند گھر اور دکانیں جلنے سے بچ گئیں' انہیں مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ امہرسٹ سٹریٹ میں زیادہ لوٹ مار نہیں ہوئی تھی --- اپر سرکلر روڈ پر بہت سی عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن چکی تھیں۔ ہارسمن روڈ پر بہت سے زخمیوں اور خوفزدہ مکینوں کی چیخیں اور آہیں سننے میں آئیں۔ وہاں بہت سی تازہ لاشیں پڑی تھیں۔ کلکتہ میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میجر لیور مور کو یاد آیا کہ "وہ تہذیب و شرافت کے خلاف عوامی راج کی لڑائی تھی۔ زیادہ تر لاشیں غریبوں' نچلے درجہ کے ان پڑھوں اور ایسے کمزور لوگوں کی تھیں جو لٹیروں اور ہجوم کے موذی افراد سے اپنے مال کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے"۔

جنرل ٹکر نے نوٹ کیا: "فروری کے قتل عام پر ہمیں گہرا دکھ ہوا تھا' تاہم یہ خونریزی مختلف تھی۔ یہ قاتلانہ جنون کے ساتھ بے لگام بربریت تھی جسے قتل کرنے' ہلاک کرنے' ٹکڑے کرنے اور جلانے کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ کلکتہ کے رذیل طبقہ نے شہر کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اسے پولیس کنٹرول نہیں کر رہی تھی' دن کی روشنی میں کسی بس یا ٹیکسی کا نشان تک نظر نہیں آیا۔ رکشے توڑ پھوڑ کر جلا دیئے گئے تھے۔ کلرکوں کے لئے کوئی ذریعہ مواصلات نہ تھا کہ وہ اپنے کام پر جا سکیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آرام طلب اور کاہل آدمی شہر میں سڑگشت کر رہے تھے۔ فسادیوں نے ہاتھوں میں ڈنڈے' لاٹھیاں اور آہنی سلاخیں اٹھا رکھی تھیں۔ ان کے تیور خطرناک تھے۔ ایک شخص کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا' جو تھانہ سے سو گز سے بھی کم فاصلہ پر پڑا تھا۔ پولیس اپنی گاڑیوں سے اترنے میں بڑی سست تھی' اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرتی' تین آدمیوں کو ڈنڈوں سے ختم کر دیا گیا' ان کی لاشیں سڑک پر پڑی تھیں"۔

۱۹ر اگست کو میجر لیور مور کے دستوں میں سے ایک نے محض ایک گلی کے چوک میں سے ۱۵۰ لاشیں اٹھائیں' تین دن لاشیں یونہی بکھری پڑی رہیں۔ فوج کو مردے ٹھکانے لگانے میں پورے دو دن اور دو راتیں صرف کرنے پڑے۔ ۱۹ر اگست کی رات تک جلی ہوئی لاشوں کی بدبو اتنی شدید ہوگئی تھی کہ حکومت بنگال نے فوج کو ایک لاش اٹھانے کے عوض پانچ روپے دینے کی پیشکش کی۔ کبھی کبھار انگریزی فوج کے دستوں کی نقل و حرکت کے سوا پورا شہر مردوں کا شہر بن کر رہ گیا تھا۔ یہ پتہ چلنے پر کہ پاگل انگریز لاشوں کو اٹھا رہے ہیں' مکانوں اور چھپروں کے پوشیدہ حصوں سے نکال کر مزید لاشیں گلیوں میں ڈال دی گئیں۔

قتل و غارت گری کا بھیانک منظر

قطعی طور پر کوئی نہیں جانتا کہ کلکتہ کے عظیم قتل عام میں کتنے لوگ مارے گئے۔ تاہم جنرل ٹکر نے اندازہ لگایا کہ یہ تعداد ہزاروں میں تھی۔ غیر سرکاری ذرائع نے دعویٰ کیا کہ ۱۶ سے ۲۰ر اگست کے درمیان

۱۶۰۰۰ بنگالی ہلاک کئے گئے۔ اور اس سے کئی گنا زیادہ لوگ پل کے ذریعے دریائے ہگلی کے پار بھاگ گئے' اس پل پر سے کئی دن تک مردوں' عورتوں' بچوں اور گھریلوں جانوروں کی مسلسل قطاریں شہر سے ہاؤڑہ سٹیشن کو جاتی رہیں۔ مارگریٹ بورک وائٹ نے لکھا ہے "جب لوگوں نے دیکھا کہ ریل گاڑیاں انہیں نہیں اٹھا سکتیں تو لوگ انتظار کرنے کے لئے فرش پر بیٹھ گئے۔ وہ خود بخود ہندو اور مسلمان کیمپوں میں تقسیم ہو گئے"۔ یہ تقسیم کی محض ابتدا تھی۔

ویول نے ۲۱ر اگست کو پیتھک لارنس کو مطلع کیا کہ اب تک مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد کا اندازہ علی الترتیب ۳۰۰۰ اور ۱۷۰۰۰ ہے۔ کانگرس کو یقین تھا کہ یہ ساری آفت مسلم لیگی وزارت کی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ تھی۔ تاہم وائسرائے کو اس بارے میں ابھی تک کوئی اطمینان بخش شہادت نہیں ملی تھی مرنے والوں کی بابت آخری انکشاف یہ تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ مارے گئے۔

اگست کے آخر میں ایک غیر ملکی نیوز ایجنٹ نے جناح سے کلکتہ کی عظیم خونریزی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا:

"اگر کانگرسی حکومتیں مسلمانوں کو کچلنے اور اذیت دینے لگیں تو ہنگاموں پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس کا کوئی متبادل نہیں ماسوائے قیام پاکستان کے۔ ہم پاکستان میں غیر مسلم اور ہندو اقلیتوں کی دیکھ بھال کی ضمانت دیتے ہیں جو سب مل کر ڈھائی کروڑ کے لگ بھگ ہوں گی۔ ہم ان کے مفادات کی ہر طرح حفاظت کریں گے۔ یہ ہندوستان کی حقیقی آزادی کا نیز لوگوں کی بھلائی اور مسرت کا مختصر ترین راستہ ہے"۔

عبوری حکومت کی تشکیل

۲۴ر اگست کو ویول نے اعلان کیا کہ نہرو اور ان کی پسند کے دیگر ۱۳ ساتھی عبوری حکومت تشکیل دیں گے جو اوائل ستمبر سے کام شروع کرے گی۔ وائسرائے نے کہا "کلکتہ کے حالیہ ہولناک واقعات سنجیدگی سے یاد دلاتے ہیں کہ اگر ہندوستان کو آزادی کے عبوری دور میں زندہ رہنا ہے تو بہت زیادہ صبرو تحمل سے کام لینا ہوگا"۔ اس کے ایک ہفتہ بعد سر شفاعت احمد خاں کو' جو نہرو کابینہ کے لئے نامزد کردہ تین غیر لیگی مسلمانوں میں سے ایک تھے' مسلم لیگ کے دو متشدد نوجوانوں نے شملہ میں چاقوؤں سے حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وائسرائے کی نشری تقریر کے دو دن بعد جناح نے اعلان کیا' "وائسرائے نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان کو زبردست صدمہ پہنچایا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ مسلمانان ہند اسے حوصلہ اور جرات سے برداشت کریں گے اور عبوری حکومت میں اپنی جائز اور باعزت پوزیشن حاصل کرنے میں ناکامی سے سبق حاصل کریں گے۔ میں اب بھی دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے' وہ غیر دانشمندانہ اور غیر مدبرانہ ہے جو خطرناک اور سنگین نتائج پر مبنی ہے --- اور اس نے تین ایسے مسلمانوں کو نامزد کر کے محض ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا ہے' جن کے بارے میں اسے علم ہے کہ انہیں مسلم ہندوستان میں نہ احترام حاصل ہے نہ اعتماد"۔

اب ویول نے نہرو اور گاندھی سے اپیل کی کہ وہ گروپ سازی کا ایک نیا فارمولا قبول کر لیں ورنہ دستورِ ساز اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا۔ گاندھی نے ۲۸ر اگست کو وائسرائے کے نام خط میں لکھا "گزشتہ شام آپ نے یہ بات کئی بار دہرائی کہ آپ ایک کھرے آدمی اور سپاہی ہیں اور یہ کہ آپ قانون نہیں جانتے۔ ہم سب کھرے آدمی ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے' میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں' کہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جن کے استعمال سے کلکتہ کے حالیہ ہولناک واقعات کی روک تھام کی جا سکے۔ ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ یہ کام بہترین طریقہ سے کیسے کیا جائے۔ کل شام آپ کی زبان تہدید آمیز تھی۔ بادشاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کا محض ایک فوجی ہونا کافی نہیں' نہ ہی آپ قانون کو نظرانداز کر سکتے ہیں۔ کانگرس سے بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے اندر اتنی لچک پیدا کرے کہ جس راستہ کو غلط سمجھتی ہے' بنگال میں ہونے والی وحشیانہ غارت گری کو دیکھتے ہوئے اسی راہ پر چلنے لگے۔ میں یہ بات ایک ہندو یا مسلمان کی حیثیت سے نہیں' بلکہ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں۔ براہ کرم میرا پورا خط برطانوی کابینہ کو سنا دیں"۔

ویول نے گاندھی کے مذکورہ بالا خط کے سرنامہ میں لکھا:

"میری اس تجویز پر کہ کانگرس کو گروپ سازی کی بابت مکمل کر یقین دہانی کرانی چاہئے' گاندھی کے شدید ردعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی سابقہ یقین دہانیوں کی بابت جناح کے خدشات کتنے درست تھے"۔ وائسرائے نے مزید لکھا "میرا ذہن اس شہادت پر یقین رکھتا ہے کہ کانگرس ہمیشہ سے یہ سوچتی رہی ہے کہ عبوری کابینہ میں اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم لیگ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور دستور ساز اسمبلی میں گروپ سازی اسکیم کو تباہ کر دیا جائے جو مسلمانوں کے لئے ایک موثر تحفظ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ سیکرٹری آف سٹیٹ اور وزیر اعظم نے ویول کی سوچ سے اتفاق نہیں کیا۔ پیتھک لارنس نے جواب میں تار دیا "ہمیں فرقہ وارانہ فساد کے خطرہ کی سنگینی کا مکمل احساس ہے' اس کے ساتھ ساتھ ہم آپ سے کہیں گے کہ آپ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس کا نتیجہ کانگرس سے بگاڑ کی شکل میں نکلے"۔ ویول اس مرحلہ پر استعفیٰ دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اسے اس بات پر ندامت ہو رہی تھی کہ جون میں جناح کو نظرانداز کیوں کیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ مدافعانہ انداز میں نہرو کے ساتھ کام کرنا کم خوشگوار اور زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو گا۔

برلا جی بھی بولے

اگلے دن جی۔ ڈی۔ برلا نے کرپس کو لکھا "جب تک جناح یہ سمجھتے ہیں کہ وہ وائسرائے کے ذریعے اپنا ویٹو استعمال کر سکتے ہیں' اس وقت تک وہ سخت رویہ ترک نہیں کریں گے۔ لیگ کے کارکنوں میں اس احساس کی علامات پائی جاتی ہیں کہ جناح انہیں تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں"۔ ادھر ۲۹ر اگست کو عید کے پیغام میں جناح نے اپنے پیروکاروں سے اپیل کی کہ "وہ مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ ہمیں

ایک جھنڈے کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے بدترین صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ماٹو' اتحاد' یقین محکم اور تنظیم کے ساتھ پختہ عزم اور تیاری کرنی ہوگی۔ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم یقیناً کامیاب ہوں گے"۔

چند دن بعد یکم ستمبر کو کانگرس کی عبوری حکومت کا چارج سنبھالنے کے موقع پر فرقہ وارانہ فساد نے بمبئی کو بھسم کر ڈالا' کیونکہ اس دن مسلمانوں نے سینڈ ہرسٹ روڈ کے ساتھ ساتھ تمام مکانوں پر بطور احتجاج سیاہ جھنڈے لہرائے۔ شہر میں کرفیو لگا دیا گیا۔ فوج طلب کر لی گئی' اس کے باوجود تشدد کی اس بدمستی والی رات میں ۳۵ افراد مارے گئے اور ۱۷۵ زخمی ہوئے۔ بمبئی میں یہ ہنگامے وقفہ وقفہ سے ایک ہفتہ تک ہوتے رہے۔ ۱۰ر ستمبر تک ۲۰۰ سے زیادہ ہندو اور مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ فسادات کی آگ کراچی میں بھی بھڑکی تاہم وزیر اعظم سندھ شیخ غلام حسین کی بروقت نشری تقریر نے جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے اس شہر میں زیادہ خون خرابہ نہیں ہوا۔ سندھ کے چیف سیکرٹری نے رپورٹ دی کہ "کلکتہ کی ہولناکی نے ایک فریق میں شدید خفگی و بیزاری پیدا کر دی ہے تو دوسرے میں بلاوجہ خوف و ہراس کو جنم دیا ہے۔ دونوں فریق خفیہ طور پر خود کو مسلح کر رہے ہیں"۔

کانگرس نے حکومت بنالی

مہاتما گاندھی نے ۲ر ستمبر کو برلا ہاؤس (نئی دہلی) میں دعائیہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا "آخرکار قومی سوراج کا دروازہ کھل گیا ہے"۔ اس دن بے تاج بادشاہ جواہر لال نہرو اور ان کے رفقائے کار نے پھولوں سے سجے ہوئے دارالحکومت دہلی میں اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا تھا۔ نہرو اب واقعی ہندوستان کے وزیر اعظم تھے' انہوں نے پٹیل کو وزارت داخلہ اور بلدیو سنگھ کو وزارت دفاع کا قلمدان سونپا۔ چند دن بعد پنڈت نہرو نے ایک نشری تقریر میں کہا "اس پرانی سرزمین میں ایک نئی حکومت کا قیام عمل میں آچکا ہے' جسے ہم عارضی یا عبوری حکومت کہتے ہیں۔ ہمارا پرانا اور پیارا وطن ہندوستان آج پھر اپنے آپ کو سخت مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے۔ وہ ایک بار پھر اولوالعزمی کی درخشاں نگاہوں کے ساتھ جوان ہو گیا ہے۔ اس کا سینہ اپنے مشن پر اعتماد کی لازوال دولت سے مالا مال ہے"۔

۸ر ستمبر کو ویول نے ہنگامی طور پر ہندوستان کے بارے میں اپنا "تحلیلی منصوبہ" پیتھک لارنس کو بھجوا دیا جس میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ "ہم پورے ہندوستان پر ڈیڑھ سال سے حکمرانی نہیں کر سکتے"۔ واپسی کی بابت وائسرائے کے پلان کا انحصار اس بات پر تھا کہ حکومت برطانیہ پورے استقلال کے ساتھ اس کا ارادہ کر لے۔ ویول نے استدعا کی کہ اس منصوبہ کا جنوری سے قبل اس نوع کا عام اعلان کرنے کی اجازت دی جائے۔ وہ تمام ہندوستانیوں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ انگریز جنوب سے شمال تک اپنی تمام فوجیں نکالنے اور برصغیر سے کراچی اور کلکتہ کے راستے انگلینڈ جانے کو تیار ہیں جبکہ چیدہ چیدہ حکام نئی دہلی سے ہوائی جہازوں کے ذریعے چلے جائیں گے۔ قریباً ایک لاکھ یورپین شہریوں اور اتنے ہی برطانوی فوجیوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑیگا۔

۱۰ر ستمبر کو ویول نے جناح کی پرانی ہمدرد سروجنی نائیڈو کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس موقع پر "ہم نے

سیاست نیز جناح اور مسلم لیگ کو حکومت میں شامل کرنے کی ضرورت اور جناح کے کردار میں پائی جانے والی مشکلات پر طویل گفتگو کی۔ مسز نائیڈو نے جناح کا ذکر ایسے انداز میں کیا جیسے وہ آسمان سے گرا ہوا فرشتہ ہے۔ وہ شخص جس نے کسی وقت عہد کیا تھا کہ وہ ہندوستان کی تحریک آزادی کا بڑا لیڈر بنے گا لیکن جس نے خود کو کانگرس کی جنگ سے باہر کھینچ لیا ہے"۔ روزنامہ "میل" کے نمائندہ کو بمبئی میں انٹرویو دیتے ہوئے جناح نے کہا:

"زخم بہت گہرا ہے اور مذاکرات نے ہمیں اتنی شدید تلخی اور عداوت تک پہنچا دیا ہے کہ موجودہ بحث کو طول نہیں دیا جا سکتا۔ سلیٹ کو بالکل صاف کرنا ہوگا اور ہمیں نئے سرے سے آغاز کرنا ہوگا۔ میں اپنے دعویٰ کی وکالت نہیں کرتا۔ تاہم اگر حکومت برطانیہ نے مجھے لندن آنے کی دعوت دی تاکہ وہاں دوسرے مذاکرات کنندگان سے برابر کی بنیاد پر کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کیا جائے' تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ اگر انگریزوں نے موجودہ عبوری حکومت کی حمایت کرنے پر اصرار کرنے کے علاوہ کوئی قدم نہ اٹھایا تو میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اسے برداشت کرلیں گے۔ اگر اب وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو میں فوری طور پر جیل جانے کو تیار ہوں"۔

بمبئی اور کلکتہ میں ہنگاموں کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اور نہرو دہلی میں بیٹھے بانسری بجا رہے تھے۔ جناح کو لندن کے دورہ کا امکان بڑا پرکشش محسوس ہوا ہوگا' اس طرح مالابار ہل کے مون سونی موسم سے کچھ دن کے لئے نجات مل سکتی تھی' اگر لندن نہیں تو جیل خانہ کیوں نہیں؟ ایک طرف ایک عظمت کی انتہا تھی اور دوسری طرف غیر یقینی کا تاریک دوزخ' جو اقتدار سے کٹا ہوا' وائسرائے کے ساحرانہ حلقہ کی درخشانی سے دور' جہاں کسی زمانہ میں انہوں نے مرکزی سٹیج سنبھالی تھی اور پاکستان کے حصول سے بہت دور' جس کا آج کل کوئی مشکل ہی سے ذکر کرتا ہے ماسوائے کانپتے اور ڈرتے ہوئے۔

وائسرائے نے ۱۶ر ستمبر کو ۷۵ منٹ تک جناح سے تنہائی میں ملاقات کی۔ اس سے پہلے اسی روز وہ نہرو اور پٹیل سے بھی مل چکا تھا۔ ان دونوں نے جناح کے ساتھ صلح کے لئے اس کی سلسلہ جنبانی کو ناپسند کیا۔ اب کانگرسی قیادت کا ویول پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا' اس لئے انہوں نے کرپس' پیتھک لارنس اور ایٹلی کو مشورہ دیا کہ اسے اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔ وہ وائسرائے کو مسلم لیگی مطالبات کا حد سے زیادہ حامی اور خطرناک طور پر پس منظر اور تربیت کے لحاظ سے سیاسی مسائل کی بجائے فوجی تجزیہ تک محدود سمجھتے تھے۔ ادھر کابینہ اپنے مشن کی بری طرح ناکامی کے بعد ہندوستان کے سیاسی جنگل میں کوئی انقلابی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھی۔ نہرو کے اصرار پر ویول عبوری طور پر متفق ہوگیا کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ۹ر دسمبر کو طلب کرلیا جائے۔ وائسرائے کو توقع تھی کہ اس وقت تک مسلم لیگ سے کوئی سمجھوتہ طے پا جائے گا۔

مشن میں شامل وزراء نے ۲۳ر ستمبر کو ۱۰۔ ڈاؤننگ سٹریٹ میں وزیر اعظم سے ملاقات کی جس میں ویول کے ارسال کردہ تخلیلی منصوبہ پر غور کیا گیا۔ ایٹلی نے ویول کی تجاویز پر ٹھوس اعتراضات کئے جو اس کی رائے میں معمولی سی بات پر زیادہ شور مچانے کے مترادف تھا۔ کرپس نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ "جونہی ہماری واپسی کا اعلان ہوگا' انڈیا میں ہر کوئی حصول مرتبہ کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے گا۔ ہمارے

خلاف فوراً خانہ جنگی شروع ہو جائے گی"۔ وہ اس حق میں تھا کہ مقننہ کا اجلاس فوراً بلایا جائے خواہ مسلم لیگ شامل ہو یا نہ ہو۔ لارنس نے محسوس کیا کہ وائسرائے کی تجویز انتظامیہ کی ناکامی کو یقینی بنا دے گی۔ ایٹلی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ویول مدراس اور بمبئی سے کیوں دستکش ہونا چاہتا ہے۔ ہندوستان کے دو بہترین مقامات سے یورپیوں کو نکالنا اور انگریزی افواج کو ہندوستان کے انتہائی مشکل حصہ پر کنٹرول کے لئے روک رکھنا' ایسے اقدامات ہیں جو پاکستان قائم کرنے کی کوشش کے مترادف ہیں' اور خانہ جنگی کا سبب بن سکتے ہیں۔

ویول نے ۲۵ر ستمبر کو جناح سے ایک اور ملاقات کی جو دو گھنٹے تک جاری رہی۔ وائسرائے نے انہیں "بہت خاموش اور حسب توقع پایا۔ وہ سمجھوتہ کے لئے بے چین نظر آئے بشرطیکہ وقار کو ٹھیس لگے بغیر ایسا ہو جائے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ کانگرس خیر سگالی کے طور پر کسی مسلمان کی تقرری سے احتراز کرے گی۔ وہ کابینہ میں نہرو کے ساتھ باری باری نائب صدر کے عہدہ پر تقرری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اگلے روز نہرو اور گاندھی دو گھوڑوں والی گاڑی میں وائسرائے کے پاس پہنچے اور ایک گھنٹہ سے زیادہ تبادلہ خیال کیا اور اسے قائل کر لیا کہ وہ حکومت میں جناح اور لیگ کی شرکت نہیں چاہتے۔ آخر میں گاندھی نے کانگرس کی حصول غلبہ کی پالیسی کا پہلے سے زیادہ کھلے بندوں انکشاف کیا۔ ویول نے اعتراف کیا "میں اس بوڑھے شخص سے جتنا زیادہ ملتا ہوں' میں اسے اتنا ہی زیادہ بے ایمان بوڑھا منافق سمجھتا ہوں"۔

یکم اکتوبر تک ویول کو یقین ہو گیا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے مسئلہ میں کانگرس پر مزید دباؤ ڈالنے کی کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب اس نے اپنی بہترین حکمت عملی بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا۔ "میں جناح کو صرف یہ ترغیب دوں گا کہ وہ مجھے مسلم سیٹوں کے لئے پانچ نام دے دیں"۔ ویول اس بات کا قائل ہو گیا کہ "جلد از جلد حکومت میں شامل ہونا مسلم لیگ کے مفاد میں ہے"۔ لہٰذا اگلے روز ویول نے جناح سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کے لئے اپنی حکمت عملی سے آگاہ کیا۔ جناح نے نیشنلسٹ مسلمانوں کے سوال پر بالکل کچھ نہیں کہا نہ ہی کوئی اعتراض کرنے کی کوشش کی۔ ویول نے واضح کیا کہ نائب صدر کا کام محض وائسرائے کی عدم موجودگی میں کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت کرنا ہوتا ہے' یہ کہ وہ مسلم پارٹی کے لیڈر کے لئے یہ اہتمام کرا سکتا ہے کہ اسے کابینہ کمیٹی کا چیئرمین مقرر کر دیا جائے جو حقیقت میں ایک بااثر منصب ہے۔ وہ بخوبی سمجھ گیا تھا کہ جناح کے نزدیک وقار کا معاملہ کتنا اہم ہے اور اس موقع پر انہیں ان اختیارات سے صاف آگاہ کر دیا جو اس نے بحیثیت گورنر جنرل مشتہر کئے بغیر اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ ملاقات کے اختتام پر ویول نے یہ تاثر لیا کہ جناح حکومت میں آنے کے لئے بے قرار ہیں۔ دوسری طرف اس وقت تک جناح بھی کم از کم اس قدر متاثر ضرور ہوئے ہوں گے کہ وائسرائے' نہرو' پٹیل اور دہلی و شملہ کی وائسریگل کونسل کے اندرونی ایوانوں میں موجود دوسرے لوگوں کے اثر و رسوخ کے مقابلہ میں انہیں لیگ کے ہم پلہ لیڈر کے طور پر کس قدر زیادہ چاہتا ہے۔

آیا انہیں دعوت دینے میں ویول نے گرم جوشی سے کام لیا یا جناح کی رواں مایوسیاں تھیں جن کے باعث انہوں نے عبوری حکومت کی اس پہلی گاڑی کو مس کر دیا جس نے نہرو پر بظاہر اتنی زیادہ قوت اور

شان و شوکت کا رنگ چڑھا دیا۔ نئی دہلی میں ہونے والے ان مذاکرات نے تیزی سے اس معاملہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جس نے اس سال تین ماہ تک کیبنٹ مشن کی طرف سے کی گئی محنت کو اکارت کر دیا تھا۔ شاید یہ کلکتہ کی عظیم خونریزی اور بمبئی کے خونیں ہنگاموں کی المناک اور آنکھیں کھول دینے والی صداقت یا مسلم لیگ کونسل کی بے صبری یا ان کی اپنی گرتی ہوئی صحت تھی جس نے جناح کو وہ سمجھوتہ کرنے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ لچکدار بنا دیا جس کی بدولت محض دو ہفتے کے ریکارڈ توڑ مذاکرات کے نتیجہ میں مسلم لیگ کا کانگرس کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہونا ممکن ہوگیا۔ نہ ہی نہرو یا کانگرس نے ان کی انا کو رجھانے یا بھڑکانے کی کوشش کی۔ شاید اس طرح کے منفی اشارے پرانے فریقوں کی طرف سے جناح کو یہ یقین دلانے کے لئے دیئے جاتے تھے کہ یہ ان کے لئے واقعی اچھا وقت ہے کہ وہ زائد سامان کو چھوڑ دیں اور جہاز پر سوار ہو جائیں کیونکہ ابھی پکڑنے کے لئے ایک رسا موجود ہے اور جہاز کا کپتان ان کا پرتپاک خیرمقدم کرنے کو تیار ہے۔

نواب بھوپال کی مداخلت

اس مرحلہ پر جناح کے قدیمی دوست اور ۱۹۴۴ء سے ایوان راجگان کے چانسلر نواب بھوپال سیاسی ڈراما میں شامل ہوگئے' انہوں نے جناح اور نہرو کو دعوت دی کہ وہ ان کے محل میں ملاقات کریں اور اپنے بقیہ اختلافات پر تبادلہ خیال کریں۔ نہرو نے ۶ر اکتوبر کو جناح کے نام خط میں تحریر کیا "میں نے ان معاملات کے بارے میں جن پر ہم نے گزشتہ روز تبادلہ خیال کیا تھا' اپنے بعض ساتھیوں سے مشورہ کیا ہے۔ ہم سب نے اس امر سے اتفاق کیا کہ ملک کے لئے اس سے زیادہ خوش کن اور بہتر بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں تنظیموں (کانگرس اور لیگ) کو پہلے کی طرح ایک بار پھر دوستانہ انداز میں ذہنی تحفظات کے بغیر اور اس پختہ ارادہ کے ساتھ ملاقات کرنی چاہئے کہ اپنے تمام اختلافات کو باہم مشاورت کے ذریعے طے کریں گی۔ اور انگریزوں کو وائسرائے کے ذریعے یا کسی اور طریقہ سے مداخلت کی اجازت نہیں دیں گی' نہ ہی اس کی خواہش مند ہوں گی۔ اس لئے ہم مسلم لیگ کے اس فیصلہ کا خیرمقدم کرتے ہیں جو اس نے عبوری حکومت میں شامل ہونے اور پورے ہندوستان کی طرف سے ایک متحدہ ٹیم کے طور پر کام کرنے کے بارے میں کیا ہے"۔ جناح نے دوسرے دن جواب دیا "میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور ویسے ہی جذبات رکھتا ہوں"۔ جہاں تک دوسرے پیراگراف میں مذکور نکات کا تعلق تھا' انہوں نے ان پر جوابی اعتراضات اٹھا دیئے اور آخر میں لکھا "میں اس بارے میں بڑا بے چین ہوں کہ ہمیں کسی غیر ضروری تاخیر کے بغیر سمجھوتہ کرنا چاہئے"۔ اس کے جواب میں نہرو نے جو خط لکھا اس میں زیادہ گرم جوشی نہیں تھی۔ ویول نے ۹ر اکتوبر کو رپورٹ دی کہ "بظاہر اس میں کچھ رکاوٹ تھی"۔

دو روز بعد وائسرائے نے بذریعہ تار وہ خفیہ رپورٹ لندن بھجوائی جو اسے بھوپال سے اسی وقت اس بارے میں موصول ہوئی تھی کہ معاملہ خراب کیوں ہوا۔ "بظاہر گاندھی اور جناح نے ایک فارمولا منظور کر لیا' جس میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی نمائندہ جماعت کہا گیا تھا۔ پھر پٹیل گروپ کے ایماء

پر گاندھی نے اس مفہوم کا ایک فقرہ بڑھا دیا کہ دونوں پارٹیاں ایک ٹیم کے طور پر کام کریں گی اور گورنر جنرل کو مداخلت کی دعوت یا اجازت نہیں دیں گی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فقرہ جناح کے لئے ناقابل قبول تھا"۔ اس سے قبل ویول نے نہرو کو یہ یقین دلانے کی بڑی کوشش کی کہ جناح کو اس لئے حکومت میں شامل نہیں کیا جا رہا کہ وہ انہیں دھکیل کر خود ان کی جگہ لے لیں، نہ ہی لیگ کو مخلوط حکومت میں اس غرض سے شریک کیا جا رہا ہے کہ نئی حکومت کے اندر "بادشاہ کی پارٹی" قائم کی جائے۔ تاہم اب اس نے ڈرتے ڈرتے یہ بات مان لی کہ گاندھی اور کانگرس مسلم لیگ سے سمجھوتہ کی کوشش اس لئے کر رہے ہیں کہ اس کی مدد سے کابینہ میں گورنر جنرل کے اثر و رسوخ کو ختم کیا جا سکے اور وہ برائے نام سربراہ مملکت بن کر رہ جائے

حکومت میں شمولیت پر لیگ کی رضامندی

وائسرائے نے اگلے روز بعد دوپہر جناح سے اس وقت ایک اور ملاقات کی جسے اس نے "نازک انٹرویو" کا نام دیا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ مسلم لیگ حکومت میں شامل ہونے پر راضی ہے۔ تاہم جناح کابینہ کے لئے پانچ مسلمان ناموں میں سے ایک اچھوت کا نام تجویز کر کے کانگرس پر اچانک تیز بال پھینکنے والے ہیں۔ ویول نے نوٹ کیا۔ "میں نے ان سے کہا کانگرس کی طرف سے ایک نیشنلسٹ مسلمان کی نامزدگی کے جواب میں مسلم لیگ کا کسی شیڈولڈ کاسٹ کو نامزد کرنا "جیسے کو تیسا" والی بات ہوگی اور یہ چیز میرے لئے کسی قدر پریشانی کا موجب بنے گی۔ میں نے قیاس کیا کہ جناح جس شخص کو نامزد کرنا چاہتے ہیں، وہ اس وقت بنگال میں وزیر ہے"۔ جوگندر ناتھ منڈل ان دنوں بنگال کا وزیر قانون تھا۔ وہ ایک کامیاب وکیل تھا۔ مسلم لیگ کے لئے اس میں سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ وہ پیدائشی اچھوت تھا۔ جناح نے خود حکومت سے باہر رہنے کا فیصلہ کیا اور لیاقت علی خاں کو لیگی ٹیم کا لیڈر بنا دیا۔ ان کے ساتھ آئی آئی چندریگر (بمبئی) عبدالرب نشتر (سرحد) اور راجہ غضنفر علی خاں (پنجاب) عبوری حکومت میں شمولیت کے لئے نامزد ہوئے۔ نہرو نے کابینہ میں سے دو مسلمانوں (شفاعت خاں اور سید ظہیر) اور ایک ہندو (سبھاش چندر بوس کے بھائی سرت چندر بوس) کو نکال کر لیگی وزراء کے لئے جگہ بنائی۔ اس نئی مخلوط کابینہ کا سرکاری اعلان ۱۵ر اکتوبر کو کیا گیا۔ چونکہ فرقہ وارانہ فسادات بنگال سے صوبہ سرحد تک پھیل گئے تھے، اس لئے کانگرس، لیگ مخلوط حکومت کو شروع میں ہی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بڑی الجھن یہ پیدا ہوئی کہ حکومت میں شامل لیگ تین انتہائی طاقتور وزارتوں یعنی خارجہ، داخلہ اور دفاع ـــ جن کے قلمدان علی الترتیب نہرو، پٹیل اور بلدیو سنگھ کے پاس تھے، میں سے کم از کم کوئی ایک وزارت چاہتی تھی جبکہ کانگرس ان میں سے کسی عہدہ کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ نہرو لیاقت علی خاں کی ایک تقریر کی رپورٹ پر، جو انہوں نے ۲۰ر اکتوبر کو کراچی میں کی تھی، بڑے پریشان تھے، جس میں انہوں نے مبینہ طور پر کہا تھا کہ لیگ نے حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ اس لئے کیا کہ کانگرس دلی طور پر اس کی شرکت کے خلاف تھی، اور یہ کہ مسلمانوں کو حسب سابق اپنے مقصد ـــ پاکستان کے حصول کے لئے جہاد کی تیاریاں جاری رکھنی چاہئیں۔ نہرو نے یہ دو بیانات کی تردید کا مطالبہ کیا نیز لیگ کے طویل عزائم کی وضاحت اور اس کی یقین دہانی چاہی کہ لیگ، کانگرس کے ساتھ

تعاون اور ایک ٹیم کے طور پر کام کرے گی۔ ویول کو خدشہ تھا کہ کانگرس لیگ کو حکومت میں آنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ قبل ازیں نہرو یہ عندیہ دے چکے تھے کہ وزارت خزانہ جس پر جنوبی ہند کا ایک عیسائی ڈاکٹر جان متھائی فائز تھا' مسلم لیگ کو دے دی جائے گی۔ حالات سے بہت زیادہ تنگ آئے ہوئے ویول نے لندن تار دیا "میں مشورہ کے لئے فوراً وطن آنا چاہتا ہوں"۔

وزارت خزانہ پر لیگ کا قبضہ

۲۴ر اکتوبر کی شام کو نہرو نے اس امر کی توثیق کر دی کہ اگر پٹیل کی وزارت داخلہ مسلم لیگ کو دی گئی تو کانگرس مستعفی ہو جائے گی۔ وائسرائے نے شام کے ۳۰-۷ بجے جناح کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا وہ وزارت خزانہ قبول کر لیں گے؟۔

"جناح کے تیور مصالحانہ نہیں تھے' تاہم وہ اس شرط پر مان گئے کہ یہ رضامندی ورکنگ کمیٹی کی منظوری کے تابع ہوگی۔ پھر میں نے ۳۰-۹ بجے نہرو کو طلب کیا اور انہیں بتایا کہ لیگ فنانس کا محکمہ قبول کرنے کو تیار ہے۔ پھر ان سے پوچھا کہ وہ جان متھائی کے لئے کونسا متبادل محکمہ تجویز کریں گے۔ نہرو نے جو بہت زیادہ تھکے ماندے اور افسردہ لگ رہے تھے' میری بات خاموشی سے مان لی اور کہا کہ متھائی کے بارے میں وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے مجھے بتا دیں گے۔ نہرو پارٹی کو دوسری پر ذرا اعتماد نہیں۔ یہ سب کچھ بہت زیادہ تھکا دینے والا معاملہ تھا' اور میں نے اپنی زندگی میں غالباً پہلی بار واقعتاً بری طرح اعصابی دباؤ محسوس کرنا شروع کیا۔ ٹھیک طرح سو نہیں سکتا اور ان بدنصیب لوگوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ مجھے پریشان کرتے رہیں"۔

کابینہ کے نئے ممبران نے ۲۶ر نومبر کو اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا تاہم مختصر سے عرصہ کے لئے کام کرنے والی اس مرکزی حکومت میں ہم آہنگی و اتحاد نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ویول کی ترغیب پر جناح اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ حکمت عملی کے ماہر کی حیثیت سے حکومت میں شامل ہو کر مسلم لیگ کے لئے وقت حاصل کر سکیں جس کے دوران وہ اپنی تیاری اور صف آرائی کر سکے' کانگرس کے ساتھ ظاہری تعاون کے اس مختصر سے عرصہ میں آخری مرحلہ کے لئے اپنی قوت مجتمع کر سکیں اور یہ کہ ہندوستان کی تقسیم کی جان جوکھم پہاڑی سر کرنے کے لئے آخری حملہ کر سکیں۔ دونوں جماعتوں میں کوئی مفاہمت نہیں ہوئی تھی' بداعتمادی' شک' خوف اور نفرت جیسے بنیادی مسائل پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ دونوں طرف سے بے پناہ خون بہایا جا چکا تھا' بہت زیادہ چاقو زنی ہو چکی تھی اور لاتعداد بچوں کو پیدائش سے پہلے ہی شکم مادر میں ذبح کر دیا گیا تھا' ان گنت خواتین کی بے حرمتی کی گئی' بے حساب مردوں کو لوٹا گیا۔ بے شمار لوگوں پر گاؤں یا گھروں کے قریبی پڑوسیوں کی طرف سے مریض ذہنیت اور بلاوجہ نفرت کی بنا پر فائرنگ کی جا چکی تھی۔

نومنتخب اسمبلی کا اجلاس ۲۹ر اکتوبر کو منعقد ہوا' جس میں نہرو اور لیاقت علی کی سیٹیں حکومتی بنچوں میں ساتھ ساتھ تھیں۔ دونوں طرف سے دن بھر میں ایک بار بھی نہ مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا' نہ کوئی بات

چیت ہوئی۔ وہ اسی طریقے سے بیٹھے جیسے اکثر ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے بیزار، خفا، برافروختہ، ناراض، خوفزدہ اور بد ظن رہتے تھے۔ اگلی صبح نہرو بیمار پڑ گئے۔ کام کی زیادتی کی بجائے افسردگی نے انہیں نڈھال کر دیا تھا، اگرچہ ان کا روزمرہ کا پروگرام اعصاب شکن ہوتا تھا۔ ۳۰ر اکتوبر کو جناح نے ویول کے ساتھ ایک گھنٹہ گزارا۔ وائسرائے نے انہیں ان کے اصل موڈ میں یعنی مکمل غیر تسلی بخش پایا۔ ویول نے اپنی یادداشت میں لکھا "میں نے مسٹر جناح سے کہا میں امید کرتا ہوں آپ مسلم لیگ کونسل کا اجلاس فوراً بلائیں گے تاکہ اس میں ۱۶ر مئی کے بیان کی منظوری حاصل کر سکیں"۔ کیونکہ کابینہ مشن کے بیان کی منظوری اس بات سے مشروط تھی کہ لیگ پہلے مرکز میں عہدے قبول کرلے اور لیگ کونسل نے مذکورہ بیان کو گزشتہ ماہ کے اجلاس میں مسترد کر دیا تھا۔

ویول ۳۱ر اکتوبر کو بذریعہ طیارہ کلکتہ گیا۔ سرت چندربوس نئی ہڑتال کرنے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ صوبائی گورنر بروز نے وائسرائے کو خبردار کیا کہ وہ ایک سال سے زیادہ بنگال کو نہیں سنبھال سکتا۔ نہرو، پٹیل نیز لیاقت علی اور نشتر اوائل نومبر میں کلکتہ گئے تاکہ خود دیکھ سکیں کہ ملک کا سب سے بڑا شہر کس حال میں ہے۔ گورنر نے انہیں اختصار سے بتایا کہ گزشتہ دس ہفتوں سے شہر کے ٹریفک کو فوج کنٹرول کر رہی ہے، جبکہ کاروبار میں بہت مندا جا رہا ہے۔ مزدور اور کاروباری لوگ بھی بری طرح خوفزدہ ہیں۔ بنگال کو، جس کی ۵۸ ملین آبادی میں ۳۳ ملین ہندو اور ۲۵ ملین مسلمان ہیں، تمام جماعتوں پر مشتمل حکومت کی ضرورت ہے تاکہ صوبہ میں امن و سکون بحال کرنے میں مدد دے سکے، لیکن ابھی تک مخلوط حکومت کے بارے میں کوئی تبادلہ خیال نہیں ہو رہا۔ نہرو اور لیاقت علی جو نئی دہلی میں باہم کچھ نہیں کر پائے تھے، بھلا بنگال کی بابت کیا کرتے

بہار فسادات کی لپیٹ میں

بہار کے گورنر سر ہگ ڈو نے ۹ر نومبر کو اپنے صوبہ میں فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں اپنے تخمینہ پر مبنی رپورٹ ارسال کی، جس میں اس نے لکھا تھا "بہت زیادہ متاثر دیہی علاقوں میں اب تک ۹ بٹالین فوج بھیجی جا چکی ہے۔ جابجا گشت کرتے ہندو بلوائیوں کی کوشش رہی ہے کہ جہاں کہیں مسلمان آبادی ملے، اسے ملیامیٹ کر دیا جائے۔ ہلاک شدگان کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے اندازاً ۷۵ فیصد عورتیں اور بچے ہیں"۔

روزنامہ "ڈان" نے وسط نومبر کو دیئے گئے مسٹر جناح کے ایک انٹرویو کو "خودمختار پاکستان --- واحد حل" کے عنوان سے صفحہ اول پر شائع کیا جس میں کہا گیا تھا:

"مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا ہے کہ ان کے خیال میں ہندوستان کی موجودہ فرقہ وارانہ صورت حال کا واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے، اس کے علاوہ کوئی اقدام کیا گیا تو وہ مصنوعی اور غیر فطری ہوگا۔ عبوری حکومت کے بارے میں مسٹر جناح نے کہا کہ مسلم وزراء پہریدار کے طور پر کام کر رہے ہیں، جن کا کام روزمرہ نظم و نسق میں مسلم مفادات کی نگرانی کرنا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کیا وہ عبوری حکومت سے دستکشی کی حمایت کرتے ہیں؟ مسٹر جناح نے جواب دیا میں یہ کہہ چکا ہوں کہ

ہمیں اس کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ میں موجودہ انتظام کے حق میں نہیں ہوں"۔

لیگ کی طرف سے اسمبلی کا بائیکاٹ

کانگرس کے اصرار پر پیتھک لارنس نے اتفاق کر لیا کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس پروگرام کے مطابق ۹ر دسمبر کو ہو گا۔ سرکاری دعوت نامے جاری کر دیئے گئے۔ ۲۱ر نومبر کو "ڈان" نے ابتداء کرتے ہوئے لکھا: "لگتا ہے وائسرائے یہ سمجھتے ہیں کہ "ہملٹ" کا ڈراما صرف نصف ہملٹ کے ساتھ اسٹیج پر دکھایا جا سکتا ہے' انہوں نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا ہے حالانکہ مسلم لیگ کا اس میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ اپنی جگہ موجود ہے۔ یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ ان سے یہ فیصلہ کانگرس نے دباؤ ڈال کر کرایا ہے۔ گزشتہ چند دنوں سے ان پر تمام "بندوقیں" آزمائی جا رہی تھیں۔ میدان جنگ میں انہوں نے کیسی ہی جرات و بہادری کا مظاہرہ کیا ہو' ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی وہ خوبی فیلڈ مارشل کی وردی کے ساتھ کولڈ اسٹوریج میں جمع کرا دی ہے"۔

ویول نے اسی دن بعد دوپہر کابینہ کے چاروں لیگی وزراء سے ملاقات کی۔ انہوں نے ڈائری میں نوٹ کیا "لیاقت علی نے بڑی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے پوچھا آیا میں اور ہز میجسٹی کی حکومت ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنے اور اقلیتوں کا تحفظ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خواہ ہم یہاں رہیں یا نہ رہیں؟ انہوں نے کہا کہ ذمہ داری اب بھی ہماری ہے لیکن ہم اسے پورا نہیں کر رہے ہیں۔ میں دیانتداری سے یہ بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ہماری صلاحیت بڑی حد تک کمزور ہو گئی ہے۔ چونکہ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جلد ہی انتقال کی منتقلی کا اعلان کر دیا ہے' اس لئے ہم سرکاری افسران اور پولیس سے اس درجہ کے تعاون کی توقع نہیں کر سکتے جیسا کہ ہمیں حاصل تھا۔ موجودہ فسادات سے ثابت ہوا ہے کہ پولیس ہندوستان کے بہت سے حصوں کی فرقہ واریت سے متاثر ہو چکی ہے اور اس پر اپنی ہی قوم کے خلاف سخت کارروائی کی توقع نہیں کی جا سکتی"۔

جناح نے ۲۲ر نومبر کو پریس میں اعلان کر دیا کہ "مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہیں کرے گا"۔ ویول نے دوسرے دن لیاقت علی کو بلایا اور ان کے ساتھ ایک گھنٹہ سے زیادہ بحث کی تاکہ اپنے وزیر خزانہ کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر آمادہ کر سکے۔ ویول نے لارنس کو تار دیا "میں اسے قائل کرنے میں بالکل ناکام ہو گیا' جیسے قبل ازیں جناح کو نہیں منا سکا تھا"۔ لارڈ ویول پر آخرکار واضح ہو گیا کہ لیگ کو حکومت میں شامل کرنے کے لئے اس کی آخری کوشش بھی محض ایک فتح عظیم تھی (جو بہت کشت و خون اور قربانی کے بعد حاصل ہوئی۔ اصل میں تو کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی تھی۔

لندن میں آخری کانفرنس کے لئے روانگی

سیکرٹری آف سٹیٹ نے ویول کو دعوت دی کہ وہ کانگرس اور لیگ کے دو دو نمائندے ہمراہ لے کر فورا

لندن پہنچ جائے تاکہ ساری صورت حال پر غور کر کے سمجھوتہ کے لئے نیا فارمولا تلاش کیا جا سکے۔ وائسرائے نے تجویز کیا کہ ایک سکھ نمائندہ' (اس کی حکومت میں وزیر دفاع بلدیو سنگھ) کا اضافہ کر دیا جائے۔ نہرو نے ورکنگ کمیٹی میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور کانگرس کی طرف سے اس دعوت نامہ کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کر دی۔ ایک روز بعد بلدیو سنگھ نے بھی انکار کر دیا۔ تاہم جناح نے بخوشی دعوت نامہ پر لبیک کہتے ہوئے لیاقت علی اور وائسرائے کے ساتھ لندن جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس پر اٹیلی نے نہرو سے ذاتی اپیل کی کہ وہ آزادی ہند کی منزل کی طرف تیزی سے بڑھنے کے لئے اپنے فیصلہ پر نظرثانی کریں۔ کانگرس کا اجلاس پھر ہوا جو سارے دن جاری رہا' آخرکار نہرو اور بلدیو سنگھ جانے کے لئے راضی ہوگئے۔ روانگی کے وقت جب جناح کو یہ پتہ چلا کہ نہرو اور بلدیو سنگھ بھی جا رہے ہیں' تو انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ ویول نے ڈائری میں لکھا "یہ کس قسم کے ناممکن لوگ ہیں۔ میں نے ایان سکاٹ کو لیاقت سے ملنے بھیجا۔ وہ آدمی رات کو یہ پیغام لے کر آیا کہ معاملہ بہت دور چلا گیا ہے۔ لیاقت اس بات پر آمادہ ہوگئے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کل کراچی جائیں گے اور وہاں جناح سے مل کر انہیں منانے کی کوشش کریں گے"۔ اگلے دن جب انہوں نے دہلی سے پرواز کی' لیاقت یورپ کے لئے تیار تھے۔ رات گئے جناح کو اٹیلی کا ذاتی اپیل پر مبنی پیغام ملا' اگرچہ بہت دیر سے سہی بالاخر وہ بھی کراچی سے وائسرائے کے طیارہ پر سوار ہونے پر رضامند ہوگئے۔ جو ہجوم انہیں خدا حافظ کہنے ہوائی اڈہ پر آیا' وہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔

بیسواں باب --- لندن کو آخری سلام (۱۹۴۶ء)

دسمبر کے مہینہ میں لندن سردی میں ٹھٹھرا ہوا' کہر میں بھیگا ہوا اور شدت سرما سے بے کیف و بے سرور تھا۔ اس نے قائداعظم کو ۵۴ برس پہلے ان کی پہلی آمد کی خوشگوار یادیں تازہ کردیں۔ اگرچہ بہت کچھ بدل چکا تھا تاہم بہت سے محسوسات اسی طرح تھے۔ جناح اب بھی خود کو تنہا' کھویا ہوا اور اپنے چاہنے والوں سے الگ تھلگ سمجھتے تھے' انہیں ایسے متنفر اجنبیوں کے ساتھ مکارانہ لڑائیوں پر مجبور ہونا پڑا' جو سب انہیں ان کے درخشاں کردار سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ ان کی زندگی کتنی مختلف ہوتی اگر وہ شیکسپیئر کے ڈرامے دکھانے والی کمپنی میں ہی رہتے' جس کے ساتھ انہوں نے بچپن میں کام کیا تھا۔ جن لوگوں کے ساتھ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں سفر کیا وہ تھیٹر کے ایکٹروں کے گروہ سے بہت مختلف تھے۔ کھیل کا آخری حصہ کس قدر تلخ بن گیا تھا۔ ان کے سر پر کالی جناح کیپ تھی۔ جبکہ سماجی پابندیوں سے آزاد' جسم کے باقی ماندہ حصے پر دوہرے پیش کا گرم انگریزی سوٹ' نکٹائی اور اوپر سے بھاری اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔

ویول کابینہ کے ساتھ بحث مباحثہ کے لئے ایک انتہائی خفیہ نوٹ تیار کر کے لایا تھا جو اس نے ۳ر دسمبر کو اوّلین اجلاس کے موقع پر اٹیلی' لارنس اور الیگزینڈر کے حوالے کر دیا۔ اس میں بتایا گیا:۔

"موجودہ صورتحال یہ ہے کہ کانگریس محسوس کرتی ہے کہ ہزمیجسٹی کی حکومت ہندوستان سے ختم نہیں ہوگی' جب تک ان کے ساتھ کوئی غیر معمولی وحشیانہ کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ان کا نصب العین جلد از

جلد اقتدار کا حصول اور انگریزی اثر و رسوخ سے چھٹکارا پانا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے بعد وہ مسلمانوں اور والیان ریاست سے خود نمٹ لیں گے۔ اول الذکر کو رشوت دے کر اور آخر الذکر کو بلیک میل، پروپیگنڈہ اور بوقت ضرورت طاقت کا استعمال کر کے، نیز ان کی رعایا کو ان کے خلاف بھڑکا کر مسئلہ حل کرلیں گے۔

وڈرو واٹ نے اس روز مسٹر جناح کے لئے دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں کئی ممبران پارلیمنٹ بھی شریک ہوئے اس نے بتایا کہ "جناح مشن کی فریب کاری پر اب بھی دانت پیس رہے تھے"۔

"انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ جب کانگریس نے مختصر مدت کا منصوبہ مسترد کردیا تھا تو انہیں حکومت بنانے کی اجازت ملنی چاہئے تھی۔ وہ اس رائے پر سختی سے قائم ہیں کہ کانگریس نے طویل مدت کے منصوبہ کو کبھی پذیرائی نہیں بخشی، وہ اسے منظور نہیں کرنا چاہتی اور ہرگز منظور نہیں کرے گی۔ انہوں نے بار بار کہا کہ کانگریس محض حصول اقتدار کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ اور اسے باز رکھنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کریں گے۔ وہ کیبنٹ مشن پلان کو ایک فراڈ اور دھوکے کی نئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب وہ اس رائے پر ڈٹ گئے ہیں کہ صورتحال صرف پاکستان کی تخلیق سے بہتر ہو سکتی ہے۔ مرکزی حکومت، جس کے ماتحت صرف تین امور ہوں، کی بابت معاملہ کو موخر کرنے والے خیالات جو انہوں نے شملہ میں ظاہر کئے تھے، ایسا لگتا ہے اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا آپ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کے آنے کے بعد سے اب تک ہندوستان میں صورتحال کتنی ابتر ہو چکی ہے۔ اس مسئلہ میں ان کا پسندیدہ راگ وہ تھا جسے انہوں نے بہار میں ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے دانستہ قتل عام کا نام دیا۔ جب ان سے کسی تعمیری تجویز کا سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ فوری طور پر جو کچھ ہونا چاہئے، وہ امن وامان کی بحالی ہے۔ ان سب کو، خصوصاً انگریزوں کو امن عامہ کے قیام میں بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ اس کے بعد پاکستان کا ذکر چھڑا۔ مجھے یاد نہیں قبل ازیں میں نے انہیں اتنے بدترین موڈ میں دیکھا ہو۔ اپنی کار میں سوار ہوتے وقت انہوں نے آخری الفاظ جو مجھ سے کہے، وہ تھے "بحث کے لئے مزید وقت نہیں ہے"۔

"مجھے یقین ہے کہ اب آخری چارہ کار یہ ہے کہ انہیں اچانک بری طرح خوفزدہ کیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اگر وہ دستور ساز اسمبلی کو نہیں مانتے تو ان کے آدمیوں کو حکومت سے نکلنا ہوگا اور انہیں انگریزوں کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی"۔

لندن میں آخری مذاکرات

پیتھک لارنس نے لنچ کے بعد جناح اور لیاقت علی کے ساتھ بات چیت کی اور جناح کے رویہ کی بابت ویسی ہی رائے ظاہر کی۔

کابینہ مشن کے تین افراد پر مشتمل جماعت نے اگلی صبح ویول اور ایٹلی سے ملاقات کی۔ اس موقع پر کرپس نے کہا: "اب پوزیشن ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی ہے جہاں واقعات کی رفتار کا انحصار اس کارروائی پر ہوگا جو حکومت برطانیہ کی طرف سے کی جائے گی۔ ایسا لگتا ہے کہ معاملہ برٹش گورنمنٹ کے بس سے باہر ہو چکا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ مفاہمت کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ اگر جناح نے وہی رائے قائم کرلی ہے جیسا کہ بتایا گیا ہے تو پھر معاملہ کو

سلجھانے کا یا جناح کی طرف سے اسے قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی- جناح پورے پاکستان کے لئے کوشش کر رہے ہیں- جس کے بارے میں انہیں امید ہے کہ انگریزی حکومت کی تحلیل کے نتیجہ میں حاصل ہوگا- میں سمجھتا ہوں کہ اب کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ حکومت برطانیہ ان اقدامات کا فوراً اعلان کرے جو وہ کرنا چاہتی ہے- میری رائے میں اپوزیشن اس بات سے اتفاق کرے گی- ہندوستان میں اب ہماری پوزیشن غیر مستحکم ہوتی جا رہی ہے"-

الیگزینڈر کو اس آخری نکتہ سے اتفاق نہیں تھا' اس نے کہا کہ جناح اور لیاقت کے اعزاز میں دئے گئے ایک لنچ میں مسٹر ایڈن نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بہت تیزی سے آگے بڑھے ہیں' اور یہ کہ اپنے وعدوں کی تکمیل کے دوران یہ ضروری ہے کہ امن و امان کو بحال رکھا جائے اور دستور سازی کے لئے پرسکون فضا میں آگے بڑھیں- ورنہ ہم اقلیتوں سے متعلق اپنے فرائض پورے کرنے میں ناکام رہیں گے' بلاشبہ یہ کنزرویٹو پارٹی کا وہی نقطہ نظر اور وہی استدلال تھا جو جناح نے پیتھک لارنس کے ساتھ گفتگو میں پیش کیا تھا- الیگزینڈر نے خیال ظاہر کیا کہ "اپوزیشن اس عمومی نقطہ نظر کو اختیار کر سکتی ہے' اسی ملک میں کچھ حمایت مل سکتی ہے- مزید برآں وہ یہ بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم ہندوستان کو ابتری کی طرف دھکیل رہے ہیں- اور یہ کہ یہ چیز عالمی امن کے لئے خطرہ بن سکتی ہے"-

اٹیلی کابینہ کے اجلاس سے اٹھ کر جناح اور لیاقت سے ملنے چلے گئے اور اس کے معاً بعد اپنے ساتھیوں کو آکر بتایا کہ "مسٹر جناح کی گفتگو کا موضوع یہ رہا کہ ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کے اجراء کی کوشش کرنا ہی غلط تھا- مسٹر جناح اس بات کے قائل لگتے ہیں کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی کے سلسلہ میں کوئی کام کرنا نہیں چاہتی' ان کا اپنا نصب العین بڑا سادہ تھا یعنی دولت مشترکہ کے اندر پاکستان کا حصول' انہوں نے کانگریس کے ساتھ کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کا کوئی امکان ظاہر نہیں کیا"- جس وقت وزیر اعظم ۱۰- ڈاؤننگ سٹریٹ میں جناح اور لیاقت سے ملاقات کر رہے تھے' مشن کے ارکان اور وائسرائے وائٹ ہال پہنچے' جہاں سیکرٹری آف سٹیٹ کے پرانے دفتر میں نہرو کے ساتھ مذاکرات کئے- پیتھک لارنس نے اجلاس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے بتایا کہ ہم سب پرامن طور پر حصول آزادی کے معاملہ میں ہندوستان کی پوری طرح مدد کرنے کو بیتاب ہیں- سیکرٹری آف سٹیٹ نے اعتراف کیا کہ کیبنٹ مشن کے تین حصوں پر مشتمل حل کی گرفت دونوں پارٹیوں کی سوچ پر سے ختم ہوتی جا رہی ہے- انہوں نے مزید کہا جو پنڈت نہرو پر بم کے ٹکڑے کی طرح لگا کہ اب سوال یہ ہے آیا وہ عام وسیع بنیاد اس حد تک تسلیم شدہ حالت میں اب بھی موجود ہے کہ اسے کارآمد سمجھ کر پیش قدمی کی جا سکے"- نہرو نے کہا "میرے خیال میں وہی بنیاد ہے- جس پر ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے- فطری طور پر کھینچاؤ کی کیفیت ہے"-

اس مرحلہ پر ویول نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "کئی ہزار ہلاک شدگان کی مجموعی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ معاملہ کھنچاؤ سے کہیں زیادہ ہے"- نہرو نے اس سے اختلاف کیا' ان کا استدلال یہ تھا کہ جو اقدامات کئے گئے تھے ان سے ظلم و تشدد کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے ان کا خیال تھا کہ کیبنٹ مشن کی تجاویز کا لب لباب یہ تھا کہ وہ کامیابی سے نافذ کرنے کے لئے تھیں- لیکن اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک پارٹی اعتراض کر دے تو تجاویز آگے نہیں بڑھ سکتیں- پیتھک لارنس نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ یہ حکومت برطانیہ کی پالیسی نہیں

تھی کہ ایک پارٹی کو پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے ویٹو دے دیا جائے تاہم یہ بات صاف ہے کہ اگر کوئی بڑی پارٹی ان پر عمل کرنے سے انکار کردے تو اس سے بڑی مشکل صورتحال پیدا ہوجائے گی۔ نہرو موقع پر پکڑے گئے' انہیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ ان کے انگریز میزبان' ان کے اچھے انگریز دوست' لیبر پارٹی میں ان کے حمایتی' اس طرح اچانک ان سے منہ پھیرلیں گے اور ہاتھ جھاڑ کے الگ ہوجائیں گے۔

اس کے بعد کرپس نے نہرو سے پوچھا۔ "آپ کے خیال میں لیگ کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت نہ کرنے کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟" انہوں نے اصرار کے ساتھ کہا "لیگ کبھی بھی تعاون کرنے پر آمادہ نہیں تھی' ہر معاملہ میں اس کا طرز عمل منفی رہا' وہ صرف ویٹو حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔ کانگریس تعاون چاہتی تھی کیونکہ ہر کوئی جانتا تھا کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تعاون کا فقدان رہا تو معاشرتی یا سیاسی لحاظ سے کچھ بھی نہیں کیا جاسکے گا۔ نہرو نے احتجاج کیا کہ مسلم لیگ کو ملک کی معاشرتی یا سیاسی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کرپس نے الگ سوال کیا "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر تین اجزاء پر مشتمل نظام' دستور ساز اسمبلی کے باہر جاری رہے گا تو شائد وہ شراکت پر آمادہ ہوجائیں گے؟ نہرو نے جواب دیا۔ مسلمان جلد یا بدیر شریک ہوجائیں گے بشرطیکہ انہیں یہ احساس ہوجائے کہ اسمبلی کا اجلاس واقعی ہونے والا ہے۔ تاہم اگر مسلم لیگ شامل ہوگئی' تب بھی وہ کانگریس کے ساتھ مل کر کام نہیں کرے گی۔ اس کی طرف سے ایسا کرنا تنازعہ میں محض اگلا قدم ثابت ہوگا جیسا کہ اس نے عبوری حکومت میں کیا ہے۔

نہرو اپنی گفتگو کو جوں جوں طویل کرتے گئے' ان سب پر یہ بات عیاں تر ہوتی گئی کہ نہرو اور کانگریس جناح اور لیگ کے ساتھ ہم آہنگی سے کام نہیں کرسکیں گے' ایک کابینہ میں اکٹھے ہونے کے باوجود اور ایک ملک میں ساتھ ہونے کے باوجود ان میں اتحاد و آشتی کا پیدا ہونا خارج از امکان ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے ایک گھنٹہ مزید گفتگو کی اور نہرو کو قائل کرنا چاہا کہ ممکن ہے مسلم لیگ کے لئے یہ مکرر یقین دہانی بہترین ثابت ہو کہ اپنے صوبوں کی گروپ سازی میں اسے مکمل آزادی ہوگی۔ ایسی بات نے تین ماہ پہلے انہیں مطمئن کردیا تھا۔ اس کے بجائے کہ آئین کی تدوین کا کام شروع کردیا جائے جبکہ ایک چوتھائی آبادی کے نمائندے شریک نہ ہوں' نہرو بولے' "میں نہیں سمجھتا کہ مسلم لیگ کیوں شریک نہیں ہوگی اور تعبیر و تشریح کے لئے فیڈرل کورٹ سے سوال نہیں کرے گی"۔

کابینہ کے تینوں اراکین نے اسی دن بعد دوپہر جناح اور لیاقت کے ساتھ گفت و شنید کی۔ کرپس نے جناح سے دریافت کیا۔ "اگر فیڈرل کورٹ سے متعلق ضابطہ میں مسلم لیگ کے موافق تشریح کردے تو کیا مسلم لیگ اسمبلی میں شریک ہوجائے گی؟" جناح نے کہا "موجودہ حالات میں ہندوستان کو قانون سازی میں گھسیٹنا غیر دانشمندانہ ہوگا"۔ الیگزینڈر اور کرپس نے اصرار کے ساتھ کہا کہ برطانیہ مشن پلان پر سختی سے قائم رہے گا۔ تاہم وہ جناح کے ذہن کو مطمئن نہ کرسکے' نہ ہی انہیں ان کے سخت موقف سے ہٹا سکے۔

انگریز واپس جانے پر تیار ہوتے ہیں

اس موقع پر کرپس نے اس عام اعلان کی حمایت کی کہ انگریز ایک سال یا زیادہ سے زیادہ اٹھارہ ماہ کے اندر

اندر ہندوستان کو چھوڑ دیں گے۔ اس نے زور دے کر یہ بات کہی کہ اس کے لئے ضروری ہو گا کہ معاملات کسی حکومت کے سپرد کئے جائیں جس کا قیام دستور ساز اسمبلی کی مرضی سے عمل میں آیا ہو۔ لارنس کو یقین تھا کہ نہرو مسلمانوں کے ساتھ انصاف پر مبنی سمجھوتہ کرنے کو بے چین ہیں تاہم اسے شک تھا کہ کانگریس میں بہت سے فرقہ دارانہ سوچ رکھنے والے عناصر انہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ ویول نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اصرار کیا کہ کانگریس کی طرف سے مسلمانوں کے لئے فراخدلی کے اظہار کا کوئی امکان نہیں۔ انہوں نے ہندوستانی مسئلہ کو مشورہ طلبی کے لئے اقوام متحدہ کو بھیجنے کے امکان اور اس کی مصلحت پر سوچ بچار کیا۔ اس پر ایٹلی نے کہا شائد اس سے یہ مطلب اخذ کیا جائے کہ عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ویول نے انہیں یاد دلایا کہ جناح ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ پاکستان برطانوی دولت مشترکہ میں رہے گا اور مفروضہ طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ سرحدی مسائل سے نمٹنے کے لئے برطانیہ سے مدد لے گا۔

جمعہ ۶ دسمبر ۴۶ء لندن میں "انڈیا کانفرنس" کا آخری سیشن ہوا کیونکہ نہرو اصرار کر رہے تھے کہ انہیں ۹ دسمبر کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں شریک ہونا ہے۔ تاہم جناح اور لیاقت کو واپس گھر جانے کی کوئی جلدی نہ تھی اس لئے انہوں نے چند ہفتے مزید لندن میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ رات گئے کابینہ کا اجلاس ہوا جس میں اس بیان کی منظوری دی گئی "پنڈت نہرو، مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خان اور سردار بلدیو سنگھ کے ساتھ ہز میجسٹی کی حکومت کی جو گفت و شنید ہو رہی تھی، وہ آج شام ختم ہو گئی"۔ بیان کا اختتامی پیرا یہ تھا۔ "اگر دستور ساز اسمبلی جس میں آبادی کے ایک بڑے حصہ کے نمائندے شریک نہیں، آئین وضع کرتی ہے تو بلاشبہ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ اس آئین کو نافذ نہیں کرسکے گی جیسا کہ کانگرس نے کہا ہے کہ اسے ملک کے نارضامند حصوں پر ٹھونسا نہیں جائے گا"۔ اس رات وزیر اعظم نے ہندوستانی مسلمانوں کو مطلع کیا کہ:۔

"حکومت برطانیہ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے اس ملک میں ایسی پالیسی کی منظوری حاصل کرلی ہے، جس کا مطالبہ کئی سالوں سے سرکردہ ہندوستانی کر رہے تھے۔ اب وہ ہندوستان کا تعاون طلب کرنے کے مستحق ہیں۔ ملاقاتوں کے موجودہ سلسلہ میں وہ کسی بھی فریق سے دوسرے کے نقطہ نظر کی بابت منظوری حاصل نہیں کرسکے۔ اس لئے انہوں نے آج رات ایک بیان جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

نہرو اگلی صبح وطن کو پرواز کر گئے۔ کانجی دوار کا داس نے جو نیویارک میں چھ ماہ گذرنے کے بعد حال ہی میں لندن آیا تھا، کلرجز ہوٹل میں جناح سے ملاقات کی۔ اس کا بیان ہے "میں نے انہیں بیمار اور افسردہ پایا۔ میں نے انہیں بتایا۔ میں سات ماہ وطن سے دور رہا ہوں، اس لئے مجھے معلوم نہیں ملک میں کیا ہو رہا ہے"۔ جناح نے پوچھا۔ "ملک؟ کونسا ملک؟ وہاں کوئی ملک نہیں، صرف ہندو اور مسلمان ہیں"۔ میں نے محسوس کیا کہ جناح پاکستان کی بنیاد کے سوا کسی بات پر سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتے۔ وہ لڑائی جاری رکھنے کے حق میں تھے کیونکہ کانگریسی لیڈروں نے ان کے ساتھ بدمعاملگی اور بدسلوکی کے علاوہ انہیں برا بھلا کہا تھا۔ میں نے جناح سے کہا کہ مسلم لیگ اور کانگرس حکومت سے باہر اپنی لڑائیاں جاری رکھیں تاہم کیا یہ لازمی نہیں کہ حکومت کے اندر انہیں تعاون اور ملک کی بھلائی کے لئے اس قدر کوشش کرنی چاہئے جتنی کہ ممکن ہو؟ جناح نے جواب دیا۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ کمرے کے اندر تو میں اور آپ ایک دوسرے کا

منہ چومیں اور کمرے سے باہر نکلیں تو ایک دوسرے کو چاقو گھونپنے لگیں؟- میں نے محسوس کیا کہ اگر کانگریسی لیڈروں نے ان کے ساتھ ذاتی تعلقات خراب نہ کئے ہوتے تو شاید وہ اتنے کبیدہ خاطر نہ ہوتے- ان کی خودپسندی' ان کے تکبر اور ذاتی طور پر جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے احساس نے انہیں بہت زیادہ تلخ بنا دیا تھا اور انہوں نے اپنے اردگرد شک اور بے یقینی کے بھوت پیدا کر لئے تھے- اس کے ساتھ انہوں نے اپنی فراست کو قائم رکھا- وہ کم گوئی اور اپنے مخالفین کو زچ کرنے کا ہنر جانتے تھے- انہوں نے پرجوش اور شیخی باز نہرو کو ایک آسان شکار پایا"-

پیتھک لارنس کے پارلیمانی انڈر سیکرٹری آرتھر ہنڈرسن نے بھی جو اس دسمبر میں کانجی سے ملا' جناح کے متعلق کہا تھا کہ "وہ ایک بیمار آدمی ہیں"- اس وقت تک اس بات کا علم برطانوی راج کے اعلیٰ حلقوں کے ساتھ ساتھ کانگریس اور لیگ کی قیادت کو بھی ہو چکا تھا- ہینڈرسن نے مجھے بتایا کہ شہنشاہ کی طرف سے لنچ میں وہ جناح سے دوسرے نمبر پر بیٹھا تھا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ انہوں نے کھانا چھوا تک نہیں- اس نے تسلیم کیا کہ جناح ایک بیمار آدمی ہیں اور برجستہ کہنے لگا- "کیا آپ نہیں جانتے کہ اگر جناح نظروں سے غائب ہو جائیں تو تمہاری مصیبتیں ٹل جائیں گی؟ لیاقت اور سہروردی بہت برے ہیں"- میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا- تاہم لیاقت علی یا سہروردی مسلم لیگ کو اس طرح متحد نہیں رکھ سکتے جیسا کہ جناح نے رکھا ہے"-

"۹ر دسمبر کو دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس پورے وقار اور آداب کے ساتھ نئی دہلی میں شروع ہو گیا ہے" قائم مقام وائسرائے سرجان کول ول نے لندن میں مقیم ویول کو مطلع کیا- ڈاکٹر ایس' سنہا نے کونینگ پریذیڈنٹ کی حیثیت سے صدارت کی- جب تک کہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کو' جو جمہوریہ ہند کے پہلے صدر بنے' اسمبلی کا نیا چیئرمین نہ چن لیا گیا- ہندو پریس نے عام طور سے اس "تاریخی موقع" کو اس عوامی بیداری کی معراج قرار دیا جو قریباً ایک صدی پہلے شروع ہوئی اور جس کی بدولت عوام میں قومی اتحاد و یک جہتی اور بلند مقاصد کا احساس پیدا ہوا- مسلم لیگ کا بائیکاٹ مکمل طور پر موثر ثابت ہوا- اسمبلی ہال میں ۷۹ نشستیں خالی پڑی رہیں- جبکہ ۳۰۰ کے قریب کانگریسی مرد اور خواتین نے اپنی ادھوری قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے سیشن میں شرکت کی-

ان دنوں بیگم شاہنواز اور اصفہانی اقوام متحدہ کے مندوبین تک مسلم لیگ کا کیس پہنچانے کی غرض سے نیویارک گئے ہوئے تھے تاکہ وہ لندن کے راستے واپس آتے ہوئے جناح سے ملاقات کریں- اور باقی ماندہ نصف دسمبر ان کے ساتھ لندن میں گذاریں- سر شفیع کی ذہین و فہیم پنجابی صاحبزادی نے پچھلی باتیں یاد کرتے ہوئے بتایا- "اصفہانی پنجابی مسلمانوں کو نام نہاد مضبوط بازو کہتے تھے' جنہوں نے حصول پاکستان کے لئے کچھ بھی نہیں کیا- میں دو تین دن تک خاموشی سے سنتی رہی' پھر مجھ سے نہ رہا گیا- میں نے کہا عوام الناس نہیں' بلکہ لیڈر ہیں جو اس کے ذمہ دار ہیں- قائد نے فوراً پوچھا- " لیڈروں سے تمہاری کیا مراد ہے؟ آج تو ہر مسلم لیگی لیڈر بنا ہوا ہے"- میں نے کہا- اگر یہ بات ہے تو پنجاب دوسرے صوبوں سے پیچھے نہیں رہے گا-

لندن میں قیام کے دوران اخلاقی اصلاحی تحریک کے بانی ڈاکٹر بک مین نے قائد اعظم اور نوابزادہ لیاقت علی کو اس کا کھیل دیکھنے اور رات کے کھانے کی دعوت دی- اس نے چاہا کہ میں قائد اعظم کو آمادہ کرنے کی کوشش کروں- اصفہانی اور میں نے وہ کھیل نیویارک میں دیکھا اور بے حد پسند کیا تھا- جناح نے دعوت قبول کر لی-

کھیل دیکھنے کے بعد ہم ڈاکٹر بک مین کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں بات چیت کے دوران میں نے کہا "قائد کو کھانے پر آمادہ کرنے کے لئے میری غرض یہ تھی کہ لندن والے جناح کو سمجھ لیں"۔ اس پر مہمانوں میں سے ایک بولا۔ 'لندن مسٹر جناح کو خوب جانتا ہے"۔ اس ریمارک سے مسٹر جناح کو بڑی شگفتگی ملی۔ پھر وہ جان محفل بن گئے۔ نہوں نے اپنے نواسوں کی باتیں کیں اور ہمیں کئی کہانیاں سنائیں"۔

جناح ۱۱ دسمبر کو لیاقت علی' اصفہانی اور بیگم شاہنواز کے ساتھ لندن میں ہی تھے جب وزیر اعظم نے ارالعوام کو بتایا کہ "ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ پچھلے ہفتے جو مذاکرات ہوئے' بدقسمتی سے کسی سمجھوتہ پر پہنچے فیر ختم ہوگئے' مجھے یقین ہے میں اس ایوان میں سب پارٹیوں کے لئے بول رہا ہوں اور ہندوستان کی سب قوموں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دستور سازی میں تعاون کریں"۔ تاہم چرچل نے کھڑے ہو کر کہا کہ "ہز میجسٹی کی اپوزیشن نے گذشتہ مہینوں میں بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ اور ہندوستان پر بحث چھیڑنے سے گریز کیا ہے۔ لیکن میں قائد ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے خیال میں ایسی بحث کا فوری اہتمام کرنا لازمی ہے۔ معاملات اتنی سنگین صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں کہ بڑے پیمانے پر قوم کی توجہ ان پر مرکوز کرانا ضروری ہو گیا ہے"۔

ہندوستان کے مسئلہ پر بحث اگلے دو دن تک جاری رہی۔ کرپس نے ۳ء۵۲ پر اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایوان اس توقع کا اظہار کرتا ہے کہ ہندوستان کی جماعتوں کی مابین موجودہ مشکلات کے بارے میں سمجھوتہ جلد ہو جائے گا"۔ ۴ء۳۹ پر چرچل نے جواب میں کہا۔ "میں نے اس ایوان کو بہت عرصہ پہلے ۱۹۳۱ء میں ردار کیا تھا کہ اگر ہم نے تمام ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھا لیا تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین خوفناک خانہ جنگی ڑی تیزی سے شروع ہو جائے گی۔ لیکن دوسری تنبیہوں کی طرح اس پر بھی کسی نے کان نہیں دھرا۔ بے شک یہ بات درست ہے کہ وائسرائے کی طرف سے چار ماہ قبل نہرو کی سربراہی میں عبوری حکومت کی تشکیل کے بعد سے اب تک تشدد کے ذریعے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ہلاک یا زخمی ہوئی ہے کہ گذشتہ ۹۰ برسوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ جو کچھ ہونے والا ہے' یہ محض اس کی ابتدا ہے۔ شائد یہ اس طوفان برق و باراں کے چند ابتدائی بھاری قطرے ہیں جو ہم پر نازل ہونے والا ہے۔ یہ وحشت انگیز خونریزیاں جو وسیع علاقوں اور بے شمار غیر مصروف دیہات میں وقوع پذیر ہوئیں' ان کا شکار بڑی حد تک مسلمان اقلیت ہوتی ہے۔ میں اپنے اس یقین کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں ہندو کی عددی اکثریت کا راج قائم کرنے کی کوشش خانہ جنگی کے بغیر ہرگز کامیاب نہیں ہوگی۔ شائد شروع میں فوجوں یا منظم قوتوں کے مابین تصادم نہ ہو بلکہ ہزاروں جداگانہ اور الگ تھلگ مقامات اس کا نشانہ بنیں۔ یہ خانہ جنگی' کسی انجام پر پہنچنے سے پہلے ناقابل شمار حوادث کے ذریعے ہندوستان کی آبادی میں زبردست کمی کا موجب بنے گی۔ مسلمانوں کی تعداد ۹ کروڑ ہے۔ ہندوستان میں لڑاکا عناصر کی اکثریت ہے۔ لفظ "اقلیت" متعلق نہیں رہتا اور اس کا کچھ مطلب نہیں ہوتا جب اس کا اطلاق بنی نوع کے بھاری گروہ پر کیا جائے جن کی تعداد کئی کروڑ ہے"۔

چرچل کے ان کلمات نے جناح کو اس سے بھی سخت موقف اختیار کرنے کی شہ دی جیسا کہ انہوں نے اٹیلی اور کرپس نیز ڈروواٹ کے ساتھ بات چیت کے دوران اپنایا تھا۔ لندن کے اس آخری دورہ نے انہیں یہ یقین کرنے میں مدد دی کہ کنزرویٹو پارٹی کی مضبوط قوت اب بھی ان کی حامی ہے۔ اس چیز نے ان کے اس پختہ عزم کی

توثیق کردی کہ نہرو اور کانگریس کو دستور ساز اسمبلی کی پگڈنڈی پر تنہا دوڑنے دو اور خود برطانوی حکام نیز مسلمانوں کے درمیان بیٹھ کر دشمنی کی آگ بھڑکاتے رہو' ادھر دہلی میں اس تاریخ (۱۳ دسمبر ۱۹۴۶ء) کو پنڈت نہرو نے اسمبلی میں یہ تحریک پیش کی "یہ دستور ساز اسمبلی اپنے اس پختہ اور مقدس عزم کا اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان ایک آزاد' مقتدر جمہوریہ ہے جس میں تمام قوت اور اختیار کا سرچشمہ عوام ہیں"۔

ویول کے جانشین کی تلاش

۱۸ دسمبر کو اٹیلی نے لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کو ۱۰- ڈاؤننگ سٹریٹ بلایا اور اسے ویول کا جانشین بننے کی دعوت دی۔ اٹیلی اور اس کے رفقائے کار ہندوستان کے سیاسی رجحانات سے بہت بری طرح متاثر تھے۔ وہ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ اگر ہم نے مکمل احتیاط نہ کی تو ہم ہندوستان کو نہ صرف خانہ جنگی کی پلیٹ میں دے دیں گے بلکہ یہ ملک مطلق العنان نوعیت کی سیاسی تحریکوں کی جھولی میں جا پڑے گا۔ بحران کو دور کرنے کے لئے فوری کارروائی کی ضرورت ہے اور کابینہ کے سینئر ممبران اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ شاید ایک نیا ذاتی انداز فکر آخری امید ہو۔ ہر ایک نے اتفاق کیا کہ "ڈکی" ماؤنٹ بیٹن میں مطلوبہ صلاحیت موجود ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی "قاتل دل آویزی" اس وقت دنیا بھر میں مشہور ہو چکی تھی۔ اس کے اعتدال پسند خیالات نے اسے لیبر پارٹی کے لئے قابل قبول بنایا اور اس کا شاہی خون کنزرویٹو کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ جبکہ وکٹوریہ کا عظیم پوتا ہونے کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا آخری وائسرائے بننے کے لئے ہر طرح اہل سمجھا جاتا تھا۔ بہرحال اس کی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ وہ نیوی میں اپنی فوجی ڈیوٹی پر واپس چلا جائے اور فرسٹ کروزر سکواڈرن کے ایڈمرل ان کمانڈ کے طور پر اس کی تقرری اپریل میں ہونے والی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے متعلق کافی کچھ جانتا تھا۔ مزید برآں اسے اندازہ تھا کہ اس کا نیا کام کتنا مشکل ہے۔ اس لئے اس نے وزیر اعظم کے دباؤ اور ترغیبات کے مقابلہ میں سخت جدوجہد کی۔ اپنی انتہائی تھکاوٹ کا رونا رویا اور بہت تھوڑی عمر میں نیوی سے علیحدہ کرنے کی مضحکہ خیز تجویز پر احتجاج کیا۔ اس کے معتمد پریس سیکرٹری اور تذکرہ نگار کیمبل جانسن کا کہنا ہے "اگرچہ ان باتوں میں کچھ وقت لگا' تاہم اٹیلی نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا"۔

جناح قاہرہ کے دورے پر

جناح اور لیاقت علی ہندوستان واپس آتے ہوئے چند دن کے لئے قاہرہ میں رکے اور وہاں پان اسلامک کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۷ دسمبر کو مصری وزیر اعظم نوکراشی پاشا سے ملاقات کے دوران قائد اعظم نے اس بات پر اصرار کیا کہ "پاکستان کے قیام کے بعد ہی ہندوستانی اور مصری مسلمان صحیح معنوں میں آزاد ہوں گے۔ ورنہ ہندو سامراجی تسلط کی لعنت پھیلتی ہوئی سیدھی مشرق وسطیٰ تک پہنچ جائے گی"۔ جناح قاہرہ میں عرب لیگ کے مہمان تھے۔ وہاں ۲۰ دسمبر کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "اگر ہندوستان پر ہندو سامراجی تسلط کی حکومت قائم ہو گئی تو یہ مستقبل کے لئے اتنی ہی بڑی لعنت بن جائے گی جیسی کہ برطانوی

سامراجی قوت رہی ہے۔ پورا مشرق وسطیٰ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جائے گا"۔ جب ان سے مصری اور فلسطینی عرب لیڈروں کے ساتھ بات چیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے وضاحت کی۔

"میں نے انہیں بتایا کہ ایک ہندو امپائر مشرق وسطیٰ کی نمائندگی کرے گی اور انہیں یقین دلایا ہے کہ پاکستان ان تمام قوموں سے نسل اور رنگ کے امتیاز کے بغیر تعاون کرے گا' جو آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اگر ہندو سلطنت وجود میں آگئی تو اس کا نتیجہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کے خاتمہ کی صورت میں نکلے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مصر کے ساتھ گہرے مذہبی اور روحانی رشتوں میں منسلک ہیں۔ اگر ہم ڈوبے تو پورا مشرق وسطیٰ ڈوب جائے گا"۔

جناح ۲۴ر دسمبر کو واپس کراچی پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی حیات مستعار کے ۷۰ برس پورے کر لئے تھے۔ لندن سے وہ اپنے وطن کراچی پہنچے جو جلد ہی ان کا قومی دارالحکومت بننے والا تھا اور پھر وہیں انہیں ابدالاباد تک آرام کی نیند سونا تھا۔ فاطمہ جناح ان کا انتظار کر رہی تھیں تاکہ انہیں بمبئی لے جائیں اور وہاں ٹھیک طرح سے ان کی دیکھ بھال کی جائے۔ یہ کام وہ تنہا خود ہی کر سکتی تھیں۔ تاہم ابھی کئی طویل ترین اور سخت ترین مذاکرات ان کے منتظر تھے۔ ابھی زندگی کی مشکل ترین جنگ کو فتح کرنا باقی تھا۔

اکیسواں باب —— نئی دہلی ۱۹۴۷ء

نئے سال کا سورج طلوع ہوا تو ایسا لگتا تھا کہ عملاً ہر شخص برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ ہندوستان کے تعلق میں ڈرامائی تبدیلی کی خبر سننے کا خواہشمند ہے۔ تاہم کیا اور کیسے ہونے والا تھا؟ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ جناح وطن لوٹے تو شدید بیمار تھے۔ وہ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ ان کے لئے بات کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ ۲۹ر جنوری سے پہلے ہونے والے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے قابل بھی نہ رہے۔ ۲ر جنوری کو پیتھک لارنس نے ویول کو لکھا "امید ہے کہ جناح ہمارے ۶ر دسمبر کے بیان سے یہ مطلب اخذ نہیں کریں گے کہ اگر وہ خاموش بیٹھ جائیں اور کچھ نہ کریں تو انہیں پاکستان مل جائے گا"۔ غالباً اسے یہ شک تھا کہ اس کے خط کی طرف جناح کی توجہ مبذول کرائی جائے گی۔ اس کی ایسی توضیح بھی کی جاسکتی ہے جس کا مطلب صوبائی خودمختاری ہو' جو ان کی پسند سے بہت ہی کم ہو گی"۔ ویول نے جواب میں کہا' میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ پاکستان بالکل ناقابل عمل مفروضہ ہے"۔

ماؤنٹ بیٹن ویول کی جگہ لینے پر راضی ہو گئے

اٹیلی نے یکم جنوری کو ماؤنٹ بیٹن سے ایک بار پھر اپیل کی کہ وہ وائسرائے کے عہدہ کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ اس نے دو دن بعد جواب میں لکھا۔

"آپ نے جو کچھ کہا میں نے انتہائی سنجیدگی سے اس پر غور کیا ہے۔ میرے لئے اس سے یہ سمجھنا ممکن ہو گیا ہے کہ آپ برطانوی راج کو ایک قطعی اور مخصوص تاریخ تک یا اس سے بھی پہلے' اگر ہندوستانی جماعتیں متفق

ہوں، ختم کرنے کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ میں اعتماد کے ساتھ وہاں نہیں جاسکوں گا اگر وہاں میری آمد سے یہ مراد لی جاسکے کہ میں اس مرحلے پر وائسرائیگل نظام کو دوام بخشنے آیا ہوں۔ میں دل کی عمیق گہرائیوں سے آپ کی اس پیشکش کی قدر کرتا ہوں کہ نئے اسٹاف کے انتخاب و تشکیل میں مجھے ہر طرح کی مدد دی جائے گی۔ میں نے سر سٹیفورڈ کو مطلع کیا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ ہندوستان جانے کی جو پیشکش کی ہے، اس سے میری بے پناہ عزت بڑھی ہے اور میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ تاہم میں نے ان پر واضح کردیا کہ ان جیسے تجربہ کار اور باوقار شخص کی موجودگی مجھے ان لوگوں کی نظروں میں، جن کے ساتھ وہ مذاکرات کر رہے ہونگے، محض برائے نام سربراہ ثابت کرنے میں ناکام نہیں رہے گی۔ میرے خیال میں یہ بہت ضروری ہے کہ مجھے اس امر کی اجازت دی جائے کہ میں جب بھی وطن آنے کی ضرورت محسوس کروں، تو آسکوں۔ اگرچہ ہماری نیت یہ ہوگی کہ وائسرائے اور وائسرائن کے مقام و مرتبہ کو بلند رکھنے کے لئے ضروری پروٹوکول کو ملحوظ رکھا جائے۔ پھر بھی مجھے اور میری اہلیہ کو یہ اجازت ہونی چاہئے کہ ہم ہندوستانی لیڈروں، نمائندوں، برطانوی اور ہندوستانی لوگوں سے اپنے شاف کے بغیر ان کے گھروں میں جا کر مل سکیں اور ان لوگوں کی اپنے تک رسائی کو موجودہ پروٹوکول کے مقابلہ میں آسان تر بنادیں"۔

لیڈی ایڈوانا ماؤنٹ بیٹن کی دلفریبی بھی اپنے شوہر سے کسی طرح کم نہ تھی ——— اسے نہرو کی موہ لینے والی رومانی طبیعت کو آخری لمحہ کے مضطرب کرنے والے مذاکرات میں کردار ادا کرنا تھا۔ میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک شاف کے بغیر اکثر جواہرلال کے پاس ہوتا تھا۔

سنٹرل انٹیلی جنس کے انگریز ڈائریکٹر سرنارمن پی اے سمتھ نے ویول کو انگریزی نقطہ نظر سے اطلاع دی کہ:

"کھیل اب تک اچھی طرح کھیلا گیا ہے۔ کانگریس اور لیگ دونوں کو مرکزی حکومت میں دھکیل دیا گیا ہے۔

اس طرح ہندوستانی مسئلہ کو فرقہ واریت کے موزوں طیارہ میں پھینک دیا گیا ہے۔ اب نظم و سلیقہ کے ساتھ انخلاء کا موقع پیدا ہوگیا ہے۔ ہمیں اس دم بھر کی مہلت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ سول افسروں پر سیکرٹری آف سٹیٹ کا کنٹرول اولین ممکنہ لمحہ میں ختم ہوجانا چاہئے۔ یہ صرف افسروں کے لئے درست ہوگا اور اس میں یہ سیاسی فائدہ ہے کہ اس قسم کا متاثر کرنے والا فیصلہ کن اقدام مسئلہ کو اس کے صحیح فرقہ وارانہ جہاز پر رکھے رہنے میں مدد دے گا۔ سنگین فرقہ وارانہ بدنظمی اور افراتفری سے ہماری کارروائی متاثر نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا ہوا تو انگریزوں کے خلاف احتجاج کو تقویت ملے گی۔ اول الذکر ایک فطری خوفناک عمل ہوگا، جو ہندوستان کے مسئلہ کی راہ خود پیدا کردے گا"۔ بیسویں صدی کے انگریز افسروں کی طرف سے اس قسم کی جدید مالتھوسی کلبیت (دنیا اور اسباب عیش سے نفرت کا اظہار) کو ضبط تحریر میں شاذ ہی لایا جاتا تھا۔

لیگ۔ خضر تصادم

لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی مقررہ تاریخ سے چند دن پہلے خضر حیات نے پولیس کو حکم دیا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کے سرگرم نیشنل گارڈز پر کاری ضرب لگائی جائے۔ ان گارڈز کو اس طرح کی پارٹی فوج قرار دیا گیا جیسی کہ جنگ سے پہلے اٹلی اور جرمنی میں موجود تھی اور گورنر جینکنز نے ان کو انگلینڈ میں موسلے کی تنظیم "بلیک

ٹرلس" کے مماثل ٹھہرایا' نیشنل گارڈز کے صدر دفتر واقع لاہور میں ایک ہزار سے زیادہ سٹیل ہیلمٹ پائے گئے اور گارڈز کے جملہ جنرل کمانڈروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ جواب میں مسلم لیگ نے "راست اقدام" کے تحت احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے' جن میں مطالبہ کیا جاتا تھا کہ خضر کی مخلوط حکومت برطرف کی جائے۔ اس طرح بالآخر پنجاب کا مسلم بازوئے شمشیر بر تشدد آپریشن میں شامل ہو گیا۔ جیسا کہ بیگم شاہنواز نے کلیرجز میں جناح سے وعدہ کیا تھا۔ خضر نے دوسرے ہی روز گارڈز پر سے پابندی اٹھالی۔ اسے ڈر تھا کہ بصورت دیگر وہ صوبہ میں امن بحال نہیں رکھ سکے گا۔ تاہم یہ اقدام بہت بعد از وقت ثابت ہوا۔ لیگ کے برہم رہنماؤں نے خضر کے فوری استعفیٰ کا مطالبہ جوش و خروش سے جاری رکھا۔ لاہور اور دوسرے شہروں میں بڑے بڑے احتجاجی جلسے ہونے لگے' جن میں لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ شوکت حیات نے اعلان کیا کہ اگر خضر نے مستعفی ہونے سے انکار کیا تو لیگ قانون شکنی کے لئے ۱۵ ملین سے زیادہ مسلمانوں کو سڑک پر لانے کے لئے تیار ہے۔ اس بیان کے بعد خضر نے ایک اور قدم اٹھایا۔ آدھی رات کو صوبائی لیگ کے تمام مضبوط لیڈروں کو گرفتار کر لیا جن میں نواب ممدوٹ' ملک فیروز خاں نون اور دولتانہ شامل تھے۔ پنجاب کے ہر ضلع میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ ۳۱ر جنوری کو ورکنگ کمیٹی نے کونسل کے خلاف قرار داد منظور کی جس میں اس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مشن پلان کے استرداد والے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ اگر لیگ کے دستور ساز اسمبلی میں شرکت ہونے کا کوئی امکان تھا تو اس قرارداد نے اسے ختم کر دیا۔

نہرو نے اس سے اگلے روز ویول سے ملاقات کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ اسمبلی اپنا کام جاری رکھے گی اور یہ کہ اگلے قدم کے بارے میں وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کریں گے' اگرچہ ویول نے بجا طور پر اندازہ لگا لیا تھا کہ اب کانگریس کابینہ کے لیگی ممبران کی برطرفی یا استعفیٰ کا مطالبہ کرنے سے نہیں چوکے گی۔ بہرحال ۶ر فروری کو اس قسم کی درخواست کے جانے سے قبل ہی ایٹلی نے ویول کو ہدایت کی کہ وہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے' اور یہ کہ اس کے جانشین کا انتخاب کر لیا گیا ہے۔ کابینہ نے اعتراف کیا کہ ہندوستان میں خانہ جنگی کے خطرہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ شاید مسٹر جناح کی نیت یہ ہے کہ خانہ جنگی برپا کی جائے۔ یہ بات واضح نہیں تھی کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی کارروائیوں کے کیا نتائج ہونگے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ سول نافرمانی کی ترکیبوں کو ہوا دے رہے تھے۔ بالآخر لیگ جس حد تک سنگین الجھن پیدا کر سکتی تھی' اس کا انحصار اس پر تھا کہ اس کی سرگرمیاں ہندوستانی فوج میں انتشار پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہیں یا نہیں۔ ادھر نئی دہلی میں وی پی مینن جیسے زیرک مبصرین اب ہندوستان کی تقسیم کو ناگزیر سمجھنے لگے۔

ہندوستان کے لئے آزادی کا اعلان

۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم ایٹلی نے دارالعوام میں اپنے ہم مرتبہ ساتھیوں کو مطلع کیا:۔

"ہز میجسٹی کی حکومت چاہتی ہے کہ اپنی ذمہ داری ان بااختیار اداروں کو سونپ دے جو ایسے آئین کی رو سے قائم کئے گئے ہوں جن کی منظوری ہندوستان کی تمام پارٹیوں نے دی ہو' لیکن بدقسمتی سے سردست ایسے آئین کی تدوین کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔ حکومت برطانیہ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ یہ اس کی قطعی نیت ہے کہ

زیادہ سے زیادہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کے ذمہ دار ہاتھوں کو انتقال اقتدار کو یقینی بنانے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے اس لئے یہ لازمی ہے کہ سب پارٹیاں اپنے اپنے اختلافات بھلا دیں تاکہ وہ عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار ہو سکیں جو اگلے سال ان کے سپرد ہونے والی ہیں"۔

کانگریس اور لیگ دونوں نے نئے بیان کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے روز "ہندوستان ٹائمز" نے اپنے اداریہ میں لکھا۔ "حکومت برطانیہ نے بالآخر روشنی کا مشاہدہ کر لیا ہے اور ایک تاریخی فیصلہ کیا ہے جو آخر کار ہند' برطانیہ کشمکش کو اس سلیقہ سے ختم کر دیگا جو مہذب قوموں کے شایان شان ہوتا ہے۔ اب مسٹر جناح اور مسلم لیگ حقیقت کے سامنے ہیں۔ کوئی ہندوستانی مسلم قوم کے وجود اور ہندوستان میں اس کے جائز مقام سے انکار نہیں کرنا چاہتا۔ اب ایسا کرنا ممکن نہیں کیونکہ تیسرا فریق رخصت ہو رہا ہے۔ باہمی سمجھوتہ کا کوئی نعم البدل نہیں"۔ تاہم "ڈان" کو اس بیان سے اتفاق نہیں تھا۔ اس کے ادارتی کالم میں اسی روز اس رد عمل کا اظہار کیا گیا۔ "لگتا ہے کہ مسٹر اٹیلی اور ان کے رفقائے کار نے آخر کار مسلم لیگ کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے لئے ایک متفقہ دستور وضع کرنے کی امید ایک مہمل خواب تھا۔ اس مقصد کے لئے کی گئی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں کیونکہ وہ ایک غیر حقیقت پسندانہ سوچ پر مبنی تھیں"۔

ویول نے ۲۱ر فروری کو نہرو اور لیاقت سے ملاقات کی۔ وائسرائے نے رپورٹ دی "نہرو اس بیان سے صریحاً" متاثر ہوئے ہیں اور انہیں کانگریس پر عائد ہونیوالی ذمہ داری کا پورا احساس ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ اگر سمجھوتہ نہ ہوا تو پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنا ہو گا"۔

لیاقت علی خاں مسلم لیگ کی طرف سے رد عمل ظاہر کرنے پر رضامند نہ تھے' اس لئے ویول نے مشورہ دیا۔ "مناسب ہو گا آپ مسٹر جناح کو دہلی بلا لیں"۔ ایک ہفتہ بعد لیاقت علی نے ویول کو بتایا کہ "جناح بمبئی میں صاحب فراش ہیں اور وسط مارچ سے پہلے دہلی نہیں آسکیں گے"۔

خضر مستعفی ہو گیا

فروری کے آخری ہفتہ کے دوران پنجاب میں تشدد کی وارداتیں لاہور اور امرتسر سمیت چھ سات بڑے شہروں میں شدت اختیار کر گئیں۔ مسلم لیگ کے نوجوان کارکنوں کے غول کے غول عدالتوں اور سرکاری عمارتوں پر حملہ آور ہوتے اور یونین جیک کی جگہ مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کی کوشش کرتے۔ عام شہریوں کے علاوہ پولیس والوں کی متعدد اموات اور سینکڑوں زخمیوں کو دیکھ کر خضر کا "عزم محکم" پارہ پارہ ہو گیا اور اسے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ لیگ کے ساتھ صلح کر لی جائے' چنانچہ تمام سیاسی اسیروں کو چھوڑ دیا گیا' جلسوں پر ایک ماہ سے عائد شدہ پابندی اٹھا لی گئی۔ اسے امید تھی کہ ساری جماعتوں پر مشتمل مخلوط حکومت بنا لی جائے تو معاملات سدھر جائیں گے۔ تاہم گورنر نے اسے خارج از امکان قرار دیا۔ لیگ نے صوبہ سرحد میں بھی راست اقدام شروع کر رکھا تھا۔ بے قابو' ہجوم نے پشاور میں کانگرسی وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور کھڑکیوں کے شیشے چور چور کر دیئے۔ جبکہ موقع پر موجود پولیس خاموش تماشائی بنی رہی اور فائر کرنے سے انکار کر دیا۔

خضر نے سر ظفر اللہ خاں اور لاہور میں موجود دیگر معتمد دوستوں سے مشورہ کے بعد ۲ر مارچ کو استعفیٰ دیدیا۔ اس نے گورنر کو آخری مراسلہ میں لکھا تھا۔

" مسلم لیگ کو مزید تاخیر کے بغیر حقیقی صورتحال کا احساس دلانا لازمی ہے۔ مسلم لیگی رہنماؤں کے وہم وگمان میں بھی نہیں کہ ہندو اور سکھ ان کے خلاف کتنے شدید احساسات رکھتے ہیں۔ جب تک وہ اور یونینسٹ پارٹی میں اس کے مسلمان رفقا بفر کا کام دئے رہے ہیں وہ اپنے عجیب وغریب اور جسارت آمیز خیالات کو نہیں بدلیں گے۔ ممدوٹ کے بارے میں میری رائے بڑی مایوس کن ہے اگر وہ ہندوؤں یا سکھوں یا دونوں کی معقول حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہوگیا تو میرا فرض ہوگا کہ صوبہ میں دفعہ ۹۳ (گورنر راج) کی سفارش کروں"۔ خضر کے استعفیٰ کے ساتھ ہی پنجابی وحدت کا خاتمہ ہوگیا اور "پانچ دریاؤں کی سرزمین" کی سیاسی موت واقع ہوگئی۔ سکھ لیڈر سورن سنگھ نے گورنر کو بتایا کہ اس کی پارٹی لیگ کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی' کیونکہ وہ مسلم آقاؤں کے ماتحت اپنے ساتھ کمپنیوں کا سا سلوک برداشت نہیں کرسکتے اور یہ کہ اپنا دفاع خود کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ اگلے ہفتے مسلم لیگ کے خلاف سیاسی اجتماعات ہوئے۔ کانگرس اور اکالی سکھوں نے اعلان کردیا کہ ۱۱ر مارچ کو پورے پنجاب میں "انٹی۔ پاکستان ڈے" منایا جائے گا اور بڑے بڑے جلوس نکالے جائیں گے۔ اس سے فضا میں ایک دم کھنچاؤ پیدا ہوگیا اور روزانہ قتل کی متعدد وارداتیں ہونے لگیں۔

ہندوستان کی بابت دارالعوام میں بحث کا آغاز ۵ر مارچ کو کرپس کی تقریر سے ہوا۔ اس نے حکومت کی پالیسی کا دفاع کرتے ہوئے کہا:۔

"یہ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ جب مسلم لیگ کراچی میں ہونے والے اپنے اجلاس میں صورتحال پر نظرثانی کرنے والی تھی تاکہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوسکے' پنجاب میں حالات ابتر ہوگئے۔ ہم صرف یہ توقع کرسکتے ہیں کہ صرف بردباری اور عقل سلیم سے کوئی سمجھوتہ وقوع پذیر ہوسکتا ہے۔ یہ ان عوامل میں سے محض دوسرا عامل ہے' جس نے آج ہندوستان میں حالات کی رفتار کے متعلق قبل از وقت کچھ کہنا اتنا مشکل بنا دیا ہے"۔

چرچل کی طرف سے آزادی ہند کی مخالفت

دوسرے روز ونسٹن چرچل نے اپوزیشن کے ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے ۱۹۴۲ء کی کرپس پیشکش سے اپنے مسلسل لگاؤ پر اصرار کیا اور موجودہ حکومت پر الزام لگایا کہ وہ ۱۹۴۲ء کے فارمولا' سے کئی بنیادی پہلوؤں سے انحراف کرچکی ہے۔ اس نے مسٹر نہرو کی حکومت پر سخت حملہ کرتے ہوئے اسے مکمل تباہی سے تعبیر کیا اور زور دے کر کہا کہ ہندوستان کی حکومت ایک ہندو کے حوالے کرنا فاش غلطی تھی۔ نئے وائسرائے کا ذکر کرتے ہوئے چرچل نے اعتراض کیا کہ :۔

ہندوستان کو نہ صرف تقسیم کا بلکہ اور انگل پچو شکست وریخت کا نشانہ بننا ہے۔ اس کے لئے وقت کی میعاد مقرر کردی گئی ہے جو ایک قسم کی گلوٹین' (جلاد مشین) ہے جو یقیناً انتہائی پیچیدہ مسائل پر مکمل لاگو معقول بحث کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔ یہ ۱۴ مہینے دلوں کو موم کرنے اور ہندوستان بھر میں ہندو۔ مسلم اتحاد پیدا کرنے میں

صرف نہیں کئے جائیں گے۔ یہ خانہ جنگی کی تیاری کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے اور اس دوران اسی طرح کی بد نظمی' افراتفری اور ہنگامے وقوع پذیر ہونگے جیسے کہ آجکل لاہور جیسے بڑے شہر میں ہو رہے ہیں"۔

اسٹلی نے جواب دعویٰ کی ایک دھیمی کوشش میں اعتراف کیا کہ ہندوستان میں دولت کی تقسیم میں بڑا تفاوت پایا جاتا ہے تاہم بدقسمتی سے وہ معاشرتی اور اقتصادی نظام ہمارے پورے دور حکمرانی میں جاری رہا۔ ہم نے جاگیرداروں کو ختم کرنے کے لئے کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھایا۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ ہم نے ساہوکاروں کو دبانے کے لئے کام کیا' تاہم وہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم نے اس معاشرتی اور اقتصادی نظام کو جوں کا توں رہنے دیا۔ اب ہماری حکمرانی کے عین خاتمہ پر یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ رخصت ہونے سے پہلے ہمیں ان تمام خرابیوں کا صفایا کرنا چاہئے۔ ورنہ ہم اپنے اعتماد سے دھوکہ کریں گے؟ اگر ایسا تھا تو اسے بہت عرصہ پہلے اٹھ جانا چاہئے تھا"۔ مارچ کی مذکورہ بالا رات کو جب رائے شماری کرائی گئی تو ۳۳۷ ممبران نے اپنے قائد ایوان (اسٹلی) کا ساتھ دیا جبکہ چرچل کی حمایت میں کنزرویٹو پارٹی کے ۱۸۵ ووٹ آئے' ماؤنٹ بیٹن ماہرین پر مشتمل اپنے عملہ کو لیکر اس قسم کی بڑی سیاسی سرجری کے تیز ترین مشن پر جلد ہی روانہ ہونے والا تھا' جو کسی قوم نے دوسری قوم کے حاملہ سیاسی بدن پر شاید ہی کی ہوگی۔

پنجاب میں فسادات کی لہر

جینکنز نے جونہی زیر دفعہ ۹۳ پنجاب کا کنٹرول براہ راست اپنے ہاتھوں میں لیا' ملتان میں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا اور ایک ہی دن میں ۲۰ افراد ہلاک اور کئی گنا زیادہ زخمی ہو گئے۔ نواب ممدوٹ نے مسلم لیگی وزارت قائم رکھنے کے لئے بڑی بھاگ دوڑ کی لیکن وہ محض چند شیڈولڈ کاسٹ اور اینگلو انڈین ممبران کی حمایت حاصل کر سکے۔ تین غیر لیگی مسلمان بھی ان کے ۸۰ ممبران پر مشتمل بلاک میں آملے۔ اس کے باوجود ہندو سکھ متحدہ حزب اختلاف بڑی مضبوط اور عددی لحاظ سے قریباً ان کے برابر ہی تھی۔ ادھر دہلی میں وزیر خزانہ لیاقت علی خاں نے سرکاری حکام کا مشورہ قبول کرتے ہوئے بھاری ٹیکسوں پر مبنی بجٹ پیش کر دیا۔ جو اس نیت سے تیار کیا گیا تھا کہ ملک کے صنعتی و تجارتی سرمایہ داروں پر اتنا بھاری ٹیکس لگایا جائے تاکہ نمک پر محصول اور ملازمت سے ریٹائر ہونے والوں کی پینشنوں میں عدیم المثال اضافہ سے ہونے والا ہوش ربا خسارہ پورا ہو سکے۔ ویول نے پیتھک لارنس کو لکھا۔ "بجٹ بڑی ہوشیاری سے بنایا گیا ہے۔ اس کا مقصد کانگریس اور اس کے مالدار تاجر حامیوں جیسے برلا' کو ایک دوسرے سے دور کرنا ہے"۔

۷/ مارچ کو جینکنز نے ویول کو مطلع کیا۔ "گذشتہ روز میں امرتسر کے بارے میں بہت مضطرب رہا۔ شام تک یہ شہر انتظامیہ کے کنٹرول سے بالکل نکل چکا تھا۔ اگرچہ اموات کی تعداد زیادہ نہیں لگتی۔ تاہم ہمارے پاس جو اعداد و شمار ہیں وہ صرف ان لاشوں کے ہیں جو ہسپتال کے مردہ خانہ میں لائی گئیں۔ پتہ چلا ہے کہ زیادہ آبادی کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔ بہت سی عمارتیں جل رہی ہیں۔ لوگوں کے بڑے بڑے ہجوم شہر سے بھاگ رہے ہیں' جس سے افراتفری اور لوٹ مار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آدھی رات کو پولیس کی کمک نیز انگریزی فوج کی دو پلٹنیں بھیجی گئیں۔ راولپنڈی سے بھی بد ترین ہنگاموں کی رپورٹ ملی ہے جن میں ۲۵ افراد مارے گئے اور ۱۰۰ سے زیادہ

زخمی ہوئے۔ سیالکوٹ اور جالندھر بھی فساد کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ یہ معاملات ہمیشہ تین مراحل سے گزرتے ہیں' غصہ یا اضطراب کی ہذیانی کیفیت' خوف و ہراس نیز سراسیمگی اور دونوں طرف سے الزام تراشی۔ ہذیانی' کیفیت سال بھر جاری رہی"۔

کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس ۸ مارچ کو ہوا' جس میں ذیل کی قرارداد منظور کی گئی۔

"انتقال اقتدار کو سہل اور پر سکون بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے عبوری حکومت کو عملی طور پر ڈومینین گورنمنٹ تسلیم کیا جائے جسے سروسز اور انتظامیہ پر موثر کنٹرول حاصل ہو۔ مرکزی حکومت کو ایک مکمل بااختیار اور ذمہ دار کابینہ کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔ کوئی دوسرا انتظام ایک اچھی حکومت کی جگہ نہیں لے سکتا اور خصوصی طور پر خطرناک ہے۔ اس مرحلہ میں جبکہ قطعی فیصلہ ہونے والا ہے' ورکنگ کمیٹی تمام پارٹیوں اور گروہوں سے خلوص کے ساتھ اپیل کرتی ہے کہ وہ پر تشدد اور جابرانہ طریقوں سے باز آجائیں اور پر امن طور پر تعاون کریں۔ ایک دور عنقریب ختم ہونے والا ہے اور ایک نیا عہد شروع ہونے کو ہے اس نئے زمانہ کی صبح کو جرات کے ساتھ طلوع ہونے دیں' نفرتوں اور رقابتوں کو مردہ ماضی کے لئے چھوڑ دیں"۔

دوسرے روز اس قرارداد کو وائسرائے کے پاس بھیجتے وقت نہرو نے وضاحت کی "ہماری نیت یہ ہے کہ مسلم لیگ سے کہا جائے کہ وہ اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ شامل ہو جائے اور کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کے لئے متحد ہو کر دوستانہ انداز میں کام کرے"۔ انہوں نے دستبرداری کی قابل ساعت آہ بھرتے ہوئے مزید لکھا۔

"اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو تو ہم نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بلاشبہ اس اصول کا اطلاق بنگال پر بھی ہو گا۔ اس کی بابت سوچنا ہمارے لئے کوئی خوشگوار بات نہیں تاہم یہ طریق کار اس کوشش کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جو کسی ایک پارٹی کی طرف سے اپنی مرضی دوسری پر ٹھونسنے کے لئے کی جائے۔ پنجاب کے حالیہ واقعات سے ظاہر ہوا ہے کہ صوبہ میں کسی غیر مسلم اقلیت کو دبانا اسی طرح ناممکن ہے جیسے دوسروں کو جبراً" زیر کرنا منصفانہ اور پسندیدہ نہیں ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے کیبنٹ مشن کو منظور نہ کرنے اور دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونے کی صورت میں بنگال اور پنجاب کی تقسیم ناگزیر ہو جاتی ہے"۔

اب کانگریس پاکستان تسلیم کرنے کو تیار تھی جو محض مسلم اکثریت کے اضلاع پر مشتمل ہو' پھر بھی وہ پاکستان کہلائے۔ یہ مارچ ۱۹۴۷ء کے ابتدائی ایام تھے' جناح نے جنگ جیت لی تھی۔ ۱۲ مارچ کو بمبئی میں مسلمان صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں"۔ انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ "ہمارا نظریہ حیات' ہمارا نصب العین' ہمارے بنیادی اور اہم اصول' ہندو تنظیموں سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ ان سے متصادم ہیں۔ تعاون کے لئے کوئی مشترک وجہ موجود نہیں۔ ایک وقت تھا' جب پاکستان کے تصور کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ لیکن میں آپ کو بتادوں کہ مسئلہ کا کوئی دوسرا حل ایسا نہیں ہے جو ہمارے عوام کے مفاد میں ہو اور اس سے انہیں عزت مل سکے۔ انشاء اللہ ہم پاکستان لے کے رہیں گے"۔

جینکنز نے رپورٹ دی کہ فرقہ وارانہ کشیدگی پنجاب کے تقریباً سبھی اضلاع میں سنگین ہوتی جا رہی ہے تاہم لاہور' امرتسر' ملتان اور راولپنڈی جیسے بڑے بڑے شہر اس کے بنیادی مراکز ہیں۔ تاہم یہ مصیبت اب دیہات تک پھیلتی جا رہی ہے۔ مجنونانہ نفرت کے سرطانی جراثیم کی مانند خوشحال علاقوں میں یہ فساد بڑی سرعت سے

بڑھتا جا رہا ہے' جس پر کنٹرول کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ فسادات اور ہنگاموں کو کچلنے کے لئے کوئی مقامی فورس دستیاب نہیں ہے۔

ماسٹر تارا سنگھ کے متعلق خبر ملی کہ اس نے امرتسر میں اپنے سکھ پیروؤں سے کہا کہ خانہ جنگی پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔ سکھ وزیر دفاع بلدیو سنگھ نے ویول کو لکھا۔ "میں اپنے اس یقین کامل کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ مسلم لیگ نے مخلوط حکومت پر جو جارحانہ حملہ کیا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ وہ آئینی طریقوں سے اسے شکست دینے میں مایوس ہو چکی تھی۔" اگرچہ پنجاب میں ہونے والی اموات کے تصدیق شدہ اعداد دستیاب نہیں تھے' تاہم جینکنز نے اندازہ لگایا کہ گذشتہ ماہ کے فسادات میں ۱۰۰۰ کے قریب جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور زخمیوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے' اس سال بارشیں تو دیر سے شروع ہوئیں تاہم انسانی خون کے سیلاب نے پنجاب کے کھیتوں کو جلد ہی سینچنا شروع کر دیا۔

ماؤنٹ بیٹن لندن میں کابینہ کے اراکین کے ساتھ تقریباً روزانہ ملاقاتیں کرتا تھا' وہ ان لوگوں سے اپنے کٹھن سوالات کے جواب حاصل کرنا چاہتا تھا' جو ان کے حل میں ناکام رہے اور بوڑھے ہو چکے تھے۔ اسے اپنی جوانی پر بڑا ناز تھا' ہندوستانی سیاست سے بے خبری نے اسے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کا خیال یہ تھا' جیسا کہ مارچ کے شروع میں اس نے کابینہ کو بتایا' کہ ہندوستانی لیڈر جلد یا بدیر اس حقیقت کا احساس کر لیں گے کہ ہندوستانی فوج کا مرکزی کنٹرول کے ماتحت قائم رہنا' ہندوستان کے خارجی دفاع اور اندرونی امن و امان دونوں کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اس نے عبوری حکومت کو اپنے اس فیصلہ سے خبردار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے وہ انہیں انگریزی سپاہی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا' ان کا استعمال صرف انگریزوں کی جانیں بچانے کے لئے کیا جا سکے گا۔ اس شام کو ان کا اجلاس ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ میں ہوا۔ نامزد وائسرائے فوری احکام چاہتا تھا' جبکہ وہاں ابھی بہت سی ترامیم پر غور ہونا باقی تھا۔

دو پاکستان کی تجویز

نہرو کا پرانا دوست' "گشتی سفیروی' کے' کرشنا مینن بھی اسی دن (۱۳ مارچ کو) ماؤنٹ بیٹن سے ملا اور اسے ہندوستان کی تازہ ترین صورتحال نیز کانفرنس کے مجوزہ حل کے بارے میں بریف کیا۔ مسلم لیگ کے مطالبات سے متعلق سوال پر کرشنا مینن نے "دو پاکستانوں" کی تجویز پیش کی' ایک شمال مغرب میں اور دوسرا شمال مشرق میں' اس نے پنجاب کے ساتھ ساتھ سندھ کی تقسیم کا مطالبہ بھی کیا۔ شمال مشرقی پاکستان کے متعلق کرشنا مینن کی تجویز کا لب لباب یہ تھا کہ "اس میں مشرقی بنگال کے وہ اضلاع نیز آسام کے ایسے علاقے شامل کئے جائیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس طرح بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ تقسیم وہ ناگزیر قیمت ہے' جو صوبہ میں استحکام امن کے لئے ادا کرنی پڑے گی۔ کوئی حل جس کی رو سے کلکتہ پاکستان کو دے دیا جائے' غیر مستحکم اور ناقابل عمل ہوگا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کو مشرق اور ایک بندرگاہ دینا ضروری ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مصالحتی سمجھوتہ کے مطابق حکومت ہند کو

چٹا گانگ میں ایک بڑا شہر اور بندرگاہ تعمیر کرنی چاہئے' خواہ اس پر کروڑہا روپے لاگت کیوں نہ آئے۔"
گویا کانگرس صوبائی دارالحکومت کلکتہ پر قبضہ کرنے اور اپنے تجارتی مفادات کے عوض بھاری قیمت ادا کرنے پر تیار تھی۔ اور اس فارمولا' کو آخر کار سب فریقوں نے قبول کر لیا۔
گورنر پنجاب جینکنز نے ۱۷ مارچ کو ایک مراسلہ میں لکھا کہ "غیر مسلموں پر انتہائی بیدردی کے ساتھ حملے کئے جا رہے ہیں' لٹے پٹے دیہاتی علاقے سے ہزارہا مہاجر راولپنڈی پہنچنے لگے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کو پختہ یقین ہے کہ صرف اس کے ضلع میں ۵۰۰۰ افراد مارے جا چکے ہیں۔ گورنر نے مزید لکھا' جونہی پنجاب کے دور دراز علاقوں سے ایسی اطلاعات شہروں میں پہنچیں' لوگوں میں "منظم سازش" کا احساس ابھرنے لگا۔ جس کا مظاہرہ راولپنڈی کے ہنگاموں میں کیا گیا۔ اس طرح کے ہنگامے انتہائی احتیاط سے منظم کئے گئے تھے۔ جملہ متاثرہ اضلاع کے مسلمان یا تو ان فسادات میں ملوث لگتے ہیں یا وہ اس تحریک سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ کل جب ساتویں ڈویژن کے کمانڈر سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے بتایا کہ غیر مسلموں پر حملوں کی قیادت' بعض واقعات میں' ریٹائرڈ فوجی افسران نے کی' ان میں سے بعض پینشنرز تھے۔ مسلمانوں کے مقامی معززین' جن کے ساتھ میں نے بات چیت کی' انتہائی آزردہ تھے' غیر مسلم آبادی' سول سروسز خصوصاً پولیس کے رویہ کی زبردست شاکی ہے۔ لیگ کے بازوئے شمشیر زن نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔

انتقال اقتدار کے احکام

۱۸ مارچ کو وزیر اعظم کی طرف سے ماؤنٹ بیٹن کو قبل از روانگی احکام مل گئے' جن میں کہا گیا تھا:
"کابینہ مشن کے میرے رفقائے کار نے آپ کے ساتھ اس طرز عمل کے عمومی خطوط پر تبادلہ خیال کیا ہے' جو ہندوستان میں پیش آنے والے مشاغل میں آپ کو اختیار کرنا ہو گا۔ میرے خیال میں مناسب ہو گا کہ آپ نمایاں نکات قلمبند کر لیں۔ برطانوی ہند اور ریاستوں میں اگر ممکن ہو تو برطانوی دولت مشترکہ کے اندر رہتے ہوئے' دستور ساز اسمبلی کے ذریعے وحدانی طرز کی حکومت کا قیام' ہر میجسٹی گورنمنٹ کا قطعی نصب العین ہے اور آپ کو اپنے اختیارات کے مطابق تمام پارٹیوں کو اس مقصد کے لئے مشترکہ کوشش پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر یکم اکتوبر تک آپ محسوس کریں کہ وحدانی طرز حکومت کے بارے میں اتفاق رائے کا کوئی امکان نہیں تو آپ حکومت کو ان اقدامات سے مطلع کریں گے' جن پر مقررہ تاریخ کو اقتدار منتقل کرتے وقت عمل کرنا ضروری ہو گا۔ جن ہندوستانی ریاستوں میں سیاسی ترقی کی رفتار سست ہے' آپ وہاں کے حکمرانوں ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کی ترغیب دینے کی پوری کوشش کریں گے۔"
یہ بات بڑی اہم ہے کہ ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ ان جملہ اقدامات میں جو انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے سلسلہ میں کئے جائیں' مکمل تعاون کیا جائے تاکہ یہ عمل ممکنہ حد تک آسانی اور سہولت کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔"

ماؤنٹ بیٹن ۲۲ مارچ کو نئی دہلی پہنچا اور ویول کے ساتھ رسمی ملاقات کی۔ دونوں نے ہندوستانی

سیاستدانوں کی اس بے حسی پر اظہار افسوس کیا کہ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھنے اور یہ احساس کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ جون ۱۹۴۸ء سے قبل انتقال اقتدار کے لئے کس قدر کم مدت باقی رہ گئی ہے۔ اس سوال پر بھی غور کیا گیا کہ آیا کیبنٹ مشن پلان کے اندر رہتے ہوئے بنگال اور پنجاب کی تقسیم عمل میں آ سکتی ہے یا نہیں؟ ماؤنٹ بیٹن نے رائے ظاہر کی کہ "ملک میں ایک مضبوط قوت کا ہونا لازمی ہے' جسے اقتدار سونپا جا سکے اور یہ کہ کوئی بھی حل لازماً" ہندوستانی فوج کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔"

ویول اگلے صبح دہلی سے کراچی اور ۲۴ مارچ کو وہاں سے لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کا پریس اتاشی کیمبل جانسن لکھتا ہے۔ "میں نے ماؤنٹ بیٹن کے خدم و حشم (نوکر چاکر) کے ساتھ بے تکلفانہ ملاقات کی اور نامزد وائسرائے کے ساتھ' جو زیر جامہ اور بنیان پہنے ہوئے بہت خوش نظر آ رہے تھے' تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے مجھے روزنامہ "ڈان" کے سرورق پر اس صبح کا شاہکار دکھایا۔ یہ رونی بروکمین (وائسرائے کے عملہ میں سے ایک) اور ایلزبتھ وارڈ (لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی نجی سیکرٹری) کی تصویر تھی' جس کے نیچے لکھا تھا۔ "لارڈ اور لیڈی لوئیس دہلی پہنچ گئے۔"

ہندوستان کے ۱۹-ویں اور آخری انگریز وائسرائے نے ۲۴ مارچ ۴۷ء کی سہانی صبح کو ایک بڑی پرشکوہ تقریب میں حلف اٹھایا۔ لارڈ چیف جسٹس سر پیٹرک سپنسز نے اس سے حلف لیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے منصب سنبھالنے کے بعد کئی منٹ تک حاضرین کو ہلکی پھلکی گفتگو سے محظوظ کیا۔ اس دوران وہ نہرو اور ان کے وزراء جو دائیں طرف بیٹھے تھے اور لیاقت علی خان اور کابینہ کے لیگی رفقاء جو بائیں طرف تھے' کی طرف بار بار گردن گھماتا رہا۔ اس نے سہ پہر کو پہلے نہرو اور پھر لیاقت علی سے ملاقات کر کے کام کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ اس نے گاندھی اور جناح کو پہلے ہی ذاتی خطوط لکھ دیئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ اس کے ساتھ ملاقات کے لئے اولین فرصت میں دہلی پہنچ جائیں۔ جناح ابھی تک بمبئی میں صحت بحال کرنے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔

نہرو جنگ عظیم کے دوران ملایا میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کچھ وقت گزار چکے تھے اور ڈکی (ماؤنٹ بیٹن کا بچپن کا نام) کی فطری شائستگی' سادہ اطوار' شاہانہ تہذیب اور یارباشی سے بہت متاثر ہوئے تھے' دونوں نے ان تعلقات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اہم معلومات کے لئے نہرو کو بنیادی "ساؤنڈنگ بورڈ" (لاؤڈ سپیکر) کے طور پر استعمال کیا۔ مثال کے طور پر نہرو کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں اس نے "جناح کے متعلق نہرو کے تجزیہ" کی بابت سوالات اور تبادلہ خیال کیا۔

جناح کے متعلق نہرو کا تجزیہ

نہرو نے بتایا' جناح کے متعلق یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ وہ ایک ایسے شخص ہیں جنہیں زندگی میں کامیابی بہت دیر بعد ساٹھ برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ اس سے قبل وہ ہندوستانی سیاست میں کوئی نمایاں شخصیت نہیں تھے۔ وہ ایک کامیاب وکیل ضرور تھے لیکن ان کا شمار اچھے وکلاء میں

نہیں ہوتا تھا۔ ان کی کامیابی کا راز' اور یہ بڑی شاندار کامیابی ہے جو صرف اس جذباتی شدت کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے مستقل طور پر منفی رویہ اختیار کرنے کی روش اپنائی تھی۔ وہ جانتے ہیں کہ پاکستان تعمیری نکتہ چینی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہوں نے اس امر کو یقینی بنا لیا ہے کہ پاکستان کو ایسی تنقید کا نشانہ نہ بننے دیا جائے۔"

اپنے سب سے نمایاں حریف کا یہ منفی تجزیہ' جناح کی صلاحیتوں کے سرچشمہ پر روشنی ڈالنے کی بجائے' ان کے خلاف نہرو کی شدید نفرت کا مظہر ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے بارے میں جو قدرے منفی اندازہ لگایا' شاید وہ بھی قائد اعظم سے نہرو کی بیزاری اور جو کچھ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا' سے متاثر ہو کر قائم کیا گیا تھا۔

اس کے بعد نئے وائسرائے نے لیاقت علی خان سے ملاقات کی۔ ہندوستان کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے انہوں نے نئے بجٹ میں جو اقدامات تجویز کئے' کانگرس نے ان کی زبردست مخالفت کی تھی اور بالآخر وہ ٹیکس کی تجاویز میں ۲۵ فی صد کی بجائے ۱۹ فیصد کی تبدیلی پر راضی ہو گئے تھے۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت علی کو نہرو کی طرح دانشور یا ذاتی طور پر متاثر کرنے والا نہیں پایا اور دونوں کے مابین حقیقی رفاقت و دوستی کبھی قائم نہیں ہوئی۔

جناح کو وزیر اعظم بنانے کی تجویز

ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی کے ساتھ پانچ جداگانہ ملاقاتوں میں ۳۱ مارچ سے ۴ اپریل تک دس گھنٹے سے زیادہ صرف کئے۔ جن کے دوران مہاتما نے تجویز کیا کہ مسٹر جناح کو وزارت بنانے کی پیش کش کی جائے۔ اگر وہ پیش کش قبول کر لیں' تو کانگرس ان کے ساتھ اس وقت آزادانہ اور پر خلوص تعاون کی ضمانت دیتی ہے جب تک مسٹر جناح کی حکومت کی طرف سے کئے جانے والے اقدامات من حیث المجموع' سب ہندوستانیوں کے مفادات کے لئے ہوں گے۔ کونسا قدم ہندوستانیوں کے مفاد میں ہے اور کونسا نہیں ہے؟ اس کا فیصلہ واحد ریفری ماؤنٹ بیٹن کریں گے۔

مسٹر جناح کو مسلم لیگ کی طرف سے اس امر کی یقین دہانی کرانی ہو گی کہ جہاں تک جناح یا لیگ کا تعلق ہے' وہ پورے ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ نیشنل گارڈز یا کسی قسم کی پرائیویٹ آرمی کا کوئی وجود نہیں ہو گا۔ مسٹر جناح کو مکمل آزادی ہو گی کہ اس ڈھانچہ کے اندر رہتے ہوئے انتقال اقتدار سے پہلے پاکستان کی اسکیم منظوری کے لئے پیش کریں' بشرطیکہ وہ لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائیں' ہتھیاروں کے بل پر نہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ اس کی دھمکی بار بار دیتے ہیں۔ اس معاملے میں کسی صوبہ یا اس کے کسی حصہ پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ اگر مسٹر جناح اسے قبول نہ کریں تو ویسی ہی پیش کش مناسب تبدیلیوں کے ساتھ کانگرس کو کی جائے۔

گاندھی نے جب پہلی بار یہ انوکھا فارمولا تجویز کیا تو ماؤنٹ بیٹن کے بقول "میں شش و پنج میں پڑ گیا'

میں نے دریافت کیا' اس تجویز پر جناح کا ردعمل کیا ہو گا؟ مہاتما نے جواب دیا۔ اگر آپ نے انہیں بتا دیا کہ اس تجویز کا محترک میں ہوں' تو ان کا جواب ہو گا۔ "مکار گاندھی"۔ اس پر میں نے کہا اور میں اب بھی اس پر یقین رکھتا ہوں کہ مسٹر جناح ایسا کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس پر مہاتما جی بڑی تندی سے بولے۔ "نہیں' میں اپنی تجویز میں پوری طرح مخلص ہوں۔" گاندھی کی پیش کش جناح تک کبھی نہیں پہنچائی گئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس معاملہ پر پہلے نہرو سے بات چیت کی' ان کا ردعمل قطعی منفی تھا۔ نہرو کو یہ جان کر دھچکا لگا کہ مہاتما جی ان کی جگہ قائد اعظم کو وزیر اعظم بنانے پر پوری طرح آمادہ ہیں۔ گاندھی کے اس حل کو قطعی غیر حقیقت پسند قرار دینے کے بعد جواہر لال نے خواہش ظاہر کی کہ گاندھی جی چند روز دہلی میں قیام کریں' تو شاید مرکز کے معاملات کو سمجھ سکیں' کیونکہ وہ چار مہینے تک یہاں کے حالات سے بے خبر رہے ہیں۔ نہرو اور پٹیل کو امید تھی کہ اس طرح وہ مہاتما جی کو اپنے ان فیصلوں سے اچھی طرح ہم آہنگ کر سکیں گے جو انہوں نے مسٹر جناح اور لیگ سے نمٹنے کے سلسلے میں سوچ رکھے ہیں۔ عام خیال یہ تھا کہ اگر مسٹر جناح کو پوری مرکزی حکومت رکابی میں رکھ کر پیش کی جاتی اور ساری کابینہ کو ان کے ذاتی کنٹرول میں دینے کی پیش کش کی جاتی' تب بھی وہ محض انگلی کے ایک منفی اشارے سے اسے ٹھکرا دیتے۔ پھر بھی یہ ایک دلکش ترغیب تھی جو ان کے سامنے رکھی گئی۔ یہ ہندوستان کے سب سے پرانے' سب سے مشکل اور سب سے بڑے سیاسی مسئلہ کا عمدہ حل تھا۔ صرف مہاتما گاندھی ہی ایسی ان ہونی دستبرداری کی بات کر سکتے تھے' جس سے سیاسی پوزیشن فوری طور پر بالکل الٹ ہو جاتی۔

گاندھی جناح کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ جاننا بھی مقصود تھا کہ اس طرح کی فراخدلانہ پیش کش ان کی انا کو کیسے اپیل کرتی ہے۔ شاید اسے منظور کر لیا جاتا' یقیناً وہ شاہ سلیمان کا حل تھا۔ لیکن نہرو ایک طویل عرصہ سے اقتدار کے نشہ سے لذت یاب ہو رہے تھے اس لئے وہ کسی دوسرے شخص "درمیانی درجہ کے وکیل" اور "مالا بار ہل کے رجعت پسند مسلمان رئیس" کو جیسا کہ بہت سے کانگریسی مسٹر جناح کے متعلق کہتے تھے' اس کی پیش کش کیسے کر سکتے تھے۔ نہرو نے ماؤنٹ بیٹن پر واضح کیا کہ یہ اسکیم سراسر ناقابل عمل ہے بلکہ ایک سال پہلے' جب گاندھی نے کیبنٹ مشن کے سامنے یہ تصور پیش کیا تھا تو کسی قدر حقیقت پر مبنی تھا' اب وہ بھی نہیں رہا۔

جناح سے پہلی ملاقات

ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے ساتھ پہلی ملاقات ۵/اپریل کو کی اور انہیں "انتہائی سرد مہر' خود پسند' اور حقارت آمیز پایا۔ مذاکرات شروع ہونے سے پہلے ہلکا پھلکا لمحہ صرف اس وقت آیا جب فوٹو گرافروں نے باغ میں لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ جناح کی تصویر بنائی۔ ماؤنٹ بیٹن نے یاد کیا۔ "بظاہر انہوں نے پریس کے لئے اپنا طنزیہ جملہ تیار کر رکھا تھا۔ انہیں توقع تھی کہ ایڈوانا ہمارے درمیان میں کھڑی ہو گی' لیکن جب ہم نے انہیں بیچ میں کھڑا کرنے پر اصرار کیا تو ان کا ذہن اپنی جگہ بدلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ

انہوں نے وہ جملہ ادا کیا' جس کی مشق کر رکھی تھی۔ "دو کانٹوں کے درمیان گلاب" کیا جناح کا دماغ شاید اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا' جیسا کہ ماؤنٹ بیٹن کو شک تھا؟ وائسرائے نے جناح اور فاطمہ کو اگلی شام کھانے کی دعوت دی' بظاہر بہن اور بھائی اس پر تکلف دعوت سے محظوظ ہوئے اور آدھی رات کے بعد بھی بڑی دیر تک وہاں ٹھہرے رہے' اس وقت تک سرد مہری کی برف واقعی پگھل چکی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ملاقات کے بارے میں لکھا ہے "جناح نے دعویٰ کے ساتھ یہ بات کہی کہ اس مسئلہ کا صرف ایک حل ہے کہ ہندوستان کا سرجیکل آپریشن کیا جائے ورنہ یہ ملک بالکل فنا ہو جائے گا۔ میں نے زور دے کر کہا' "میں نے ابھی کوئی رائے قائم نہیں کی اور واضح کیا کہ "سرجیکل آپریشن" سے پہلے جسم کو سن کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے مجھے گاندھی کے ساتھ اپنے سابقہ مذاکرات کی تفصیل سے آگاہ کیا (جسے سن کر میں بہت پریشان ہوا) انہوں نے اس بات پر زور دیا اور مذاکرات کی تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی طرف سے معاملہ کرنے والا صرف ایک آدمی تھا یعنی وہ خود' جبکہ کانگرسی نمائندوں کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔ ان کی طرف سے معاملہ کرنے والے کئی آدمی موجود ہیں۔ مسٹر گاندھی نے اعلانیہ اعتراف کیا تھا کہ وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے' حالانکہ وہ بہت زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ نہرو اور پٹیل کانگرس کے اندر مختلف نقطہ ہائے نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی پارٹی کی طرف سے مجموعی اور دو ٹوک جواب نہیں دیتا۔ انہوں نے کانگرسی لیڈروں کی جذباتیت کا ذکر بھی کیا اور ان پر الزام لگایا کہ وہ قدم قدم پر اپنا موقف بدلتے رہتے تھے۔ وہ کسی بھی کمتر سطح پر اتر سکتے ہیں۔ ملاقات کے دوران انہوں نے مجھے مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کی بہت سی دردناک کہانیاں سنائیں' آخر میں میں نے بتایا کہ جس چیز پر مجھے سب سے زیادہ حیرت ہوئی' وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام لیڈروں نے ایسے ہی پختہ یقین سے باتیں کی ہیں۔"

اس بے تکلف ڈنر پارٹی نے جس میں فراخدلی سے تبادلہ خیال نے بظاہر جناح کی زبان کھلوا دی اور ماؤنٹ بیٹن کو پریشان کر دیا تھا' جناح پر اس کے اعتماد کو اتنا کم کر دیا کہ اس نے گاندھی کی پیش کش جناح تک نہ پہنچانے کا حتمی فیصلہ کر لیا' اس طرح ہندوستان کے اتحاد کو بچانے کی آخری امید بھی ختم ہو گئی۔ گاندھی کی ان صلاحیتوں کے متعلق جو وہ کانگرس سے کام لینے کے سلسلے میں بروئے کار لا سکتے تھے' جناح کے منفی تجزیہ نے بھی اس افسوسناک فیصلہ میں اپنا کردار ادا کیا' تاہم بنیادی طور پر وہ جناح کی بابت ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی اندازہ پر مبنی تھا۔ ان کی ذہنی و جسمانی حالت کے متعلق ماؤنٹ بیٹن نے پہلی ملاقات میں یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ خطرناک طور پر اور ناقابل اعتبار حد تک "کمزور" ہے۔ سبب محض یہ نہیں تھا کہ وہ جناح کو اتنا پسند نہیں کرتا تھا' جتنا کہ نہرو کو چاہتا تھا۔ یہ معاملہ بہت دور تک چلا گیا۔ حقیقتاً وہ جناح کی رائے پر بھروسہ نہیں کرتا تھا اور ایسا لگتا ہے کہ ان "طویل کہانیوں" کو اس نے بڑھاپے کے اثرات پر محمول کیا۔

وہ ۷ر اپریل کو دوبارہ ملے۔ بعد میں لارڈ اسمے بھی بات چیت میں شریک ہو گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہر ممکن کوشش کی کہ جناح کیبنٹ مشن پلان قبول کرنے اور دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے پر آمادہ ہو

جائیں، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اگلی شام انہوں نے دو گھنٹہ تک ایک اور ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو اپنے اس عزم سے مطلع کیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے یہ سفارش کرنے والا ہے کہ جملہ بڑی پارٹیوں کا نقطہ نظر سننے کے بعد، اقتدار کی منتقلی کے بہترین طریق کار پر عمل شروع کر دیا جائے، کابینہ مشن کے برعکس وہ اس بات کا انتظار نہیں کرے گا کہ فریقین کسی "سمجھوتہ" پر پہنچ جائیں کیونکہ انتقال اقتدار کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔"

تب میں نے ان سے پوچھا، "اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا حل تجویز کرتے" اس پر انہوں نے ایک بار پھر پاکستان کا مطالبہ دہرایا۔ میں نے انہیں دعوت دی کہ تقسیم ہند کے متعلق اپنے دلائل پیش کریں، انہوں نے وہی پرانے دلائل دہرائے۔ جب میں نے ان پر واضح کیا کہ ان کے دلائل کا اطلاق پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر بھی ہوتا ہے، اور یہ کہ اگر پورے ہندوستان کی بابت ان کی منطق قبول کرتا ہوں، تو اس کا اطلاق مذکورہ بالا دونوں صوبوں پر بھی ہو گا۔ جب میں نے انہیں "کرم خوردہ" پاکستان دینے کی کوشش کی تو وہ بہت مضطرب ہوئے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا شوشہ کانگرس نے گیدڑ بھبکی کے طور پر چھوڑا ہے تاکہ مجھے خوفزدہ کر کے پاکستان کے مطالبہ سے باز رکھ سکیں۔ لیکن میں اتنی آسانی سے اپنے مطالبے سے نہیں ہٹوں گا۔ کانگرس کی گیدڑ بھبکی سے مرعوب ہو گئے تو مجھے افسوس ہو گا۔"

۹ اپریل کو جناح اور ماؤنٹ بیٹن میں پھر ایک گھنٹہ تک مذاکرات ہوئے۔ جناح نے اس بات پر اصرار کیا کہ پاکستان ہر قیمت پر اپنی جداگانہ فوج رکھے گا۔ اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن کی یادداشتوں میں یہ نوٹ ملتا ہے،

"میں نے انہیں سمجھایا کہ میرے نزدیک یہ بات ایک المیہ سے کم نہیں کہ آپ مجھے متحدہ ہندوستان کا تصور ترک کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ ہندوستان متحد رہ کر کتنی عظمت اور قوت حاصل کر سکتا ہے۔ آخر میں میں نے کہا، میں نے دیکھا ہے کہ عبوری حکومت کی کارکردگی اور جذبہ تعاون روز بروز بہتر ہو رہا ہے، اور میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ مرکزی حکومت کو خود مسٹر جناح کی وزارت عظمیٰ کے کنٹرول میں دے دوں۔ قریباً ۳۵ منٹ بعد، مسٹر جناح، جنہوں نے اپنے متعلق میرے ذاتی ریمارکس کا پہلے کوئی ذکر نہیں کیا تھا، اچانک بڑی سنجیدگی سے یہ تاثر دینے لگے گویا میں انہیں وزیر اعظم بنانے میں سنجیدہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس بات نے ان کی خود پسندی کو خوب گدگدایا اور یہ کہ وہ اپنے ذہن میں اس مفروضہ پر غور و خوض کرتے نظر آئے۔"

مسٹر گاندھی کی معروف اسکیم مسٹر جناح کی خود پسندی پر اب بھی اثر انداز ہو سکتی تھی۔ اس امر کے باوجود کہ اس نے مجھے ایک ایسے شخص کا تاثر دیا جس نے اپنی عظیم اسکیم کے کسی پہلو پر بھی غور نہ کیا ہو، اور اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچے گا، جب اسے عملی دنیا میں زمین پر اترنا پڑے گا اور وہ مبہم تصوراتی تجاویز کو ٹھوس بنیاد پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔"

پھر ۱۰ اپریل کو مسٹر جناح کے ساتھ تنہائی میں تین گھنٹے تک مذاکرات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف کے سامنے بونگی ماری کہ "مسٹر جناح ذہنی مریض ہیں۔" "وائسرائے نے جناح کو متاثر کرنے کے لئے ہر ممکن دلیل پیش کی تاہم ایسا لگتا تھا کہ ساری اپیلیں بیکار ثابت ہوئیں۔ مسٹر جناح پاکستان کے حق میں

کوئی ایک بھی معقول اور قابل عمل دلیل پیش نہیں کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے کوئی جوابی دلائل پیش نہیں کئے اور ایسا تاثر دیا گویا وائسرائے کی بات پوری طورح سنی ہی نہیں۔ ان کے ساتھ بحث کر کے انہیں قائل کرنا ناممکن تھا۔ وہ پاکستان کے مطالبہ پر مضبوطی سے ڈٹے رہے' جو بلاشبہ مسلمانوں کے ناقابل تلافی نقصان کے نتیجے میں ہی بن سکتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن جب تک جناح سے نہیں ملے تھے' اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے کہ احساس ذمہ داری سے عاری کوئی شخص اتنی طاقت حاصل کر سکتا ہے' جتنی کہ انہیں حاصل تھی۔"

لارڈ اسمے نے اپنی اس ذاتی رائے کا اظہار بھی کیا کہ "جناح کے دماغی ڈھانچہ کا نمایاں وصف ہندوؤں سے نفرت اور توہین آمیز رویہ ہے۔ وہ واضح طور پر اس رائے کے حامل ہیں کہ تمام ہندو غیر انسانی مخلوق ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا رہنا ممکن نہیں۔" اس تمام عرصہ میں پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ پھیلتی رہی۔ وسط اپریل تک ایک مہینے کے دوران سرکاری اندازہ کے مطابق ہلاک ہونے والے ۳۵۰۰ افراد میں مسلمانوں کا تناسب ایک اور چھ کا تھا یعنی ایک مسلمان کے بدلہ میں قریباً چھ ہندو اور سکھ مارے گئے۔ جینکنز نے رپورٹ دی "مجھے درپیش مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ پنجاب کے لیگی لیڈر اس صورت حال پر بڑے مطمئن اور خوش ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ "بچے آخر بچے ہوتے ہیں" اور یہ کہ پنجاب کا ہر انگریز آئی - سی - ایس اور آئی - پی اہلکار بشمول میرے' اس ملازمت کو چھوڑنے پر تیار ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا معاملہ ایسے لوگوں سے ہے جو اپنی تباہی آپ کرنے پر تل گئے ہیں۔" شمال مغربی سرحدی صوبہ بھی فسادات کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خاں کا قریباً آدھا علاقہ تباہ ہو چکا تھا۔ بمبئی اور بنارس میں ۲۴ گھنٹے کا کرفیو نافذ تھا۔ کلکتہ بھی شعلوں میں جھلس رہا تھا اور یہ آگ تقسیم کی افواہوں کے ساتھ ساتھ شدت سے پھیلتی جا رہی تھی۔

وزیر اعلیٰ سہروردی کو توقع تھی کہ وہ بنگال کو پچاس سال سے بھی کم عرصہ میں دوسری بار تقسیم ہونے کی کشمکش سے بچا سکیں گے اور کانگرسی نیز فارورڈ بلاک کو مخلوط حکومت میں شامل کر کے متحدہ بنگال کے لئے آزادانہ حیثیت کے نعرہ کو مقبول عام بنا سکیں گے۔ سہروردی کا خیال تھا کہ آزاد بنگال کو' جہاں دنیا میں سب سے زیادہ پٹ سن پیدا ہوتا تھا اور جس میں کلکتہ جیسی عظیم ترقی یافتہ بندرگاہ موجود تھی' برطانیہ اور امریکہ کے تجارتی و کاروباری حلقوں کے سرمایہ سے معاشی طور پر مضبوط بنایا جا سکے گا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ بنگالیوں کی مادری زبان بھی مشترک ہے اور اقتصادی مفادات بھی۔ بنگال پنجاب سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا۔ بنگال ایک آزاد ریاست ہو گی اور بعد میں آزادانہ طور پر طے کرے گی کہ آیا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے یا نہیں؟ جناح نے ایک آزاد و متحدہ بنگال کے تصور کا خوشدلی سے خیر مقدم کیا' جبکہ پٹیل اور نہرو نے اسے کانگرس اور ہندوستانی مفادات کے لئے نقصان دہ قرار دیا' انہیں خدشہ تھا کہ متحدہ "بنگلہ دیش" ایک مسلمان وزیر اعظم کی زیر قیادت ہندوستان کی نسبت پاکستان کے زیادہ قریب ہو گا۔

لیاقت علی کی اثر پذیری

ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے مقابلہ میں لیاقت علی سے معاملہ کرنا بہت آسان پایا کیونکہ تہذیب و شرافت

اور معقولیت میں وہ بالکل نہرو کی طرح تھے۔ وائسرائے نے ان کے ساتھ ۱۱ اپریل کی شام کو دو گھنٹے کی ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے لکھا ہے:

"میرا دماغ مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی جس کوشش میں مصروف تھا' میں نے لیاقت علی کو اس کی بابت اعتماد میں لیا۔ میں نے پاکستان سے قطع نظر کرکے پنجاب' بنگال اور آسام کی مکمل تقسیم سے بات چیت کا آغاز کیا۔ میں نے انہیں بتایا بلاشبہ ہندوستانی لیڈر اور عوام ایسی ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہیں کہ میں ان کی خودکشی کے لئے جو بھی انتظام کروں گا بخوشی اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگے۔ "مجھے ڈر ہے کہ ہر شخص ایسے منصوبہ سے متفق ہو جائے گا۔ ہم سب ایسی صورت حال سے دوچار ہیں" میں نے انہیں بتایا کہ ہندوستان کی بدترین خدمت جو میں کر سکتا ہوں اگر میں اس ملک کا دشمن یا مکمل طور پر مخالف ہوتا' یہ ہو گی کہ اس غیر معمولی صورتحال سے فائدہ اٹھاؤں اور جون ۴۸ء سے قبل ملک کی مکمل تقسیم ان پر ٹھونس کر ملک کو غیر یقینی بحران کے سپرد کر کے چلتا بنوں۔"

لیاقت علی کے ساتھ اس گفتگو نے ہندوستان کے المناک مقدر پر مہر لگا دی۔ ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت علی کے اس المناک اعتراف کے بعد کہ جناح بھی تیسری تقسیم کا منصوبہ قبول کرلیں گے جو کچھ کہا وہ اس میں پوری طرح مخلص تھا' کیونکہ اس نے بڑی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے ایک ایسے برصغیر کو جو پہلے ہی مذہبی اختلافات کے باعث چھوٹے چھوٹے قومی اجزاء میں بٹا ہوا تھا' تین حصوں میں تقسیم کرنے کی ہولناکیوں سے قبل از وقت خبردار کر دیا تھا۔ وہ فوج کو تقسیم کرنے' انگریزی افواج اور غیر جانبدار لیڈروں کو منظر سے ہٹا لینے اور ناخواندہ' متعصب' خوفزدہ و ضعیف الاعتقاد عوام کو صورتحال سے نمٹنے' ایک دوسرے پر جھپٹنے' اپنی پریشانیوں کو ہوا دینے' قریبی گاؤں اور شہری وارڈ کو نشانہ بنانے کے لئے کھلا چھوڑنے کی خرابیوں اور خطرات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ حقیقت میں اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر میں ہندوستان کا دشمن یا اس کی تقدیر کا مکمل مخالف ہوتا تو اس کی بدترین خدمت ٹھیک وہی تھی جو اس نے مذکورہ بالا خوفناک الفاظ ادا کرنے کے بعد انجام دی' وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بالکل برعکس وہ ہندوستان کو بچانے' اس کے زخموں پر مرہم رکھنے اور تقسیم کے خنجر کی بجائے امن کا گلدستہ پیش کرنے گیا تھا۔ اسے اور اس کی بیگم کو ہندوستانی اور ہندوستانیوں سے محبت تھی۔ جن کی خاطر وہ اپنی جانیں خطرہ میں ڈالنے کو تیار تھے اور انہوں نے واقعی ایسا کر کے دکھایا' وہ مشتعل' سیماب صفت اور زیادہ تر افلاس زدہ لوگوں کی خدمت کے لئے مسلسل ایسا کرتے رہے۔ لیکن تقسیم کے سوا کوئی حل نہیں تھا۔

گاندھی کے "احمقانہ پلان" پر جو واحد استثناء تھی' عمل کا مطلب یہ ہوتا کہ اس ملک کو اور نہرو سمیت اس کے سارے باسیوں کو جن میں سے اکثر کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن پیار کرتا تھا' جناح کے حوالے کر دیا جاتا' جسے وہ "ذہنی مریض" سمجھتا تھا۔ صرف تقسیم ہی ایک قابل عمل حل تھا' تاہم پاکستان کا قیام اس کی بنیادی منطق کی بنا پر پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا متقاضی تھا۔ "بہترین خادم" نے جو برطانیہ کی طرف سے ہندوستان بھیجا گیا تھا خود کو ہندوستان کی بدترین خدمت بجا لانے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اس رات کو' لیاقت علی کے رخصت ہو جانے کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے قدرے سکھ کا سانس لیا اور اپنی ڈائری میں لکھا۔ "میرا تاثر یہ

ہے کہ مسٹر لیاقت علی خان پاکستان کی احمقانہ تجویز کی بجائے کوئی دوسرا معقول حل تلاش کرنے میں میری مدد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

ایک انگریز صحافی نے، جو ان دنوں مسٹر جناح سے ملا، وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کو "ان کی انتہائی خراب ذہنی" حالت کے بارے میں بتایا، چنانچہ جارج ایبل نے وائسرائے کو مشورہ دیا۔ "ممکن ہے مسٹر جناح بیمار ہوں تاہم اغلب گمان یہ ہے کہ انہیں واقعات کے نتائج نے حواس باختہ کر دیا ہے۔"

ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری ایان سکاٹ کا تاثر بھی یہی تھا کہ "جوں جوں مسٹر جناح کے رو برو آنے والے حالات کی امکانی تصویر پیش کی جا رہی ہے، وہ اسی قدر شدید پریشانی میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس عمل کو جاری رہنے دیا جائے، اس کے دوران ایک ایسا نفسیاتی مرحلہ آئے گا جب اس حالت سے فائدہ اٹھا سکیں گے" یہ سب خوش فہمیاں تھیں۔ ان مکارانہ چالوں میں سے کوئی ایک بھی کام نہ آئی۔

کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن سے ربط و ضبط جاری رکھا۔ وائسرائے نے محسوس کیا کہ وہ عالمی سیاست کی بابت بڑے پر فراست خیالات رکھتا ہے۔ جس نے ڈکی کو خبردار کیا کہ امریکہ ہندوستان کی تمام تجارتی منڈیوں پر قبضہ جمانا، برطانیہ کی جگہ لینا اور روس کے خلاف استعمال کے لئے اڈے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جواب میں ماؤنٹ بیٹن بھی کم ہوشیار نہ نکلا، اس نے نہرو کے قریب ترین مشیر کو خارجی امور پر لیکچر دیتے ہوئے، اس بات سے ڈرایا کہ اگر ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل نہ رہا، جبکہ پاکستان شامل رہنے کا خواہشمند ہے، تو دشمن جلد ہی اپنی مسلح افواج بنا لے گا جو ہندوستان کی فوجوں سے کہیں برتر ہوں گی اور میرے خیال میں کراچی جیسے مقامات پر دولت مشترکہ کے اندر بڑے بحری اور ہوائی اڈے بن جائیں گے۔

کرشنا مینن اس امکان کے تصور سے لرز اٹھا اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ نہرو اور پٹیل کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ وہ ہندوستان کے لئے درجہ نو آبادیات کا مطالبہ کریں، جیسا کہ انہوں نے بعد میں کیا۔ حالانکہ کانگرس اس عہد پر سختی سے کار بند تھی کہ ہندوستان مکمل طور پر ایک آزاد و خود مختار ریاست ہو گا لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے فاطمہ جناح سے دوستی پیدا کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ وہ انہیں چائے پر مدعو کرتی اور ایسے مواقع پر سیاسیات سے ہٹ کر گفتگو چھیڑ دیتی، لیکن فاطمہ ہمیشہ اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف پلٹ آتیں اور کانگرس نیز بحیثیت مجموعی ہندو قوم پر جارحانہ حملہ کرنے لگتیں۔ ایڈوانا کی روایت ہے کہ "وہ اکثر متعصب لگتی تھیں، یہ بات بار بار کہتیں کہ اگر مسلمانوں کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ اپنے حقوق اور علیحدگی کے لئے لڑائی سے دریغ نہیں کریں گے۔ مسٹر جناح کی طرح بے شک وہ بھی ایذا رسانی کے خبط میں مبتلا تھیں اور اس بات پر یقین کلی رکھتی تھیں کہ ہندو مسلمانوں کو پوری طرح غلام بنانے اور انہیں مغلوب رکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ لیڈی نے فاطمہ سے یہ وضاحت کرانے کی کوشش کی کہ دراصل پاکستان چلے گا کیسے، لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے دو ٹوک جواب دینے سے انکار کر دیا کہ اس وقت جو مسائل درپیش ہیں، مسلمانوں کے مطالبات منظور ہونے کے بعد ان کا حل بالکل آسان ہو جائے گا۔

اپریل کے آخر تک مسلم لیگ نے پنجاب میں مکمل اکثریت حاصل کر لی اور نواب ممدوٹ نے گورنر سے مطالبہ کیا کہ زیر دفعہ ۹۳ گورنر راج کی بجائے انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی جائے۔ آخر میں خود

جناح نے وائسرائے سے ملاقات کر کے لیگ کے مطالبہ پر زور دیا' لیکن گورنر کی طرح وائسرائے نے بھی پنجاب میں ایک جماعتی وزارت قائم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اس سے خانہ جنگی کو تقویت ملے گی کیونکہ سکھ پہلے ہی طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ اسی ملاقات کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو سہروردی کے نئے آئیڈیا سے مطلع کیا کہ وہ متحدہ بنگال قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اسے پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس تجویز پر جناح کا ردعمل جاننا چاہا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا۔ "مجھے ایسی اسکیم سے خوشی ہوگی کیونکہ کلکتہ کے بغیر بنگال کسی کام کا نہیں' بہتر ہوگا کہ اسے متحدہ اور آزاد رہنے دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔" اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ سہروردی کا خیال ہے کہ "اگر بنگال کو آزاد اور متحدہ رہنے کی اجازت مل گئی تو وہ دولت مشترکہ میں شامل رہنے کا خواہاں ہوگا۔" اس پر جناح نے جواب دیا۔ "یہ ایک اچھا خیال ہے۔ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ پاکستان بنا تو وہ بھی دولت مشترکہ میں رہنے کا آرزومند ہوگا۔"

خواہ ماؤنٹ بیٹن اور اس کا سٹاف جناح کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ ہی سوچتے ہوں' حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قانونی صلاحیتوں میں بے مثال چستی برقرار رکھی اور دولت مشترکہ کی رکنیت سے متعلق پیچیدہ اور مشکل سوال پر اپنی واضح قانونی رائے کو درست ثابت کر دکھایا۔

اواخر اپریل کی اس ملاقات کے بارے میں اپنی یادداشتیں جاری رکھتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے لکھا ہے "مسٹر جناح نے مجھے بتایا کہ انہوں نے سر سٹیفورڈ کرپس سے دریافت کیا تھا کہ "انتقال اقتدار کے وقت کس قسم کی قانون سازی درکار ہوگی۔ کیا وہ اس شکل میں ہوگی کہ ہندوستان یا ہندوستان کے حصوں کو وہی مراعات عطا کی جائیں جو دولت مشترکہ کے دیگر رکن ممالک کو حاصل ہیں' یعنی اگر وہ چاہیں تو دولت مشترکہ سے علیحدہ ہو سکیں' ایسا حق نہ دیئے جانے کی صورت میں وہ بدستور ایمپائر کا حصہ شمار ہوں گے۔" کرپس نے جواب دیا تھا "میں اس وقت ایسے سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" جناح کے بقول ایک اچھے وکیل کی طرح اس نے جواب سے گریز کیا' تاہم یہ بات واضح ہے کہ آپ ہمیں کامن ویلتھ سے دھکا دے کر نہیں نکال سکتے۔ ایسی کوئی مثال موجود نہیں کہ ایمپائر کے کسی حصہ کو اس کی مرضی کے خلاف دولت مشترکہ سے نکالا گیا ہو۔ جناح نے کرپس کو اس کی قانونی بصیرت پر اس سے بڑھ کر خراج تحسین شاید ہی ادا کیا ہوگا۔ جب انہوں نے اسے ایک "کامیاب وکیل" قرار دیا۔

بنگال کے متحدہ رہنے سے متعلق جناح کی توقعات میں لیاقت علی خان بھی برابر کے شریک تھے۔ انہوں نے سر ایرک مائیول کو مطلع کیا کہ وہ بنگال کی بارے میں قطعاً" پریشان نہیں ہیں' کیونکہ انہیں مکمل یقین ہے کہ اس صوبہ کو تقسیم کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ان کا خیال تھا کہ بنگال ایک آزاد ریاست ہوگی' جو ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق نہیں کرے گی۔ انہوں نے مزید توقع ظاہر کی کہ "سکھستان" کے پاکستان میں شامل ہونے کا قوی امکان ہے اور یہ کہ مسلم لیگ انہیں بڑی فراخدلانہ شرائط پیش کرنے کو تیار ہے۔" جناح نے مہاراجہ آف پٹیالہ اور بلدیو سنگھ سمیت سکھ لیڈروں سے متعدد خفیہ

ملاقاتیں کیں اور انہیں پاکستان کے ساتھ ملنے کی ترغیب دی۔ بہرحال پٹیل اور نہرو بلدیو سنگھ کو ہندوستان کا وفادار رکھتے ہوئے اس سے زیادہ کی پیش کش کرنے کی پوزیشن میں تھے اور بلدیو کو مرکزی کابینہ میں وزیر دفاع کے عہدہ پر بدستور بحال رکھ سکتے تھے۔ اس لئے جناح نے اپنی انتہائی کوشش کی' اگرچہ انہیں یقین تھا کہ ان کی مساعی بار آور نہیں ہوں گی کہ کسی طرح پنجاب اور بنگال کو تقسیم ہونے سے بچایا جائے۔ دوسری طرف وہ پاکستان کے شمال مغربی صوبوں کو انڈیا یونین سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے مشرقی بنگلہ دیش کو خود اپنی مرضی سے چھوڑنے کا ارادہ کرلیا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن نے یکم مئی کو لندن کے لئے ایک رپورٹ میں لکھا۔ "میں ہندوستان کے مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کرتا ہوں' اسی قدر زیادہ یہ احساس ابھرتا ہے کہ تقسیم کا معاملہ سراسر حماقت ہے اور اس سے ملک کی اقتصادی صلاحیت کو بے انتہا نقصان پہنچے گا۔ اگر اس فرقہ وارانہ ہیجانی پاگل پن کا زور نہ ہوتا تو شاید ایک فرد بھی مجھے ایسا کرنے کی ترغیب نہ دیتا۔ ایک چھوٹی سی خوفناک مثال ملاحظہ ہو' میری بیوی نے مس جناح کو دوبارہ چائے کی دعوت دی اور انہیں بتایا کہ آج صبح وہ لیڈی ارون کالج گئی تھی اور وہاں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی کہ وہ ادارہ بڑے مسرور کن انداز میں چل رہا ہے جہاں ہندو' مسلمان لڑکیوں کے مابین قابل رشک مراسم پائے جاتے ہیں۔" اس پر مس جناح نے جواب دیا۔ "اس کالج میں مسلم طالبات کے ظاہری اطمینان کو دیکھ کر گمراہ نہ ہوں' دراصل ہم نے ابھی اس کالج میں اپنا پروپیگنڈہ شروع ہی نہیں کیا۔" ہندو بھی تقریباً اتنے ہی برے ہیں' ہم زیادہ سے زیادہ جو کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسے احمقانہ فیصلوں میں سے کسی ایک کی ذمہ داری دنیا کے سامنے انصاف کے ساتھ ہندوستانی کندھوں پر ڈال دیں' کیونکہ ایک نہ ایک دن وہ یقیناً اس فیصلہ پر پچھتائیں گے جس پر آج کل بضد ہیں۔"

نہرو تقسیم کے قائل ہوگئے

ماؤنٹ بیٹن اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک ہفتہ کے لئے شملہ چلا گیا۔ نہرو اور ان کی صاحبزادی اندرا بھی مہمان خانہ کے طور پر ان کے ہمراہ تھے۔ اس قیام کے دوران نہرو کے ساتھ پائیدار اور حقیقی دوستی قائم کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے کو تار دیا۔ "میں نے ان سے پوچھا' آیا وہ تقسیم پر رائے شماری کے بارے میں لندن کا ڈرافٹ پلان دیکھنا پسند کریں گے؟ میں دوستی اور مروت کے جذبہ کے تحت آپ کو اس شرط پر دکھا رہا ہوں کہ آپ اس کے پیشگی علم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے اور اپنے ساتھیوں کو یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ پلان آپ دیکھ چکے ہیں۔ نہرو نے فوراً ذمہ داری قبول کرلی اور نقشہ لے کر بستر میں چلے گئے۔" اگلی صبح نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ "میں نے جو پلان دیکھا ہے اس نے مجھے خوفزدہ کردیا ہے۔ ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اسے درپردہ ملیامیٹ کیا جا رہا ہے۔ کیبنٹ مشن اسکیم اور مابعد پیشرفت کو نظرانداز کردیا گیا ہے اور ایک بالکل نئی تصویر پیش کی گئی ہے۔ ایک ایسی تصویر کہ جو شکست و ریخت' لڑائی جھگڑے اور بدنظمی سے بھری ہوئی ہے' جس سے ہندوستان اور برطانیہ کے

مابین تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہے' اگر میرا ردعمل اتنا شدید ہے تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں' کہ میرے رفقائے کار اور دوسروں کی سوچ کیا ہو گی اور وہ کیا محسوس کریں گے۔ اس تجویز پر عمل ہماری بدقسمتی ہو گی۔ "ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے اس "توپ کے گولے" سے اسے کو مطلع کرتے ہوئے تجویز کیا کہ اس ردعمل کی روشنی میں "پلان کو از سرنو" ڈرافٹ کرنا پڑے گا۔ اس موقع پر ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ وہ فوراً لندن پہنچے۔

وسط مئی میں روانگی سے قبل وائسرائے نے نظرثانی شدہ منصوبہ لیاقت علی کو دکھایا' اور ان سے پوچھا' آیا مسلم لیگ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مان لے گی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے' البتہ آپ ہم سے ناگزیر بات بھی منوا سکتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا۔ یہ لازمی ہے' اگر یہ ناگزیر بن گیا تو تمام پارٹیوں کو پبلک میں یہ عہد کرنا ہو گا کہ وہ کشت و خون سے اجتناب کریں گی۔ پھر میں نے تجویز کیا کہ یہ معاملہ مسٹر جناح کے سامنے رکھا جائے۔"

ماؤنٹ بیٹن پلان کی بابت جناح کا ردعمل' نہرو کے ری ایکشن سے زیادہ منفی تھا۔ جناح نے اپنے مراسلہ میں لکھا "مسلم لیگ پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ تاریخی' اقتصادی' جغرافیائی' سیاسی یا اخلاقی طور پر اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ صوبے اپنی زندگی کی تقریباً ایک صدی مکمل کر چکے ہیں اور تقسیم کے لئے واحد دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جن علاقوں میں ہندو اور سکھ اکثریت میں ہیں' انہیں بقایا صوبوں سے الگ کر دیا جائے۔ اس کے نتائج ان دونوں صوبوں کے وجود اور ان میں آباد تمام قوموں کے لئے بڑے تباہ کن ہوں گے' اگر آپ اس فیصلہ پر بضد ہیں' جو میری رائے میں منحوس فیصلہ ہے' تو کلکتہ کو مشرقی بنگال سے الگ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر اس سے بھی بدترین کی نوبت آتی ہے تو کلکتہ کو آزاد بندرگاہ قرار دے دیا جائے۔"

مطالبہ پاکستان کی منظوری

۱۹ مئی ۱۹۴۷ء کی شام کو ماؤنٹ بیٹن نے ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ میں وزیر اعظم ایٹلی اور ان کی کابینہ کے رفقاء کو مطلع کیا کہ "یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اگر پاکستان کو کسی نہ کسی شکل میں منظور نہ کیا گیا تو مسلم لیگ ہتھیار اٹھا لے گی۔" اگلے دن رائٹر نے جناح کا انٹرویو لیا' جس میں انہوں نے مطالبہ کیا کہ مشرقی و مغربی پاکستان کو ملانے کے لئے ۸۰۰ میل لمبی پٹی (کوریڈور) دی جائے' انہوں نے پاکستان اور برطانیہ کے مابین واقعتاً کار آمد ریلیشن شپ قائم کرنے کا وعدہ کیا اور ہندوستان کو دوستانہ اور باہمی اتحاد کی پیش کش کی۔ "کوریڈور" کے مطالبہ پر کانگرس کا ردعمل اتنا شدید تھا کہ کسی نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اور اسے کلکتہ کو آزاد بندرگاہ قرار دینے کے تصور جتنی پذیرائی بھی نہیں ملی۔ اس کے بعد جناح نے کابینہ کو تار دیا کہ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کرنے سے پہلے ہر صوبے میں ریفرنڈم کرایا جائے تاکہ اس معاملہ میں لوگوں کی منشا کا پتہ چل سکے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ

ایسا کرنے سے تاخیر کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کابینہ نے اس کی بات مان لی اور شاہی سٹیم رولر تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگا۔

کرشنا مینن نے ۲۱ مئی کو لندن پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن کو مطلع کیا کہ نہرو اور پٹیل درجہ نو آبادیات قبول کرنے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ ہندوستان کو ۱۹۴۷ء میں ہی ایسی حیثیت دے دی جائے۔ نہرو کے قریبی راز دار نے اسی روز انڈیا ہاؤس سے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا "چونکہ میں اس بارے میں مضطرب ہوں کہ کوئی غلط فہمی نہ رہے' اس لئے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں' اگرچہ آج صبح ہی آپ سے مل چکا ہوں؟ اگر مسٹر جناح مکمل علیحدگی چاہتے ہیں اور وہ فوری طور پر اور ہم محض امن اور ملک کو مزید حصوں میں شکست و ریخت سے بچانے کی خاطر اس سے اتفاق کرتے ہیں' تو یہ محض اس لئے تھے کہ ہم اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک باقی ماندہ ملک کے معاملات کا تعلق ہے' مجھے یقین ہے اور آپ بھی اس سے اتفاق کریں گے کہ یہ جزئیات کا مسئلہ نہیں بلکہ بنیادی معاملہ ہے۔" کانگرس کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگلے چھ ماہ میں وہ مشرقی پنجاب اور سکھوں کی حمایت سے محروم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ کلکتہ اور مغربی بنگال بھی اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ ممکن ہے بہت سے والیان ریاست' خصوصاً نظام حیدر آباد اور نواب بھوپال بھی الگ ہو جائیں' کیونکہ جناح اپنے مطالبات کے حق میں جتنے زیادہ طویل دلائل دیتے رہیں گے' ان میں اسی قدر زیادہ تقویت پیدا ہوتی جائے گی اور وہ بڑھتے جائیں گے۔ نہرو بحث کرتے کرتے اکتا چکے تھے وہ بادل نخواستہ پاکستان کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے جیسا کہ وہ "نجی طور پر" کہنے لگے تھے' "سر کے کٹ جانے سے ہمیں سردردی سے نجات مل جائے گی۔"

اب تک کی راہ میں آخری رکاوٹ چرچل اور پارلیمنٹ میں کنزرویٹو اپوزیشن رہ گئی تھی جو آزادی ہند کے بل پر دارالعوام میں طویل بحث چھیڑ کر معاملہ کو باسانی طول دے سکتی تھی۔ اس سے ۱۹۴۷ء میں اقتدار کی منتقلی کا کام ناممکن ہو جاتا۔ ماؤنٹ بیٹن نے چرچل کے بستر کے گرد کئی چکر لگائے اور سابق وزیر اعظم کی بے چینی کو کم کرنے کے لئے اپنی "قاتلانہ دل کشی" سے کام لیا۔ وہ سگار پینے والے اس بوڑھے آدمی کی قوتی صلاحیتوں کو خوب سمجھتا تھا جو بستر علالت پر لیٹا ہوا محض مغالطہ کی حد تک کمزور لگ رہا تھا۔ تب میں نے اس سے پوچھا "اگر جناح انتہا پسندی پر اتر آئے تو آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کچھ دیر غور کیا اور پھر کہا "اپنا کام شروع کرنے کے لئے تمہیں ان کو ڈرانا دھمکانا اور مرعوب کرنا ہوگا۔ انہیں بتا دو کہ تمام انگریز افسروں کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ انہیں ایسی فوجی یونٹس ملیں گی جو انگریز افسروں کے بغیر ہوں گی۔ ان پر یہ بات پوری طرح واضح کر دو کہ برطانیہ کی مدد کے بغیر پاکستان کو چلانا آسان نہیں ہو گا۔" ماؤنٹ بیٹن نے اپنی ڈائری میں نوٹ کیا۔ "چنانچہ میں نے کچھ اسی طرح کی پالیسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔" تاہم چرچل نے جناح کے لئے اس سے بھی اہم یہ پیغام دیا۔ "اگر آپ اس پیش کش کو خوشی سے قبول نہیں کرتے تو یہ پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جائے گا۔" ماؤنٹ بیٹن خوب جانتا تھا کہ چرچل کے الفاظ جناح کے لئے کسی دوسرے شخص کے مقابلہ میں کتنی اہمیت رکھتے تھے۔ یوں تقسیم میں حائل آخری رکاوٹ بھی دور ہو گئی۔ چرچل کی رضا مندی حاصل ہو جانے کے بعد ماؤنٹ

بیٹن کے لئے اپنے پلان پر عمل در آمد کرنا آسان ہو گیا جس کے نتیجہ میں دولت مشترکہ کے اندر دو نئی کرم خوردہ' بدنصیب' افلاس زدہ اور باہم دست و گریبان مملکتوں کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی۔

۳ رجون کا اعلان

۲ رجون سوموار کی صبح کو ہندوستانی لیڈر نئی دہلی کے وائسرائے ہاؤس کی نارتھ کورٹ میں پہنچے۔ جناح کے ہمراہ لیاقت علی خاں اور نشتر تھے جبکہ نہرو کے ساتھ پٹیل' جے بی' کرپلانی (کانگرس کے صدر) اور بلدیو سنگھ آئے۔ یہ اجلاس جس میں ان قائدین کو لندن سے لائے گئے پلان کے بارے میں بریف کیا گیا' صرف دو گھنٹے جاری رہا۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے۔ "فضا کشیدہ تھی' میں نے محسوس کیا کہ ان لیڈروں کو بولنے کا جس قدر کم موقع دیا جائے' اختلاف کا امکان اسی قدر کم ہو گا۔ میں نے انہیں ہر میجسٹی گورنمنٹ اور حزب اختلاف کے مثبت رویہ سے آگاہ کرنے کے بعد کہا کہ اس پلان کے بارے میں اپنے اپنے جواب سے رات بارہ بجے تک مطلع کر دیں۔ جناح نے کہا وہ اپنی ورکنگ کمیٹی سے ملاقات کے بعد ذاتی طور پر رات گیارہ بجے جواب دینے آئیں گے۔ اجلاس ختم ہونے پر میں نے جناح کو روک لیا اور ان پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مسلم لیگ کی طرف سے "ناں" کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے چرچل کا پیغام بھی جناح کے گوش گزار کر دیا۔ وائسرائے کو گاندھی کا وہم دور کرنے پر کئی گھنٹے صرف کرنے پڑے۔ ماؤنٹ بیٹن رقم طراز ہیں۔ "ممکن ہے وہ خدا کا اوتار ہو' تاہم وہ ٹرالسکی کا شاگرد بھی لگتا ہے۔ "مہاتما جی دوسرے لوگوں کو چلے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد ماؤنٹ بیٹن کے پاس پہنچے تھے۔ وہ ان کی خاموشی کا دن تھا۔ اس لئے اپنے تاثرات چٹوں پر لکھ کر پیش کرتے رہے۔ اس صبح کو جناح نے اپنا کچھ وقت کھیل کود میں گزارا اور وہ اپنے پیچھے راکٹ' ٹینس ریکٹ اور گیندیں چھوڑ آئے تھے اور کتاب کے درمیانی صفحہ پر قوسین میں "گورنر جنرل" (قائد اعظم کا مستقبل کا لقب) لکھا پڑا تھا۔ بظاہر وہ ایسی مصروفیت سے خاصے محظوظ ہوئے ہو گے۔ "جناح اس رات کو گیارہ بجے کے قریب میرے پاس پہنچے۔ انہوں نے صوبوں کی تقسیم کے بارے میں اپنی ورکنگ کمیٹی کے اجتماع سے آگاہ کرنے پر آدھ گھنٹہ صرف کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے براہ راست سوال کیا" "آیا ان کی ورکنگ کمیٹی تقسیم کے منصوبہ کو منظور کرتی ہے یا نہیں؟ جناح نے جواب دیا۔ "وہ مثبت رائے رکھتے ہیں" پھر میں نے پوچھا۔ "کیا آپ خود اسے منظور کرنے کی نیت رکھتے ہیں"؟ انہوں نے کہا۔ "میں ذاتی طور پر آپ کی حمایت کرتا ہوں اور پوری کوشش کروں گا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اس کی منظوری دے دے۔" انہوں نے کونسل کا ہنگامی اجلاس اگلے سوموار (۹رجون) کو طلب کر رکھا تھا۔ آخر میں میں نے ان سے دریافت کیا۔ "آیا میں وزیر اعظم کو یہ مشورہ دینے میں حق بجانب ہوں گا کہ وہ اپنا کام جاری رکھیں اور اعلان کر دیں" اس پر انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے "ہاں" کہا۔

ماؤنٹ بیٹن نے باہم صلاح مشورہ کے لئے اگلی صبح اپنے سٹاف سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ جناح سے پلان کی تحریری منظوری حاصل نہیں کی جا سکی۔ اور یہ کہ کونسل کے اجلاس سے پہلے کوئی بھی "دباؤ" انہیں ایسا کرنے

پر مجبور نہیں کر سکتا۔

جناح کی مخصوص حکمت عملی

پھر ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو یاد دلایا کہ کانگرس ان کی اس مخصوص حکمت عملی کے بارے میں، جو وہ ہمیشہ استعمال کرتے رہے ہیں' زبردست شک و شبہ کا اظہار کر رہی ہے' جس کے ذریعے وہ انتظار کرتے رہتے ہیں تا آنکہ کانگرس کسی پلان کی بابت حتمی فیصلہ کر لیتی ہے اس طرح انہیں یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جو فیصلہ مسلم لیگ کے موافق ہو' اسے قبول کر لیں۔ ورنہ مسترد کر دیں کوئی چیز انہیں ان کے موقف سے نہیں ہٹا سکتی ۔ آخر میں ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

"اگر آپ کا یہی طرز عمل رہا تو کانگرس اور سکھ قیادت بھی حتمی منظوری دینے سے انکار کر دے گی' اس طرح صبح کو ہونے والے اجلاس میں تعطل پیدا ہو جائے گا اور آپ پاکستان سے شاید ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے"۔

"جو کچھ لازمی ہے' وہ لازمی ہے"۔ مسٹر جناح نے اپنے کندھے مسکاتے ہوئے جواب دیا۔ وکی نے خفگی سے کہا "مسٹر جناح اس سمجھوتہ کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ ہو چکا ہے' میں آپ کو اس پر پانی پھیرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چونکہ آپ مسلم لیگ کی طرف سے منظوری نہیں دے رہے' اس کی طرف سے میں خود بات کروں گا۔ میری صرف ایک شرط ہے' وہ یہ کہ صبح کے اجلاس میں جب میں یہ کہوں کہ "مسٹر جناح نے مجھے یقین دہانی کرا دی ہے جو میں نے قبول کر لی ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں' تو آپ کسی طور اس کی تردید نہیں کریں گے اور جب میں آپ کی طرف دیکھوں گا تو آپ اثبات میں سر ہلا دیں گے"۔ جناح کی طرف سے اس اعلان کا جواب محض سر کی جنبش سے دیا گیا۔

تقسیم کا باضابطہ اعلان ۳ر جون کی رات کو کیا گیا۔ نواب بھوپال' مہاراجہ پٹیالہ اور ایک درجن سے زائد ریاستوں کے وزرائے اعظم نے وائسرائے کے لوئل ہوس سے پلان کی نقول حاصل کر لی تھیں۔ شام سات بجے آل انڈیا ریڈیو سے پبلک اعلان نشر کیا گیا۔ اس موقع پر پہلے وائسرائے کا خطاب بعد ازاں نہرو' جناح اور بلدیو سنگھ کی تقاریر نشر ہوئیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا:

"ہز میجسٹی گورنمنٹ نے ۲۰ر فروری ۴۷ء کو جون ۴۸ء تک انتقال اقتدار کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اس وقت تک تمام پارٹیوں کا تعاون حاصل کر لیا جائے گا' لیکن وہ امید پوری نہ ہوئی۔ نیچے جس طریق کار کا خاکہ دیا گیا ہے وہ لوگوں کی خواہشات جاننے کا بہترین عملی طریقہ ہے تاکہ اس اتھارٹی یا اتھارٹیز کا تعین کیا جا سکے جسے اقتدار منتقل کیا جائے گا"۔

اس کے بعد تصریحات کے ساتھ پاکستان کے لئے صوبوں اور اضلاع کی تقسیم کا بیان تھا کہ مجالس دستور ساز استصواب رائے کے ذریعے سادہ اکثریت کی بنیاد پر کس طرح صوبائی نیز قومی تقسیم کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ کریں گی۔ تاخیر سے بچنے کے لئے طے پایا کہ مختلف صوبے یا صوبوں کے حصے جداگانہ طور پر کام کریں گے اور موجودہ مقننہ نیز نئی مجلس دستور ساز (اگر وہ بنی) فوراً دستور کی تدوین شروع کر دے گی۔ یہ ادارے اپنے قواعد وضع کرنے میں آزاد و با اختیار ہوں گے۔ حکومت برطانیہ جون ۴۸ء تک یا اس سے بھی پہلے ہندوستان کی آزاد حکومت یا حکومتیں قائم کرنے پر آمادہ ہے۔ چنانچہ تجویز کیا گیا ہے کہ رواں سال کے دوران ایک یا دو جانشین حکومتوں کو انتقال اقتدار کے لئے پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں ہی بل پیش کر دیا جائے۔

پاکستان زندہ باد

ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے بعد قوم سے خطاب کرتے ہوئے اسی شام جناح نے اعلان کیا "میں اس بات سے بہت مسرور ہوں کہ مجھے ریڈیو کے ذریعے آپ سے براہ راست مخاطب ہونے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی غیر سرکاری آدمی کو سیاسی امور پر لوگوں سے اس طاقتور میڈیا کے ذریعے خطاب کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔ یہ ایک اچھا شگون ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں مجھے اس سے بھی زیادہ سہولتیں حاصل ہوں گی تاکہ میرے خیالات اور آراء براہ راست اور تازہ بتازہ آپ تک پہنچ سکیں اور آپ کو دیر سے چھپنے والے اخبارات کا انتظار نہ کرنا پڑے"۔ وہ یقیناً بے پناہ خوش ہوئے ہوں گے۔ آخر کار سچ مچ وائسرائے کی حیثیت سے کر[illegible] سامعین کو خطاب کرنے پر وہ بے حد نازاں تھے۔

جناح کی تقریر نے جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں بڑی مدد دی چنانچہ لیگ کے ایک "ماہر سیاسیات" نے رائے ظاہر کی 'اس کا مطلب ہے ملک میں امن قائم ہو گیا۔ بہرحال ماؤنٹ بیٹن کے پریس سیکرٹری نے اپنا تاثر قلمبند[illegible] میں بڑی احتیاط سے کام لیا۔ اس نے لکھا نہرو کے آخری الفاظ تھے "جے ہند"۔ جناح نے اپنی تقریر "پاکستان زندہ باد" کے ساتھ ختم کی۔ انہوں نے یہ الفاظ اتنی نحیف آواز میں ادا کئے کہ ایک گھبرائے ہوئے سامع نے شروع میں سمجھا کہ شاید انہوں نے "پاکستان" کا اعلان تھیلے میں منہ ڈال کر کیا ہے۔

۵ جون کی صبح کو ماؤنٹ بیٹن نے سیاسی لیڈروں سے اپنے دفتر میں دوبارہ ملاقات کی تاکہ تقسیم کے انتظامی مسائل پر بحث کی جا سکے۔ جناح اس نکتہ کی وضاحت حاصل کرنے کے لئے بڑے بے چین تھے کہ دونوں ریاستیں ہر لحاظ سے مساوی المرتبہ اور آزاد ہوں گی۔ نہرو نے واضح کیا کہ پورے معاملہ کو مختلف انداز فکر سے لینا ہو گا۔ ہندوستان ہر طرح ویسا ہی رہے گا' تاہم اس حقیقت کو کہ اختلاف رائے رکھنے والے صوبوں کو الگ ہونے کی آزادی حاصل ہو گی' حکومت ہند کی کارکردگی یا اس کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ لوگوں کے احساسات بڑے کشیدہ تھے۔

خاکساروں کا قاتلانہ حملہ

دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری اجلاس ۹' ۱۰ جون کو امپیریل ہوٹل کے شاندار ہال میں منعقد ہوا جس میں ۴۲۵ مندوبین شریک ہوئے۔ ابتداء میں ایسا لگتا تھا کہ لیگ کونسل بھی ماؤنٹ بیٹن کے منصوبہ تقسیم کے بارے میں اطمینان کا اظہار کرے گی لیکن وہ فضا دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ ہر صوبہ سے آنے والی مشتعل مزاج حزب اختلاف' کٹر علماء اور با اثر جاگیرداروں نے جن کی اکثریت کو پنجاب کی تقسیم سے نقصان پہنچنے والا تھا' نیز صاحب ثروت تاجروں نے جو کلکتہ کو اپنے حریف ہندوؤں کے حوالے کرنے کے مخالف تھے' پلان کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔ انہوں نے اس منصوبہ کو "غداری" اور "پاکستان کے لئے ایک المیہ" سے تعبیر کیا۔ خاکساروں کا ایک جتھا' جن کے ہاتھوں میں چمکدار بیلچے تھے "جناح کو پکڑو' جناح کو پکڑو" کے نعرے لگاتے ہوئے چشم زدن میں ہوٹل میں داخل ہو گیا اور اس ہال تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جہاں قائد اعظم اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ لیگ گارڈز نے انہیں باہر دھکیلنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پولیس کو مداخلت کرنی پڑی اور اس نے آنسو گیس استعمال کر کے ہنگامہ پر قابو پایا۔ پچاس کے قریب خاکسار گرفتار کر لئے گئے۔ ہوٹل میں قیام پذیر مہمانوں نے ادھر ادھر بھاگ کر جان بچائی۔ بہرحال جناح نے گراؤنڈ فلور پر اجلاس کی کارروائی میں کوئی تعطل نہیں پڑنے دیا۔

مارننگ نیوز کی رپورٹ کے مطابق ہوٹل کی آخری منزل پر خاکساروں اور لیگ گارڈز میں تصادم ہو گیا جس کے دوران فرنیچر توڑ پھوڑ دیا گیا۔ شیشے چکنا چور کر دیئے گئے اور کئی لوگوں کو زخم آئے۔

شہنشاہ پاکستان

ہوٹل کے وسیع ہال روم میں جناح کے لئے "شہنشاہ پاکستان" کا لقب تجویز کیا جا رہا تھا اور ان کے مداحین پر جوش تالیاں بجا رہے تھے۔ لیکن قائداعظم نے "شہنشاہ" کے الفاظ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "میں پاکستان کا بادشاہ نہیں، سپاہی ہونگا"۔ اگرچہ وہ اجلاس بند کمرے میں ہوا تھا لیکن جونہی اجلاس ختم ہوا، کارروائی کی شارٹ ہینڈ میں لکھی ہوئی روداد پٹیل کو پہنچا دی گئی (شاید وہ کانگرس کے کسی جاسوس کی کارستانی تھی) اور اس نے فوراً ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کر دی۔ لیگ کونسل نے اپنے صدر قائداعظم محمد علی جناح کو مکمل اختیار دے دیا کہ وہ جذبہ مصالحت سے کام لیتے ہوئے پلان کے بنیادی اصولوں کو منظور کر سکتے ہیں۔ منصوبہ کی تفصیلات منصفانہ اور درست طور پر طے کرنے کا کام بھی انہی پر چھوڑ دیا گیا۔ کانگرسی پریس نے مسلم لیگ کی اس قرارداد پر خوب واویلا کیا۔ پٹیل اور نہرو نے وائسرائے کو سرگرم احتجاجی مراسلے لکھے، جن میں اس قسم کے خدشات ظاہر کئے گئے تھے کہ لیگ کی طرف سے پلان کی منظوری کا دوٹوک اعلان نہیں کیا گیا، اس لئے وہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی سے اس کی منظوری حاصل نہیں کر سکیں گے۔ بہرحال متشدد مسلمان اس بات پر بہت برافروختہ تھے کہ جناح نے پلان کو منظور کرنے میں پاکستان کے مطالبہ سے بہت زیادہ روگردانی کی ہے۔ چوہدری رحمت علی کی جماعت پاکستانی نیشنل موومنٹ (کیمبرج برانچ) نے مذمت کرتے ہوئے اسے "قوم کے ساتھ سب سے بڑی غداری" قرار دیا اور لکھا کہ: "مسٹر جناح نے قوم کو سراسر دھوکہ دیا ہے، سودا بازی کی ہے اور اسے ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ انگریزی پلان کو منظور کر کے اس نے ملت کے تمام گروہوں اور علاقوں کی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں اور برصغیر میں بسنے والے ۱۰ کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ اگر اسے مسترد نہ کیا گیا تو یہ ہمیشہ کے لئے ملت اسلامیہ کی زندگی کو مفلوج کر دے گا، ان کے وجود کو گھن کی طرح کھا جائے گا اور پوری دنیا میں قوم کی آزادی کو خطرہ میں ڈال دے گا۔ ہم آخر تک اس کے خلاف آواز بلند کرتے رہیں گے نہ چپ بیٹھیں گے نہ اسے برداشت کریں گے۔ ہمارے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ جب ملت کے لئے سب سے بڑی لڑائی اور سب سے بڑی غداری کا وقت آیا تو ہم نے بھی غداروں کی پیروی کی اور قوم کو دھوکہ دیا۔ ملت اسلامیہ زندہ باد"۔

منصوبہ تقسیم کے اعلان کے بعد ہونے والا عبوری کابینہ کا پہلا اجلاس نہرو اور لیاقت کے مابین اس بات پر لڑائی کی نذر ہو گیا کہ جواہر لال نے اپنی ہمشیرہ لکشمی پنڈت کو سفیر کیوں مقرر کیا۔ مجبوراً ماؤنٹ بیٹن کو مداخلت کرنی پڑی اور اس نے چلا کر کہا "جنٹلمین، اگر پہلی بحث ہی اس قسم کا شرمناک منظر پیش کر رہی ہے تو ہم پرامن تقسیم کو عملی جامہ پہنانے کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟"۔ اس پر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور اجلاس پر مکمل سکوت طاری ہو گیا۔

بائیسواں باب ــــ کراچی ــــ

۲۰ جون کو بنگال کی مجلس دستور نے بھاری اکثریت سے صوبہ کی تقسیم کے حق میں ووٹ دے دیا۔ تین روز بعد پنجاب اسمبلی کے ممبران نے بھی اس فرقہ وارانہ مسئلہ سے نمٹنے کی خاطر ایسے ہی قیصری (استبداد پر مبنی) حل پر رضامندی کا اظہار کر دیا جس نے لاہور اور امرتسر کے زیادہ تر حصہ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ سندھ کے ۶۰ میں سے ۳۳

ممبران اسمبلی نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے ۲۷ جون کو رپورٹ دی۔ "اب ہم ۱۵ اگست کو قانونی طور پر پاکستان کی تخلیق ہوتے دیکھ سکیں گے"۔

اسی روز جناح کو نہرو، پٹیل، لیاقت اور بلدیو کے ساتھ نو تشکیل شدہ "پارٹیشن کونسل" کے اجلاس میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا۔ یہ اجلاس "باؤنڈری کمیشنوں" کی تشکیل کے لئے بلایا گیا تھا۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لئے دو الگ الگ کمیشن قائم کئے گئے جن کے لئے ہائیکورٹ کے چار ججوں میں سے دو کا انتخاب کانگرس نے کیا تھا اور دو کا لیگ نے۔ جناح نے برطانیہ کے ممتاز بیرسٹر سر سائیل ریڈ کلف کا نام ہر دو کمیشنوں کی صدارت کے لئے تجویز کیا۔ حالانکہ نہ تو وہ کبھی ہندوستان گیا تھا نہ ہی وہاں کے مسائل سے کچھ شد بد رکھتا تھا۔ تاہم ریڈ کلف کا نام اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔ جو بہت جلد بار بار کاسٹنگ ووٹ استعمال کر کے لکھوکھا مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ نہرو نے بعد میں کنزرویٹو تنظیموں کے ساتھ اس کی گہری وابستگی کی بنا پر بہت سے شبہات ظاہر کئے اور مطالبہ کیا کہ اس کی بجائے فیڈرل کورٹ کو ثالثی کے فرائض سونپے جائیں۔ لیکن جناح نے ڈٹ کر اس کی مخالفت کی۔ ریڈ کلف ۸ جولائی کو نئی دہلی پہنچا دیا۔ اسے دونوں ملکوں کے درمیان نئی سرحدیں قائم کرنے کے لئے محض پانچ ہفتے ملے، ان سرحدوں پر دونوں ممالک کو سخت اعتراضات تھے اور تقریباً ایک کروڑ خوفزدہ مہاجروں کو ان کے آر پار مخالف اطراف میں بھاگنا پڑا۔

ماؤنٹ بیٹن کے خواب ہوا ہو گئے

فوج اور وسیع انتظامی مشینری کے دیگر کل پرزوں کو جنہوں نے قریباً ۹۰ برس تک برطانوی ہند کا نظام چلایا تھا، تقسیم کرنے کے لئے علیحدہ کمیٹیوں نے کام شروع کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن کو امید تھی اور وہ واقعتاً آس لگائے بیٹھا تھا کہ اسے دونوں ملکوں کے مشترکہ گورنر جنرل کے طور پر کام کرنے کو کہا جائے گا، یوں وہ ان کے درمیان دوستانہ اور طویل تعاون کی علامت بن جائے گا اور اثاثوں کی منصفانہ تقسیم کے عمل کو تیز کرنے میں ان کا معاون ثابت ہو گا۔ تاہم جناح اس بارے میں کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ پاکستان کے گورنر جنرل کے منصب پر وہ خود فائز ہوں گے۔ جناح کو ماؤنٹ بیٹن اور اس کی اہلیہ پر کانگرس کے لئے کھلی جانبداری کا شک تھا کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ دونوں نہرو کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ انہیں ڈر تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کے ماتحت پاکستان کے ساتھ سوتیلے بچہ کا سا سلوک کیا جائے گا جس سے اس کی آزادی و سالمیت کو نقصان پہنچنے کا امکان ہے۔ جناح کو اس تپ دق کا بھی بخوبی علم تھا جو ان کے پھیپھڑوں کو چاٹ رہی تھی اور یہ بات بھی خوب سمجھتے تھے کہ ان کی زندگی کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ عمر کے آخری حصہ میں اقتدار کے نشہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے جس کی خاطر انہوں نے اس قدر توانائیاں صرف کی تھیں۔ بحیثیت وزیر اعظم انہیں روزمرہ کی بہت سی سیاسی اور انتظامی ذمہ داریاں ادا کرنی پڑتیں۔ اس لئے انہوں نے یہ فرائض ایک جوان آدمی کے سپرد کرنے کو ترجیح دی۔ گورنر جنرل کی حیثیت سے وہ ماؤنٹ بیٹن، ایٹلی، سمٹس اور دولت مشترکہ کے دیگر جملہ سربراہان ریاست کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے تھے۔ اور بلاشبہ قائداعظم کے شایان شان وہی منصب تھا۔ انہوں نے جو قوم بنائی تھی، اس میں اعلیٰ ترین یہی عہدہ تھا جو انہیں جچتا تھا اور وہ اسی پر فائز ہو سکتے تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے ۴ جولائی کو لکھا "یاد رہے کہ میں نے کیبنٹ کمیٹی کو بتایا تھا کہ نہرو نے مجھ سے تحریری طور پر ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی درخواست کی ہے۔ میری لندن روانگی سے قبل جناح نے کہا تھا۔ اگرچہ ان کے خیال

میں ایک کی بجائے دو گورنر جنرل بہتر رہیں گے' تاہم انہوں نے بھی مجھ سے استدعا کی کہ میں ان دونوں کے اوپر بطور "سوپر گورنر جنرل" کے کام کروں"۔ لیکن کابینہ نے ماؤنٹ بیٹن کی اس تجویز کو شرف پذیرائی نہیں بخشا' اس کے باوجود وہ اور اس کا عملہ جناح پر دباؤ ڈالتے رہے کہ جائنٹ گورنر جنرل کے تصور کے بارے میں' جو انہوں نے بیتابی سے پیش کیا تھا' جلد کوئی جواب دیں۔

پاکستان کی طرح ہندوستان نے بھی تینوں فوجی سروسز کی سربراہی کے لئے انگریز افسروں پر انحصار کیا' جبکہ فیلڈ مارشل آکنلک نے ۱۵ اگست کے بعد قریباً چھ مہینے تک دونوں ملکوں کی افواج کے سپریم کمانڈر کے طور پر فرائض انجام دیئے۔ جناح کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہرو نے بھی کئی انگریز گورنروں پر انحصار کیا مثلاً انہوں نے بمبئی کے سر جان کول ول اور مدراس کے سر آرچی بالڈنائی کو دعوت دی کہ وہ اپنے منصب پر بدستور کام کرتے رہیں۔ پاکستان کا کنٹرول براہ راست اپنے ہاتھ میں لینے کے معاملہ میں ماؤنٹ بیٹن جناح کو ان کے موقف سے ایک انچ نہیں ہٹا سکا۔ اپنے ضمیر کو ٹٹولنے' خاصے سوچ بچار اور لندن سے مزید صلاح مشورہ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ابتدائی اسکیم کے مطابق ایک سال تک مزید نئی دہلی میں گورنر جنرل آف انڈیا کی حیثیت سے کام کرے گا۔

۱۵ جولائی کو پارلیمینٹ میں ہندوستان کی آزادی کے مسودہ قانون پر آخری بحث کا آغاز کرتے ہوئے کرپس نے کہا "اس بل کو تیسری خواندگی کے لیے پیش کرتے ہوئے میں ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جو ہندوستانی امور کی بابت اس ایوان میں آخری بحث ہوگی۔ یہ بل ایک نئے اور ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ایک مبارک و خوشتر دور کا نقیب ہوگا"۔ ایٹلی نے اس بحث کو سمیٹا جس میں اس تاریخی بل کی منظوری دی گئی تھی جس کی رو سے ۱۵ اگست کو "ہندوستان اور پاکستان" کی دو آزاد مملکتوں کا قیام عمل میں آیا۔ جارج ششم' شہنشاہ برطانیہ نے ۱۸ جولائی کو اس نئے قانون پر اپنے توثیقی دستخط ثبت کئے۔

جناح نے وسط جولائی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کی اقلیتوں کو یقین دلایا کہ "مذہب' عقیدہ' جان' مال اور ثقافت کے لحاظ سے ان کی مکمل حفاظت کی جائے گی۔ وہ کسی امتیاز کے بغیر ہر لحاظ سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔ یہی اصول ہندوستان کی اقلیتوں پر لاگو ہونا چاہئے۔ مسٹر جناح نے بڑے خلوص سے توقع ظاہر کی کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین دوستانہ اور خوشگوار تعلقات ہوں گے"۔

اسی زمانہ میں پینڈرل مون نے لکھا' میں نے آنے والی مصیبت میں خود کو قضا و قدر کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مصائب کے متعلق پیش گوئی کرنا آسان تھا لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ ان کی اصل نوعیت کیا ہوگی؟ میں نے دہلی کے ایس ایس پی سے آنے والے حالات کے بارے میں اس کی رائے دریافت کی تو اس نے بھونڈے پن تاہم جامعیت و قطعیت کے ساتھ جواب دیا "ایک بار سرحدی لکیر کھنچ جانے دیں اس کے بعد پنجاب میں سرحد کے مغرب میں بسنے والے تمام سکھوں کے اور مشرق میں رہنے والے کل مسلمانوں کے سر قلم کر دیئے جائیں گے"۔ ۱۴ اگست تک ہزاروں ہندوؤں اور سکھوں کو یقین تھا کہ لاہور ہندوستان میں شامل ہوگا' اس لئے جب سرحدی لکیر کھینچی گئی تو وہ پنجاب کے دارالحکومت سے خوف و دہشت کے عالم میں مشرق کی طرف بھاگتے وقت اپنا سارا قیمتی اثاثہ یہیں چھوڑ گئے' صرف اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ ماؤنٹ بیٹن ۲۰ جولائی کو لاہور آیا اور وہاں صوبائی تقسیم کمیٹی کے اجلاس میں اس نے تجویز پیش کی کہ مشرقی پنجاب حکومت کے "غیر ضروری عملہ" کو ۱۰ اگست تک شملہ چھوڑ دینا چاہئے"۔ جبکہ ریڈکلف کے فائنل ایوارڈ کو تقسیم اور آزادی کے روبہ عمل آنے کی تاریخ (۱۵ اگست) تک انتہائی خفیہ (ٹاپ سیکرٹ) رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ادھر دہلی میں مخلوط حکومت نے کام کرنا عملاً بند کر دیا تھا۔ نہرو اور لیاقت ایک دوسرے سے شاذ ہی بات کرتے تھے۔ ان آخری ہیجان خیز ہفتوں کے دوران ہندوستان اور پاکستان کے لئے دو الگ الگ عبوری انتظامیہ مصروف کار تھیں جبکہ برصغیر کے اثاثوں کو انتہائی عجلت اور اٹکل پچو انداز میں تقسیم کیا گیا جیسے علیحدگی اختیار کرنے والا کوئی لڑاکا جوڑا شام کے وقت اپنی مملوکہ اشیاء تقسیم کرتا ہے۔ نامزد گورنر جنرل ایم اے جناح نے دہلی میں واقع اپنے مکانات اور مینشن' ایک مارواڑی تاجر کے ہاتھوں اور مالابار ہل بمبئی والی جائیداد مغربی یورپ کے ایک قونصل خانہ کو بیچ کر خاصا نفع کمایا۔ فاطمہ نے سامان باندھنے کے کام کی نگرانی کی کیونکہ ۷ اگست تک ہر طرح کی تیاری مکمل کرنی تھی تاکہ جناح کراچی کو پرواز کر سکیں۔ وہاں پہنچ کر انہیں آئندہ ہفتہ ہونے والی تاریخی تقریب کے لئے نئے مینشن کو تیار کرانا تھا۔ دریں اثناء' ماؤنٹ بیٹن بحیثیت ایڈمرل آف دی فلیٹ، بحریہ سے متعلق اہم امور نمٹانے میں مصروف رہا۔

"میں نے جناح اور نہرو دونوں سے یہ بات منوالی تھی کہ بحری فوجیں انیسائن سٹاف پر سفید پرچم اور جیک سٹاف پر ڈومینین کا جھنڈا لہرائیں گی اور یہ کہ گورنر جنرل ڈومینین کے گورنر جنرل کا باقاعدہ پرچم (جس پر شاہی طغریٰ اور ڈومینین کا نام درج ہو گا) لہرائیں گے۔ جب میں نے جناح کو نئے پرچم کا ڈیزائن دکھایا تو وہ کہنے لگے "'میرا ارادہ بدل گیا ہے اور میری خواہش ہے کہ پاکستان کے پرچم کا ڈیزائن نئے مونوگرام کے ساتھ بنایا جائے"۔ انہوں نے انگریز بحریہ کا سفید جھنڈا اپنے جہازوں پر لہرانے سے معذرت ظاہر کی۔ اتنے میں پارٹیشن کونسل کے دیگر ممبران آ گئے اور معاملہ وقتی طور پر ترک کر دیا گیا' تاہم میں نے بعد میں اسے کو پھر بھیجا شاید وہ میری تجویز مان جائیں۔ وائے افسوس انہوں نے ایک نہ سنی اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ پاکستان نیوی اپنے جھنڈے کا ڈیزائن خود طے کرے گی۔"

وائسرائے نے ۲۵ جولائی کو جناح اور فاطمہ کو کھانے پر مدعو کیا۔ کیمپبل جانسن کی روایت ہے کہ "یہ ایک بالکل غیر رسمی دعوت تھی جس میں صرف افراد خانہ اور ماؤنٹ بیٹن کے تھوڑے سے عملہ نے شرکت کی۔ جناح بہت طویل اور عموماً غیر خندہ آور مذاقوں کے ذریعے مکمل طور پر محفل پر چھائے رہے۔ ان کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے مہمانوں سے بات چیت کرنی چاہی اور جناح کو موقع دیا کہ وہ ایڈوائنا کو ایک دلچسپ کہانی سنائیں تو انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "مجھے امید ہے کہ ماؤنٹ یہ کہانی سننا پسند کریں گے"۔ وائسرائے کے لئے شاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے رسماً ضروری ہوتا ہے کہ وہ مہمانوں کے آگے آگے چلے اور ڈرائنگ روم سے پہلے نکلے' اس معاملہ میں بھی جناح کی چال سب سے الگ تھی۔ جونہی ڈنر ختم ہوا' وہ وائسرائے اور ان کی بیگم کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ باہر چلے گئے"۔ اصل بات یہ ہے کہ اس موقع پر جناح خود کو ماؤنٹ بیٹن سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ بلاشبہ وہ اپنی تخلیق کردہ مملکت کے گورنر جنرل تھے' ایشیا میں جنم لینے والا پہلا شخص جس نے دولت مشترکہ میں اتنا رفیع الشان اور بااختیار منصب حاصل کیا۔

سب والیان ریاست کو معلوم ہو چکا تھا کہ ۱۵ اگست تک انہیں ایک یا دوسری ڈومینین سے الحاق کرنا ہو گا۔ کیونکہ اس تاریخ سے برطانیہ کی بالادستی اور ان کے علاقوں کو تحفظ فراہم کرنے والی چھتری غائب ہو جائے گی' اس کے باوجود بہت سے مہاراجوں' نوابوں اور نظام کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ کس طرف جائیں۔ وسطی ہندوستان میں واقع ریاست بھوپال نے اس ڈومینین کے ساتھ شامل ہونا چاہا جس کے ساتھ نواب بھوپال کو ذاتی طور پر سب سے زیادہ نفرت تھی۔ کشمیر اور حیدر آباد نے سب سے مشکل مسائل پیدا کئے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے کسی بھی ڈومینین میں شامل ہونے سے انکار کر دیا' اسے ڈر تھا کہ جناح مذہبی بنیادوں پر اسے تخت و تاج سے محروم کر دیں گے۔ دوسری طرف اسے نہرو سے بھی' ان کے سوشلسٹ میلانات اور جمہوری مطالبات کے باعث شدید نفرت تھی۔ نظام حیدر

آباد نے اعلان کیا کہ اگر اسے ایک آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر قائم رہنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کو ترجیح دیں گے۔ تاہم ایک تو ان کی ریاست چاروں طرف ہندوستانی علاقہ سے گھری ہوئی تھی، دوسرے ریاست کی آبادی کا ۸۵ فیصد ہندوؤں پر مشتمل تھا۔ اس لئے ستمبر ۱۹۴۸ء میں "پولو آپریشن" کے ذریعے اسے انڈین یونین کے ساتھ الحاق پر مجبور کردیا گیا۔

مہاتما گاندھی تقسیم کے موقع پر فرقہ وارانہ مصائب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے اور ماؤنٹ بیٹن کی خوشنودی کی خاطر بیل گاڑی میں سوار ہو کر نواکھلی (بنگال) پہنچے۔ ماؤنٹ بیٹن رقمطراز ہے کہ:

"گاندھی نے اپنے اس فیصلہ کا اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کی خدمت کے لئے وقف کردیں گے۔ یہ بات جناح کو اشتعال دلانے والی ہے جبکہ کانگرس کے لئے موجب راحت واطمینان۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان کا اثر یا تو منفی ہے یا تباہی خیز اور اس کا نشانہ صرف ایک شخص ہے جو اپنے ارادوں کا بڑا پکا ہے۔ میری مراد ولبھ بھائی پٹیل سے ہے"۔

جناح نے برٹش انڈیا کی ناردرن آرمی کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل سر فرانک ڈبلیو میسوی کا پاکستان کے اولین کمانڈر انچیف کے طور پر انتخاب کیا تھا۔ اس نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک "(انتہائی پریشان کن) رپورٹ پیش کی جس میں خبردار کیا گیا تھا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی فوج ۶۷ بٹالین سے گھٹ کر ۴۵ بٹالین رہ گئی ہے اور ۱۵ اگست کے فوراً بعد یہ تعداد تقریباً آدھی رہ جائے گی۔ فوری خطرہ کو کم کرنے کے لئے اس نے تجویز کیا کہ فوج سے نکالے گئے دس ہزار پنجابی مسلمانوں اور پٹھانوں کو دوبارہ بھرتی کرلیا جائے۔ ساتھ ہی متنبہ کیا کہ افغانستان کی طرف سے سرحدوں میں ردوبدل کے مطالبہ کا خدشہ ہے۔

کراچی میں آمد

جناح اور ان کی ہمشیرہ نے ۷/ اگست کی صبح کو نئی دہلی سے کراچی کو پرواز کی۔ کراچی ایئرپورٹ پر ان کے ہزارہا مداحین سراپا انتظار تھے اور پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ کراچی میں مہاجرین کی آمد کا سلسلہ بدستور جاری تھا کیونکہ صوبائی بندرگاہ راتوں رات قومی دارالحکومت میں بدل گئی تھی اور اس کی آبادی چند مہینوں میں دگنی ہو گئی۔ تالیاں بجاتے ہوئے تماشائیوں کے ہجوم ایئرپورٹ سے لے کر گورنمنٹ ہاؤس تک، جو پہلے گورنر سندھ کی رہائش گاہ اور اب جناح کا آخری بنگلہ بننے والا تھا، پھیلے ہوئے تھے۔ وکٹوریہ طرز کے بنے ہوئے اس سفید محل کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے جناح نے نیول لیفٹیننٹ ایس۔ ایم۔ احسن کو جو ماؤنٹ بیٹن کے عملہ سے بدلی ہو کر قائداعظم کے سٹاف میں شامل ہوا تھا، مخاطب کر کے کہا "کیا تمہیں معلوم ہے مجھے اپنی زندگی میں پاکستان کے قائم ہونے کی ہرگز امید نہیں تھی۔ جو کچھ ہم نے پالیا ہے، اس پر ہمیں خدائے بزرگ و برتر کا بے حد شکرگزار ہونا چاہئے"۔

دو دن بعد سندھ کے گورنر سر غلام حسین ہدایت اللہ نے، جو بمبئی میں جناح کے پرانے ساتھی رہ چکے تھے، اپنے عظیم قائد کے اعزاز میں کراچی کلب میں ایک شاندار ضیافت دی۔ وہاں خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا، "ہاں یہ سچ ہے کہ میں کراچی میں پیدا ہوا، بچپن میں کراچی کے ریگستانوں میں گوٹیوں سے کھیلتا رہا۔ میں نے ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ ہمیں ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہمیں نتائج دیکھ کر رائے قائم کرنی چاہئے محض نظریات پر نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام طبقات زندگی کے نمائندے اس عظیم اجتماع میں موجود ہیں۔ اگر ضرورت

پڑی تو ہمیں ڈبل شفٹوں میں کام کرنا ہوگا تاکہ ہم پاکستان کی مقتدر ریاست کو صحیح معنوں میں مسرور' متحد اور طاقتور بنا سکیں"۔

دستوریہ کا اولین اجلاس

پاکستان کی مجلس دستور ساز کا پہلا اجلاس ۱۱ ر اگست کو کراچی میں منعقد ہوا جس میں اتفاق رائے سے جناح کو صدر چنا گیا۔ جناح نے پرزور تالیوں کی گونج میں صدارت کی کرسی سنبھالی اور شریک اجلاس مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے کہا" "آپ لوگوں نے اسمبلی کا پہلا صدر چن کر مجھے جو عزت بخشی ہے' میں اس کے لئے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں خلوص دل سے توقع رکھتا ہوں کہ ہم اس مقننہ کو دنیا کے لئے ایک مثال بنائیں گے۔ اس اسمبلی کو دو اہم کام کرنے ہیں۔ پہلا کام' جو بڑا کٹھن اور ذمہ دارانہ ہے' پاکستان کے لئے دستور وضع کرنا ہے' دوسرے اسے ایک مکمل با اختیار ادارہ کی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی مقننہ کے فرائض انجام دینے ہیں۔ ہمیں اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لانی ہیں"۔

جب ان کی نظر کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال اور آدمیوں کے ریلے پر پڑی' جن کے دلوں میں اشتیاق و جذبات کی ایک دنیا موجزن تھی اور پیشانیاں پسینے میں شرابور تھیں' جو نیا عزم و حوصلہ پانے' تازہ احکامات اور نئی مملکت کی تعمیر کے لئے ہر لمحہ نئے سوال سے متعلق ہدایات حاصل کرنے کے لئے بار بار ان کی طرف دیکھتے تھے۔ تو وہ کہنے لگے۔
"آپ صحیح معنوں میں جانتے ہیں کہ اس وقت ہم نہ صرف اپنے آپ پر حیران ہو رہے ہیں' بلکہ میرے خیال میں پوری دنیا اس بے مثال طوفانی انقلاب پر حیرت کا اظہار کر رہی ہے جو دو آزاد و با اختیار ریاستوں کی تخلیق اور قیام کا سبب بنا ہے۔ یہ اپنی کامیابی کے لحاظ سے بے نظیر انقلاب ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس وسیع برصغیر کو' جس میں ہر قسم کے باشندے پائے جاتے ہیں' ایک ایسے منصوبہ نے زیر کر لیا ہے' جو نا قابل فہم' نامعلوم اور اپنی مثال آپ ہے"۔ قائداعظم کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سیاسی جنگ جیت چکے ہیں۔ اعلیٰ ترین عدالت نے بھی ان کے حق میں ایک اور فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ پاکستان چند دنوں میں قائم ہونے والا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ کیسا ہوگا؟ اور کیسے چلے گا؟ ان تفصیلات پر غور کرنے کے لئے نہ ان کے پاس وقت تھا نہ وہ اتنی ہمت رکھتے تھے اور نہ ہی کسی طرف سے مدد ملی تھی' یہاں تک کہ قبل از وقت ایک تقریر لکھنے کی فرصت بھی میسر نہیں آئی۔

اسمبلی سے پہلا خطاب

"اس اسمبلی میں اپنے اولین فرض کا ذکر کرتے ہوئے میں کوئی سوچا سمجھا بیان جاری نہیں کرنا چاہتا' صرف چند ضروری باتیں کروں گا جو میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔ پہلی اور سب سے اہم بات' جس پر میں زور دوں گا یہ ہے کہ یاد رکھئے' اب آپ کی حیثیت ایک خود مختار دستور ساز ادارہ کی ہے اور آپ کو جملہ اختیارات حاصل ہیں' اس لئے آپ پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اپنے فیصلے کس طرح کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات جو میں کرنا چاہتا ہوں اور آپ یقیناً اس سے اتفاق کریں گے یہ ہے کہ امن و امان کا قیام حکومت کا اولین فریضہ ہے تاکہ لوگوں کی جانی' مالی اور مذہبی عقیدہ کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سب سے بڑی لعنت جس سے ہندوستان دوچار ہے' وہ رشوت ستانی اور بدعنوانی ہے۔ حقیقتاً یہ ایک زہر ہے۔ ہمیں سختی سے اس کا سدباب کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں بعجلت ممکنہ مناسب تدابیر بروئے کار لائیں گے۔ چور بازاری ایک اور برائی ہے۔ میں جانتا

ہوں کہ چور بازاری کرنے والے اکثر پکڑے جاتے اور سزا پاتے ہیں۔ کبھی انہیں قید کی سزا اور گاہ محض جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ اب ہمیں اپنے معاشرہ سے اس لعنت کا کلی خاتمہ کرنا ہوگا۔ جو شہری چور بازاری کرتا ہے وہ میرے خیال میں سب سے بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ چور بازاری کرنے والے واقعتاً ہوشیار' ذہین اور عموماً ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ میری رائے میں انہیں بدترین سزا ملنی چاہئے کیونکہ وہ کنٹرول کے پورے نظام کو درہم برہم کرتے ہیں بلکہ وسیع پیمانہ پر فاقہ کشی' احتیاج یہاں تک کہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔

ایک اور برائی جو میرے ذہن سے ٹکرا رہی ہے اور ہمیں ورثہ میں ملی ہے' وہ خویش پروری ہے۔ اس برائی کو سختی سے کچلنا ہوگا۔ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی قسم کی خویش پروری' سفارش یا براہ راست یا بالواسطہ اثر و رسوخ ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ مجھے معلوم ہے یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہندوستان کی تقسیم نیز پنجاب و بنگال کے بٹوارہ سے اتفاق نہیں رکھتے۔ اس کے خلاف بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن اب جبکہ اسے منظور کر لیا گیا ہے' ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس کی پابندی کرے اور معاہدہ کے مطابق باعزت طریقہ سے اس پر عمل کرے جو حتمی ہے اور ہم سب اس کے پابند ہیں۔ تاہم' جیسا کہ میں نے کہا ہے' آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ زبردست انقلاب بے مثال ہے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ آیا جو کچھ کیا گیا ہے' اس کے برعکس کوئی حل ممکن یا قابل عمل تھا؟ تقسیم لانا ہو کے رہنی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف لوگوں کے ایسے گروہ موجود ہیں جو اس سے متفق نہیں ہیں' جنہیں یہ حل پسند نہیں ہے' تاہم میری رائے میں اس کے سوا کوئی دوسرا حل ممکن نہیں تھا اور مجھے امید ہے کہ مستقبل کی تاریخ اپنا فیصلہ اس کے حق میں ریکارڈ کرے گی۔ علاوہ ازیں عملی تجربہ سے ثابت ہوگا جیسا کہ ہم اس تجربے سے گزر رہے ہیں کہ فقط وہی حل ممکن تھا۔ متحدہ ہندوستان کا کوئی تصور کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میری دانست میں اس کا نتیجہ ہولناک تباہی کی صورت میں نکلتا۔ ممکن ہے وہ نقطہ نظر درست ہو' ہو سکتا ہے درست نہ ہو' اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے" ایسا لگتا ہے کہ متحیر کرنے والا یہ سوال ان کے ذہن پر مستولی ہو گیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار خود اپنے فیصلہ پر اعلانیہ نکتہ چینی کرتے ہوئے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ شاید وہ درست نہ ہو۔ شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ خواب کا بدترین حصہ' تقسیم کا اصل ہولناک ڈرامہ شروع ہونے والا ہے۔ اس "طوفانی انقلاب" کے پیچھے باد و باراں کا طوفان چھپا ہوا تھا بایں ہمہ انہوں نے پریشان حال ملاؤں' پیروں' نوابوں' راجوں' شاہوں اور خانوں کے سامنے اظہار کا یہ غیر فطری اور یکطرفہ طرز کلام جاری رکھا اور اپنے ہر لفظ کی تہہ تک پہنچنے' نیز اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ "اس تقسیم میں اقلیتوں کے مسئلہ سے بچنا ممکن نہیں' خواہ وہ ایک ملک میں ہو یا دوسرے میں ——— وہ ناگزیر تھا۔ اس کا دوسرا کوئی حل ممکن نہیں تھا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟۔ اگر ہم اس عظیم مملکت خداداد پاکستان کو شاداب اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پوری طرح اور دل جمعی سے اپنی توجہ لوگوں خصوصاً عوام الناس اور غرباء کی بھلائی پر مرکوز کر دینی چاہئے۔ اگر آپ ماضی کو بھول جائیں' اختلافات ختم کر دیں اور باہمی تعاون سے کام کریں تو آپ یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اگر آپ ماضی کو بھول جائیں اور اس جذبہ سے مل جل کر کام کریں کہ آپ میں سے ہر ایک' خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو' خواہ ماضی میں آپ کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ ہی رہے ہوں' خواہ اس کا رنگ' نسل یا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو' اول و آخر اس ریاست کا شہری ہے اور مساوی حقوق' مراعات اور فرائض رکھتا ہے' تو آپ اتنی ترقی کریں گے کہ اس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔"

میں اس پر مزید زور نہیں دے سکتا۔ ہمیں اس جذبہ سے کام شروع کر دینا چاہئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اکثریت

واقلیت کے یہ اختلافات' ہندو قوم اور مسلمان قوم کی یہ تفریق' کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے' آپ کے اندر پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی وغیرہ موجود ہیں' اسی طرح ہندوؤں میں برہمن' وشناواس' کھشتری' نیز بنگالی اور مدراسی وغیرہ موجود ہیں' ختم ہو جائے گی۔ حقیقت میں اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ مذہبی تفریق ہی تھی' ورنہ ہم بہت پہلے آزادی حاصل کر لیتے"۔

اپنے موقف سے کتنی شاندار پسپائی ہے۔ گویا راتوں رات وہ ایک بار پھر "ہندو مسلم اتحاد کے سفیر بن گئے" جس پر سروجنی نائیڈو جان چھڑکتی تھی' ان کا ذہن بڑی تیزی سے منطقی ربط کی طرف رجوع کر رہا تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر گھل مل رہے تھے اور برجستہ نیز بے ربط و ضبط باتیں کر رہے تھے۔ کیا واقعی وہ معاملہ ختم ہو گیا تھا؟ یا سب کچھ شروع ہونے والا تھا؟۔

"اب آپ آزاد ہیں۔ آپ اپنے مندروں میں جانے کے لئے آزاد ہیں۔ آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لئے آزاد ہیں۔ پاکستان کی اس ریاست میں آپ کو عبادت کے ہر مقام پر جانے کی کھلی چھٹی ہے۔ خواہ آپ کسی مذہب' نسل یا مسلک سے تعلق رکھتے ہوں' مملکت کے کاروبار سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ایک ایسے مرحلہ سے زندگی کا نیا دور شروع کر رہے ہیں' جب ایک یا دوسری قوم' نسل یا مسلک کے مابین کوئی امتیاز یا تفریق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ریاست کے شہری اور مساوی المرتبہ شہری ہیں۔ اہل برطانیہ کو وقت کے ساتھ ساتھ صورت حال کے حقائق کا سامنا کرنا پڑا اور وہ فرائض و ذمہ داریاں ادا کرنی پڑیں جو حکومت کی طرف سے ڈالی گئی تھیں۔ آج آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ رومن **کیتھولک** اور پروٹیسٹنٹ کا کوئی وجود باقی نہیں رہا' جو چیز باقی ہے وہ یہ کہ ہر شخص برطانیہ عظمیٰ کا شہری ہے' مساوی حیثیت کا شہری ہے' وہ سب ایک قوم کے رکن ہیں"۔

وہ کیا کہہ رہے تھے؟ ان کی ایسی باتوں کا مطلب کیا تھا؟ کیا وہ واقعی بھول گئے تھے کہ میں کہاں ہوں؟ کیا حالات کی گردش نے انہیں اپنے مسلک سے اس قدر بھٹکا دیا تھا کہ اب وہ فریق مخالف کے نقطہ نظر کی حمایت کر رہے تھے؟ کیا وہ قیام پاکستان کے موقع پر ان لاکھوں خوفزدہ اور بے گناہ افراد کے سامنے' جنہیں ذبح ہونا پڑا' اپنے گھروں' اپنے کھیتوں اور آبائی گاؤں سے بھاگ کر ہمیشہ کے لئے انہیں بھلا کر ایک اجنبی سرزمین کے مہاجر کیمپ میں پناہ لینی پڑی۔ متحدہ ہندوستان کی وکالت کر رہے تھے؟ نامزد گورنر جنرل نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اب یہ بات ہمیں اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنی چاہئے اور آپ دیکھیں گے کہ وقت گزرنے پر ہندو' ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان' مسلمان نہیں رہیں گے' مذہبی معنوں میں نہیں' کیونکہ وہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے' بلکہ سیاسی مفہوم میں' ایک ریاست کے شہریوں کی حیثیت سے۔ میں ہمیشہ انصاف اور سب کیساتھ یکساں سلوک کے اصولوں سے' جیسا کہ سیاسی زبان میں کہا جاتا ہے' کسی تعصب یا عداوت' دوسرے لفظوں میں جانبداری یا خویش پروری سے بالاتر ہو کر' رہنمائی حاصل کروں گا۔ میرا رہنما اصول سب کے ساتھ انصاف اور مکمل غیر جانبداری ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کی مدد اور تعاون سے پاکستان دنیا کی عظیم ترین اقوام میں سے ایک بن جائے گا"۔

اس کے باوجود' جونہی انہوں نے یہ پرامید تقریر ختم کی' لیاقت علی خاں' نیز جناح تک یہ افواہ پہنچ گئی کہ مسلم اکثریت کا دفاعی لحاظ سے انتہائی اہم ضلع گورداسپور' جس میں سے کشمیر کو ملانے والی واحد سڑک گزرتی ہے' ریڈ کلف ایوارڈ کی رو سے مشرقی پنجاب کو دیا جا رہا ہے' لیاقت علی نے اسے کو خبردار کیا کہ مسلمان ایسے "سیاسی فیصلہ" کو قول و قرار کی سنگین خلاف ورزی پر محمول کریں گے۔ جس سے مستقبل میں پاکستان اور برطانیہ کے دوستانہ تعلقات خطرہ میں

رہ سکتے ہیں۔ بہرحال ماؤنٹ بیٹن اصرار کرتا رہا کہ اس نے خود کو باؤنڈری کمیشن کے کام سے ———— "بالکل" الگ تھلگ رکھا ہے' یہاں تک کہ قطعی نقشے بھی نہیں دیکھے جو ریڈ کلف اس کے دفتر میں ۱۳ اگست کو اس وقت لایا تھا جب وہ اور اس کی بیگم انتقال اقتدار کی رسمی کارروائی میں شرکت کرنے کراچی جا رہے تھے۔

جناح اور فاطمہ نے ماؤنٹ بیٹن اور اس کی اہلیہ کا ہوائی اڈے پر نہیں بلکہ گورنمنٹ ہاؤس کے بڑے ہال میں استقبال کیا' جسے ہالی ووڈ کے فلم سیٹ کی مانند خوب سجایا اور مزین کیا گیا تھا۔ ان چاروں کو نگاہوں کو خیرہ کرنے والی روشنی کے نیچے اور آرک لیمپوں کی شدید گرمی میں اختیارات تفویض کرنے اور قبول کرنے کا فریضہ انجام دینا پڑا۔

رات کو وائسرائے اور اس کی بیگم کے اعزاز میں جو عشائیہ دیا گیا' جناح اس میں حیرت انگیز طور پر دور دور رہے۔ لیاقت علی اور دوسرے لیگی قائدین نے جو دستور ساز اسمبلی میں ان کی بے ربط و ضبط باتیں سن چکے تھے' اصرار کر کے ایک تقریر لکھوائی تھی۔ کیونکہ اس موقع پر سفارت کاروں کی بھاری تعداد اور دنیا بھر کے اخباری نمائندوں کی موجودگی کا امکان تھا۔ قائداعظم نے ان کی بات مان لی تھی۔ حسب پروگرام وہ تقریر کرنے کے لئے اٹھے۔ اکا آنکھوں پر لگایا' لکھی ہوئی تقریر سامنے رکھی اور انتہائی دھیمی آہستہ آواز میں گویا ہوئے:

"یور ایکسی لینسی' یور ہائی نس اور خواتین و حضرات' میں ہز میجسٹی شاہ انگلستان کا جام صحت تجویز کرتے وقت بے پناہ مسرت محسوس کر رہا ہوں"۔ تقریر میں یہی الفاظ تھے جو ان کے لائق ترین کلرکوں نے لکھے تھے حالانکہ وہاں جام صحت نام کی کوئی چیز نہ تھی' بجز جناح کی نحیف آواز کے' جسے بلند کر کے انہوں نے مذکورہ بالا الفاظ اعلیٰ انگریزی طبقہ کے لہجہ میں ادا کئے۔ "یور ایکسی لینسی لارڈ ماؤنٹ بیٹن' اس موقع پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہم آپ کے اس کام کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو آپ نے ۳ جون کے پلان کی رو سے مقرر کردہ پالیسی اور اصول کے مطابق پوری کوشش اور توجہ سے انجام دیا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان آپ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے"۔ ایسا لگتا ہے کہ "ہندوستان" کا لفظ انہوں نے اصرار کر کے تقریر میں لکھوایا تھا' جیسا کہ ان کے بہت سے پیروکاروں نے بعد میں کہا' وہ پاکستان کے ہمسایہ کے لئے انڈیا کے مقابلہ میں لفظ "ہندوستان" کو زیادہ مناسب سمجھتے تھے جو پاکستان کے بڑے دریا "انڈس" کے نام کی بگڑی ہوئی انگریزی شکل ہے۔

رات کے کھانے میں ماؤنٹ بیٹن کی نشست مس جناح اور بیگم لیاقت علی خاں کے درمیان تھی' اس نے لکھا ہے "ان دونوں نے گزشتہ آدھی رات کے وقت دہلی میں انتقال اقتدار کی تقریبات کے حوالہ سے میرا خوب مذاق اڑایا اور کہنے لگیں یہ بڑے اچنبھے اور حیرت کی بات ہے کہ ایک ذمہ دار حکومت نجومیوں کے کہنے پر چلتی ہے۔ میں نے جوابی حملہ میں یہ کہنے سے گریز کیا کہ کراچی کا پورا پروگرام تبدیل کرنا پڑ گیا تھا کیونکہ جناح یہ بات بھول گئے تھے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے' اس لئے ان کی اپنی تجویز کردہ لنچ پارٹی کو ڈنر میں بدلنا پڑا۔

آزادی کی تقریب

اگلی صبح قائداعظم نے اپنی ہمشیرہ کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس سے اسمبلی تک ایسی سڑک پر سفر کیا جس پر بہت سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ شاہراہ کے دو رویہ پولیس کے ساتھ ساتھ فوجی جوان بھی متوقع قاتلوں سے نمٹنے کے لئے پوری طرح چوکس و مستعد کھڑے تھے۔ کیونکہ یوم پاکستان سے چند روز پیشتر ماؤنٹ بیٹن اور جناح کو ایسی رپورٹیں موصول ہوئی تھیں کہ سکھوں نے جناح کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ تاہم ان کی بگھی پر صرف "پاکستان زندہ باد" اور "قائداعظم زندہ باد" کے پرجوش نعروں کی بوچھاڑ کی گئی۔ وائسرائے اور اس کی اہلیہ علیحدہ بگھی

میں سوار تھے۔ پاکستان اسمبلی کی نیم بیضوی عمارت کے اندر، جو پہلے سندھ اسمبلی کہلاتی تھی، ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو پرتپاک مبارک باد دی اور اپنے کزن جارج ششم کی طرف سے ایک پیغام پڑھ کر سنایا جس میں پاکستان کا دولت مشترکہ میں شمولیت پر خیر مقدم کیا گیا تھا۔ جناح نے جواب میں لکھی ہوئی تقریر پڑھی جو ان کے عملہ نے بڑی محنت سے تیار کی تھی۔

"یور ایکسی لینسی میں حکومت پاکستان، دستور ساز اسمبلی اور اپنی طرف سے ہز میجسٹی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کی نوازش اور نیک تمناؤں پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم دوستوں کی طرح جدا ہو رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اپنے پڑوسیوں اور دنیا کی جملہ اقوام کے ساتھ دوستانہ مراسم کے فروغ میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیں گے"۔ جناح اپنا خطاب مکمل کر کے بیٹھنے لگے تو لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے پیار سے مس جناح کا ہاتھ دبایا۔ ایک عینی شاہد کی رپورٹ ہے۔ "اگرچہ جناح کی شخصیت سرد مہر اور کم آمیز ہے، تاہم اس پر ایک مقناطیسی خوبی "قیادت کا احساس ——— پوری طرح حاوی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کی ناقابل تسخیر ذات میں کنگ ایمپرر، آرچ بشپ آف کنٹربری، سپیکر اور وزیراعظم سب کچھ جمع ہو گیا ہے"۔

ماؤنٹ بیٹن کو اب بھی قاتلانہ حملے کا خطرہ تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر جناح کو نشانہ بنانا مقصود ہے تو اس کے لئے وہ موقع ہو سکتا ہے جب وہ بحیثیت گورنر جنرل کھلی گاڑی میں واپس گورنمنٹ ہاؤس جا رہے ہوں گے۔ "میں نے سوچا انہیں بچانے کا میرے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ میں اسی گاڑی میں واپس جانے پر اصرار کروں"۔ ماؤنٹ بیٹن نے لکھا ——— جناح نے مسکراتے ہوئے کہا مجھے معلوم تھا کہ اس ہجوم میں کوئی مجھ پر گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے گا اور خوش قسمتی سے ایسا ہی ہوا۔ یہ جناح کا بیجا گھمنڈ تھا۔ آپ کو علم ہے، جونہی ہم گورنمنٹ ہاؤس کے دروازہ سے اندر داخل ہوئے، انہوں نے میرے گھٹنے پر ٹھوکا دیتے ہوئے کہا تھا "خدا کا شکر ہے میں آپ کو زندہ سلامت واپس لے آیا ہوں"۔

اسی دن دوپہر بعد ماؤنٹ بیٹن اپنی اہلیہ کے ساتھ ہندوستان کی اسمبلی اور لال قلعہ میں ہونے والی آزادی کی تقریبات میں شرکت کی غرض سے دہلی پہنچا، جہاں ہندوستان کا ترنگا جھنڈا لہرانے کی رسم نصف شب کے وقت ادا کی جانے والی تھی۔ اس موقع پر نہرو نے خطاب کرتے ہوئے قوم کو بتایا "ہم نے بہت سال پہلے تقدیر سے عہد کیا تھا اور اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم اپنا اقرار پورا کر رہے ہیں۔ آدھی رات کے وقت جبکہ ساری دنیا سوئی ہوئی ہے، ہندوستان زندگی اور آزادی کے لئے جاگ رہا ہے۔ وہ لمحہ آگیا ہے، جو تاریخ میں شاذ ہی آتا ہے، جب ہم پرانے دور سے نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں، جب پرانا عہد ختم ہو گیا ہے اور جب عرصہ دراز سے پسی ہوئی ایک قوم کی آتما کو اظہار کا موقع مل رہا ہے"۔

ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان

اگلی صبح (۱۷ر اگست) کو ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان کر دیا گیا۔ تمام تقریبات ختم اور ساری خوشیوں پر یک لخت اوس پڑ گئی۔ قتل و غارت، لوٹ مار خونریزی، آتش زنی اور عصمت دری کا ایسا بھیانک سلسلہ شروع ہو گیا کہ الامان والحفیظ۔ امرتسر شہر اور اس کے گردونواح میں سکھوں نے بلا امتیاز بچہ و زن ہر مسلمان کو تہ تیغ کر دیا۔ ادھر لاہور میں مسلمانوں کے جتھوں نے، جن میں پولیس والے بھی شامل ہو گئے تھے، ہندوؤں اور سکھوں کو خنجروں، بھالوں، بندوقوں اور تلواروں کا نشانہ بنایا اور ان کے ہتھے چڑھنے والے کسی شخص کو جائے امان نہ ملی۔ مہاجروں سے بھری ہوئی پوری

پوری ٹرینیں تباہ کردی گئیں اور سواریوں کو لڑھکتی ہوئی لاشوں میں بدل دیا گیا۔ پسیوں نے ان کے لئے چتا کا کام دیا اور یہ ان گنت لاشیں گدھوں کی خوراک بنیں کیونکہ انہیں سنبھالنے کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ اگست کے آخری ہفتوں میں گدھوں کے غول کے غول پنجاب کی فضاؤں میں منڈلاتے نظر آئے جنہیں خوراک کے لئے اس قدر گوشت اور خون میسر آیا کہ ان کے اجداد کو صدیوں میں بھی نہ ملا ہوگا۔

ادھر بنگال میں گاندھی جی نے آزادی کے موقع پر برت رکھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ دو قوموں کے یوم پیدائش کے موقع پر کتنے لوگوں کو ناگہانی موت کا شکار ہونا پڑے گا۔ کلکتہ میں وہ دن ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو خوف و ہراس کی بدولت تمام کاروبار ٹھپ رہا۔ ہندو نجومیوں کے خیال میں آخر الذکر دن اتنا "منحوس" تھا کہ کسی برہمن کو اپنے گھر سے نکلنے کی جرات نہ ہوئی۔ مہاسبھا نے بھارت ماتا کی تقسیم کی مخالفت میں جگہ جگہ سیاہ جھنڈے لہرائے۔ کلکتہ کے مسلمانوں نے ادھر ادھر بھاگ کر، دہشت سے چھپ کر اور قابل اعتماد ہندوؤں کے ہاں پناہ لے کر جان بچائی۔ انہوں نے محفوظ مقام کی تلاش میں گروہ در گروہ مسلم اکثریت کے علاقوں کی طرف کوچ کیا۔ مشرقی ہندوستان کے اس سب سے بڑے شہر میں اس وقت تک امن و امان بحال نہیں ہوا جب تک بے گناہوں کو قتل عام سے بچانے کے لئے مہاتما گاندھی کا مرن برت شروع نہ ہوگیا۔

مسلمانوں کا مقدس مہینہ رمضان ۱۸ اگست کو ختم ہوا۔ اس موقع پر جناح نے قوم کے نام عید کے نشری پیغام میں کہا:

"دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے مسرت اور خوشی کا یہ دن ہماری قومی ریاست کی تخلیق کے فوراً بعد آیا ہے، اس لئے یہ دن ہمارے لئے خصوصی اہمیت اور خوشی کا حامل ہے۔ میں خلوص دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی گزشتہ روشن تاریخ کا اہل بنائے اور ہمیں اتنی ہمت و قوت دے کہ ہم پاکستان کو دنیا کی اقوام کے مابین واقعی ایک عظیم قوم بنا سکیں۔ کوئی شبہ نہیں ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے، تاہم یہ محض ایک مقصد کا آغاز ہے۔ ہم پر بہت بھاری ذمہ داریاں پڑنے والی ہیں، انہیں پورا کرنے کے لئے ہمیں اسی قدر عزم و استقلال اور محنت سے کام لینا ہوگا"۔

لیکن ان کی اپنی قوت جواب دے چکی تھی۔ وہ گورنمنٹ ہاؤس کے مغربی حصہ میں، جہاں صرف فاطمہ جناح، سیکرٹریوں اور ملازموں کو داخلہ کی اجازت تھی، آرام کے طویل سے طویل تر وقفوں کے بعد تھوڑا بہت کام کرسکتے تھے۔ فاطمہ نے معاملہ کو واضح طور پر سمجھ لیا تھا۔ قائداعظم کے سب سے زیادہ قریب وہی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ:

"قائداعظم اپنی فتح و کامیابی کے لمحات میں بھی شدید بیمار تھے۔ میں دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھتی۔ انہیں یا تو بہت کم یا بالکل بھوک نہیں لگتی تھی، ان میں سونے کی خواہش بھی ختم ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی دونوں طرف قتل عام، زنا بالجبر، آتش زنی اور لوٹ مار کی دلخراش اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ وہ ناشتہ کے وقت غارت گری و خون آشامی کے ان واقعات پر میرے ساتھ تبادلہ خیال کرتے اور اپنا رومال اکثر اپنی تر آنکھوں پر پھیرتے"۔

"پاکستان کے لئے دستور بنانا تھا اور ان کا دماغ، جب بھی فرصت ملتی، اس معاملے پر غور کرتا تھا۔ انہوں نے پاکستان کو مستحکم بنانے کے لئے ہذیانی کیفیت میں کام کیا اور اپنی صحت کو بالکل بھول گئے۔ ان کی کھانسی اور ہلکا بخار مجھے اور بھی زیادہ پریشان کرتا تھا۔ میرے اصرار پر انہوں نے اپنے پرسنل فزیشن کرنل رحمٰن سے معائنہ کرانے کی بات مان لی۔ اس نے تشخیص کیا کہ ان پر ملیریا کا ہلکا سا حملہ ہوا ہے۔ قائداعظم نے، جنہیں دواؤں سے نفرت تھی، فوراً کہا، "مجھے ملیریا نہیں ہے۔ میں تھک گیا ہوں"۔ آرام کرنے کا مشورہ دیا گیا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا "مجھے بہت کام

کرنا ہے"۔ حقیقت میں انہیں ملیریا نہیں تھا۔ وہ پھیپھڑوں کے سرطان کی بدولت اس حال کو پہنچے تھے۔"
کراچی میں ان کے کام کا وقت عام طور سے ۸:۳۰ پر شروع ہو جاتا اور وہ ایک لمبی میز پر بیٹھ کر فائلوں میں گم ہو جاتے۔ "کریون اے" سگریٹ کی ڈبی اور کیوبائی سگار کا ڈبہ سامنے کی میز پر پڑا ہوتا' جس کی بھینی بھینی خوشبو سے کمرہ مہکتا رہتا۔ یہ سب باتیں جناح کے ایڈی کانگ بریگیڈیر حسین نے نقل کی ہیں۔
جناح کی کفایت شعاری' بے شک' پہلے سے مشہور تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد تو ہر ایک روپیہ جو انہیں ملتا تھا' اس پر نظر رکھنے کا پہلے سے بڑھ کر جواز موجود تھا۔ جیسا کہ انہوں نے بیگم شاہنواز کو بتایا "خزانہ میں صرف ۲۰ کروڑ روپے ہیں اور قریباً ۴۰ کروڑ کے بل واجب الوصول ہیں"۔ ہندوستان وہ بھاری رقم دینے کو تیار نہیں تھا جو فارمولا کے مطابق پاکستان کے حصہ میں آئی تھی۔ پٹیل اور بلدیو خصوصاً پاکستان کو سرمایہ فراہم کر کے ہندوستان کے ساتھ پنجاب' سندھ' کشمیر یا بنگال میں کسی بھی جگہ لڑائی کے لئے مسلح ہونے کا موقع فراہم کرنے کے خلاف تھے۔
جناح کو معلوم تھا کہ ان کی صحت کی طرح پاکستان کی حالت کس قدر نازک ہے۔ انہوں نے ۲۴ر اگست کو ایک اخباری بیان میں امن و سکون کی اپیل کی' مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے تھے' ان کی روزمرہ رپورٹوں نے ان کی نیند چھین لی تھی۔ انہوں نے اپنے عوام کو یقین دلایا کہ پاکستان ظلم و ستم کا نشانہ بننے والوں کی دادرسی اور بحالی کے لئے امکان بھر کوشش کر رہا ہے اور خوف و دہشت کا شکار اضلاع اور ریاستوں سے مسلمانوں کے انخلاء میں ہر ممکن مدد دے گا۔
اگست کے آخری ہفتہ میں کراچی کے میئر اور کونسلروں نے اپنے محبوب قائد کو جھلی نما کاغذ پر' جس پر چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا' سپاسنامہ پیش کیا۔ یہ تقریب میونسپل کارپوریشن کی پرانی عمارت میں' جو قائداعظم کی جائے پیدائش کے نزدیک واقع ہے' منعقد ہوئی۔ اس موقع پر جناح نے سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا "انہیں اس بات پر بڑا فخر ہے کہ کراچی کے لوگ ملک کے دوسرے حصوں میں اتنی زبردست ہنگامہ آرائی کے درمیان سکون و راحت سے رہ رہے ہیں۔ ملازمین' پناہ گزین' محنت کش' تاجر معہ اپنے سرمایہ اور کاروبار کے' فضائی' بحری اور زمینی راستوں کے ذریعے ہر طرف سے کراچی پہنچ رہے تھے۔ املاک کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ اشیائے ضرورت اور خدمتوں کی اس قدر کمی تھی کہ لوگ منہ مانگے دام وصول کرتے تھے۔ جناح کے آبائی شہر میں گرم بازاری کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ جس طرح تقسیم کے بعد پنجاب کرب و ابتلا کا اسیر تھا۔ سندھ میں بھی' کراچی سمیت نشوونما کے آثار ناپید ہونے لگے۔ پاکستان کی ساری بحریہ جو ابتدا ایک فری گیٹ سرنگ صاف کرنے والے چند جہازوں اور تھوڑے سے ہنرمندوں پر مشتمل تھی' کراچی میں مقیم تھی' کیونکہ چٹاگانگ فی الحال ایک گاؤں تھا جہاں مٹی کے تیل سے دیئے جلائے جاتے تھے۔ ایک چھوٹی سی بندرگاہ جس کی گودی میں محض دو جہازوں کے کھڑا ہونے کی گنجائش تھی۔
پنجاب کے بارڈر سے دوری کے باعث کراچی نے آنے والوں کو دم لینے کی مہلت مہیا کی جس میں ترقی و خوشحالی کے مواقع موجود تھے۔ جبکہ لاہور کو قربت کی بنا پر دہلی اور امرتسر سے آنے والے بے پناہ مہاجرین نے ایک مقتل میں بدل دیا۔ بیمار اور دم توڑتے ہوئے انسانوں کو ہر طرح کی مدد درکار تھی۔ شہر میں مکانات جلا کر بھسم کر دیئے گئے تھے۔ پانی کی سپلائی طرح طرح کے متعدد امراض کے پھیلنے اور ندی نالوں میں گلنے سڑنے والی لاشوں سے متاثر ہو چکی تھی۔ اس کی وسیع و عریض مساجد اور باغات میں مہاجرین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ سب سے

زیادہ حیرت کی بات یہ ہوئی کہ جناح اگست کے آخر میں لاہور میں ہونے والے جائنٹ انڈو پاکستان ڈیفنس کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ جس کی صدارت ماؤنٹ بیٹن نے کی۔ ڈاکٹروں کے مشورہ اور بخار کے باوجود وہ پنجاب کے دارالحکومت پہنچے تاکہ بچشم خود دیکھ سکیں کہ شہر کو کس قدر تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہاں وہ صوبہ کے نئے گورنر سر فرانسس موڈی کے ساتھ ٹھہرے۔

میٹنگ میں جناح نے پنجاب باؤنڈری فورس توڑنے پر اصرار کیا جو ماؤنٹ بیٹن نے ایک ماہ قبل قائم کی تھی۔ کیونکہ وہ خونریزی و غارت گری کو روکنے میں ناکام ہو چکی تھی۔ جناح نے فورس میں شامل پچاس ہزار مسلمان سپاہیوں کی واپسی پر زور دیا تاکہ انہیں بوقت ضرورت کہیں اور استعمال کیا جا سکے۔ کشمیر ابھی تک آزادی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کا متذبذب مہاراجہ انتظار کرنے کا کھیل کھیل رہا تھا۔ یہ کھیل اس کی ۳۰ لاکھ بے زبان رعایا کے لئے جس میں سے ۷۵ فیصد مسلمان تھے ــــــــــ بہت مہنگا ثابت ہونے والا تھا۔ حیدر آباد نے بھی ہندوستان میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا اور کانگریس انٹیلی جینس نے اوائل ستمبر میں رپورٹ دی کہ نظام کی حکومت چیکوسلواکیہ سے ہتھیار خریدنے کی کوشش میں مصروف اور اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے والی ہے۔ وہ خبر درست تھی یا غلط' جناح توقع رکھتے تھے کہ نظام اگر پاکستان کے ماتحت نہیں آتے تو کم از کم ان کے ساتھ قریبی تعلقات ضرور قائم کئے جائیں گے۔

حیدر آباد کی طرف سے مالی امداد

حیدر آباد کے خزانچی اور بعد ازاں وزیر اعظم میر لائق علی خان نے جو نظام کے اندرونی حلقہ میں جناح کے سب سے وفادار عقیدت مند سمجھے جاتے تھے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"انہوں نے ایک سے زیادہ مواقع پر پاکستان پلان اور آزادی کے بعد بقایا مسلم آبادی خصوصاً" ریاست حیدر آباد کی بابت تبادلہ خیال کیا۔ اوائل ستمبر ۴۷ء کی ایک شام کو مجھے کراچی سے گورنر جنرل کی کال موصول ہوئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اقوام متحدہ کے لئے پاکستان کا پہلا وفد جلد ہی لیک سکیس روانہ ہونے والا ہے۔ جس میں مجھے شامل کر لیا گیا ہے۔ میں نے ہلکا سا احتجاج کیا کہ میں اپنے ذاتی معاملات میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ اس لئے مناسب ہو گا میری جگہ کراچی سے کسی اور کو شامل کر لیا جائے۔ میں نے کراچی میں مسٹر جناح سے ملاقات کی۔ انہوں نے سب سے پہلے بتایا کہ پاکستان کو سرمایہ کی اشد ضرورت ہے۔ انہیں امریکہ اور بعض یورپی ممالک کے مالیاتی حلقوں کے ساتھ میرے روابط کا علم تھا۔ اس لئے کہنے لگے۔ پاکستان معقول شرائط قبول کرنے کو تیار ہے اور جنس کے بدلے جنس کی پیشکش کرتا ہے تاکہ اس کی مشکل سے حاصل کردہ خود مختاری متاثر نہ ہو۔ میں اکتوبر کے آخر میں وہاں سے لوٹا اور کسی نہ کسی طرح لاہور پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ وہاں زیر علاج تھے' ڈاکٹروں نے ملاقاتیوں پر پابندی لگا رکھی تھی۔ تاہم مجھے ملنے کی اجازت دے دی گئی۔ میں نے انہیں صورتحال سے مطلع کیا۔ اس وقت پاکستان بدترین مالی بحران سے دوچار تھا۔ ہندوستان نے ریزرو بنک آف انڈیا سے اس کے حصہ میں آنے والی ۵۵ کروڑ کی رقم روک لی تھی۔ اس طرح روزمرہ کی ضروریات کے لئے درکار

پیسے بھی نہیں تھے۔ حکومت ہندوستان کو باور کرا دیا گیا تھا کہ یہ پہلا طمانچہ پاکستان کو لے بیٹھے گا۔ کیا حیدر آباد یا نظام اس بحران پر قابو پانے کے لئے پاکستان کو معقول رقم قرض دے سکتے ہیں؟ میں نے اس سے پہلے جناح کو اتنا جذباتی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے سوال کیا:

آیا ایئرپورٹ سے آتے ہوئے میں نے مہاجرین کے کیمپ دیکھے ہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر مہاجرین کے مصائب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کے بعد جلد ہی نظام نے پاکستان کے لئے ۲۰ کروڑ روپے قرض کی منظوری دے دی۔ انہوں نے یہ اعلان کرنے میں ایک دقیقہ بھی ضائع نہیں کیا کہ پاکستان کو حیدر آباد سے قرضہ مل گیا ہے اور اب اسے کوئی معاشی مسئلہ درپیش نہیں رہا۔ ہندوستانی نیتا یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور غصہ میں اول فول بکنے لگے۔۔۔"

جناح نے اصفہانی کو بھی پاکستان کے سفیر اور اقوام متحدہ کے لئے وفد کے ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ جس کی قیادت مستقبل کے وزیر خارجہ سر محمد ظفراللہ خان نے کی۔ اصفہانی نے واشنگٹن میں ڈیڑھ لاکھ ڈالر کے عوض ایک بلڈنگ خریدی تاکہ "چانسری" کا کام دے سکے اور وسط ستمبر میں نیویارک سے جناح کو لکھا۔

"میں نے جنرل موٹرز کمپنی کے اعلیٰ انتظامیہ افسران سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے آپ کے لئے کیڈلک سوپر لیموزین (کار) کے بارے میں فوری نوٹس لیا اور یقین دلایا کہ کار کی کراچی میں تحویل کے لئے ہر ممکنہ جلد قدم اٹھائیں گے اور اس سلسلے میں پہلے سے کی گئی ساری بکنگز پر ہمارے آرڈر کو ترجیح دیں گے۔ خصوصی طیارہ کے بارے میں میں نے بعض معروف طیارہ ساز کمپنیوں سے رابطہ قائم کیا ہے۔ امید ہے آپ خیریت سے ہونگے۔"

سوپر لیموزین ۶۰۰۰ ڈالر میں پڑی جبکہ ۲۳ پیچ کرافٹ کی قیمت سفارتخانہ کے لئے خریدی گئی عمارت کی لاگت سے بھی زیادہ بتائی گئی اس لئے قائد اعظم نے فیصلہ کیا کہ ورکرز آرم سٹروک (طیارہ) پر گذارہ کیا جائے جس کی قیمت کچھ زیادہ نہ تھی۔

جناح نے لیاقت علی کو حکم دیا کہ ستمبر میں ان کا کیبنٹ سیکرٹریٹ لاہور منتقل کر دیں اور اگلے ماہ وہاں ان سے آملیں کیونکہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات کشیدگی کی حد سے گزر کر حقیقی معنوں میں "جنگ" تک پہنچ گئے تھے۔ ہندوستان سے آنے والے مسلمان مہاجرین کے قافلے سکھوں کے علاقہ سے صرف نہرو کی خصوصی اجازت حاصل کر کے گزر سکتے تھے۔ اسے ستمبر کے وسط میں کراچی گیا۔ وہاں دو روزہ قیام کے دوران اس نے قائد اعظم کے ساتھ گیارہ گھنٹے تک طویل مذاکرات کئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "۱۵ اگست سے اب تک میں گورنمنٹ ہاؤس کا پہلا مہمان تھا۔ میں نے مسٹر جناح کے دل میں اس حد تک گھر کر لیا کہ وہ مجھے "گڈ فیلو" کہنے لگے"۔ اسے کی رپورٹ کا زیادہ پریشان کن حصہ وہ ہے جس میں اس نے ذکر کیا ہے کہ مسٹر جناح کانگریس کے خلاف بہت غصہ میں تھے اور انہوں نے برملا کہا۔ میں ان لوگوں کی پاکستان دشمنی کو سمجھنے سے قاصر ہوں اور اب اعلانیہ لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

جونا گڑھ کے الحاق میں بھٹو کا کردار

ریاست جونا گڑھ (کاٹھیاواڑ کے ساحل پر واقع چھوٹی سی ریاست) کے مسلمان نواب نے ستمبر میں پاکستان

کے ساتھ الحاق کا اعلان کردیا۔ حالانکہ اس کی ریاست چاروں طرف سے انڈیا سے گھری ہوئی تھی اور آبادی کی بھاری اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ نفس پرست نواب کا چالاک دیوان (وزیر اعظم) سندھی جاگیردار سر شاہنواز بھٹو (پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا باپ) تھا جس نے الحاق کی دستاویز تیار کر کے ذاتی طور پر جناح کے حوالے کردی۔ نہرو اور پٹیل کو جب جوناگڑھ کی اس "فریب کاری" کا پتہ چلا تو وہ آگ بگولا ہوگئے۔ انہوں نے ریاست کے خلاف "پولیس ایکشن" کا حکم دے دیا تاہم بھٹو اور دوسرے درباری دیویل بندرگاہ کے راستے خفیہ طور پر کراچی پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہاں سے جو کچھ مال و متاع چھپا کر لاسکے۔ اپنی خدمات سمیت سب کچھ قائد اعظم کی نذر کردیا۔

کشمیر میں پہلا تصادم

بلتقاہ ستمبر سے قبل جناح نے دولت مشترکہ ممالک سے براہ راست اپیل کی کہ وہ قریب ترین ہمسایہ (بھارت) کے ساتھ المناک تنازعات طے کرانے میں پاکستان کی مدد کریں۔ پنجاب میں مہاجرین کے سیلاب کی شدت جاری تھی۔ لودھرانیا آنے والا قافلہ اپنے ساتھ خون خشک کردینے والی داستان لے کر آرہا تھا۔ جس نے پورے شمال مغرب میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی۔ بہت سے لوگ "کافروں" سے بدلہ لینے کا شور مچانے لگے۔ رنج و الم کے جذبات نے ہیجانی کیفیت پیدا کردی اور انتقام کے لئے دباؤ بڑھا دیا۔ اس موقع پر کامن ویلتھ کا سیکرٹری تعلقات عامہ، آرچی بالڈ کارٹر کراچی آیا اور واپس جاکر لندن کو ہندو پاکستان کے مابین جنگ کے بڑھتے ہوئے امکانات سے آگاہ کیا۔ لیاقت علی دہلی پہنچے۔ وہاں گئی رات   گورنمنٹ ہاؤس میں ماؤنٹ بیٹن کے مہمان بنے۔ واپس آنے سے پہلے انہوں نے اسے کو خبردار کیا۔ "ہندوستان کو آگے آنے دیں اور جنگ میں پہل کرنے دیں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے"۔ اسے نے لیاقت علی خان کی عریاں دھمکی کو کشمیر کے خلاف سمجھا۔ ماؤنٹ بیٹن کا چیف آف سٹاف اوائل اکتوبر میں لندن کے لئے روانہ ہوا اور ۲؍ اکتوبر (گاندھی کی ۷۸ سالگرہ) کی رات کراچی میں گزاری۔

تذبذب کے شکار مہاراجہ کشمیر سر ہری سنگھ نے آخر پاکستان کے ساتھ "صورتحال کو جوں کا توں رکھنے" کا معاہدہ کرلیا۔ اس طرح اسے پٹرول اور دیگر اہم ضروریات پاکستان سے بذریعہ سڑک منگوانے کی اجازت مل گئی۔ ہری سنگھ جانتا تھا کہ وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے صوبہ پونچھ کے مسلم کسانوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ ستمبر، اکتوبر میں پاکستانی مسلمانوں کے دستے بھی ریاست میں داخل ہوگئے۔ تاکہ بغاوت کچلنے کے لئے آنے والی مہاراجہ کی فوج کے خلاف لڑائی میں اپنے ہم مذہبوں کی مدد کرسکیں۔ وسط اکتوبر میں پاکستان نے کشمیر کو ضروری اشیاء کی فراہمی معطل کردی۔ اس مرحلہ پر دہلی نے مداخلت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے چپکے سے سری نگر کو نمک، مٹی کا تیل اور چینی جیسی ضروریات فراہم کرنی شروع کردیں۔

۲۲ اکتوبر کو پاکستان آرمی کی برٹش گاڑیوں نے جن پر شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آفریدی، وزیری اور مسعود قبائل کے ۵۰۰۰ مسلح پٹھان سوار تھے، کشمیری سرحد عبور کی اور مظفر آباد، بارہ مولا روڈ کے مشرق میں سری

نگر کو جانے والی سڑک پر آگے بڑھنے لگیں۔ پاکستان کی طرف سے کشمیر پر اس "یلغار" کو وہ عرصہ دراز تک قبائلی لوگوں کی طرف سے پسے ہوئے مسلمانوں کی مدد کے لئے "رضاکارانہ ایکشن" کا نام دیا جاتا رہا۔ تاہم ان کے زیر استعمال ٹرک، پٹرول اور گاڑیوں کے ڈرائیور ہرگز قبائلی نہیں تھے۔ انگریز افسران نیز پاکستانی اہلکاران جو پاکستان کے شمالی بارڈر پر تعینات تھے۔ سب جانتے تھے اور اس جارحانہ اکتوبر آپریشن میں مدد دے رہے تھے، چاہے انہوں نے عملاً وہ آپریشن منظم نہ کیا ہو، جس کے ذریعے پاکستان کو توقع تھی کہ پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے عمل میں تیزی پیدا ہو جائے گی، جس کے توضیحی (صفت توشیح جس میں کوئی لفظ حروف تہجی کے اعتبار سے تشکیل پاتا ہے) نام میں لفظ <K> (برائے کشمیر) کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ان چھاپہ ماروں کی مظفر آباد میں لوٹ مار اور آتش زنی کی بابت اطلاعات دہلی میں ۲۴ اکتوبر کی رات کو غیر سرکاری طور پر موصول ہوئیں اور اگلی صبح کو پاکستان جی ایچ کیو نے سرکاری طور پر نیو دہلی میں انڈین ہائی کمان کو مطلع کر دیا کہ "قبائلی رضاکار کشمیر میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان کا ہراول دستہ سری نگر سے محض ۴۰-۳۵ میل کے فاصلہ پر ہے"۔ ماؤنٹ بیٹن نے انڈین ڈیفنس کمیٹی کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں سری نگر کو اسلحہ اور فضائیہ کی ہر ممکن فوری امداد بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وی پی مینن ہمالیہ کی بلندیوں کے اوپر پرواز کرتا ہوا سری نگر پہنچا تاکہ مہاراجہ کو الحاق پر راضی کر سکے۔ لیکن مایوس و نامراد لوٹا اور ۲۶ اکتوبر (اتوار) کو صبح سویرے حکومت ہند کو مطلع کیا کہ "مہاراجہ پاش پاش ہو چکا ہے، وہ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتا"۔ تاہم اس کا وزیر اعظم ایم سی مہاجن (بعد ازاں چیف جسٹس آف انڈیا) کار آمد ثابت ہوا، وہ مینن کے ساتھ نئی دہلی پہنچا اور وہاں نہرو نیز پٹیل سے ملاقاتیں کر کے بعض فیصلوں میں ان کی مدد کی۔

اس کی روایت ہے ——— "میں نے کسی بھی شرائط پر فوری فوجی امداد کی درخواست کی۔ میں نے نہرو پر زور دیا کہ ہمیں حسب ضرورت ملٹری فورس مہیا کی جائے۔ ریاست کا الحاق قبول کر لیں اور کشمیری عوام کو جتنی مدد دینا چاہیں وہ فراہم کریں۔ سری نگر کے تحفظ کے لئے آج شام تک فوج کو بذریعہ ہوائی جہاز لازما پہنچ جانا چاہئے ورنہ میں لاہور جا کر مسٹر جناح کے ساتھ شرائط طے کر لونگا"۔ مہاجن کی رپورٹ کے مطابق نہرو یہ جان کر پریشان ہوئے۔ وہ جناح کا نام پڑھ کر غصہ سے لال پیلے ہو گئے اور مجھے "دفع" ہو جانے کا حکم دیا۔ تاہم پٹیل نے مجھے روکا اور کان میں کہا۔ "مجھے امید ہے تم ہمارا ساتھ نہیں چھوڑو گے"۔ اس موقع پر شیخ عبداللہ نے، جو نہرو کے ہاں اپنی خوابگاہ میں یہ سب کچھ سن رہے تھے، مہاجن کی تائید میں پیغام بھیجا۔ جس سے نہرو کا رویہ فوراً بدل گیا۔

اگلی صبح ڈیفنس کونسل کا اجلاس ہوا۔ جس میں فرسٹ سکھ بٹالین کو بذریعہ ایئر سری نگر پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مہاجن نے ۲۷ اکتوبر (سوموار) کو صبح سویرے لکھا۔ "میں نے سردار بلدیو سنگھ کے مکان کے اوپر سے گزرنے والے طیاروں کی آواز سنی (جہاں مہاجن ٹھہرا ہوا تھا) جو فوجیوں کو سری نگر پہنچا رہے تھے، صبح ۹ بجے مجھے سری نگر کے ..... کی طرف سے پیغام ملا کہ فوجیں شہر میں اتر گئی ہیں اور انہوں نے آپریشن شروع کر دیا ہے۔ میں مسٹر وی پی مینن کے ساتھ طیارے میں جموں پہنچا جہاں ہم دونوں نے ہز ہائی نس ہری سنگھ سے ان کے سرمائی صدر مقام پر واقع محل میں ملاقات کی۔ تھوڑی بہت بحث کے بعد رسمی دستاویزات پر دستخط کئے گئے۔ جنہیں لے کر مینن واپس دہلی چلا گیا۔ میں جموں میں رک گیا۔ ہم تباہی سے بال بال بچ گئے"۔

مہاجن نے واقعات کے اس اہم ترین سلسلہ کا جو حال بیان کیا ہے وہ وی پی مینن نیز نہرو اور پٹیل کے قریبی ساتھیوں اور اس وقت حکومت ہند سے وابستہ افراد کی طرف سے شائع کردہ پہلی رپورٹوں سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ مینن کا اصرار ہے کہ ہندوستانی فوجوں کے سری نگر میں آپریشن شروع کرنے سے پہلے الحاق کی دستاویز پر دستخط ہو چکے تھے اور وہ نئی دہلی ارسال کردی گئی تھی۔ مہاجن کی روایت اس کے برعکس ہے۔ اصل ترتیب واقعات علمی دلچسپی سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشمیر پر ہندوستان کے دعویٰ کی بنیاد قانونی لحاظ سے اس بات پر تھی کہ افواج کے وادی میں پہنچنے سے پہلے الحاق کی دستاویز پر دستخط ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ ایک جائز اور درست دستاویز تھی۔ بلاشبہ ماؤنٹ بیٹن اس بات کو سمجھتا تھا کہ پاکستان کی طرف سے بھی افواج بھیجنے کا معقول خطرہ موجود ہے۔ اگر ایسا ہوا تو دولت مشترکہ کی دو فوجیں' جن کی تربیت اور قیادت انگریز کمانڈنگ افسر کر رہے تھے۔ تاریخ میں پہلی بار میدان جنگ میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونگی۔ یہ بات ہندوستان میں اس کے آخری چوکا کے لئے بڑی موجب رسوائی اور انتہائی ناقابل برداشت ہوتی۔ اس لئے ماؤنٹ بیٹن کو اس تصادم سے بچنے کے لئے زمین آسمان ایک کرنے پڑے۔ حقیقت میں اس نے ایک دن سے بھی کم مدت کے نوٹس پر دہلی ایئرپورٹ پر ایک سو سے زیادہ سول اور فوجی طیارے جمع کر لئے تھے اور ۲۶ اکتوبر کی رات کو ہندوستان کی بہترین سکھ رجمنٹ ان میں سوار کرا دی تھی۔ طیاروں میں پٹرول بھروایا جا چکا تھا اور وہ طلوع آفتاب سے قبل پرواز کے لئے تیار کھڑے تھے۔ صرف ایک چیز کی کمی تھی اور وہ یہ تھی 'الحاق کی دستاویز---اپنی پوزیشن کو پوری طرح قانونی شکل دینے اور پاکستانی افواج کے ساتھ تصادم کے خطرہ کو کم سے کم کرنے کے لئے دستاویز---انہیں الحاق کے بارے میں اپنے کزن (شاہ برطانیہ) کو مطلع کرنا ضروری تھا۔ اس نے مزید بتایا۔ یہ کتنی خوش قسمتی کی بات تھی کہ الحاق کو فوراً منظور کر لیا گیا۔ اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ماؤنٹ بیٹن کو جس بحرانی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا بظاہر اس میں استصواب رائے یا ریفرنڈم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ قبائلیوں نے آگ لگانے' لوٹ مار' عصمت دری اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا اور سری نگر کی طرف ایک دن کے مارچ کے نتیجہ میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں خطرہ میں پڑ گئی تھیں۔ جیسا کہ ماؤنٹ بیٹن نے بجا طور پر لکھا ہے۔ "بلاشبہ وقت نے اتنی مہلت نہیں دی کہ افواج کی روانگی سے پہلے لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع دیا جاتا۔ اس قول کے ثبوت میں کیا وقت نے ایک مطلق العنان مہاراجہ کو' جو قوت فیصلہ سے محروم ہو چکا تھا اور اپنی رعایا کو موت سے بدتر حالات کے سپرد کر کے سری نگر سے بھاگ گیا تھا' ایسا غلط فیصلہ کرنے کی اجازت دے دی تھی جو ان کی آزادی میں زبردست رکاوٹ بن گیا؟

وی پی مینن لکھتا ہے "اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور انڈین آرمی' نیوی نیز فضائیہ کے چیفس آف سٹاف نے آپریشن میں مضمر خطرات سے خبردار کیا۔ تاہم نہرو نے زور دے کر یہ بات کہی کہ فوج نہ بھیجنے کا مطلب یہ ہوگا کہ سری نگر میں قتل عام کی اجازت دے دی جائے۔ جس کے بعد پورے ہندوستان میں فرقہ وارانہ ٹکراؤ ناگزیر ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حملہ آور سری نگر میں مقیم انگریز باشندوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ کیونکہ نہ تو پاکستانی کمانڈر انچیف نہ ہی سپریم کمانڈر ان کی جانوں کو تحفظ فراہم کرنے کی پوزیشن میں ہوگا"۔

ایسی صریح تنبیہہ دھمکیوں اور مشوروں کی موجودگی میں ماؤنٹ بیٹن کے لئے اس کے سوا کیا چارہ کار رہ

گیا تھا؟ ایک گھنٹہ کی تاخیر بھی ایسے نازک آپریشن کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔
۲۷ اکتوبر کو، جونہی انڈین طیاروں کے سری نگر میں اترنے کی خبر جناح کو ملی، انہوں نے قائم مقام انگریز کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی (میسروی رخصت پر تھا) کو حکم دیا کہ پاکستان آرمی کے دو بریگیڈ ایک راولپنڈی سے اور دوسرا سیالکوٹ سے کشمیر میں داخل کر دیئے جائیں۔ سیالکوٹ سے جانے والے بریگیڈ کو جموں کی طرف مارچ کر کے شہر پر قبضہ کرنا اور مہاراجہ کو قیدی بنانا تھا۔ جبکہ دوسرے دستہ کو سری نگر فتح کرنا تھا۔ ایسی دفاعی حکمت عملی پر مبنی اس آپریشن کے ذریعے پاکستان کشمیر کو قبائلیوں کی لوٹ مار سے بچا سکتا تھا۔ لیکن گریسی نے گورنر جنرل کا یہ حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل آکنگ کی پیشگی منظوری کے بغیر ایسی ہدایات جاری نہیں کر سکتا جن کے نتیجہ میں بالآخر دونوں ملکوں کی فوج کے مابین خونیں تصادم ہوا اور انگریز افسروں کو واپس بلانا پڑے۔
ان دنوں جناح کراچی سے لاہور آئے ہوئے تھے اور ان کا قیام گورنر موڈی کے ہاں تھا۔ اس نے ٹیلیفون پر جنرل گریسی سے بڑے جارحانہ اور ترش لہجہ میں پوچھا کہ وہ گورنر جنرل کے حکم پر کیوں عمل نہیں کر رہا۔ سپریم کمانڈر کا اس سے کیا تعلق ہے؟ اگر انگریز افسران کو واپس بلا لیا گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ کیا وہ انگریز افسروں کے بغیر دستوں کو محاذ پر نہیں بھیج سکتا؟ جناح نے اصرار کیا کہ احکام فوراً جاری کئے جائیں۔ گریسی نے دوسرے روز آکنگ کو بتایا "شاید اس وقت موڈی نشہ میں تھا"۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ناخوشگوار واقعہ کی بابت شاہ کو رپورٹ دی کہ "سر فرانسس نے بظاہر اپنی شہرت داؤ پر لگا دی تھی"۔ گریسی نے ۲۸-۲۷ اکتوبر کی درمیانی رات کو دس بجے راولپنڈی سے آکنگ کو فون پر مطلع کیا کہ اسے جناح کی طرف سے ایسے احکام موصول ہوئے ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا گیا تو موقع سے ہٹ جانے کا حکم لازماً جاری کرنا پڑے گا۔ آکنگ نے ۲۸ اکتوبر کو اپنے چیفس آف سٹاف کو لندن میں تار بھیجا کہ "سٹینڈ ڈاؤن" آرڈر کا مطلب یہ ہے کہ انگریز افسران کسی ڈومینن کی فوج سے خود بخود واپس آ جائیں۔
آکنگ ۲۸ اکتوبر کی اس فیصلہ کن صبح کو دہلی سے لاہور پہنچا۔ گریسی نے ایئرپورٹ پر اس کا استقبال کیا اور بتایا کہ اس نے جن احکام پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس کی مخالفت کے باوجود پاکستانی دستوں کو احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ وہ سری نگر، بارہ مولا اور درہ بنی ہل پر قبضہ کرتے ہوئے پونچھ کے ضلع میرپور میں داخل ہو جائیں۔ سپریم کمانڈر اور گریسی سیدھے گورنر جنرل پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں نئی صورتحال میں انگریز افسروں کی پوزیشن سے آگاہ کیا۔ آکنگ نے لندن کو رپورٹ دی کہ "گریسی نے پاکستانی فوج کی کمزوری پر بھی زور دیا جبکہ میں نے کشمیر پر، جو اچانک الحاق کے بعد اب انڈین یونین کا علاقہ بن چکا ہے۔ فوجی یلغار کے نتائج سے خبردار کیا"۔ ماؤنٹ بیٹن نے لاہور میں آکنگ کی اس اہم ملاقات کے بارے میں لکھا ہے۔
"جناح کے سامنے اُن کا استدلال اس حقیقت پر مبنی تھا کہ ہندوستان کی طرف سے کشمیر کے الحاق کی منظوری اسی طرح درست اور جائز ہے جیسے پاکستان نے نواب جوناگڑھ کی درخواست پر اس کا الحاق منظور کر لیا تھا۔ اور یہ کہ انڈیا مہاراجہ کی استدعا پر کشمیر میں فوجیں بھیجنے میں بالکل حق بجانب ہے پھر پاکستانی افواج کی انتہائی کمزوری اور انگریز افسران کے بغیر اس کے حقیقی طور پر بیکار ہونے سے بھی وہ اچھی طرح باخبر ہے"۔ "بالآخر جناح نے وہ

احکام واپس لے لئے ہیں"۔ آکنلک نے ہندوستان کی ملازمت کے دوران اس طویل ترین دن کے اختتام پر اطلاع دی۔

یکم نومبر کو ماؤنٹ بیٹن اور اسمے' نہرو کے بغیر' لاہور پہنچے اور لیاقت علی سے ان کے بستر میں ملاقات کی جو السر کے حملہ کی وجہ سے شدید بیمار تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے لکھا ہے:۔

"وہ گھٹنے پر نمدہ باندھے بیٹھے تھے اور بہت نحیف لگ رہے تھے۔ میں نے لیاقت علی کو اس بیان کی ایک نقل دی جس پر انڈیا کی تینوں افواج کے سربراہوں کے دستخط ثبت تھے اور حکومت پاکستان کے ذہن سے یہ تاثر زائل کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان نے قبائلیوں کے حملہ سے پہلے کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے جوناگڑھ اور کشمیر کی صورتحال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور وہی دلائل پیش کئے جن کا سارا دوپہر بعد جناح کے ساتھ ملاقات میں لیا تھا۔ لیاقت علی نے جواب میں کہا کہ مہاراجہ نے ہندوؤں خصوصاً اپنی ریاستی افواج کو جموں اور اس کے اردگرد مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی اجازت دے کر ایک سنگین صورتحال پیدا کردی ہے۔ لیاقت علی بہت مایوس و مضمحل نظر آرہے تھے۔ انہوں نے جنگ سے بچنے کی مزید کوششیں کرنے سے معذرت ظاہر کردی۔ اسمے اور میں نے اس کے دوستانہ رویہ کو بہت سراہا۔"

ماؤنٹ بیٹن اور اسمے وہاں سے رخصت ہو کر سیدھے جناح کے پاس پہنچے اور کھانے سے فارغ ہو کر قائد اعظم کے ہمراہ ان کے کمرہ میں چلے گئے۔ جہاں ساڑھے تین گھنٹے کی انتہائی مشکل اور توجہ سے بھرپور ملاقات کی۔ جس میں اصل اہمیت مسئلہ کشمیر کو دی گئی۔ "میں نے جناح کو بھی اس بیان کی ایک نقل دے دی جو ہندوستانی چیفس آف سٹاف نے جاری کیا تھا۔ انہوں نے ہماری اس نمایاں تیز رفتاری پر حیرت کا اظہار کیا۔ جس عجلت کے ساتھ ہم نے سری نگر میں فوجیں بھیجی تھیں۔ ان کی اصل شکایت یہ تھی کہ حکومت ہندوستان گورنمنٹ آف پاکستان کو اس کارروائی کے متعلق جو وہ کشمیر میں کرنی چاہتی تھی' بروقت اطلاع دینے میں ناکام رہی ہے۔ جواباً میں نے وضاحت کی کہ نہرو نے ۲۶ اکتوبر کو' سری نگر میں فوجی دستے بھیجنے کا فیصلہ کرنے کے فوراً بعد' لیاقت علی خان کو تار دیا تھا۔ اسمے نے ان کی تائید کی کہ حکومت پاکستان کو اس سے بھی پہلے جس قدر جلد ممکن تھا' اطلاع ملنی چاہئے تھی۔ مجھے یاد آیا کہ ۲۸ اکتوبر کو نہرو نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ وہ ہر لحہ واقع ہونے والی صورتحال سے لیاقت علی کو باخبر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ کوتاہی واقعات کے دباؤ کی بنا پر سرزد ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ حکومت ہندوستان کوئی چیز خفیہ رکھنا چاہتی تھی۔

جناح نے اپنے ریکارڈ پر ایک نظر ڈالی اور بولے کہ مذکورہ بالا تار افواج کے سری نگر میں اتر جانے کے بعد موصول ہوا تھا اور یہ کہ اس میں دونوں ممالک کے مابین اس معاملہ پر تعاون کی کوئی اپیل نہیں کی گئی تھی۔ محض اس فیصلہ سے مطلع کیا گیا تھا کہ الحاق منظور کر لیا گیا ہے اور فوجیں روانہ کردی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ الحاق قانونی لحاظ سے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ "فراڈ اور تشدد" کے ذریعے ایسا کیا گیا اور پاکستان اسے ہرگز نہیں مانے گا۔ میں نے ان سے وضاحت چاہی کہ آپ اسے "فراڈ" کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ جوناگڑھ کے متعلق آپ کے سرکاری بیان کی رو سے مہاراجہ پوری طرح ایسا کرنے کا مجاز تھا۔ جوناگڑھ کے الحاق کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہری سنگھ کا اقدام قانوناً بالکل درست ہے۔ جناح نے کہا کہ یہ الحاق ایک طویل سازش کا نتیجہ ہے اور تشدد کے

ذریعے عمل میں لایا گیا ہے۔ میں نے جواب دیا مجھے علم ہے کہ مہاراجہ کسی بھی ملک کے ساتھ الحاق کی بجائے آزاد رہنا چاہتا تھا۔ لیکن ظلم و تشدد کی لہر نے اسے کسی ایک ڈومینئن کے ساتھ ملنے پر مجبور کیا۔ اس جارحیت کی پہل قبائلیوں کی طرف سے کی گئی' جس کا ذمہ دار پاکستان ہے۔ جناح نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ ان کے خیال میں انڈیا نے سری نگر میں فوجیں بھیج کر تشدد کا ارتکاب کیا۔ میں نے مذکورہ بالا دلیل دہرائی تو جناح کسی قدر برہم ہوگئے اور اسے میری ہٹ دھرمی سے تعبیر کیا"۔

جناح نے ماؤنٹ بیٹن اور اسے پر واضح کردیا کہ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا ان کے متعلق کیا کہے گی کیونکہ برٹش کامن ویلتھ نے ان کی درخواست پر کان نہیں دھرا' جب انہوں نے پاکستان کے بچاؤ کے لئے پکارا تھا۔ آخر میں وہ انتہائی ناامید ہوگئے اور کہنے لگے۔ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہندوستان پیدائش کے ساتھ ہی پاکستان کا گلا دبانا چاہتا ہے اور یہ کہ اگر اس نے یہ استحصال جاری رکھا تو مفاہمت کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ اور ہم نتائج بھگتنے کو تیار ہونگے۔ اس سے خوفزدہ نہیں کیونکہ صورتحال پہلے ہی اس قدر خراب ہے کہ اس کے مزید بگاڑ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسمے نے انہیں مایوسی کی دلدل سے نکالنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہم خوشگوار موڈ میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔۔۔"

جناح کو ان کی زندگی کے آخری سال کے دوران تنہائی اور راضی بہ رضا کے احساس نے گھیر لیا تھا سری نگر کی ٹھنڈی اور صحت بخش فضا میں سانس لینے سے متعلق ان کی امیدوں پر ہر آنے والا دن اور لڑائی کی شدت پانی پھیر رہی تھی کیونکہ ہندوستان کی مقابلتاً مضبوط افواج کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور وہ قبائلیوں نیز پاکستان کے ریگولر "رضاکاروں کو پیچھے دھکیلنے میں مصروف تھیں' جنہوں نے انگریزوں کی مدد کے بغیر مظفر آباد کے مشرق میں خاصے علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اگرچہ موعودہ وادی میں داخل نہیں ہوسکے۔ پاکستان کے اندر بھی اور باہر بھی خفیہ طاقتیں جناح کی زندگی کا چراغ گل کرنے اور ان کی سیاسی اولاد کا گلا دبانے کی سازشوں میں مصروف تھیں۔ ان کی کراچی کو روانگی سے صرف ایک ہفتہ قبل دو آدمیوں نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ جنہوں نے اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور چاند ستارے والے ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے گورنمنٹ ہاؤس پر متعین گارڈ پر جھپٹے اور ریوالور نکال کر ایک پولیس افسر کو زخمی کردیا ور جب اس نے سیٹی بجائی تو ڈر کر بھاگ گئے۔ کیا وہ خاکسار تھے؟ یا مسلمانوں کے کسی دوسرے کٹڑ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو انہیں اپنا دشمن سمجھتا تھا؟ لیاقت علی السر سے صحت یاب ہوگئے۔ موڈی شرب سے لطف اندوز ہوتا رہا جبکہ جناح کو کھانسی نے مزید نڈھال کردیا۔ اور ان کے پھیپھڑوں کی کارکردگی روز بروز کم ہوتی گئی۔

لاہور میں خطاب

۳۰ اکتوبر کو پنجاب یونیورسٹی سٹیڈیم میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جناح نے کہا۔ "کوئی قوم تکلیف اور قربانی کے بغیر آزادی حاصل نہیں کرسکتی۔ برصغیر میں رونما ہونے والے اندوہناک واقعات نے اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کردیا ہے۔ ہم بے مثال مشکلات اور ناگہانی آفات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہم خطرات و خدشات کے تاریک دور سے گزرے ہیں۔ نہتے اور بے گناہ لوگوں کے منظم قتل عام پر وہ بدترین

ظالم بھی شرما گئے ہیں۔ جنہوں نے تاریخ میں بدترین اور سب سے زیادہ کراہت آمیز ظالمانہ افعال کا ارتکاب کیا۔ ہمارے خلاف ایک گہری اور سوچی سمجھی سازش کی گئی ہے۔ جس پر عمل کرتے وقت دیانت' شجاعت اور احترام آدمیت کے جملہ بنیادی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ہم قادر مطلق کے شکرگزار ہیں جس نے ہمیں ان شیطانی قوتوں سے نمٹنے کا عزم وحوصلہ بخشا۔ موت سے خوفزدہ نہ ہوں۔ ہمارا مذہب ہمیں ہروقت موت کو گلے سے لگانے کی خاطر تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمیں پاکستان اور اسلام کی عظمت کے تحفظ کے لئے جرات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ مسلمان کے لئے ایک درست مقصد کے لئے شہید کی موت سے بڑھ کر کوئی نجات نہیں۔" فاطمہ جناح لکھتی ہیں۔ اس تقریر میں میں نے پہلی بار ان کے منہ سے موت کا ذکر سنا۔ مہاجرین کے آلام و مصائب نے انہیں بے حد متاثر کیا وہ تھک ہار کر بخار کے باعث دوبارہ بستر پر پڑ گئے۔ تاہم فائلوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ وزراء اور سیکرٹری ان سے ہدایات لینے کی غرض سے آتے رہتے تھے۔ اس لئے آرام و سکون کا میسر آنا محال تھا"۔

تیئسواں باب۔ زیارت میں آخری زیارت

آل انڈیا مسلم لیگ آخری اجلاس ۱۴ ار ۱۵ دسمبر ۴۷ء کو کراچی میں ہوا جس میں کم وبیش ۳۰۰' ممبران نے جن میں ۱۶۰ ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے شرکت کی اور اس کام کے لئے ووٹ دیئے جس کی تکمیل کے لئے وہ پورے انگریزی دور میں معاونت کرتی رہی تھی یعنی جماعت کو انڈیا اور پاکستان کی "آزاد ور جداگانہ" پارٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جناح کو کونسل کے آخری سیشن کی صدارت کے لئے بستر علالت سے آنا پڑا۔ انہوں نے کونسل سے انگریزی میں خطاب کیا۔ بعد میں سردار عبدالرب نشتر نے اس تقریر کو قومی زبان اردو کا روپ دیا۔ قائداعظم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مسلم لیگ نے پاکستان بنایا اور قائم کیا۔ مسلمان ایک بے ہنگم ہجوم کی شکل میں تھے' ان کے حوصلے پست اور ارادے فروتر تھے' معاشی طور پر انہیں بڑے مصائب کا سامنا تھا۔ ہم نے یہ ملک لیگ کے لئے نہیں' اپنے ساتھیوں کے لئے نہیں' بلکہ عوام کے لئے حاصل کیا ہے"۔

تاہم ہر ایک مطمئن اور مسرور نہیں تھا۔ مولانا جمال میاں خفگی کے عالم میں اٹھے اور احتجاج کرتے ہوئے کہنے لگے کہ "پاکستان کو اسلامی مملکت کہلانے پر فخر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اوپر سے نیچے تک بہت سی غیر اسلامی باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ وزراء کا رویہ مسلمانوں کا سا نہیں ہے۔ محتاج اور نچلے طبقہ کے لوگ ان سے مل نہیں سکتے۔ صرف خوشامدی اور بڑے بنگلوں والے ان کے ہاں بار پا سکتے ہیں۔ اسلام کے نام کو خاصا بدنام کر دیا گیا ہے"۔ جناح نے جواب دیا۔ "پاکستان ابھی صرف چار ماہ کا بچہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کون ہمارا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ مجھے معلوم ہے آپ کہیں گے کہ فلاں فلاں کام نہیں ہوا۔ لیکن یاد رکھیں ہماری عمر صرف چار ماہ ہے"۔

لیاقت علی خاں کو پاکستان مسلم لیگ کا کنوینر منتخب کرنے کے علاوہ اس اجلاس نے تبادلہ آبادی کے دوران بھاری جانی ومالی نقصان پر اظہار افسوس بھی کیا اور انڈیا میں مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ نفرت کی لہر پر گہری تشویش ظاہر کی۔

لیاقت علی ۲۲ دسمبر کو جائنٹ ڈیفنس کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے دہلی گئے۔ اس موقع پر نہرو نے

ایک مراسلہ ان کے حوالے کیا جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ پاکستان نے "کشمیری حملہ آوروں کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ پاکستان انہیں خوراک اور دیگر اشیائے ضرورت بھی فراہم کر رہا ہے۔ ——— ہندوستان نے اس قسم کی تمام امداد بند کرنے کا مطالبہ کیا ـــ۔

لیاقت علی نے جواب دینے کا وعدہ کیا لیکن ۳۱ر دسمبر کو' پاکستان کی طرف سے جواب آنے سے پہلے ہی ہندوستان نے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں رسمی شکایت پیش کر دی۔ یہ کارروائی ماؤنٹ بیٹن کے کہنے پر کی گئی تھی حالانکہ نہرو اور ان کی کابینہ اس کے حق میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی شکایت میں استدعا کی گئی تھی کہ پاکستان کو اس امداد کی فراہمی سے فوری طور پر باز رہنے کی ہدایت کی جائے۔ کیونکہ کشمیر اب ہندوستان سے الحاق کر چکا ہے اور ہمارا حصہ ہے۔ ورنہ حکومت ہندوستان حفاظت خود اختیاری کے تحت حملہ آوروں کے خلاف ایکشن لینے کے لئے پاکستانی علاقہ میں داخل ہونے پر مجبور ہو جائے گی۔

پاکستان کی اقوام متحدہ سے شکایت

وزیراعظم لیاقت علی خاں نے ٹھوس قانونی انداز میں جوابی شکایت کی جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت پاکستان واضح طور پر تردید کرتی ہے کہ وہ نام نہاد چھاپہ ماروں کو کسی قسم کی امداد نہیں دے رہی' نہ ہی اس نے انڈیا کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب کیا ہے۔ ہندوستان کے خلاف پاکستان کی شکایت بھی اس دن سیکورٹی کونسل میں دائر کر دی گئی۔ جس میں التماس کی گئی تھی کہ حکومت ہذا کو پاکستان کے خلاف جارحیت سے باز رکھا جائے اور الزامات کی تحقیق کے لئے کمیشن / کمیشنر کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

جناح میں اتنی سکت نہیں تھی کہ ہندو پاکستان کے معاملہ پر بحث میں حصہ لینے کے لئے نیویارک جاسکتے۔ اس لئے پاکستان کے وزیر خارجہ سر محمد ظفراللہ خاں نے سیکورٹی کونسل میں بڑی کامیابی سے اپنے ملک کی وکالت کی۔ ہندوستان کے الزامات کو جھٹلاتے وقت وہ بڑی دوربینی اور واضح اظہار سے کام لیتے اور کبھی کبھی خطابت پر اتر آتے۔ کونسل نے ایک کمیشن مقرر کیا جو ابتداء" تین اور بعد میں پانچ ممبران پر مشتمل تھا' جس نے سال کے آخر تک فائر بندی کرا دی۔ تاہم وہ سرحدوں سے افواج کی واپسی کا سمجھوتہ نہیں کرا سکا۔ نہ ہی استصواب رائے کا انعقاد عمل میں آسکا۔

"پہلی جنگ عظیم (۱۸۔ ۱۹۱۴ء) لڑائیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے لڑی گئی تھی "۔ جناح نے ۲۳ جنوری ۴۸ء کو پاکستان کے پہلے جدید تباہ کن جہاز "دلاور" کو سمندر میں اتارتے وقت یاد دلایا۔ انہوں نے کہا۔" اس کے نتیجہ میں لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آیا اور اجتماعی تحفظ کے تصور نے جنم لیا۔ لیکن وہ لیگ محض ایک نیک خواہش ثابت ہوئی۔ حالیہ جنگ سے دنیا میں جو تباہی پھیلی' اس نے پہلی عالمگیر جنگ کے نقصانات کو مات کر دیا اور اب ایٹم بم کی ایجاد کے بعد انسان آئندہ جنگ کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے۔ پاکستان کو ہر قسم کے حالات و خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کمزور اور تنہا شخص خود دوسروں کو حملہ کی دعوت دیتا ہے۔ پاکستان ابھی عہد طفولیت میں ہے اور اسی طرح اس کی بحریہ بھی۔ تاہم یہ شیر خوار بچہ نشوونما کے لئے پیدا ہوا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد ترقی کرے گا۔ آپ کو عددی قوت میں کمی کو اپنے عزم و حوصلہ اور بے لوث احساس فرض سے پورا کرنا ہو گا' کیونکہ زندگی بجائے خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ حوصلہ' برداشت اور ثابت قدمی وہ

خوبیاں ہیں، جو زندگی کو اہمیت بخشتی ہیں۔

گاندھی پاکستان کا ایجنٹ

اس سے چند روز پیشتر مہاتما گاندھی نے اپنے آخری مرن برت میں کامیابی حاصل کی اور حکومت ہند کو پاکستان کے حصہ کا ۵۵ کروڑ روپیہ ادا کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ان کے اس آخری برت نے دہلی اور اس کے گردونواح میں مسلمانوں کے قتل عام اور لوٹ مار کو بند کرانے میں بھی مدد دی جس نے ایک افسوسناک سکینڈل کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے سکھوں اور ہندوؤں کے جتھے سیاہ جھنڈے لہراتے اور صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے برلا ہاؤس کے گرد چکر لگاتے اور شور مچاتے کہ "گاندھی کو مرنے دو"۔ وہ مہاتما کو "محمد گاندھی" کہتے تھے کیونکہ گاندھی جی اپنے دعائیہ اجتماعات میں اکثر پاکستان کے موقف کی وکالت کرتے تھے اور قرآن پاک کی آیتیں پڑھتے تھے۔ ۲۰ر جنوری ۴۸ء کو برلا ہاؤس کے احاطہ میں اس وقت بم کا دھماکہ ہوا۔ جب گاندھی جی اپنی پرارتھنا ختم کر کے جا چکے تھے۔ البتہ دس دن بعد قاتل کا نشانہ خطا نہیں ہوا۔

۲۹ر جنوری کو اپنی آخری دعائیہ مجلس میں مہاتما نے کہا۔ "اگر کوئی شخص پریشانی اور اضطراب میں مبتلا ہو تو اس کی خوشی محنت مشقت میں مضمر ہوتی ہے۔ خدا نے انسان کو صرف کھانے پینے اور خوشیاں منانے کے لئے نہیں بنایا۔ کروڑ پتی لوگ جو کام کے بغیر کھاتے پیتے ہیں، وہ مفت خورے اور طفیلی ہیں۔ انہیں بھی محنت کر کے اور پسینہ بہا کے اپنی روزی کمانی چاہئے۔ یا بھوکا سونا چاہئے۔ صرف معذور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر میری بات کچھ وزن رکھتی ہے تو میں کہونگا کہ ہمارے گورنر جنرل اور وزیراعظم کسانوں میں سے ہونے چاہئیں۔ دولت کے اصل خالق کی حیثیت سے حقیقی معنوں میں وہی اس ملک کے مالک ہیں۔ جبکہ ہم نے انہیں غلام بنا رکھا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم سب محنت کش ہیں۔ ہماری نجات اور اہم ضروریات کی تکمیل دیانتدارانہ محنت سے ہی ہو سکتی ہے"۔

اگلی شام کو وہ ابھی دعا کے چبوترہ پر نہیں چڑھ پائے تھے کہ نفرت کے مارے ایک ہندو برہمن نے، جس کا نام نتھورام گاڈسے تھا، پستول سے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے مہاتما کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

جناح نے اپنے مختصر سے تعزیتی پیغام میں لکھا۔ "گاندھی ہندو قوم کے عظیم ترین افراد میں سے ایک تھے"۔ انہیں یہ بات کتنی عجیب لگی ہو گی کہ ایک متشدد ہندو نے ان کے بدترین مخالف کو اس بنا پر ہلاک کر دیا کہ وہ انہیں "پاکستان کا ایجنٹ" اور "مسلمانوں سے محبت کرنیوالا" سمجھتا تھا۔ ناربرٹ بوگڈان نے، جو نیویارک کے ایک بنکنگ گروپ کا نمائندہ رکن تھا، گاندھی کے قتل کے صرف چند دن بعد جناح سے کراچی میں ملاقات کی اس کا کہنا ہے۔ "جناح نے گاندھی کا ذکر بڑے فراخدلانہ الفاظ میں کیا جو تعزیت کے پیغام میں استعمال کئے گئے الفاظ سے بڑھ کر تھے اور اعتراف کیا کہ مہاتما کی موت مسلمانوں کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔ انہوں نے مزید کہا اصل مشکل کا موجب انتہا پسند ہیں اور حکومت ہند کے اس بیان نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے کہ انتہا پسند گروپوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔" مرکزی حکومت نے راشٹریہ سیوک سنگھ اور مہاسبھا پر پابندی لگا دی اور ان کے بہت سے لیڈروں کو "حفاظتی تحویل" میں لے لیا گیا۔

اسی دوران میر لائق علی حیدر آباد کے وزیراعظم بن گئے۔ ہندوستان کی حکومت کو اس خبر سے زبردست

دھچکا لگا کہ نظام نے ان سے پوچھے بغیر پاکستان کو ۲۰ کروڑ کا قرضہ دے دیا ہے اس قرضہ کی بدولت پاکستان دیوالیہ ہونے سے بچ گیا پاکستان کے وزیر خزانہ ملک غلام محمد نے ۲۸ر فروری ۴۸ء کو اسمبلی میں ملک کا پہلا بجٹ پیش کیا جس میں ۳۹.۴ ملین ڈالر کے مجموعی مصارف میں سے ۲۷.۸ ملین ڈالر کی رقم دفاعی اخراجات کے لئے مختص کی گئی تھی۔ محاصل اتنے کم تھے کہ ۲۵.۱ ملین ڈالر کا خسارہ متوقع تھا۔ اسی طرح حکومت ہند نے اپنے بجٹ کا ۵۰ فیصد سے زائد اسلحہ کے لئے مخصوص کیا اور قریباً ۲۰ ملین ڈالر خسارہ پورا کرنے کا منصوبہ بنایا پاکستان نے سٹرلنگ بلاک اور امریکہ سے درآمدات کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی لیکن ایک تو صنعتی میدان میں اس کی ترقی برائے نام تھی دوسرے بھاری تعداد میں مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا' اس سال خراب زرعی پیداوار اس پر مستزاد تھی' محاصل اندازوں سے بہت کم وصول ہوئے اور خسارہ بڑھ گیا۔ امریکہ میں پاکستانی سفیر اصفہانی نے نجی اور اعلانیہ طور پر امریکہ سے فوری امداد کی اپیل کی۔ مارچ میں اصفہانی نے اپنے عظیم قائد کو مطلع کیا کہ جنرل موٹرز پاکستان میں پلانٹ لگانا چاہتے ہیں لیکن کشمیر پر جنگ کے بادل منڈلاتے دیکھ کر متامل ہیں۔ ورلڈ بنک اور ایکسپورٹ بنک نے مالی امداد کی فراہمی میں زیادہ لیت ولعل سے کام نہیں لیا۔

اب جناح میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ ایسے معاملات میں خود کچھ کرتے۔ یہاں تک کہ وہ اصفہانی کے خطوط کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ان دنوں بمبئی کا ایک قدیم پارسی دوست ان سے ملنے کراچی آیا اور انہیں گورنمنٹ ہاؤس کے باغیچہ میں اونگھتا ہوا پایا۔ بڑی دیر کے بعد وہ جاگے تو کہنے لگے۔ "جمشید' میں تھک گیا ہوں اور بہت زیادہ تھک گیا ہوں" بہتر سال کی عمر میں انہوں نے نہ صرف اپنا سب سے بڑا مقدمہ جیت لیا تھا بلکہ ان کا سب سے بڑا حریف بھی دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ یہ ان کے لئے آرام کرنے کا بہترین وقت تھا۔ لیکن آرام کی نوبت کبھی نہیں آئی۔

ڈھاکہ کا دورہ

دریں اثنا حکومت پاکستان نے اصرار کیا کہ وہ ڈھاکہ جائیں اور وہاں پاکستان کی آبادی کے بڑے حصہ سے خطاب کریں۔ اب تک وہ نہ تو مشرقی پاکستان گئے تھے نہ ہی دوسرے قومی دارالحکومت ڈھاکہ میں قدم رکھا تھا۔ ایک بڑے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے کابینہ کے مشورہ پر لبیک کہا اور ۲۱ر مارچ ۴۸ء کو پلٹن میدان میں تین لاکھ سے زائد افراد کے جلسہ سے خطاب کیا جو ان کی آخری بڑی پبلک تقریر ثابت ہوئی۔ ان کا خطاب انگریزی میں تھا جبکہ سامعین کی زبان بنگالی تھی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس تقریر میں سارا زور کلام اس تلقین پر صرف ہوا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہو گی۔ کسی دوسری زبان کو یہ درجہ نہیں دیا جائے گا۔ بلاشبہ پاکستان کی سیاست کا یہ سب سے زیادہ متنازعہ اور پھوٹ ڈالنے والا مسئلہ تھا۔

اس دورہ کے بعد انہیں دوبارہ مشرقی پاکستان جانے اور اسے آگ کے طوفان سے گزر کر بنگلہ دیش بنتے دیکھنے کی مہلت نہ ملی جہاں بنگالی ملک کی واحد سرکاری زبان قرار پائی۔

اسی دوران شمال مغربی سرحدی صوبہ میں سرکشی وبغاوت نے سر اٹھایا۔ وہاں پٹھانوں نے اپنی آزاد ریاست "پشتونستان" کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے تھے' ان کی دیکھا دیکھی بلوچی بھی "عظیم تر بلوچستان" کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ اپریل میں جناح کو پشاور جانا پڑا جہاں انہوں نے اسلامیہ کالج میں عوام سے رسالپور

کیڈٹ کالج میں فوجیوں سے گورنمنٹ ہاؤس میں سول افسران سے اور آخر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔
فاطمہ جناح نے اس دورے کی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھا۔ "وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔ اس رات ایسا معلوم ہوا کہ انہیں سردی کا اثر ہے۔ میں نے زبردستی ڈاکٹر بلا لیا تب پتہ چلا کہ ان پر ضیق النفس کا حملہ ہوا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ٹھنڈ اور ضیق النفس سے بڑھ کر کوئی چیز ہے تاہم وہ مجھے ضرورت سے زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ان کی بیماری کا کوئی علاج نہیں' کوئی دوا ان کے درد کو کم یا کھانسی کو روک نہیں سکتی تھی۔

رفقاء کی بابت عدم اطمینان

جناح کے تعلقات زندگی کے آخری مہینوں میں ان کے قریب ترین رفقاء کے ساتھ تیزی سے بگڑنے لگے۔ وہ جوں جوں کمزور ہوتے گئے اور موت کی قربت کا احساس روز بروز زیادہ ہونے لگا' وہ ساتھیوں کی نااہلیت اور نالائقی پر زیادہ خفا ہونے لگے' کسی کام کے نہ ہونے پر معمول کے بہانے سن کر انہیں جلد غصہ آجاتا۔ وہ مرنے سے پہلے اپنی نوزائیدہ مملکت کو پھلتا پھولتا ترقی کرتا اور بڑھتا دیکھنے کے متمنی تھے۔ وسط اپریل کی بات ہے۔ نواب بہاولپور کے ہاں ایک نجی اور مخصوص محفل میں انہوں نے سندھ کے وزیراعلیٰ ایم اے کھوڑو سے بات چیت کرتے ہوئے لیاقت علی خاں کو "معمولی قابلیت کا مالک" (Mediocre) قرار دیا۔ بیرونی کمک و امداد سے محرومی
قومی مصیبت و صعوبت مالی تنگی اور حقیقی جنگ کے زمانہ میں گورنر جنرل اور وزیراعظم کے مابین مراسم کشیدگی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ جنوری میں لیاقت علی کو اپنی بیگم کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ مسٹر جناح نے غصہ کے ساتھ ان کی کارکردگی پر اعلانیہ عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے تو انہوں نے قائداعظم سے تحریری احتجاج کیا اور "مستعفی" ہونے کی پیش کش کی۔ گورنر جنرل نے نواب ممدوٹ' وزیراعلیٰ پنجاب کی بابت بھی مہاجرین کے معاملات میں دلچسپی نہ لینے پر بھی ویسی ہی مایوسی اور خفگی ظاہر کی۔ مئی میں انہوں نے ممدوٹ اور گورنر موڈی دونوں کو کراچی میں طلب کیا اور ممدوٹ کو' جس نے لیگ کے لئے پنجاب کو رام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا تھا' بڑی تلخی سے کہا کہ "بطور وزیراعلیٰ وہ بالکل بیکار اور نکما ثابت ہوا ہے۔" گورنر موڈی نے ان کے ریمارکس کو سو فیصد درست قرار دیا۔ اس لئے انہوں نے ممتاز دولتانہ کو پنجاب کی وزارت کا کنٹرول سنبھالنے کے لئے نامزد کیا' تاہم دولتانہ نے یہ کہہ کر ذمہ داری قبول کرنے سے معذرت کرلی کہ انہیں ممدوٹ پر مکمل اعتماد ہے۔ (دراصل دولتانہ اور موڈی دونوں جانتے تھے کہ دولتانہ کے وزیراعلیٰ بننے کی صورت میں ممدوٹ اس کا گلہ دبا دے گا) یہ سن کر جناح بہت برہم ہوئے اور اجلاس ملتوی کر دیا۔ بعد ازاں انہوں نے گورنر کو بلایا اور شکایت کی کہ اس کی پالیسی بڑی کمزور پڑ گئی ہے اور قوت فیصلہ جواب دے گئی ہے۔ انہوں نے گورنر کو بحیثیت دوست مشورہ دیا کہ وہ خود کو ممدوٹ۔ دولتانہ کشمکش سے الگ تھلگ رکھے۔

جون میں جناح اور فاطمہ کوئٹہ روانہ ہو گئے تاکہ بلوچستان کی سرد آب و ہوا میں آرام سے سانس لے سکیں۔ فاطمہ جناح کے بقول "وہاں پہنچنے کے بعد چند دنوں میں وہ اس قابل ہو گئے کہ اچھی طرح سو سکیں اور کھا پی سکیں۔ کھانسی کم ہو گئی اور درجہ حرارت نارمل سطح پر آگیا۔ کئی سالوں کے بعد وہ پہلی بار آرام دہ حالت میں نظر آئے"۔ ۱۴ جون کو سٹاف کالج کوئٹہ میں فوجی افسران سے خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے فرمایا۔

"پاکستان کی دوسری فورسز کے ساتھ آپ بھی اہل پاکستان کی جان' مال اور عزت و آبرو کے محافظ ہیں ڈیفنس فورسز پاکستان کی تمام سروسز میں سب سے اہم ہیں اور آپ پر نسبتاً بہت بھاری ذمہ داری اور فرض عائد ہوتا ہے۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں اگر آپ کو فرصت میسر ہو تو آپ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا مطالعہ کریں' جسے ہم نے پاکستان میں استعمال کے قابل بنایا اور جو آجکل ہمارا آئین ہے انتظامی اختیارات کا سرچشمہ حکومت پاکستان کا سربراہ ہوتا ہے جو گورنر جنرل کہلاتا ہے' اس لئے آپ کو جو بھی ہدایات یا احکام دئے جائیں وہ انتظامی سربراہ کی منظوری کے بغیر نہیں دیئے جانے چاہئیں۔

سٹیٹ بنک کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب

اس سے اگلے روز انہوں نے کوئٹہ میونسپلٹی سے خطاب کیا۔ وہاں انہیں ریلیف فنڈ کے لئے معقول رقم پیش کی گئی۔ یکم جولائی کو کراچی میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب منعقد ہونیوالی تھی۔ فاطمہ جناح نے چاہا کہ وہ کراچی نہ جائیں۔ تاہم انہوں نے جانے پر اصرار کیا۔ اس سفر نے انہیں اس قدر نڈھال کر دیا کہ وہ لکھی ہوئی تقریر کو پڑھنے کے لئے بستر سے بمشکل اٹھ سکے۔ انہیں دیکھنے اور سننے والے جان گئے کہ ان کی صحت بڑی خراب ہے' ان کی آواز بمشکل سنی جا سکتی تھی۔ تقریر کے دوران وہ بار بار رُکتے اور کھانستے رہے۔ فاطمہ کی روایت کے مطابق "ہم واپس گھر پہنچے تو وہ اس قدر تھک گئے تھے کہ جوتوں سمیت بستر پر لیٹ گئے۔" شام کو انہوں نے کینیڈا کے کمشنر آف ٹریڈ کی طرف سے ڈومینین کی ۸۱ ویں سالگرہ کے سلسلہ میں دی جانے والی ضیافت میں شرکت کی۔ یہ آخری سماجی تقریب تھی جس میں وہ شریک ہوئے۔

زیارت میں آمد

۶ جولائی کو وہ اپنی بہن کی معیت میں واپس کوئٹہ چلے گئے' ہلکا سا بخار جو چند دن پہلے ہو گیا تھا۔ یہاں بھی جاری رہا' چنانچہ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انہیں فوراً زیارت منتقل کر دیا جائے جو کوئٹہ سے چالیس میل دور کئی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس پہاڑی مقام پر انگریزوں نے کئی خوبصورت بنگلے تعمیر کر رکھے تھے' ان میں سے ایک کو "ریذیڈنسی" میں بدل دیا گیا تھا۔ جس میں بابائے قوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔

کرنل الٰہی بخش کی یادداشتیں

لیفٹیننٹ کرنل الٰہی بخش ۲۱ر جولائی کو لاہور میں اپنے لان میں بیٹھے ہوئے تھے جب چوہدری محمد علی' سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان' نے کراچی سے فون پر انہیں حکم دیا کہ فوراً کوئٹہ پہنچیں۔ کوئٹہ ایئرپورٹ پر میجر جنرل ایم۔ اے۔ خاں اور کرنل کے۔ جیلانی بھی ڈاکٹر بخش کے ساتھ شامل ہو گئے اور یہ تینوں گورنر جنرل ہاؤس کی کار میں زیارت پہنچے۔ بخش کا کہنا ہے "ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ مجھے صرف اسقدر پتہ چل سکا کہ وہ ٹیکوں اور رجسٹرڈ دواؤں سے جی چراتے ہیں اور یور ایکسی لینسی کی بجائے "سر" کہلانا پسند کرتے ہیں۔
اگلے روز فاطمہ انہیں عظیم قائد کے کمرے میں لے گئیں۔
"میں نے قائداعظم کو دروازہ کے سامنے بستر پر پایا۔ وہ حیرت انگیز حد تک نحیف و نزار لگ رہے تھے اور

ان کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اس صبح ان کی ظاہری حالت دیکھ کر میں ڈر گیا۔ انہوں نے لازماً اندازہ کر لیا ہو گا کہ میرے ذہن میں کیا ہے کیونکہ انہوں نے میری توجہ ہٹانے کے لئے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دریافت کیا آیا میرا سفر خوشگوار رہا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا اور ان کی بیماری سے متعلق موجودہ اور سابقہ تفصیل جاننا چاہی' انہوں نے بتایا' مجھے کوئی زیادہ تکلیف نہیں ہے'بس پیٹ کی تکلیف اور کام کی زیادتی کے باعث تھکاوٹ ہے کیونکہ ماضی میں چالیس سال تک میں نے ۱۴ گھنٹے روزانہ کام کیا ہے۔ مجھے اپنی بیماری کا کبھی پتہ نہیں چلا۔ بہر حال گذشتہ چند سالوں سے بخار اور کھانسی کے حملے بار بار ہو رہے ہیں بمبئی میں ڈاکٹروں نے "نرخرے کی نالیوں میں ورم" (برانچٹس) تشخیص کیا تھا۔ اور معمول کے علاج اور آرام کرنے سے میں عموماً" ایک ہفتہ عشرہ میں ٹھیک ہو جاتا تھا۔ تاہم ایک دو سال سے ان حملوں کی تعداد اور شدت بڑھ گئی ہے اور وہ زیادہ نڈھال کرنے لگے ہیں" اس گفتگو کے دوران ہر فقرہ کے بعد ان کا سانس ٹوٹنے لگتا اور کبھی کبھی درمیان میں رکنا پڑتا۔ ان کا منہ خشک تھا۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرتے تھے۔ ان کی آواز میں کوئی زور نہیں تھا اور وہ قریباً سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس لئے انہیں کھانسی کے کئی دورے پڑے اور وہ نڈھال ہو ہو گئے۔ مختصر سے وقفہ کے بعد جس کے دوران وہ زندہ سے زیادہ مردہ لگتے تھے' انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "قریباً تین ہفتے پہلے مجھے ٹھنڈ لگ گئی' بخار ہو گیا اور کھانسی آنے لگی' جس کے لئے سول سرجن (کوئٹہ) نے پنسلین بوزینجز تجویز کئے' میں وہ استعمال کرتا رہا' جس سے سردی کا اثر ختم اور بخار اتر گیا تاہم میں بہت زیادہ نقاہت محسوس کرنے لگا میں نہیں سمجھتا کہ مجھے پیدائشی طور پر کوئی مرض لاحق ہے اگر میرا معدہ درست ہو جائے تو میں بہت جلد صحت یاب ہو جاؤں گا۔ بہت سال پہلے مجھے معدہ میں سخت تکلیف ہوئی۔ میں نے لندن کے دو یا تین ڈاکٹروں سے مشورہ کیا' لیکن وہ بیماری کی تشخیص نہیں کر سکے' ان میں سے ایک نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ میں نے اس کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور ایک دوسرے ڈاکٹر کے کہنے پر جرمنی چلا گیا۔ وہاں ایک مشہور ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد بتایا کہ مجھے کوئی خلقی مرض لاحق نہیں' صرف آرام کرنے اور خوراک میں باقاعدگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے کئی ہفتے اس کے کلینک میں گزارے اور مکمل طور پر ٹھیک ہو گیا۔ ۱۹۳۴ء میں بمبئی کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ مجھے دل کی تکلیف ہے۔ جبکہ جرمنی کے ڈاکٹر نے یقین دلایا کہ میرا قلب ہر لحاظ سے نارمل ہے"۔

ڈاکٹر نے گورنر جنرل سے کہا کہ وہ اپنا ریشمی کرتہ پرے ہٹائیں تاکہ وہ دل کی آواز سن سکے "میں نے بے چینی سے دیکھا کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے جیسے لگتے تھے' اس سے کہیں زیادہ دبلے پتلے تھے۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس قدر کمزوری کے ساتھ وہ کیسے زندہ رہے اور کیسے کام کر سکے۔ میں نے سنگاپور میں جنگی قیدیوں میں ایک ایسے ہی مریض کو دیکھا تھا۔ طبی معائنہ کیا تو میری امیدیں دم توڑنے لگیں۔ لیکن میں نے مریض پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں ہونے دی۔ میں نے سوچا اگر میں کچھ عرصہ پہلے ان کا معائنہ کر لیتا تو شاید حتمی تشخیص پر پہنچ جاتا۔ تاہم میری رائے میں وہ پھیپھڑوں کی تکلیف میں مبتلا تھے' معدہ میں کوئی نقص نہیں تھا۔ لیکن قائداعظم کو اب بھی یہی یقین تھا کہ بنیادی خرابی ان کے معدہ میں ہے اس لئے مجھ پر زور دیا کہ اس پر زیادہ توجہ دوں۔" بخش نے مریض کی تشویش کو نظرانداز نہیں کیا اور ہائی کیلوری والی غذا تجویز کی۔ جس کے استعمال سے دو تین دن میں ان کی خوراک بڑھ گئی کیونکہ دانشمند ڈاکٹر نے اس کے ساتھ ہاضم مکسچر بھی بتایا تھا۔

بخش نے اپنی انتہائی کوشش کی جو کوئی ڈاکٹر اپنے مریض کے لئے کر سکتا ہے۔ اس نے فون کر کے کوئٹہ سے

سول سرجن کو بلایا جو اگلی صبح اپنے ضروری آلات لے کر کلینکل پیتھالوجسٹ کے ہمراہ زیارت پہنچ گیا۔ ان کی تحقیقات سے کرنل بخش کے شکوک کی تصدیق ہو گئی۔ ایک اہم مریض کا علاج درپیش تھا اس لئے مزید تائید و تصدیق ضروری سمجھی گئی۔ بخش نے لاہور میں اپنے ساتھیوں کو فون کیا اور وہاں سے تین بہترین سپیشلسٹوں کو زیارت بلا لیا۔ کراچی سے خصوصی ادویات منگا لیں۔ یوں ایک ہفتہ کے اندر اندر پاکستان کے اعلیٰ پایہ کے طبی ماہرین سطح زمین سے ۸۵۰۰ فٹ بلند مقام زیارت میں جمع ہو گئے انہوں نے اپنی توجہ قریب المرگ بوڑھے آدمی پر مرکوز کر دی جو اس دور دراز مقام پر، جس کے نام کے معنے ہیں۔ "بزرگ کا مزار" صاحب فراش تھا ۔۔۔ جیسا کہ مشرق وسطیٰ میں بہت سے دیوتا۔ بادشاہوں کی زیارتیں بنی ہوئی ہیں۔ بخش نے لکھا ہے۔

" جب میں نے قائداعظم کو وہ اہم خبر سنائی تو میں مسلسل ان کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ بالکل خاموش رہے۔ میں اپنی بات مکمل کر چکا تو انہوں نے صرف اس قدر کہا "۔ کیا تم نے مس جناح کو بھی بتا دیا ہے؟"۔ میں نے اثبات میں جواب دیا اور کہا ۔ انہیں اعتماد میں لینا ضروری تھا۔ قائداعظم مداخلت کرتے ہوئے بولے "۔ نہیں تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ آخر کار وہ ایک عورت ہے "۔ میں نے ان کی ہمشیرہ کو پہنچنے والی تکلیف پر معذرت کا اظہار کیا۔ قائداعظم نے سکون سے میری بات سنی اور آخر میں بولے۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب مجھے اس کے متعلق سب کچھ بتا دو، مجھے یہ بیماری کتنے عرصہ سے ہے؟ اس پر غلبہ پانے کے امکانات کیا ہیں؟ علاج کب تک جاری رہے گا؟ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں اور تمہیں پوری بات بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ میں نے جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ تازہ ترین ادویات کے استعمال سے خاصہ افاقہ ہو گا۔"

اصفہانی اسی ہفتے نیویارک سے زیارت پہنچے اور امریکہ سے خصوصی میڈیکل ایڈ بھیجنے کی پیش کش کی بخش نے جناح کے پرانے دوست کو ان سے ۔۔۔ ملنے کی اجازت دے دی ۔۔۔ ملاقات کے بعد اصفہانی سیڑھیوں سے نیچے اترے تو وہ انتہائی فکر مند اور مضطرب لگ رہے تھے۔ انہوں نے دوبارہ امریکہ سے ڈاکٹر بھیجنے کی پیشکش کی، لیکن کرنل بخش نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی، کیونکہ وہ خود مریض کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ ایسی تپدق کا جو پھیپھڑوں کے کینسر میں بدل گئی تھی۔ اور مریض کے دونوں پھیپھڑوں کو کھا گئی تھی۔ اس وقت تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا تھا۔

لیاقت علی خاں، اصفہانی کی روانگی کے بعد آئے اور جناح کے ساتھ آدھ گھنٹہ رہے ۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ گورنر جنرل قریب المرگ ہیں اور قائداعظم کی آنکھ بند ہونے کے بعد پاکستان کی قیادت کا بوجھ ان کے اپنے کندھوں پر آپڑے گا۔ فاطمہ جناح جو لیاقت علی اور ان کی بیگم کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں (وہ اس بات پر نالاں تھیں کہ یہ دونوں میاں بیوی میرے پیارے بھائی کو برطانیہ سے واپس انڈیا لے آئے، ورنہ وہ وہاں بڑے سکون اور آرام کی طویل زندگی گزارتے) لکھتی ہیں "لیاقت علی کے چلے جانے کے بعد جناح نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں مجھے بتایا ۔ کیا تم جانتی ہو، وہ کیوں آئے تھے؟ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے اور میں کب تک زندہ رہوں گا"۔ بلاشبہ یہ سچ تھا۔ تاہم اسقدر ملامت آمیز نہیں جیسا کہ فاطمہ نے ان حالات میں سمجھا۔ بہرحال ایک قوم موجود تھی جسے قیادت کی ضرورت تھی، لاکھوں بے خانماں آباد لوگ ایسے تھے جنہیں خوراک فراہم کرنا اور ان کی دیکھ بھال کرنا ضروری تھا۔ کشمیر میں بغیر اعلان کئے لڑائی کو جاری رکھنا تھا۔ ملک کے لئے دستور کی تدوین باقی تھی۔ مختلف الرائے بنگالیوں، پٹھانوں، بلوچیوں، پنجابیوں اور سندھیوں کو کسی

نہ کسی طرح مطمئن کرتا تھا۔ لیاقت علی خاں کو جو یو۔ پی اور آکسفورڈ میں نواب زادہ کے طور پر شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزار چکے تھے'زیارت میں اس تحکم پسند شاہی جوڑے کے سامنے محض ایک "درباری" کے طور پر پیش ہونا لازماً بڑا عجیب لگا ہو گا۔

اگرچہ ان کی عمر ۵۳ برس کے قریب تھی۔ قائداعظم کی وفات کے بعد وہ بمشکل تین سال زندہ رہے یہاں تک کہ ۱۶ر اکتوبر ۵۱ء کو راولپنڈی میں کرایہ کے ایک قاتل کی گولیوں نے ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ ڈاکٹر الہی بخش نے لیاقت علی کے بارے میں لکھا ہے:

"میں نے نچلی منزل پر ڈرائنگ روم میں وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ انہوں نے بے چینی کے ساتھ قائد اعظم کے بارے میں دریافت کیا' میری اس کارکردگی کو سراہا کہ میں نے مریض کا اعتماد حاصل کر لیا ہے اور توقع ظاہر کی کہ یہ اقدام ان کی صحت یابی میں مدد دے گا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ بیماری کا اصل سبب معلوم کیا جائے۔ میں نے یقین دلایا کہ بابائے قوم کی تشویش ناک حالت کے باوجود یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر انہوں نے وہ دوائیں استعمال کر لیں جو حال ہی میں کراچی سے منگوائی گئی ہیں تو وہ بیماری پر غالب آ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ سب سے زیادہ امید افزا مریض کی مضبوط قوت مزاحمت ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے چیف اور بزرگ رہنما کی صحت کے متعلق جس گہری تشویش کا اظہار کیا' اس سے میں بڑا متاثر ہوا"۔

کوئٹہ میں چند دن

سٹر پٹومائی سین آ گئی اور وہ دے دی گئی' تاہم جس قسم کی "معجزانہ" دوا تھی' ویسا نتیجہ نہیں نکلا۔ نہ ہی ۷ر اگست کو عیدالفطر کے موقع پر پاکستان کی ہر مسجد اور دنیا میں بہت سے مقامات پر خشوع و خضوع سے مانگی گئی دعاؤں نے کوئی اثر دکھایا۔ ۹ر اگست سے پاؤں پر ورم شروع ہو گیا۔ میڈیکل سٹاف نے فیصلہ کیا کہ انہیں زیارت سے کم بلندی کے مقام پر منتقل کر دیا جائے۔ کورامین اور الٹراوائیولیٹ کے ٹیکے بے سود ثابت ہوئے۔ تاہم جناح یوم آزادی کے موقع پر کسی دوسری جگہ جانے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے ڈاکٹروں کو صاف بتا دیا کہ کم از کم ۱۵ر اگست سے پہلے وہ کہیں نہیں جائیں گے۔ فاطمہ نے مداخلت کر کے انہیں ڈاکٹروں کی بات ماننے پر آمادہ کر لیا۔ گھر کی طرف جناح کا آخری سفر ۱۳ر اگست سے شروع ہوا۔ فاطمہ نے بتایا "انہوں نے ایک بالکل نیا سوٹ معہ ٹائی پہننے اور سجاوٹ والی جیب میں نیا رومال رکھنے پر اصرار کیا۔ میں نے پمپ شوز پہنانے میں ان کی مدد کی۔ ایک سٹریچر پر ڈال کر انہیں نیچے لایا گیا اور پھر لمبی ہمبر کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر کوئٹہ پہنچایا گیا۔ اگرچہ معاملہ کو خفیہ رکھنے کے لئے بہت سی احتیاطیں کی گئیں تاہم سڑک کے دو رویہ لوگوں کی قطاریں موجود تھیں۔ ہمبر کے ساتھ محافظ دستہ نیز فرنٹ میں اور پیچھے کاریں چل رہی تھیں۔ گویا یہ سچ مچ کا قافلہ تھا جو گورنر جنرل کے خوبصورت سیاہ جھنڈوں کے جلو میں جا رہا تھا۔ ریسٹ ہاؤس سے ایک میل کے فاصلہ پر وہ چائے کے لئے رکے' وہاں جناح نے دیکھا کہ ایک درجن سے زیادہ لوگ سڑک کے کنارے کھڑے تھے اور اپنے محبوب رہنما کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر بخش راوی ہیں:

"ہم غروب آفتاب سے ذرا پہلے کوئٹہ پہنچ گئے۔ ریذیڈنسی کو تمام مہمانوں سے خالی کرا لیا گیا تھا۔ ہم نے

بابائے قوم کو سٹریچر کے ذریعے پہلی منزل پر واقع ان کے کمرہ میں پہنچا دیا۔ میں نے ان کی نبض دیکھی تو معلوم ہوا ہر دسویں یا بارہویں ضرب گم ہو جاتی ہے۔ میں نے نبض کے ڈوبنے کا سبب سفر کی تھکاوٹ کو سمجھا اور توقع ظاہر کی کہ آرام کرنے سے یہ شکایت جاتی رہے گی۔ اگلے دن ۱۴ اگست کو پاکستان کی سالگرہ تھی۔ ہم صبح ۳۰۔۸ بجے ان کے پاس گئے اور میں نے کہا۔ ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بخیریت کوئٹہ لے آئے کیونکہ ایسی حالت میں زیارت سے یہاں تک پہنچنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ سن کر قائداعظم مسکرائے اور کہنے لگے "ہاں میں بہت مسرور ہوں کہ تم مجھے یہاں لے آئے ہو' وہاں میں ایک جال میں پھنس گیا تھا"۔

اس روز ملک کے اخبارات نے "قائداعظم کا پیغام' پاکستان کے شہریوں کے نام" کے زیر عنوان ایک بیان شائع کیا جو بظاہر زیارت کی بجائے کراچی میں تیار کیا گیا تھا۔ "آج ہم اپنی آزادی کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں۔ ہم نے حالات کا مقابلہ بڑے عزم و حوصلہ اور دور اندیشی سے کیا اور دشمن کے وار سہنے میں ہماری کامیابیوں کا ریکارڈ بڑا شاندار رہا ہے۔ میں وزیراعظم کی زیر قیادت کام کرنے والے تمام وزراء کو مبارک باد دیتا ہوں"۔

لاریب جناح نے اس کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔ اب انہوں نے لکھنا ترک کر دیا تھا اور صبح کو اخبارات کا مطالعہ بھی برائے نام ہی کرتے تھے۔ اس پہلی سالگرہ پر انہیں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ بگھی میں شاندار سواری کی یاد کیسی عجیب محسوس ہوئی ہوگی' جب فضا "پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے گونج رہی تھی اور وہ کسی نامعلوم قاتل کے حملہ سے ڈر رہے تھے۔ ان کے لئے بے شمار جال بچھائے گئے' ان میں سے بعض بڑی خوبصورتی سے بنے گئے تھے۔ صوبائی گورنر' وزیراعظم اور نائٹ ہڈز (سر کا خطاب رکھنے والے) انہوں نے سب کو چکر میں ڈال دیا تھا۔ گرے ولف پر خنجروں' بندوقوں اور بموں سب کے نشانے خطا گئے۔ انہوں نے خود کو انتہائی تیز' انتہائی چکر دینے والا اور ان کے مقابلہ میں خود کو بڑا ہی مضبوط ثابت کر دکھایا تھا۔

اگست کے تیسرے ہفتہ میں جناح کی بھوک قدرے بہتر ہوگئی۔ انہوں نے "حلوہ اور پوری" کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ ان دونوں مزیدار چیزوں کو ڈاکٹر نے ابتدا میں ان کے لئے "ثقیل" قرار دیا' لیکن فاطمہ نے اپنے پیارے بھائی کو اس کی مرغوب دونوں چیزیں کھلائیں اور ایسا لگا کہ ان سے مسٹر جناح کو تقویت پہنچی ہے۔ ڈاکٹروں نے کوشش کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ نقل و حرکت کریں اور کھانا بستر پر بیٹھ کر کھائیں' اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں' تھوڑا بہت چلیں پھریں' ان کے پٹھوں کو سوکھنے سے بچایا جائے اور نظام ہاضمہ صحیح طور سے کام کرنے لگے۔ ان کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہر ایک کو اس بات پر ڈانٹتے کہ وقت کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ فاطمہ کے بقول ان کے بھائی پابندی وقت کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور انہوں نے پوری زندگی بڑی باقاعدگی اور پابندی سے بسر کی تھی۔

جناح کے معالج کو یہ جان کر "دھچکا" لگا کہ اس کے مریض کا وزن محض ۸۰ پاؤنڈ رہ گیا ہے۔ قائداعظم کے بستر کے گرد کام کرنے والے تمام افراد پر واضح ہوگیا کہ اگر انہیں زندہ واپس دارالحکومت لے جانا ہے تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ جناح نے دوبارہ سگریٹ نوشی شروع کرنے کی اجازت مانگی۔ (وہ گزشتہ ۳۰ برس سے "کریون اے" کے پچاس سے زیادہ سگریٹ روزانہ پیتے رہے تھے) ڈاکٹر نے انہیں دن میں ایک سگریٹ پینے کی اجازت دے دی بشرطیکہ اس کا دھواں اندر کو نہ کھینچیں۔ تاہم ڈاکٹر بخش نے جلد ہی ان کا "راشن" دگنا کر دیا۔

"انہیں سگریٹ نوشی سے لطف اندوز ہوتے دیکھ کر ہمیں قدرے حوصلہ ہوا۔ کیونکہ عادی تمباکو نوشی میں صحت یابی کی پہلی علامت عموماً یہ ہوتی ہے کہ وہ سموکنگ کی خواہش ظاہر کرے اور اس سے حظ اٹھائے۔ اگلی صبح میں نے دیکھا کہ میز پر پڑی ہوئی ایش ٹرے میں چار سگریٹوں کے بچے ہوئے ٹکڑے پڑے ہیں۔ مریض اپنی مقررہ حد سے بڑھ گیا تھا۔ ایش ٹرے کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔ ایسا لگتا ہے آپ سگریٹ نوشی سے محظوظ ہوتے ہیں۔ قائد اعظم بات کو سمجھ گئے اور خوش طبعی کے ساتھ جواب دیا "یس"۔ لیکن آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اگر میں دھواں اندر نہ کھینچوں تو سگریٹ نوشی میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟۔ ان کا ذہن اپنی پرانی قانونی استعداد حاصل کرتا ہوا محسوس ہوا۔ اور ہم نے صحت یابی کی اس اضافی علامت کا خیر مقدم کیا"۔

تاہم سگریٹ نوشی سے ان کے پھیپھڑوں کے زخم مندمل ہونے میں کوئی مدد نہیں ملی۔ ڈاکٹر انہیں مشورہ دیتے رہے کہ وہ سگریٹ نوشی میں اعتدال سے کام لیں اور واپس کراچی چلیں۔ لیکن جناح اپنے "گھر" گورنر جنرل مینشن میں "بیمار" کی حیثیت سے نہیں جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے میدانی علاقوں میں نسبتاً پرسکون کئی مقامات تجویز کئے مثلاً سبی اور ملیر۔ لیکن یہ دونوں جگہیں گرم' غبار آلود اور شاہراہ سے الگ تھلگ تھیں۔

انہوں نے الٰہی بخش سے کہا' مجھے بیساکھیوں پر کراچی نہ لے جائیں۔ میں وہاں ایسی حالت میں جانا چاہتا ہوں کہ کار سے اپنے کمرہ تک چل کر جا سکوں۔ تمہیں معلوم ہے پورچ سے میرے کمرہ تک جانے کے لئے اے ڈی سی کانگ کے کمرہ اور پھر ملٹری سیکرٹری کے کمرہ سے گزرنا پڑے گا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ کار سے اپنے کمرہ تک سٹریچر پر جاؤں"۔ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ کراچی کا عملہ انہیں ایسی حالت میں دیکھے کہ وہ کھڑا ہونے سے بھی معذور ہوں۔ جناح نے ۲۸ر اگست کے بعد عملاً کھانا پینا چھوڑ دیا۔ بخش جب بھی کوئی خوراک دینے کی کوشش کرتے' وہ کہتے "ڈاکٹر تم مجھے حد سے زیادہ کھلا رہے ہو۔ میں نے اتنا کبھی نہیں کھایا' اس وقت بھی جب میں بالکل تندرست تھا۔ چند سال پہلے میں نے بمبئی میں ایک یورپی سفارت کار کو کھانے پر بلایا۔ اس نے یخنی نہیں پی۔ میں نے یہ بات نوٹ کی لیکن اسے کچھ نہیں کہا۔ دل میں سوچا' ممکن ہے اسے پسند نہ ہو' جب مچھلی لائی گئی تو اس نے وہ بھی نہیں کھائی۔ مجھے مزید حیرت ہوئی' تاہم چپ رہا۔ آخر میں گوشت کے پارچات کھانے کے لئے رکھے گئے اور اس نے ان کو چھوا تک نہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا' میں نے مہمان سے اس کے پرہیز کا سبب پوچھا تو اس نے انکشاف کیا کہ وہ گزشتہ چھ ہفتے سے صرف سلاد پر گزارہ کر رہا ہے۔ اس پر ہمیں اور بھی حیرانی ہوئی کیونکہ بظاہر اس کی صحت بڑی اچھی تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے آدمی اتنے طویل عرصہ تک محض سلاد کھا کر زندہ رہ سکتا اور اچھی صحت برقرار رکھ سکتا ہے؟

موت کی آرزو

اب جناح چائے اور کافی کے چند کپ پی کر زندگی گزار رہے تھے اور بعض اوقات گولیاں کھانے کے لئے سادہ پانی استعمال کرتے۔ وہ سارا دن خاموش اور بے حس و حرکت' بے سدھ بستر میں لیٹے رہتے۔ اگست کے آخری ایام میں ایک دن انہوں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "فاطی' مجھے زندہ رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں' جتنی جلدی مرجاؤں' اتنا ہی بہتر ہے"۔ ۲۹ر اگست کو انہوں نے بخش سے کہا "اب میرے زندہ رہنے یا مرجانے سے کوئی

فرق نہیں پڑتا"۔ بخش نے ان کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو دیکھے اور ایک ایسے شخص کی طرف سے جو دیکھنے میں عموماً غیر جذباتی اور بے لوچ لگتا تھا' جذبات کا یہ اظہار دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ وہ کمتر قوت حیات کے باوجود اپنی ناقابل شکست قوت ارادی کے بل پر زندہ ہیں۔ میں نے تجربہ سے یہ بات سمجھی ہے کہ جب کوئی مریض ہمت ہار دے تو کوئی علاج بھی خواہ وہ کتنا ہی مکمل و موثر کیوں نہ ہو' زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ اس بات سے بڑا پریشان ہوا کہ آہنی عزم کے مالک شخص نے بیماری کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

ستمبر میں جناح کو تپ دق' اور پھیپھڑوں کے کینسر کے ساتھ ساتھ نمونیہ بھی ہو گیا۔ ان کا درجہ حرارت ۱۰۰ درجے تک پہنچ گیا۔ نبض کی رفتار غیر متوازن ہو گئی اور اکثر ڈوبنے لگی۔ سانس لینے میں مدد دینے کے لئے آکسیجن کی ضرورت پڑ گئی۔ اصفہانی کو تار دیا گیا کہ وہ منوسوٹا کے میوکلینک سے ڈاکٹر ہنشا کو فوراً کوئٹہ روانہ کریں۔ بخش نے کراچی سے ڈاکٹر ایم اے مستری کو بھی بلا بھیجا۔ وہ اگلی صبح یعنی ۹ ستمبر کو پہنچ گیا۔ وہ گائز ہسپتال لندن میں بخش کا ہم جماعت رہ چکا تھا۔ مریض کا معائنہ کرنے کے بعد مستری نے بخش کی تشخیص' علاج اور مشوروں کی تائید و توثیق کی۔ وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اب کوئی امریکی ڈاکٹر بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ جناح کو بے چینی سے پہلو بدلتے وقت بڑبڑاتے سنا گیا۔ "کشمیر کمیشن نے مجھ سے وقت لیا تھا۔ وہ اب تک کیوں نہیں آئے؟ وہ کہاں ہیں؟"۔

کوئٹہ سے کراچی کو واپسی

۱۱ ستمبر ۴۸ء کو گورنر جنرل کا وائی کنگ اور دو ڈکوٹا طیارے ان کے عملہ اور سامان کو لے جانے کے لئے کوئٹہ پہنچ گئے۔ وہ دن کے دو بجے پرواز کے لئے تیار کھڑے تھے۔ جب ان کا سٹریچر وائی کنگ کے کیبن میں لایا گیا تو پائلٹ اور عملہ لائن بنا کر کھڑا ہو گیا اور انہوں نے سیلوٹ کیا۔ جواب میں انہوں نے آہستہ سے ہاتھ ہلایا۔ سامنے والے کیبن میں ایک بستر لگا دیا گیا تھا جس پر انہیں لٹا دیا گیا اور فاطمہ ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ ڈاکٹر مستری بھی قریب ہی موجود رہا۔ آکسیجن سلنڈر اور ایک گیس ماسک تیار رکھا گیا۔ قریباً دو گھنٹے کی پرواز کے بعد سوا چار بجے یہ طیارہ ماڑی پور کے ایئر فورس بیس پر اترا' جہاں وہ ایک برس قبل بڑی امید اور اعتماد کے ساتھ اترے تھے' جو پاکستان کی بطور ایک عظیم قوم تعمیر کے لئے ضروری تھا۔ اس وقت "ہزاروں لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے امنڈ پڑے تھے"۔ فاطمہ جناح اپنی یادداشتوں میں لکھتی ہیں "لیکن اس دن حسب ہدایت کسی کو ایئرپورٹ کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہم طیارے سے اترے تو کرنل نولز نے استقبال کیا۔ وہ جناح کا ملٹری سیکرٹری تھا۔ اور ایک فوجی ایمبولینس لے کر آیا تھا جس میں گورنر جنرل کے سٹریچر کو رکھا گیا۔ میں اور کوئٹہ سے آنے والی نرس سسٹر ڈنہم جیپ کے پچھلے حصہ میں بیٹھ گئے۔ جبکہ ڈاکٹر جناح کی نئی کیڈلک کار میں سوار ہو گئے۔

فاطمہ کی زندگی کا اذیت ناک لمحہ

چار یا پانچ میل طے کرنے کے بعد ایمبولینس میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور وہ ایک جھٹکے سے اچانک رک گئی۔ پانچ منٹ بعد میں باہر نکلی تو بتایا گیا کہ پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ تاہم ڈرائیور انجن میں بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

اس جگہ ٹھنڈی ہوا بھی میسر نہ تھی اور مرطوب گرمی میں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ اس بے چینی پر مستزاد وہ سینکڑوں مکھیاں تھیں جو ان کے چہرہ کے اردگرد منڈلا رہی تھیں اور ان میں اڑانے کی سکت نہ تھی۔ دوسری ایمبولینس کی آمد کے انتظار میں سسٹر ڈنہم اور میں باری باری انہیں پنکھا جھلتی رہی۔ ہر منٹ بڑی اذیت میں گزر رہا تھا۔ انہیں کار میں منتقل کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس میں سٹریچر آجاتا۔

کرنل بخش لکھتے ہیں۔ "اس بات پر حیران ہوتے ہوئے کہ کیا ہوگیا ہے' میں کار سے اترا تو پتہ چلا کہ انجن میں خرابی کے باعث بریک ڈاؤن ہوگیا ہے۔ ڈرائیور یقین دلا رہا تھا کہ وہ بہت جلد خرابی پر قابو پالے گا۔ وہ قریباً ۲۰ منٹ تک ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ لیکن ایمبولینس سٹارٹ نہ ہو سکی۔ مس جناح نے ملٹری سیکرٹری کو دوسری ایمبولینس لینے بھیج دیا۔ ڈاکٹر مستری بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں نے جناح کی نبض دیکھی تو وہ یکسر بے قاعدہ اور انتہائی خفیف محسوس ہوئی۔ میں دوڑ کر گیا اور ایک تھرموس میں گرم چائے لایا۔ مس فاطمہ نے جلدی سے انہیں ایک کپ دیا۔ میں یہ سوچ کر کانپ اٹھا۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہوگی کہ وہ فضائی سفر میں تو سلامت رہے لیکن سڑک کے کنارے دم توڑ گئے۔ یہ کراچی کے جنوب کی سمت جانے والی شاہراہ کا ایک کم مصروف حصہ تھا' جس کے اردگرد مہاجرین کی جھونپڑیاں آباد تھیں۔ وہ لوگ اپنے کام کاج میں مصروف تھے اور اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے لئے آزاد وطن حاصل کرنے والا رہنما ان کے درمیان کس بے بسی کی حالت میں پڑا ہے۔ کاریں پوں پوں کرتی ہوئی پاس سے گزر رہی تھیں' بسیں اور ٹرک شور مچا رہے تھے اور ہم وہاں ایک ایمبولینس میں بے دست و پا بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو ایک انچ آگے بڑھنے کو تیار نہ تھی۔ ہمیں ایک گھنٹہ سے زیادہ انتظار کرنا پڑا اور فاطمہ کے بقول "یہ گھنٹہ ان کی زندگی کا سب سے زیادہ اذیت ناک لمحہ تھا"۔

آخری گھڑی آ پہنچی

ایئرپورٹ سے گورنمنٹ ہاؤس پہنچنے میں اس سے آدھا وقت لگا جتنا کہ کوئٹہ سے کراچی تک پوری پرواز میں صرف ہوا تھا۔ یہ لوگ شام کو ۶ بج کر ۱۰ منٹ پر گورنر جنرل مینشن میں داخل ہوئے۔ گھر پہنچ کر جناح کی آنکھ لگ گئی اور قریباً دو گھنٹے سوئے۔ پھر اچانک آنکھیں کھولیں اور نحیف سی آواز میں بولے "فاطی" اتنا کہہ پائے تھے کہ ان کا سر دائیں طرف لڑھک گیا اور آنکھیں خودبخود بند ہوگئیں۔ فاطمہ ڈاکٹر' ڈاکٹر چلاتی ہوئی باہر کی طرف دوڑیں' ڈاکٹر تیزی سے اندر آئے۔ انہوں نے نبض ٹٹولی اور ٹیکے لگائے۔ "میں ان کے سرہانے خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی سب کچھ دیکھتی رہی' پھر ڈاکٹروں نے سر سے پاؤں تک ان کا جسم چادر سے ڈھانپ دیا اور خود فرش پر بیٹھ گئے۔ میں سمجھ گئی کہ میرے محبوب بھائی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے"۔ فاطمہ نے اپنی یادداشتوں میں نوٹ کیا۔

قائداعظم نے ۱۱ ستمبر ۴۸ء کو رات کے سوا دس بجے انتقال فرمایا۔ ان کا وزن گھٹتے گھٹتے صرف ۷۰ پونڈ رہ گیا تھا۔ انہیں اگلے دن کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں آج کل سنگ مرمر کا ایک خوبصورت مقبرہ موجود ہے' جس میں تاریخ کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر' مستقل مزاج اور سمجھ میں نہ آنے والی شخصیات میں سے ایک ہستی آرام فرما ہے۔

آل اولاد

فاطمہ جناح جو اپنے بھائی کی زیادہ تر املاک کی وارث بنیں، ۹ر جولائی ۶۷ء کو دم واپسیں تک پاکستان میں قیام پذیر رہیں۔ اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مادر ملت نے ایوب خاں کے خلاف صدارتی انتخاب لڑا اور ملک کے مشرقی بازو میں بھاری اکثریت حاصل کی، تاہم ایوب خاں کی "بنیادی جمہوریت" کی تکنیک نے انہیں ہرا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنے عظیم بھائی کی زندگی پر کتاب لکھنے میں مصروف ہوگئیں۔

جناح کی صاحبزادی دینا ان کی زندگی میں کبھی پاکستان نہیں آئی۔ صرف جنازہ کی دعا میں شرکت کے لئے کراچی پہنچی اور جلد ہی لندن لوٹ گئی۔ جب اس نے پارسی والدین کے ہاں جنم لینے والے عیسائی شخص (نیول واڈیا) کے ساتھ شادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو قائد اعظم نے اسے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس حد سے بھی آگے چلے گئے جہاں تک سرڈنشا پٹیٹ گیا تھا۔ جسٹس چھاگلہ کی روایت ہے "جناح نے حسب معمول اپنے نادر شاہی انداز میں دینا سے کہا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکے موجود ہیں اور وہ جسے پسند کرے، اسی کے ساتھ شادی کردی جائے گی"۔ اس پر نوجوان صاحبزادی نے، جو حاضر جوابی میں اپنے باپ سے بڑھ کر تھی، برجستہ کہا "ابا جان! ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکیاں موجود تھیں، آپ نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ کیوں شادی نہیں کی تھی؟"۔ باپ لاجواب ہوگیا اور اس نے شادی کے بعد اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو دوبارہ منہ نہیں لگایا۔ گو دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا، تاہم جناح رسمی طور پر اسے "مسز واڈیا" کہہ کر مخاطب کرتے۔ اپنے دوستوں سے اس کے متعلق گفتگو کرنے سے اجتناب برتتے اور برملا کہتے کہ ان کی "کوئی بیٹی نہیں ہے"۔

دینا جناح اور نیول واڈیا بمبئی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے دو بچے ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ واڈیا نے، جو واڈیا کمرشل ٹیکسٹائل فرم کا مالک تھا، سارا کاروبار اپنے بیٹے نصلی کے سپرد کردیا۔ وہی آج کل واڈیا انڈسٹریز لیمٹڈ کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا سربراہ ہے۔ اس کے دو بیٹے ہیں جو بمبئی میں رہتے ہیں۔ دینا کی ایک بیٹی بھی ہے، وہ مین ہٹن (برطانیہ) میں رہتی ہے۔ جناح کی موت کے وقت وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اپنے نانا کے بارے میں اسے کچھ یاد نہیں۔ نیول واڈیا نے دینا کو طلاق دینے کے بعد ہندوستان کو خیرباد کہا اور سوئٹزرلینڈ میں جا بسا۔ دینا نیویارک چلی گئی اور ۱۹۸۲ء تک وہیں ماڈیسن ریونیو میں اکیلی رہتی تھی۔ گویا جناح کی اصل آل اولاد میں سے کسی نے بھی پاکستان کو اپنا وطن بنانا پسند نہیں کیا۔ ○○

(" جناح آف پاکستان " کے بارے میں وضاحت اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

فرمانِ قائد اعظمؒ

ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے، اتنا ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت میں ہم ابھریں گے، جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔

ضروری وضاحت

سٹینلے والپرٹ کی کتاب " جناحؒ آف پاکستان " کی دُنیا بھر میں دھوم ہے 'اِس میں مصنّف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے قائداعظمؒ کی شخصیت کو اجاگر کیا اور برّصغیر کے سیاسی حالات و واقعات پر روشنی ڈالی ہے ---- اس کتاب میں بیان کردہ کئی واقعات اور ان سے اخذ کئے جانے والے نتائج کی صحت سے انکار کیا جا سکتا ہے ' لیکن یہ نہ بھولا جائے کہ مصنّف امریکی ہے اور وہ اپنی ثقافت کے پس منظر میں سوچتا اور نتائج اخذ کرتا ہے ---- ہم نے اس کتاب کا ترجمہ جوں کا توں چھاپ دیا ہے ' صرف صفحہ ۷۸ اور ۷۹ پر مصنف نے قائد کی ذاتی زندگی کے بارے میں جن دو واقعات کا ذکر کیا تھا 'انہیں حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں واقعات قائدؒ کی مجموعی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتے اور ان کی تردید مصنّف نے اپنے بیان کردہ بعض دوسرے واقعات سے بھی کر دی ہے ---- مصنّف نے قائد کی بیٹی کی پیدائش کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس وقت رتّی جناح سینما دیکھ رہی تھیں " فریڈم ایٹ مِڈ نائٹ " کے مصنّف نے اس سے اتفاق نہیں کیا 'مصنّف کو یہاں بھی غلط فہمی ہوئی ---- بیٹی کی ولادت مکان میں ہُوئی ' سینما ہال میں نہیں۔

ہم اِس کتاب کو اِس لئے چھاپ رہے ہیں کہ مصنّف کا مجموعی رویہ مُثبت ہے اور اُس نے قائد کی شخصیت کو دنیا سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ---- اس میں بیان کردہ بعض واقعات کی مغالطہ انگیزی سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے حوالے سے بھی مصنّف نے جو کچھ لکھا ہے 'اس پر غور کرنے اور اس کی غلط فہمیوں کو حقائق کی زبان میں دور کرنے کی ضرورت ہے۔

(ایڈیٹر)

(از سرشتہ بلدیہ اٹک)

اشتہار ٹینڈر نوٹس

پہلی تاریخ وصولی ٹینڈر = ۹۱ - ۹ - ۸ دوسری تاریخ وصولی ٹینڈر = ۹۱ - ۹ - ۱۸ تیسری تاریخ وصولی ٹینڈر = ۹۱ - ۱۰ - ۲۲۔

مندرجہ ذیل کاموں کے لئے منظور شدہ ٹھیکیدران جنہوں نے سال رواں کی فیس بلدیہ کے فنڈ میں جمع کرا دی ہیں۔ سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر نیچے درج شدہ تاریخ کو دن کے بارہ بجے تک وصول کئے جائیں گے۔ مذکورہ تاریخ اور وقت پر ٹھیکیداران اور ان کے نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے جو اس وقت وہاں موجود ہوں گے۔ ۱۔ ڈاک اور تار کے ذریعے ارسال شدہ ٹینڈروں پر غور نہیں کیا جائے گا۔ ۲ - زر ضمانت صرف چالرین بلدیہ یا منظور شدہ بنک کی سی' ڈی' آر قابل قبول ہو گی۔ ۳ - زر ضمانت کی عدم موجودگی میں نہ تو ٹینڈر جاری کئے جائیں گے اور نہ ہی ان پر غور کیا جائے گا۔ ۴ - کام کی تفصیل دفتر بلدیہ کے میونسپل انجینئر کے پاس دفتری اوقات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ۵ - جناب چیئرمین بلدیہ کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ بغیر وجہ بتائے تمام ٹینڈروں کو مسترد کر دیں۔ ٦ - مشکوک ٹینڈر قابل قبول نہ ہو گا۔ ۷ - ٹینڈروں کے کاغذات فیس ادا کر کے ٹینڈروں کی وصولی کی تاریخ سے ایک دن پیشتر دفتر بلدیہ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ۸ - ٹینڈر وہ ٹھیکیدار دے سکتے ہیں جو محکمہ لوکل گورنمنٹ کے منظور شدہ ہوں بعد ادائیگی۔ میونسپل فیس جمع کرا کے ٹینڈر دے سکتے ہیں۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ	ضمانت	مدت
۱ ـ	تعمیر سڑک پڑی تا کینٹی تک	۸۷۷۲۲۳/=	۱۷۵۰۰/=	۶ ماہ
۲ ـ	تعمیر سڑک آر سالی ـ تا بسائی روڈ	۷۳۸۷۶۰/=	۱۵۰۰۰/=	۵ ماہ
۳ ـ	تعمیر سڑک عید گاہ تا نالہ تک	۱۷۳۸۰۵۱/=	۳۵۰۰۰/=	۸ ماہ
۴ ـ	تعمیر تانگہ اسٹینڈ اٹک شہر	۱۵۰۰۰۰/=	۲۵۰۰/=	۳ ماہ
۵ ـ	تعمیر ٹیکسی سٹینڈ اٹک شہر	۸۰۰۰۰۰/=	۱۶۰۰۰/=	۵ ماہ
۶ ـ	تعمیر ویگن سٹینڈ اٹک شہر	۳۰۰۰۰۰/=	۶۰۰۰/=	۴ ماہ
۷ ـ	تعمیر گلیاں وارڈ نمبر ۵	۵۰۰۰۰/=	۱۰۰۰/=	۲ ماہ
۸ ـ	تعمیر پل وارڈ نمبر ۵	۵۰۰۰۰/=	۱۰۰۰/=	۲ ماہ
۹ ـ	تعمیر گلی اسحاق اور صدیق حجام والی ' وارڈ نمبر ۳	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۰ ـ	تعمیر گلی پی سی ی ڈپٹی سلطان محمود وارڈ نمبر ۱۲	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۱ ـ	تعمیر گلی اور نالیاں وارڈ نمبر ۱۷	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۲ ـ	تعمیر گلی پشاوری فروٹ اور نالیاں وارڈ نمبر ۶	۷۰۰۰۰/=	۱۴۰۰/=	۲ ماہ
۱۳ ـ	بچھائی سیوریج لائن محلہ سمندر آباد	۳۰۰۰۰/=	۶۰۰/=	۲ ماہ
۱۴ ـ	تعمیر گلی اور نالیاں وارڈ نمبر ۱۱	۷۰۰۰۰/=	۱۴۰۰/=	۲ ماہ
۱۵ ـ	بچھائی سیوریج لائن وارڈ نمبر ۱۱	۳۰۰۰۰/=	۶۰۰/=	۲ ماہ
۱۶ ـ	تعمیر گلیاں' نالیاں' پلیاں وارڈ نمبر ۱۳	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۷ ـ	پر نمس کرائی گلی میاں ارشاد پراچہ والی وارڈ نمبر ۱۵	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۸ ـ	تعمیر گلیاں اور نالیاں وارڈ نمبر ۸	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۱۹ ـ	پر نمس کرائی تعمیر سڑک ڈھوک فتح وارڈ نمبر ۴	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۲۰ ـ	تمن کوڈ تارنگ سڑک ڈھوک فتح نزد فلور ملز	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۲۱ ـ	تعمیر سکول بہاری کالونی	۲۵۰۰۰۰/=	۵۰۰۰/=	۲ ماہ
۲۲ ـ	پر نمس کرائی کرائی سڑک خواجہ شریف ـ ر A	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۲۳ ـ	تعمیر گلیاں اور نالیاں وارڈ نمبر ۹	۶۰۰۰۰/=	۱۲۰۰/=	۲ ماہ
۲۴ ـ	بچھائی سیوریج لائن وارڈ نمبر ۹	۴۰۰۰۰/=	۸۰۰/=	۲ ماہ
۲۵ ـ	تعمیر گلیاں اور نالیاں وارڈ نمبر ۱۰	۷۰۰۰۰/=	۱۴۰۰/=	۲ ماہ
۲۶ ـ	بچھائی سیوریج لائن وارڈ نمبر ۱۰	۳۰۰۰۰/=	۶۰۰/=	۲ ماہ

۲۷ ـ	بچھائی سیوریج لائن محلہ چھوئی ایسٹ	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۲۸ ـ	تعمیر گلیاں اور نالیاں کرچن ٹاؤن	۷۰۰۰۰/=	۱۴۰۰/=	۲ ماہ
۲۹ ـ	تعمیر گلی پی سی ی رحمت مسیح والی بلاک آر	۳۰۰۰۰/=	۶۰۰/=	۲ ماہ
۳۰ ـ	تعمیر گلیاں وارڈ نمبر ۷	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۳۱ ـ	تعمیر ریلوے گراؤنڈ	۱۰۰۰۰۰/=	۲۰۰۰/=	۲ ماہ
۳۲ ـ	تعمیر گلیاں وارڈ نمبر ۱۴	۷۰۰۰۰/=	۱۴۰۰/=	۲ ماہ
۳۳ ـ	سیوریج لائن وارڈ نمبر ۱۴	۳۰۰۰۰/=	۶۰۰/=	۲ ماہ
۳۴ ـ	پرنکس روڈ مسجد شہید	۲۰۰۰۰۰/=	۴۰۰۰/=	۲ ماہ
۳۵ ـ	پرائمری سکول چیلنز کالونی	۲۷۳۰۰۰/=	۵۴۶۰/=	۸ ماہ
۳۶ ـ	پرائمری سکول ڈھل آباد	۲۰۰۰۰۰/=	۴۰۰۰/=	۸ ماہ
۳۷ ـ	تعمیر نالہ وارڈ نمبر ۹	۳۲۵۰۰۰/=	۳۹۰۰/=	۴ ماہ

المشتہر

شیخ شاہد محمود
چیئرمین بلدیہ اٹک

I.P.L. 6989

ٹینڈر نوٹس

سربمہر ٹینڈر مختلف کاموں کے لئے جنکی تفصیل نیچے درج ہے مورخہ 91-9-10 بوقت 12 بجے دوپہر تک ٹینڈر بکس میں ڈال دیں جو میونسپل انجینئر کے دفتر میں پڑا ہے۔

1- چیئرمین صاحب ٹینڈروں کے متعلق فیصلہ کرنے کے ہر طرح مجاز ہونگے۔

2- صاحب موصوف اس امر کے مجاز ہونگے کہ کسی ایک ٹینڈر کو یا سب ٹینڈروں کو بغیر وجہ بتائے نامنظور کردیں۔

3- ہر ٹھیکیدار کی زرضمانت سیونگ بینک میں بنام مشتہر کنندہ اشتہار ہذا جمع ہو۔

نوٹ:- زربیعانہ کے بغیر کوئی ٹینڈر قابل قبول نہ ہوگا۔ نیز ٹینڈر وصول کرنے کی تاریخ کو کوئی ٹینڈر جاری نہ ہوگا۔ محکمہ کسی قسم کی مشینری، روڈ میٹریل کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

نمبر شمار	تفصیل کام	تخمینہ لاگت	ضمانت	مدت
1-	دوبارہ تعمیر گلی محمد شیو والی نور پور شرقی وارڈ نمبر 8	21200	430	بمطابق ورک آرڈر
2-	تعمیر نالیاں فرش بندی مکان امین تا انور نور پور شرقی	19200	380	
3-	تعمیر کنکریٹ فلور و نالی گلی شبیر احمد چودھری امتیاز نور پور شرقی	25000	500	
4-	تعمیر نالی نزد مکان علی بہادر گلی نمبر 5 خالد آباد	9000	180	
5-	تعمیر گلی لنک 7،6 محلہ خالد آباد	12000	240	
6-	بھرائی مٹی و تعمیر نالی نزد کارخانہ بوتلاں والا غریب پورہ	13000	260	
7-	تعمیر گلی مولوی محمد صدیق چوہان والی امین آباد	23200	460	
8-	تعمیر گلی سولنگ کرنل شاہین والی امین آباد	15000	300	
9-	تعمیر آر سی سی سلیب گلی جامع مسجد دسوندھی پورہ	23000	460	
10-	تعمیر آر سی سی سلیب گلی بشیر انصاری والی دسوندھی پورہ	25000	500	
11-	تعمیر گلی اختر شاہ والی لنک بلال مسجد خالد آباد	14700	290	
12-	تعمیر گلی جامع مسجد غوثیہ والی چاند تا اللہ دتہ کوٹ رانجھا	19000	380	
13-	تعمیر گلی حاجی میاں خاں والی کوٹ رانجھا	16000	320	
14-	تعمیر گلیت نالیاں خالد بٹ والی امین آباد	23500	470	
15-	تعمیر گلی نمبر 10 ربی فورمین والی سردار پورہ (خالد آباد)	14000	280	
16-	گلی و نالی مستری بہادر خاں کارخانہ غلام محمد بوتلاں والا خالد آباد	16000	320	
17-	تعمیر گلی سولنگ مکان بشیر تا محمد اقبال ٹبی مزاراں	20000	400	
18-	بھرائی مٹی گلی محمد حسین والی محلہ حیات پورہ	20500	470	
19-	تعمیر گلی محمد اعظم بیگ والی نزد مسجد ٹبی گوریاں	8000	160	
20-	تعمیر نالی آہنی جنگلہ گلی نزد لال مسجد قاسم پورہ	5500	110	

80-	تعمیر کنکریٹ فلور گلی اسلم ہاش وحدت آبادی وارڈ نمبر10	21900	430
81-	دوبارہ تعمیر گلی خوجدین والی مقبول آباد	21500	430
82-	تعمیر کنکریٹ فلور گلی خاں محمد گھڑی فروش سرکلر روڈ نمبر15	113300	220
83-	تعمیر نالیاں کنکریٹ فلور گلیاں ملحقہ حسین منزل بخشو پورہ	20200	410
84-	لگانا آہنی جنگلہ پی سی سی فرش نزد دیا سر ندیم جنرل سٹور بخشو پورہ	9500	180
85-	بچھانا پی وی سی پائپ ز علی پورہ تا نیر انڈسٹری رحمان شہید روڈ	52000	1040
86-	بورنگ نیا ٹیوب ویل کالرہ خاصہ	400000	8000
87-	بھرائی مٹی گلی فراست فین (جنوبی) سلطان آباد	9900	200
88-	واٹر سپلائی لائن بچھانا گلی نیو مڈل سٹار ماڈل سکول متصل سوئی گیس گلزار مدینہ روڈ	10600	200
89-	تعمیر سولنگ گلی مرزا عبدالکریم والی شاہ فیصل پورہ	10000	200
90-	تعمیر گلی نالی چھوٹی مسجد والی ضیاء الاسلام	20000	400
91-	تعمیر فرش بندی مکان محمد حسین نیو مرغزار کالونی چناب آئس فیکٹری ممندہ روڈ	14000	280
92-	مہیا کرنا لگانا پی وی سی پائپ ممندہ روڈ تا رہائش گاہ محمد اکرم شاہ کانوانواں روڈ	20000	400
93-	تعمیر گلی نالیاں نصر اللہ خاں صاحب بادشاہی روڈ فیصل ٹاؤن	25000	500
94-	تعمیر نالیہ بالمقابل مرزا انور بیگ ملحقہ بادشاہی روڈ چاہ بڈھا	16700	330
95-	دوبارہ تعمیر گلی و نالی مکان پروفیسر مشتاق احمد گلشن کالونی	6550	130
96-	دوبارہ تعمیر گلی و نالیاں گلی راجہ سرور صاحب والی چاہ بڈھا	8650	180
97-	تعمیر نالیاں و نصب کرنا آہنی جنگلہ دار کار فین سے شبیر چیمہ گلشن کالونی	10300	200
98-	تعمیر باورچی خانہ رہائش راجہ محمد اعظم روڈ کلرک صفائی برانچ	20000	400
99-	دوبارہ تعمیر گلی نزد ہیڈ ماسٹر جناح روڈ بلدیہ گجرات .	9000	180
100-	تعمیر نالیاں و ڈالنا پی وی سی پائپ گلی اللہ فین والی شاہدولہ روڈ	32100	600
101	کنکریٹ فلورنگ ہر رنگ روغن سفیدی وغیرہ رہائش فائر آفیسر بلدیہ	9200	180
102-	واٹر سپلائی لائن گلی اسلحہ والی بالمقابل حبیب ہسپتال مسلم آباد	14130	280
103-	ری سرفیسنگ امپرومنٹ آف روڈ از فوارہ چوک تا جیل چوک بلدیہ گجرات	354000	7100
104-	تعمیر نالیاں فرش بند بھرائی مٹی گلی شیخ محمد اختر کشمیر کالونی وارڈ نمبر5	. 37800	7600
105-	تعمیر گلی صوبیدار والی محلہ چاہ آرائیاں	13000	260

106۔ تعمیر گلی غلام حید رسیال والی محلہ چاہ آرائیاں	25000	500
107۔ تعمیر نالیاں کنکریٹ فلور گلی حاجی محمد بشیر چاہ زینگ بالمقابل سردار فین	25000	500
108۔ تعمیر نالیاں گلی بابا حیدر شاہ والی محلہ نور پور بڈھے	25000	500
109۔ دوبارہ تعمیر گلی حاجی برکت مرحوم لنک میاں خالد فاروق والی محلہ رنگو پورہ	31000	620
110۔ دوبارہ تعمیر گلی حوالدار محمد عارف والی لنک برکت علی والی محلہ رنگپورہ	28500	570
111۔ کنکریٹ فلور نزد یونائیٹڈ بینک مسلم بازار کٹڑہ	74500	1490
112۔ پریڈ نگسر تارنگ ریلوے روڈ گجرات۔	634000	12380
113۔ تعمیر نالیاں فرش بندی گلی رشید احمد خرادیا کالو پورہ روڈ گجرات	24500	6500
114۔ تعمیر گلی نالی فرش بندی گلی منظور فین جی ٹی روڈ گجرات	39000	800
115۔ تعمیر گلی نالی فرش بندی اشفاق رضی والی	87000	1750

نیلام ٹھیکہ جات

میونسپل کمیٹی درج ذیل ٹھیکہ جات برائے سال 92-1991ء عرصہ 10 ماہ 91-9-15 تا 92-6-30 بذریعہ نیلام عام بمقام دفتر بلدیہ مورخہ 91-9-8 11 بجے دن بذریعہ نیلام عام دے رہی ہے۔ شرائط نیلام موقع پر سنائی جائیں گی۔

1۔ سلاٹر ہاؤس فیس — زرضمانت 10 ہزار روپیہ

2۔ تانگہ سٹینڈ جی ٹی ایس — زرضمانت 10 روپیہ

3۔ لیٹرن مسلم بازار رحمت مارکیٹ — زرضمانت 5 ہزار روپیہ

4۔ کوڑا کرکٹ — زرضمانت 10000 ہزار روپیہ

نیلامی درختاں

بلدیہ گجرات رحمان شہید روڈ و بھمبر روڈ پر واقع درخت شیشم و کیکر خشک بذریعہ نیلام عام مورخہ 91-9-10 بوقت گیارہ بجے دن موقع پر بذریعہ نیلام عام فروخت کرے گی خواہشمند حضرات موقع پر فائدہ اٹھائیں شرائط نیلام موقع پر سنائی جائیں گی۔

ضرورت ہے

میونسپل کمیٹی گجرات کو برائے مشورہ قانونی امور مقدمات نمٹانے کے لئے جزوقتی قانونی مشیر کی ضرورت ہے امیدوار کی تعلیم قابلیت بی اے ایل ایل بی ہونی چاہئے ورا سے بلدیاتی امور کے بارے میں 15 سال تجربہ بھی ضروری ہے۔ خواہشمند حضرات امیدوار مورخہ 91-8-31 تک اپنی درخواست ہائے معہ اسناد زیر دستخطی کو ارسال کریں۔ تعیناتی 2 سال کے لئے ہوگی اور ماہور مشاہرہ مبلغ 2000 ہوگا۔

المشتہر۔ مرزا محمد صدیق چیئرمین بلدیہ گجرات

آئی پی ایل 6799

اشتہار نیلام

ہر خاص وعام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۹۱ء بوقت دس بجے صبح بمقام بھکر کینال ریسٹ ہاؤس میں ٹمبر و بالن کھڑے گرے پڑے خشک درختاں کا نیلام ہو گا۔ محکمانہ کٹائی شدہ ٹمبروبالن چک ۴۰ ٹی ڈی اے۔ سیدوالا، ون آر روڈی۔ حافظہ والا۔ ہیڈ پکا۔ مہاجر برانچ۔ جبی والا ہرنولی۔ شاہ پور برانچ (میانی) باقرہ۔ جہان آباد۔ بجن۔ کھادر۔ سدرن برانچ۔ لڈے والا۔ ببری والا۔ دھوری۔ فقیریاں۔ سیل ڈپو ٹمبر مختلف اقسام ۱۰۶۴۷۰ مکعب فٹ۔ بالن ۵۶۱۹۹ مکعب فٹ ایستادہ سبز خشک گرے پڑے درختاں ازاں بوتالہ۔ دھوریاں۔ 1R تا 5R دھوریاں، غلاماں، آدھی کوٹ راجباہ، بولاڈرین، مونہ بھیرہ سسٹم۔ رکن۔ چٹ۔ اجووال۔ لورنگ راجباہ تعدادی درختاں: ۱۱۹۶۲۔ ۲۰۷۸۱۴ شیشم یونٹ

دیگر تفصیلات یعنی لاٹ وارہ بشرائط نیلام کے بارے میں معلومات زیر دستخطی کے دفتر سے کسی بھی دن اوقات کار میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں

مہتمم جنگلات

کینال سائیڈ پلانٹیشن ڈویژن

سرگودھا

I.P.L 6994

شارٹ ٹینڈر نوٹس

ضلع کونسل خانیوال کے منظور شدہ ٹھیکیداران سے درج ذیل تفصیل کے مطابق سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر فارم دفتری اوقات میں مورخہ ۹۱-۹-۸ دفتر ڈسٹرکٹ انجینئر سے قیمتاً حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ٹینڈر فارم مورخہ ۹۱-۹-۹ کو وصول کئے جائیں گے اور اسی روز ٹھیکیداران کی موجودگی میں بوقت ۱۲ بجے کھولے جائیں گے۔ زیر دستخطی کو ایک یا کل ٹینڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نوٹ :۔ مطلوبہ تاریخ کو ٹینڈر نہ آنے کی صورت میں درج ذیل تاریخوں کو ٹینڈر لئے جائیں گے۔ مورخہ ۹۱-۹-۱۲، ۹۱-۹-۱۶

نمبر شمار	نام کام	تخمینہ	زرضمانت	مدت تکمیل
۱۔	سولنگ چک نمبر ۱۰۔ آر/۴۷	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	بمطابق ورک آرڈر
۲۔	تعمیر انڈسٹریل ہوم ۵ سی	۸۰۰۰۰۰	۱۶۰۰	"
۳۔	سولنگ چک ۱۰۔ آر/۱۳۵ جدید	۴۰۰۰۰	۸۰۰	"
۴۔	سولنگ چک بستی ارائیاں	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۴-a۔	تعمیر دیوار کوٹ مو لچند بر کنارہ سولنگ	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۵۔	تعمیر کمرہ ڈسپنسری ۱۰۔ آر/۱۳۷	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۶۔	تعمیر گیٹ و دیوار گرلز مڈل سکول ۱۰۔ آر/۱۳۸	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۷۔	سولنگ چک نمبر ۱۰۔ آر/۱۳۷	۸۰۰۰۰۰	۱۶۰۰	"
۸۔	تعمیر چار دیواری ریڈنگ روم ۱۰۔ آر/۱۳۶	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۹۔	تعمیر سولنگ و نالی چک نمبر ۱۰۔ آر/۳۵	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۰۔	تعمیر سولنگ چک تریموں سے ماہی والہ	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۱۔	تعمیر سولنگ و نالی گرڈ سٹیشن ۵ کسی	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۱-a۔	تعمیر سولنگ و اندرون چک ۱۰۔ آر/۱۵۲ تا ۱۰۔ آر/۱۵۶	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۲۔	تعمیر سولنگ بستی ورس والی ۳ کسی	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۱۳۔	تعمیر سولنگ چوڑیاں والہ ۸ کسی	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۱۴۔	تعمیر سولنگ پل ماڑی سوسے ڈیرہ رشید تمالہ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۱۵۔	تعمیر پلیات چاہ فلک شیر دیندار	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۶۔	تعمیر سولنگ بائی پاس خانویال چاہ ہرے والا	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۱۷۔	توسیع سولنگ و نالی بلاقی والا ۵ کسی	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۱۸۔	تعمیر پختگی سڑک مولا پور	۷۰۰۰۰	۱۶۰۰	"
۱۹۔	تعمیر پلی راجیاہ چاون چاہ عمردین والہ	۲۰۰۰۰	۱۶۰۰	"
۲۰۔	سولنگ ۵ کسی تا سولکور تعمیر نالہ	۸۰۰۰۰	۱۶۰۰	"
۲۰-a۔	سولنگ و نالیا ۱۰۔ آر/۴۸	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۲۱۔	تعمیر سولنگ آڑے والا چھ کسی	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۲۲۔	تعمیر سولنگ ملتان کبیروالا روڈ تا بی ایم موضع سوگی	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"

نمبر	تفصیل					
۲۳-	تعمیر پلیات چاہ کنڈیاں والا موضع ۳ کسی			۲۰۰۰۰	۴۰۰	″
a-۲۳-	سپیشل مرمت گنز پتہ روڈ			۲۸۰۰۰۰	۵۶۰۰	″
۲۴-	سولنگ و نالی ۵ کسی			۷۰۰۰۰	۱۴۰۰	″
۲۵-	تعمیر پلیات ایل ر ۲۰			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
a-۲۵-	سولنگ بقیہ حصہ جہانگیر آباد ۱۰- آر ر ۱۰۹			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۲۶-	نالیاں و سولنگ ایل ر ۱۵			۲۵۰۰۰	۵۰۰	″
۲۷-	تعمیر مسافر خانہ پل رانگو			۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
a-۲۷-	سولنگ اندرون چک نمبر ۱۰ آر ر ۱۰۳ مکان عبدالحمید تا رشید			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۲۸-	ٹیلنگ گرلز سکول اطراف جامع مسجد مونگانوالہ			۴۵۰۰۰	۹۰۰	″
۲۹-	سولنگ کوٹ میلا رام تا چاہ سیالانوالہ			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
a-۲۹-	تبدیلی چھت کمرہ جات و مرمت ڈی ر آر ۱۰ آر ر ۱۹۴			۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۳۰-	سولنگ و نالی کونسلر محمد اشفاق شاہ کوٹ			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۳۱-	نالی جامع مسجد کریم بخش جمن آباد			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۳۲-	نالی موضع جمن آباد کھولو واتوالہ			۲۰۰۰۰	۴۰۰	″
۳۳-	نالی گلی لوہاراں والی شاہ کوٹ			۲۵۰۰۰	۴۰۰	″
a-۳۳-	سولنگ چک نمبر ۱۰- آر ر ۱۹۶ سیالانوالہ			۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۳۴-	سولنگ و نالی یونین کونسل شاہکوٹ			۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۳۵-	سولنگ و نالی بائی پاس سے سڑک عبدالغفور			۱۵۰۰۰	۳۰۰	″
۳۶-	سولنگ و نالی دھنوے والا ۸ کسی			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۳۷-	نالیاں چک نمبر ۱۰- آر ر ۱۷۱			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۳۸-	سولنگ بنی عبدالشکور اے ایچ ر ۱۲			۳۵۰۰۰	۷۰۰	″
۳۹-	سولنگ و نالی اندرون اے ایچ ر ۱۲			۳۵۰۰۰	۷۰۰	″
۴۰-	سولنگ و نالی بستی باؤ			۲۰۰۰۰	۷۰۰	″
۴۱-	سولنگ و نالی بستی نواں شہر کندن			۳۵۰۰۰	۷۰۰	″
۴۲-	سولنگ و نالی جھنگ روڈ ماڑی سہو بقایا حصہ			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۴۳-	سولنگ سولنگ و نالی جھنگ روڈ بستی گھمیراں			۴۰۰۰۰	۸۰۰	″
۴۴-	سولنگ و نالی جھنگ روڈ بھوگی شہید			۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۴۵-	سولنگ و نالی جھنگ روڈ بستی ریحان والا			۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۴۶-	سولنگ بستی پٹھاناں والی نزد جھنگ روڈ			۲۰۰۰۰	۴۰۰	″
۴۷-	تعمیر پل زند ماڑی سہو			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۴۸-	تعمیر نالیاں بستی لکھا ماڑی سہو			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۴۹-	سولنگ نواں شہر موضع مست پور			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۵۰-	سولنگ بستی بارہ میل موضع رکن پور			۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۵۱-	تعمیر پل واجباہ مست پور نزد آبادی			۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″

۵۲-	تعمیر پل دربار پیر مباور علی شاہ موری پور	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۵۳-	تعمیر پل نالیاں مبارک پور بستی بھڑوالا	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۵۴-	سولنگ سلار روائیں رنگپور سڑک ہائی وے	۴۰۰۰۰	۸۰۰	"
۵۵-	سولنگ سلار روائیں رنگپور چاہ انصاری والا	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۵۶-	سولنگ سڑک امیر پور تا چاہ سردار والی ڈیرہ محمد یار تصیم	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۵۶-a-	روتھ ورک سولنگ نیلوٹ تا کوٹ مدنی	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۵۷-	تعمیر سولنگ و نالیاں سلار روائیں تصیم	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۵۸-	تعمیر کمرہ ویٹرنری ہسپتال دھنیانی	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۵۹-	تعمیر سڑک ملاں سیداں	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۶۰-	تعمیر پلی راج باہ شاہ دین	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۶۱-	تعمیر سولنگ چک قاضی والہ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۶۲-	ٹیلنگ بستی ہنجن وہی	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۶۳-	تعمیر پلیات کھالہ جات حلقہ مہدی حسین تصیم	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	"
۶۴-	سولنگ متحاقل روڈ یا بلاقی والہ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۶۵-	سولنگ گلی بستی بلوچاں	۱۵۰۰۰	۳۰۰	"
۶۶-	تعمیر پلیات حلقہ مظفر محمود سیال	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۶۷-	سولنگ راجباہ چتوڑ گڑھ	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۶۸-	سولنگ سرور پور سے سولنگ داود چوہدری عبدالقادر سو	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۶۹-	سولنگ متحاقل روڈ سے حق نواز روحیلہ	۴۰۰۰۰	۸۰۰	"
۷۰-	سولنگ سرور پور روڈ سے بھٹی غلام حسین باغ والہ چوہدری محمد شیر تک	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۷۱-	سولنگ سرور پور روڈ سے غلام قادر ہری تک	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۷۲-	سولنگ متحاقل روڈ سے خان بہادر گڑھ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۷۳-	سولنگ متحاقل روڈ سے ولی محمد سکھیرا موضع اوجلہ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۷۴-	سولنگ چھت اڑوکہ راجباہ چتوڑ گڑھ	۱۵۰۰۰	۳۰۰	"
۷۵-	سولنگ خطی چور سے متحاقل روڈ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۷۶-	سولنگ مخدوم پور روڈ سے بھٹی مہر اللہ دتہ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۷۷-	سولنگ گلیاں و نالیاں سکندر آباد ۸- آر ر ۱۱	۴۰۰۰۰	۸۰۰	"
۷۸-	سولنگ گلیاں و نالیاں ۸- آر ر ۱۳	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۷۹-	سولنگ سڑک ریحانہ سہو تا بستی رحمت	۲۵۰۰۰	۱۰۰۰	"
۸۰-	سولنگ بستی ریحانہ سہو تا بہی	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۸۱-	سولنگ بستی ریحانہ سہو تا بستی گورایہ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۸۲-	سولنگ بستی ریحانہ سہو تا بستی ماچھی	۱۵۰۰۰	۳۰۰	"
۸۳-	سولنگ جودھپور روڈ تا بستی عاشق مرا	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۸۴-	تعمیر چار دیواری قبرستان نور پور	۷۰۰۰۰	۱۴۰۰	"

۸۴-a	سپیشل مرمت میاں چنوں 'میاں پکھی	۲۵۰۰۰۰	۵۰۰۰	″
۸۴-b	سپیشل مرمت کورٹ سجان تلہ روڈ	۳۵۰۰۰۰	۷۰۰۰	″
۸۵	مٹی بھرائی سولنگ نور پور تا بوری شاہ	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۸۶	مٹی بھرائی سولنگ کبیر والہ روڈ تا بستی علاول نول	۱۵۰۰۰	۳۰۰	″
۸۷	سولنگ گلیاں و نالیاں اے ایچ ر ۴ جنوبی	۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۸۸	سولنگ گلیاں و نالیاں اے ایچ ر ۵	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۸۹	سولنگ اندرون و بیرون گلی خوشی محمد راجپوت	۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۹۰	مٹی بھرائی سولنگ خانیوال روڈ تا چوہدری والہ	۴۰۰۰۰	۸۰۰۰	″
۹۱	پختگی سڑک کبیر والہ تا بستی بلوچاں	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۹۲	سولنگ کبیر والہ روڈ تا بستی سرگانہ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	″
۹۳	پختگی سڑک مخدوم پور روڈ تا نور پور بقیہ حصہ	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۹۴	سولنگ گلیاں و نالیاں بستی ڈاک والہ	۴۰۰۰۰	۸۰۰	″
۹۵	سولنگ گلیاں و نالیاں بستی قصبہ جودھ پور	۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۹۶	سولنگ گلیاں و نالیاں کھوکھر ٹاؤن	۱۵۰۰۰	۳۰۰	″
۹۷	سولنگ مخدوم پور روڈ سے بستی بابے والی	۳۰۰۰۰	۶۰۰	″
۹۸	سولنگ بائی پاس کبیر والہ روڈ تا خانیوال	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۹۹	سولنگ راجباہ پٹڑی عبدالحکیم	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۰۰	سولنگ نور پور تا دربار محمد علی	۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۱۰۱	مٹی بھرائی سولنگ جودھ پور تا دربار علی صاحب	۱۰۰۰۰	۲۰۰	″
۱۰۲	تعمیر پلیات جہاں پور	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۰۳	تعمیر پلیات اے ایچ ر ۵ و ریحانہ سو	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۰۴	سولنگ دین پور روڈ تا بستی امان اللہ	۴۰۰۰۰	۸۰۰	″
۱۰۵	سولنگ جہان پور روڈ تا بستی اسلم خان پٹھان	۲۵۰۰۰	۵۰۰	″
۱۰۶	سولنگ پٹڑی راجباہ مائنر نمبر ۶	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۰۷	سولنگ سڑک از ۱۰ آر ر ۱۴۰ قطب ۱۰ آر ر ۱۰۳	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۱۰۸	سپیشل مرمت ر برائے سدھ روڈ	۵۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰	″
۱۰۹	سولنگ ۸ بی آئی ایل ر ۱۵ تا میر عاشق سیال	۲۵۰۰۰۰	۵۰۰۰	″
۱۱۰	تعمیر دستکاری سکول چو غد پچو آلہ	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۱۱۱	سولنگ دین پور روڈ تا کوٹھی املتاں 'منیر خاں	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۱۲	سولنگ خانیوال روڈ چک نمبر اے ایچ ر ۴	۴۰۰۰۰	۸۰۰	″
۱۱۳	سولنگ سڑک راجباہ تا اے ایچ ر ۳	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۱۴	سپیشل مرمت ریسٹ ہاؤس عبدالحکیم	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	″
۱۱۵	تعمیر سولنگ گلیاں بوتا سنگھ	۲۵۰۰۰	۵۰۰	″
۱۱۵-a	سولنگ و نالیاں چک نمبر بی آر پی ر ۱۵	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	″
۱۱۶	تعمیر ۲ عدد پلیمائنر کوٹ بجھنی بھٹیاں والی	۲۰۰۰۰	۴۰۰	″

۱۱۷-	سولنگ امید گڑھ تا بلوچاں	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۱۸-	سولنگ کوٹ ملونہ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۱۹-	تعمیر پل راجباہ شہر گڑھ بالمقابل ٹمڈہ والا	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۱۲۰-	تعمیر نالیاں بستی ٹھکرال موضع سرفراز پور	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۱۲۱-	توسیع سولنگ لیاقت خاں ہٹ بطرف چدھڑوالہ	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۲۲-	سولنگ موضع شیر گڑھ	۲۰۰۰۰	۴۰۰	"
۱۲۳-	سولنگ گلیاں بستی کھیم سنگھ والہ کوٹ مولچند	۱۵۰۰۰	۳۰۰	"
۱۲۴-	سولنگ گلی چوہدرری لقمان کھوکھروالی	۱۵۰۰۰	۳۰۰	"
۱۲۵-	سولنگ و نالی چاون موضع مولہ پور	۲۵۰۰۰	۵۰۰	"
۱۲۵-a-	سپیشل ریٹ سڑک جنڈیالہ بنگلہ ایل ۱۵ر۹۳	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۲۶-	سپیشل موہری پور تا رائے پور	۳۰۰۰۰	۶۰۰	"
۱۲۷-	تعمیر پلی ۱۰ آر ر ۱۴۳	۱۰۰۰۰	۲۰۰	"
۱۲۸-	توسیع سولنگ چک نمبر ۱۰ آر ر ۳۲، ۳۱	۳۰۰۰۰۰	۶۰۰۰	"
۱۲۹-	تعمیر پلیات حلقہ رانا منیر احمد خان	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۰-	سولنگ چک نمبر ۱۰ آر ر ۱۶۷	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۱-	سولنگ چک شاہانہ روڈ سے ۱۰ آر ر ۷۳	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۲-	سولنگ چک ۱۰ آر ر ۹۰ بستی جھنڈیر	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۳-	سولنگ چک ۱۰ آر ر ۸۸	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۴-	توسیع سولنگ سڑک موئی واک بطرف کوٹ سبحان سنگھ	۳۸۴۰۰۰	۷۶۸۰	"
۱۳۵-	پختگی سڑک ۱۵ ایل ر ۱۳۶ چوبارہ والی	۲۵۰۰۰۰	۵۰۰۰	"
۱۳۶-	سولنگ گوئید گڑھ مائنز چاہ نذیر جٹ والا تا گلاں والہ	۶۰۰۰۰۰	۱۲۰۰	"
۱۳۷-	سپیشل مرمت پل وکدی سگانہ بستی بے قراری	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"
۱۳۸-	سولنگ و نالیاں چک نمبر بی آر ۸ ر ۱۷	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰	"

ضلع کونسل خانیوال

اشتہار نیلام بقایا ٹھیکہ جات

ضلع کونسل خانیوال کے درجہ ذیل ٹھیکہ جات مورخہ ۹۱-۹-۴ بوقت ۱۰ بجے صبح دفتر ضلع کونسل میں نیلام کئے جائیں گے۔ شرائط نیلام دفتر سے ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ٹھیکہ جات: ۱- گذر بو پڑی آیا کھیڑا ۲- دکان نمبر ۷ کچا کھوہ ۳- آراضی پرانا پل تلمبہ ۴- دکان نمبر ۷ کچا کھوہ سرائے

نوٹ: دوسری بار نیلامی مورخہ ۹ ستمبر کو تیسری مرتبہ نیلامی مورخہ ۹۱-۹-۱۴ کو ہو گی۔

کوٹیشن مطلوب ہیں۔

ضلع کونسل خانیوال کو اپنے ویٹرنری ہسپتال ہائے کے لئے چار لاکھ مالیت کی دیسی رانگریزی رپٹینٹ ادویات و اوزارات خرید کرنے مطلوب ہیں۔ خواہشمند حضرات دوا ساز کمپنیاں جو ادویات سپلائی کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اپنی کوٹیشن ٹینڈر بمعہ کال ڈیپازٹ -ر ۳۰۰۰ روپے کے حساب سے زیر دستخطی کو ارسال کریں۔ کوٹیشن مورخہ ۹۱ - ۹ - ۲۱ تک دفتر ہذا میں پہنچ جانی چاہئے جو کہ اسی دن ٹھیکیداران کی موجودگی میں کھولی جائیں گی فہرست ادویات ضلع کونسل سینئر ویٹرنری آفیسر خانیوال سے ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

وظائف

ضلع کونسل خانیوال کو ضلع خانیوال کے دیہی علاقہ کے ذہین رمستحق طلباء طالبات سے وظائف برائے سال ۹۲ - ۱۹۹۱ء کے لئے مجوزہ فارم پر درخواستیں مورخہ ۹۱-۹-۱۶ تک درکار ہیں۔
درخواستیں تعلیمی ادارہ کے سربراہ و رہائشی حلقہ کے ممبر ضلع کونسل خانیوال سے تصدیق شدہ ہونی چاہئیں۔ وظائف فارم دفتر ضلع کونسل سے قیمتاً حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

المشتہر
ملک غلام مرتضیٰ متیلا
چیئرمین ضلع کونسل خانیوال

آئی پی ایل ۶۷۷۰